پاکستان میں مروج زرعی نظام
اسلام کے تناظر میں تحقیقی وتنقیدی جائزہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اسلامیات)

مقالہ نگار

زاہدہ پروین

found.

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون ۲۰۱۰ء

پاکستان میں مروج زرعی نظام
اسلام کے تناظر میں تحقیقی وتنقیدی جائزہ

مقالہ نگار

زاہدہ پروین

ایم اے (اسلامیات) بی ایڈ، ایم ایڈ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اسلامیات)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ

found.

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون ۲۰۱۰ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف ایڈوانس انگریجویٹ سٹڈیز اینڈ ریسرچ کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **پاکستان میں مروج زرعی نظام**
اسلام کے تناظر میں تحقیقی وتنقیدی جائزہ

پیش کار: زاہدہ پروین رجسٹریشن نمبر 187-Phd/IS/2004

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: علوم اسلامیہ

ڈاکٹر سید علی انور صاحب ________________
(مقالے کے نگران کا نام) (مقالے کے نگران کے دستخط)

ڈاکٹر شذرہ منور ________________
(ڈین اے آئی ایس اینڈ آر کا نام) (ڈین اے آئی ایس اینڈ آر کے دستخط)

میجر جنرل (ر) مسعود حسن ________________
(ریکٹر کا نام) (ریکٹر کے دستخط)

____
تاریخ

اقرار نامہ

میں، زاہدہ پروین حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے پی ۔ایچ ۔ڈی (اسلامیات) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر سید انور علی صاحب کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

زاہدہ پروین

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز ،اسلام آباد

جون ۲۰۱۰ء

تصدیق نامہ

زاہدہ پروین نے اپنا مقالہ برائے پی ۔ایچ ۔ ڈی (اسلامیات) ''پاکستان میں مروج زرعی نظام اسلام کے تناظر میں تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' میری نگرانی میں لکھا ہے۔ یہ مقالہ تحقیقی اور تنقیدی دونوں حوالوں سے پی ۔ایچ۔ڈی کے معیار کے مطابق ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ اس مقالے کو جانچ کے لیے بیرونی ممتحین کو بھجوایا جائے۔

ڈاکٹر سید انور علی

نگران مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون ۲۰۱۰ء

فہرستِ ابواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ امّا بعد:

مجھے 2004ء میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد میں پی ایچ ڈی اسلامیات میں داخلہ ملا یہاں پی ایچ ڈی کلاس ورک کے دوران بہت زیادہ محنت کرنا پڑی۔ کیونکہ فوجی ماحول تھا اور بہت محنتی اساتذہ تھے بڑی بڑی اسائنمنٹس اور Presentations کی تکمیل کے محنت طلب مراحل سے گزرنا پڑا۔ خصوصی طور پر ڈاکٹر بریگیڈیر(ر) عزیز احمد خان ریکٹر نمل، ڈاکٹر بریگیڈیر(ر) اللہ بخش صدر شعبہ تعلیم، ڈاکٹر ضیاء الحق صدر شعبہ اسلامیات، ڈاکٹر علی انور صدر شعبہ عربی، ڈاکٹر علی اصغر چشتی چیئرمین شعبہ حدیث علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد اور ڈاکٹر تاج الدین بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے مقالہ لکھنے کی مکمل تربیت فرمائی۔ یونیورسٹی سے مجھے پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "پاکستان میں مروج زرعی نظام: اسلام کے تناظر میں تحقیقی وتنقیدی جائزہ"۔

پاکستان میں مروج زرعی نظام کے مسائل کی وضاحت کے سلسلے میں دور نزدیک سے رابطہ کیا گیا لیکن تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ بات سامنے آئی کہ اس موضوع پر ابھی تک کوئی باقاعدہ تحقیقی کام نہیں ہوا چنانچہ موجودہ صورتحال کے بارے میں تسلی بخش وضاحت حاصل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بحث کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان الجھنوں کا معقول حال سامنے آسکے اس مقصد کے لئے تحقیقی مقالے کا موضوع ''پاکستان میں مروج زرعی نظام کا اسلام کے تناظر میں تحقیق وتنقیدی جائزہ'' ملکی اور قومی ضرورت وافادیت کے پیش نظر منتخب کیا گیا ہے تاکہ آئندہ پیش آمدہ زرعی مسائل کی حل میں مدد ومعاون بن سکے۔

کسی بھی ملک کی خوشحالی اور ترقی کا انحصار اس کے مضبوط اور مستحکم نظام معیشت پر ہوتا ہے۔ موجودہ دور معاشی جنگ کا دور ہے۔ عالی سطح پر معاشی جنگ میں ظلم واستحصال کا سب سے بڑا ذریعہ سرمایہ دارانہ معیشت کو وہ عالمگیر نظام ہے جس کی اساس سودی نظام پر قائم ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر زرعی معیشت کا حامل ملک ہے جس کی آبادی کا 80% کھیتی باڑی سے وابستہ ہے اس لیے معیشت کے شعبوں کو زیادہ تر بالواسطہ یا بلاواسطہ خام مال اسی شعبے سے مہیا ہوتا ہے۔ ایک بہتر اور خوشحال معاشرے کی تشکیل وتعمیر کے لئے ایک متوازن نظام معیشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک صحت مند نظام کا کام یہ ہوتا ہے کہ معاشی سرگرمیوں کو

مناسب حدود اور تعمیری انداز روبہ عمل آنے کا موقع دے لیکن اس پر بھی نگاہ رکھے کہ یہ سرگرمیاں زندگی کے اعلیٰ مقاصد اور اقدار کے لئے نقصان دہ نہ بننے پائیں۔

عالم اسلام اور پاکستان کا بنیادی مسئلہ ایک بہتر اور متوازن معاشی نظام کی تشکیل ہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک معیشت اور معاشرت کو مجموعی طور پر اسلام کے تابع نہ کر دیا جائے۔ زرعی نظام کسی بھی معاشی نظام کا ایک اہم جز ہوتا ہے۔ معاشی جبر و استبداد اور ظلم و استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ زرعی نظام ہے جس کی بیخ کنی کیے بغیر یہاں سماجی انصاف کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ قوم کے افراد میں باہم تعاون اور اشتراک معاشی استحکام اور اخلاقی ترقی کے لئے ہاتھ بٹانے کا جذبہ فروغ نہیں پا سکتا۔ ہمارا موجودہ زرعی نظام انگریز کا پیدا کردہ ہے۔ انگریز نے برصغیر میں جاگیرداری نظام کے ذریعے اپنے وفادار طبقے کو آگے بڑھایا۔ یہ طبقہ برصغیر میں انگریز کے اقتدار کے استحکام کا ایک ستون بنا رہا۔ جاگیردار انگریز کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے اور انگریز جاگیردار طبقہ کے مفادات و مراعات کا تحفظ کرتا تھا۔ برصغیر کی ساری سیاست اسی نظام کے گرد گھومتی تھی۔ ایک ظالمانہ نظام جس کی بنیاد سرمایہ داری پر تھی کروڑوں انسانوں پر مسلط کر دیا گیا۔ پاکستان کا قیام عمل میں آتے ہی زمیندار اور جاگیردار ملک پر مسلط ہو گئے۔ پاکستان کو وجود میں آئے پانچ عشرے ہونے کو آئے، بے شمار حکومتیں آئیں اور چلی گئیں، بڑے بڑے مطلق العنان اور بااختیار حکمران رعب و دبدبہ کے ساتھ اقتدار پر رہ کر من مانی کر کے رخصت ہوئے لیکن قوم کی ترقی اسی جگہ پر رکی ہوئی ہے جہاں قیام پاکستان کے وقت انگریز چھوڑ کر گیا تھا۔

کسی بھی عام انسانی ضرورت کو لے لیں ہر طرف پسماندگی ہی پسماندگی ہے۔ ابتری ہی ابتری اور بے توجہی نظر آئے گی۔ ہماری مملکت مصائب و مشکلات کا شکار ہے۔ ان خرابیوں کی بڑی وجہ انگریز کا قائم کردہ زرعی نظام، بڑے زمینداروں کی نااہلی، باہمی رقابت اور مقتضیات زمانہ سے ناواقفیت ہے۔ انہی زمینداروں اور جاگیرداروں نے ملک کی اقتصادیات میں بدنظمی پیدا کی، خاندانی رقابتوں کو سیاسی کشمکش کی شکل دے دی۔ ملکی سیاست پر قبضہ جما لیا۔ پاکستان کے تین لاکھ دس ہزار مربع میل رقبہ کو اپنی اراضی سمجھتے ہیں۔ حکومت و اقتدار کا تصور بھی وہ ہے جو مالکان اراضی کا ہوتا ہے۔ مثلاً اسے فروخت بھی کیا جا سکتا ہے، خریدا بھی جا سکتا ہے، رہن بھی رکھا جا سکتا ہے اور پٹے پر بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس پر اپنی مرضی کے لوگوں کو بسایا جا سکتا ہے اور اپنی مرضی سے بے دخل بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ طبقہ روایتی طور پر حکمرانی اور اقتدار کو اپنا موروثی حق سمجھتا ہے۔ قوم کی حیثیت ان کے نزدیک مزارعوں اور ہاریوں کی سی ہے جنہیں بے زبان ہونا چاہیے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ

قیام پاکستان کے ساتھ ہی اس مفسدانہ نظام کا خاتمہ کر دیا جاتا لیکن افسوس ایسا نہ ہوسکا۔ یہ نظام نہ صرف قائم و دائم ہے بلکہ اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ پھل پھول رہا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں جمہوریت اس لیے مضبوط بنیادوں پر قائم ہے کہ وہاں تقسیم کے ساتھ ہی زرعی نظام میں تبدیلی کر دی گئی۔ بڑی بڑی زمینداریوں کا خاتمہ کر دیا گیا، لگان کی شرح کم کر دی گئی، مزارعین کو قبضہ کے مستقل اور موروثی حقوق دیے گئے۔ پاکستان میں موجود زرعی نظام کے مفاسد اور اس نظام کی خرابیوں کا یہ ادراک و اعتراف ہی تو تھا جس کے نتیجے میں نام نہاد ''زرعی اصلاحات'' کا ڈول ڈالا گیا۔ چونکہ قوت کا اصل سرچشمہ جاگیردار اور زمیندار ہی تھے اور ظاہر ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس شاخ کو کاٹ ڈالیں گے جس پر ان کا اپنا آشیانہ اور ان کے مفادات اور مراعات کا کامل دارومدار ہے لہٰذا یہ اصلاحات سنار کی کھٹ کھٹ سے زیادہ ثابت نہ ہوئیں اور زرعی نظام علیٰ حالہ جوں کا توں قائم ہے۔

پاکستان کے انہی زمینداروں اور جاگیرداروں کی باہمی رقابت کی وجہ سے پانی کی تقسیم ایک ایسا مسئلہ ہے جو کہ پاکستان کے اہم ترین بین الصوبائی مسائل میں شامل ہے اور بعض اوقات یہ ہماری قومی یکجہتی کے لیے ایک بڑا خطرہ بنتا نظر آتا ہے۔ یہ معاملہ مختلف صوبوں کے رہنماؤں اور ماہرین اقتصادیات کے درمیان جھگڑے اور بحث و تمحیص کا باعث بنا ہوا ہے۔ اس کا اسلامی حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دینِ اسلام کے مطابق کسی دریا کے پانی پر ایک صوبے کا کتنا حق ہے۔ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم پر جھگڑا ہے تو حکومت پورے ملک کو ایک اکائی سمجھتے ہوئے پانی کی منصفیانہ تقسیم کو یقینی بنانے کے لئے صوبے کے کل قابلِ کاشت رقبے کو معیار بناتے ہوئے اسی نسبت سے پانی تقسیم کرے اور اگر کالا باغ ڈیم کی تعمیر اجتماعی مصلحت کے لئے ضروری ہو تو متاثر ہونے والے صوبے کے ممکنہ نقصان کا اجتماعی فائدے سے موازنہ کیا جائے۔ اگر ماہرین کی نظر میں اجتماعی فائدہ زیادہ ہے تو اسے بنایا جائے اور نقصان زیادہ ہو تو اسے ترک کر دیا جائے۔

ملک کے معاشی استحکام کی خاطر مختلف ادوار میں مختلف حکومتوں نے کئی قسم کی اصلاحات کیں جن میں زرعی شعبہ کو ترقی دینے کی خاطر زرعی اصلاحات بھی شامل ہیں اور ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دیگر محاصل کے علاوہ زراعت پر بھی کئی قسم کے ٹیکس عائد کیے گئے۔ پچھلے چند سالوں میں ''زرعی ٹیکس کا نفاذ'' متنازعہ فیہ مسئلہ چلا آرہا ہے چنانچہ مذکورہ صورتِ حال کے بارے میں تسلی بخش وضاحت حاصل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بحث کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان الجھنوں کا معقول حل سامنے آسکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے حالات کو بہتر بنانے تباہی سے بچانے ،عوام کا معیار زندگی بلند کرنے، بدعنوانی اور اقربا پروری کا خاتمہ کرنے، رشوت ستانی اور اخلاق باختگی کے خاتمے، پانی کی صوبوں کے درمیان منصفانہ تقسیم، زرعی ٹیکس کے نفاذ کا کوئی جواز ہے یا نہیں کے لئے ہمیں موجودہ زرعی نظام میں تبدیلی لانا ہوگی۔ پسماندگی اور جہالت کو دور کرنے کے لئے افراد کو مالی طور پر خودکفیل بنانا ہوگا۔ غلامی کے ہاتھوں ان کی گمشدہ عزت بحال کرانا ہوگی۔ سیاسی نظام میں تبدیلی لانا ہوگی، قیادت کو بدلنا ہوگا۔

حالات تقاضا کرتے ہیں کہ انقلابی تبدیلی کے لئے انقلابی اقدامات کیے جائیں۔ایک حساس مسلمان اور پاکستانی جس کا دل ملکی بقاء اور سلامتی کے لئے دھڑکتا ہے اس کو ذرہ برابر بھی وطنِ عزیز کی ترقی اور خوشحالی مطلوب ہے اور وہ چاہتا ہے کہ حالات میں بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو تو زرعی نظام کی اصلاح کی جائے تا کہ معاشرے میں ہر کوئی جائز اور باعزت مقام پا سکے۔لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ پاکستان میں مروج زرعی نظام کو اسلام کے اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے اور زرعی نظام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقدامات سے رہنمائی حاصل کی جائے۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح پاکستان میں موجود معاشی نظام کو تبدیل کر کے ایک ایسے نظام کی بناء ڈالے جو ہمارے دین و مذہب کے تابع ہو۔اس سمت میں پیش قدمی کے لئے پہلا قدم زرعی نظام میں تبدیلی ہونا چاہیے جس کے لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرعی منصوبہ بندی کو مشعل راہ بنانا ہوگا۔اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہی ہماری دینی اور دنیاوی کامیابی کا انحصار ہے اور ہم وقت کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔مختصراً یہ کہ موضوع کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر اسلامی قوانین کی روشنی میں پاکستان کے مروج زرعی نظام کا جائزہ لیا جائے تا کہ مستقبل میں اس مطالعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے، زرعی معیشت کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا اس کا ایک اہم مسئلہ ہے۔اس حوالے سے زیرِ نظر عنوان کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر وسیع پیمانے پر تحقیق کی بڑی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ مذکورہ صورتحال کی بارے میں تسلی بخش وضاحت حاصل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بحث کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ان الجھنوں کا معقول حل سامنے آ سکے۔اس مقصد کے لئے تحقیقی مقالے کا موضوع ''پاکستان میں مروج زرعی نظام کا اسلام کے تناظر میں تحقیق اور تنقیدی جائزہ'' ملکی وقومی ضرورت، افادیت کے پیشِ نظر منتخب کیا گیا ہے تا کہ آئندہ پیش آمدہ زرعی مسائل کے حل میں مدد و معاون بن سکیں۔

مقالے کا دائرہ کار

مقالہ ہٰذا کا عنوان "پاکستان میں مروج زرعی نظام: اسلام کے تناظر میں تحقیقی وتنقیدی جائزہ" ہے۔
جب سے حضرت انسان کو دنیا میں بھیجا گیا تو اس کرۂ ارض پر قدرتی زراعت کا ایک مفید اور طویل سلسلہ موجود تھا۔ دیگر مخلوقات (یعنی چرند پرند اور درند) کی بھی معقول تعداد اس کرۂ ارض پر موجود تھی۔ حضرت انسان نے ان تمام چیزوں کو اپنے ساتھ مانوس کر کے اور ان سے کام لے کر اپنے لئے فوائد حاصل کئے۔ الہٰذا زراعت کے تاریخی آثار ہمیں زمانہ قدیم سے ہی ملتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس موضوع پر بہت زیادہ تحریری مواد دستیاب نہیں ہے۔ مزید برآں بہت ہی قدیم تاریخ کی بابت بات کر کے شاید ہم موضوع سے بھی ہٹ جاتے اس لئے مقالہ ہٰذا میں "زراعت قبل از اسلام" سے متعلق ضروری بحث کے بعد اسلام کے نزول کے بعد سے عہد نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں رائج کی گئی زرعی اصلاحات واقدامات اور زرعی قوانین پر تفصیلی بات کی گئی ہے۔
پھر اسلام میں زمینداری کی احکامات اور زمینوں کے آبادکاری کی منصوبوں پر روشنی ڈالتے ہوئے موجودہ نظام زمینداری اور اسلامی نظام کا تقابل کیا گیا ہے اور اسلامی نظام کی برتری کو واضح کیا گیا ہے۔ بعد ازاں مزارعت سے متعلق فقہائے اسلام کی آراء کو بیان کیا گیا ہے۔ مقالہ میں یہ بحث بھی کی گئی ہے کہ زرعی نظام میں پانی کی اہمیت کیا ہے؟ اور اسلام آبپاشی کے لئے کیا منصوبہ بندی پیش کرتا ہے؟ برصغیر پاک و ہند میں زرعی نظام کے پسِ منظر اور پاکستان پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔
آخری ابواب میں بحث کو سمیٹتے ہوئے اسلام کے نظام زرعی محاصل اور پاکستان میں مروج زرعی ٹیکس کے قوانین کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ جبکہ وطن عزیز کے موجودہ مالی حالات میں زرعی اراضی پر ٹیکس گزار طبقوں میں نسبت، زرعی آمدنی پر ٹیکس کے جواز وعدم جواز سے متعلق روشنی ڈالی گئی ہے۔
مقالہ سے عملی استفادہ کے لئے اس کے اخیری صفحات میں پاکستان کے زرعی نظام کے لئے اصلاح و تجاویز اور سفارشات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

ABSTRACT

Thesis Title: Agricultural System of Pakistan

Research and Critical Analysis in Islamic Perspective

Agricultural system of any country plays a pivotal role in its survival as well as its development. A huge percentage of raw materials are obtained through this most important sector for other economic sectors systems such as industry, energy, food, etc. In today's world, various economic/religious systems are in use, but exact and precise solutions and just distribution of resources is not found anywhere. Every knowledgeable person knows that Islam is the only religion that offers reasonable solution to complete humanity and every field of life. Pakistan came into being in the name of Allah and to implement the systems of Islam. So it is the utmost requirement for the survival and development of the country that an agricultural system whose agricultural statutes and regulations are based upon the Islamic values and philosophies and where 80% of population is affiliated with agriculture.

After emegence of Pakistan, unfortunately, the same faction of "*Jagirdars*" and "*Zamindars*" occupy the ruling class of the country and tried to run the same system which depicts the British unjust and cruel state of mind. Consequences of this unjust system can now be seen everywhere in the country. Because of this feudal system and unfair structure, agricultural development is not found anywhere; distribution of water resources has become a national problem; imposition of agricultural tax is a dilemma, etc.

So the need of the time is that we have to develop and implement such a agricultural strategy which not only strengthen our prevailing feeble agricultural system but also make it alive upto the level that really stand our country into the line of developed countries. So we have to put into practice the system of Islam.

The said thesis is being presented to serve the same purpose. In the thesis, the undersigned has narrated the agricultural systems before Islam, how human beings knew about the soil and the blessing found underneath the earth. Then agricultural system in the era of Prophet Muhammad P.B.U.H. and four Caliphs has been discussed. The revolutionary steps taken by Prophet Muhammad P.B.U.H in the field of agriculture are of great

importance, as a result of these measures, huge pieces of land were made useful. In the Chapter-III, I have thrashed out the rulings regarding land-lordship and strategies to colonize the lands. In this chapter, there is also a comaprison between the Islamic system and contemporary system. In the next chapters, the undersigned has also referred to the opinions of Islamic Jurisprudence. The importance of irrigation in agricultural system and Islmaic approach towards irrigation has also been outlined. Through these paragraphs, there is an effort to resolve the disputed issue of distribution of water in the country. Background of agricultural system of Sub-continent of Indo-Pak and its impacts on Pakistani agricultural system are talked about. In addition, there is a detailed discussion in the thesis regarding Islamic System of Agricultural Levies and Prevailing Laws of Agricultural Taxes in Pakistan. In the end, recent financial position of Pakistan and comparison between different taxpayer groups of agricultural land; feasibility of imposition of taxes on agricultural income; suggestions regarding reforms in agricultural system of Pakistan are also discussed in detail in the thesis.

مقالے کے مقاصد

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور موجودہ دور میں دنیا اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ عصرِ حاضر میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو جدید دنیا کے تمام تقاضوں کو بدرجہ اتم پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔مگر یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ بدقسمتی سے شاید اہلِ اسلام ہی اسلامی نظام کو اچھے طریقہ سے سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔وجہ غالباً اس کی یہ رہی ہے کہ اسلام کے نظام عبادات پر تو بہت ہی زیادہ توجہ دی گئی مگر دیگر دنیاوی امور و معاملات میں اس کی رہنمائی سے استفادہ نہ کیا جا سکا۔

کسی بھی ملک کی خوشحالی اور ترقی کا انحصار اس کی مضبوط معیشت پر ہوتا ہے۔زرعی نظام کسی بھی معاشی نظام کا ایک انتہائی اہم حصہ ہوتا ہے۔ جبکہ پاکستان تو بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے جس کی آبادی کا 80 فیصد کھیتی باڑی سے منسلک ہے۔ملکی معیشت کے شعبوں کو زیادہ تر بالواسطہ یا بلاواسطہ خام مال اسی شعبہ سے مہیا ہوتا ہے۔یقیناً تمام شعبہ ہائے زندگی کی طرح زرعی نظام کو بھی اسلام کے تناظر میں ڈھالنا اور رائج کرنا بھی اہلِ پاکستان کی ایک خواہش رہی ہے اور رہنا بھی چاہیے اس لئے کہ کسی بھی اسلامی ملک کے تمام نظام ہائے مملکت کو اسلام کی عکاسی کرنا چاہیے۔

راقم الحروف کے سامنے زیرِ نظر مقالہ کا انتخاب اور پھر اس پر کام کرنے کے پسِ منظر میں درج ذیل مقاصد رہے ہیں:

۱) زیرِ نظر تحقیق کام کا ایک مقصد راقم الحروف کا پی ایچ۔ڈی (Ph.D) کی ڈگری کیلئے مطلوبہ ہدف کو پورا کرنا ہے۔

۲) کسی مصنف کی تالیف کردہ تحریر کا مطالعہ کرنا ایک علیحدہ بات ہے اور خود کسی موضوع پر قلم اٹھانا اور تحقیق کر کے مواد اکٹھا کرنا ایک علیحدہ بات اور یہی چیز (یعنی شعبۂ تحقیق میں Involvement) راقم الحروف کیلئے ہمیشہ سے دلچسپی کا باعث رہی ہے ۔

۳) زیرِ نظر تحقیق کا سب سے اہم اور بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے کیونکہ کسی بھی نظام کی تشریح اسلام کی رو سے کرنا اور اس نظام میں اسلامی نکات کا اجاگر کرنا یقیناً ایک سعادت ہے۔

۴) زیرِ نظر تحقیق کا ایک مقصد اس بات کو بجا طور پر یہ ثابت کرنا بھی ہے کہ اسلام یقیناً ایک مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے متعلق تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

۵) پاکستان میں مروج زرعی نظام کا اسلام کے تناظر میں جائزہ لیتے ہوئے یہ بات بھی سامنے آئی کہ اس شعبہ میں ابھی تک کوئی باقاعدہ تحقیقی کام نہیں ہوا لہٰذا یہ بات بھی راقم الحروف کی تحقیق کا ایک مقصد ٹھہری۔

۶) موجودہ زرعی نظام کے مسائل کا حال اوران کی تسلی بخش وضاحت حاصل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بحث کرنے کی ضرورت اور ان الجھنوں کا معقول حل پیش کرنا بھی میرے نزدیک ایک اہم مقصد رہا ہے۔

۷) اردو زبان میں اس موضوع پر اتنا وسیع کام کسی ایک کتاب میں یکجا نہ تھا، لہٰذا یہ ضرورت بھی راقم کیلئے زیرِ نظر مقالہ/تحقیق کا ایک مقصد رہی ہے۔

۸) یہ بات کسی بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ پاکستان کا موجودہ زرعی نظام انگریز کا ایجاد کردہ ہے، جس نے اس خطے یعنی برصغیر میں جاگیرداری نظام کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے پروان چڑھایا۔ بدقسمتی سے یہی جاگیردار اور زمیندار پاکستان کا قیام عمل میں آتے ہی ملک خداداد پر مسلط ہو گئے اور یہی نظام اور یہی لوگ پاکستان کی ترقی میں ایک مستقل رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ زیر تحقیق مقالہ میں مقدور بھر کوشش کی ہے کہ موضوع زیرِ بحث کا اسلامی تناظر میں تقابل کے ساتھ ساتھ قابل عمل تجاویز بھی پیش کی جائیں۔

اظہارِ تشکّر

میں سجدۂ شکر بجا لاتی ہوں رب ذوالجلال کے حضور جس نے مجھے تحصیل علم کے اس درجہ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لاکھوں درود و سلام ہوں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات پر جن کی معرفت امت کو اقراء کا حکم پہنچا اور ہر ادنیٰ اور اعلیٰ پر علم کی راہیں آسان ہوئیں۔

میرے شکریہ کے بہت زیادہ مستحق میرے پیارے والدین ہیں جن کی محبتوں اور شفقتوں اور دعاؤں نے مجھے شاہراہِ علم پر ڈالا اور تحقیق کی اس منزل تک پہنچنے کے لئے میری سرپرستی فرمائی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو اسکا بہترین صلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ (آمین)

میں شکر گزار ہوں اپنے خاوند تنویر احمد کی جنہوں نے تحقیق کے اس کام میں نہ صرف قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی، اپنے مفید اور کارآمد مشوروں سے بھی نوازا بلکہ بچوں اور گھریلوں ذمہ داریوں میں بھی تعاون کیا۔

ڈاکٹر سید علی انور صاحب، چیئرمین شعبہ عربی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد، میرے اس تحقیقی کام کے نگران مقرر ہوئے۔ پورے عرصۂ تحقیق کے دوران میرے ساتھ ان کا سلوک مکمل مشفقانہ رہا، تحقیق کے اس کٹھن دور میں وہ میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ ان کی ماہرانہ نگرانی کی بدولت یہ تحقیقی کام مکمل ہوا، اس شفقت، حوصلہ افزائی اور رہنمائی پر میں انکی شکر گزار ہوں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور بدست دعا ہوں۔

ناشکری ہوگی اگر میں اس موقع پر جناب پروفیسر ڈاکٹر ضیا الحق ڈین و چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد کا ذکر نہ کروں جن کی طرف سے مسلسل ترغیب نے مجھے پی ایچ ڈی کی سطح پر کام کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ دوسروں کو علمی جدو جہد پر ترغیب دینے، آگے بڑھنے کی راہ دکھانے کا یہ جذبہ ڈاکٹر ضیاء الحق کی علم دوستی اور انسانوں سے محبت کا بہترین ثبوت ہے۔ مجھ جیسے کئی طالب علم ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہروقت دعا گو ہوں گے۔ پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی چیئرمین شعبہ حدیث علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے ہروقت مجھے محبت، خلوص اور شفقت سے نوازا اور مجھے اپنے تحقیقی کام میں باقاعدگی سے محنت کرنے کی ہمیشہ تلقین اور رہنمائی کی۔

اس سفرِ تحقیق میں بہت سے ایسے محسنوں سے واسطہ پڑا جن کا تعاون اگر حاصل نہ ہوتا تو شاید منزلوں کی قربت میسر نہ آسکتی۔ایسے ہی لوگوں میں میں شکرگزار ہوں محترم ڈاکٹر عبدالغفار بخاری صاحب شعبہ علوم اسلامیہ، نمل یونیورسٹی جنہوں نے تحقیق کے مرحلے میں میری معاونت فرمائی۔

میں شکرگزار ہوں ڈاکٹر علی اصغر چشتی صاحب ،صدر شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی جنہوں نے نہ صرف مفید مشوروں سے نوازا بلکہ اس یونیورسٹی کی لائبریری کو استعمال کرنے میں بھی میری معاونت کی۔

میں شکرگزار ہوں محترم جناب ڈاکٹر تاج الدین صاحب، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی جنہوں نے اصل عربی ماخذ تک رسائی میں میری مدد کی۔

میں شکرگزار ہوں ڈاکٹر خالد علوی، ادارہ تحقیقات اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی جنہوں نے اس موضوع سے متعلق مواد اکٹھا کرنے میں میری معاونت کی۔

میں شکرگزار ہوں مقصود بھائی کی جنہوں نے مقالے کی کمپوزنگ اور فنی امور میں خلوص اور بے لوثی کے جذبے سے تعاون کیا اور اسکو موجودہ شکل میں پیش کرنے کے قابل بنایا۔اسی طرح جن لائبریریوں اور اداروں سے راقم نے استفادہ کیا ان کے عملے اور وہ لوگ جن سے اس کام کے سلسلے میں کچھ بھی تعاون ملا ان سب کی خدمت میں راقم سپاس گزار ہے۔

میرے بھائی ،بہنیں،عزیز و اقارب، کالج اور پی ایچ ڈی کے ساتھی وقتاً فوقتاً میرے اس کام سے متعلق پوچھتے اور دعائیں کرتے رہے۔تکمیل مقالہ کے موقع پر ان تمام کا سپاس گزار ہوں اور اللہ تعالٰی سے دعا کرتی ہوں کہ ان تمام کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا فرمائے۔

اس مقالہ کی تیاری کے لئے درج ذیل کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ لائبریری نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

۲۔ لائبریری علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۳۔ لائبریری شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۴۔ لائبریری ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۵۔ مرکزی لائبریری بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۶۔ فیصل مسجد لائبریری، اسلام آباد۔

۷۔ لائبریری اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد۔

۸۔ لائبریری جامعہ محمدیہ، چائنہ چوک، اسلام آباد۔

۹۔ مقتدرہ قومی زبان لائبریری، اسلام آباد۔

۱۰۔ فیڈرل لاء ہاؤس، مری روڈ، راولپندی۔

۱۱۔ لائبریری جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

۱۲۔ کنٹونمنٹ بورڈ، لائبریری، صدر راولپنڈی۔

۱۳۔ لائبریری گورنمنٹ سیٹلائیٹ ٹاؤن کالج، راولپنڈی۔

۱۴۔ لائبریری، راولپنڈی بار، راولپنڈی۔

۱۵۔ قائداعظم لائبریری، باغِ جناح، لاہور۔

۱۶۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور۔

۱۷۔ مرکزی لائبریری، یونیورسٹی آف پنجاب، لاہور۔

۱۸۔ لائبریری اورینٹل کالج یونیورسٹی آف پنجاب، لاہور۔

۱۹۔ لائبریری، شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف پنجاب، لاہور

۲۰۔ لائبریری یونیورسٹی لاء کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۲۱۔ لائبریری جامعہ شیخ الاسلام، ایچ بلاک سبزہ زار سکیم، لاہور۔

۲۲۔ لائبریری جامعہ نظامیہ، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور۔

۲۳۔ لائبریری پنجاب ہائی کورٹ بار، لاہور۔

۲۴۔ لائبریری زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد۔

۲۵۔ لائبریری گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

۲۶۔ لائبریری زرعی یونیورسٹی فیصل آباد۔

۲۷۔ لائبریری ضلع کونسل، اٹک۔

۲۸۔ لائبریری گورنمنٹ کالج فار ویمن، فتح جنگ۔

۲۹۔ لائبریری گورنمنٹ کالج فار مین، فتح جنگ۔

زاہدہ پروین
لیکچرار اسلامیات
گورنمنٹ کالج، فتح جنگ

انتساب

والدین کی پرخلوص دعاؤں،تمناؤں

اور

شفقتوں اور محبتوں

اور

ان کی انتھک جدوجہد کے لئے

ان کی ناچیز بیٹی کی طرف سے نذر

اندازِ تحقیق (بیانیہ)

مقالہ نگار نے اس بحث میں بیانیہ اور تجزیاتی طریقہ تحقیق اپنایا ہے جو کہ اس کی خیال میں اس موضوع بحث کے لئے انتہائی مناسب وموزوں ہے۔

اس سلسلے میں موضوع سے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص سے احکام کی تفہیم کی گئی ہے۔ پوری کوشش کے ساتھ اصل مآخذ و مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے اور انہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس جگہ ضروری ہوا وہاں تشریح وتوضیح کے لئے ثانوی مصادرومراجع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

مذاہب اربعہ وغیرہ کے فقہائے کرام کی عبارات کا زیر بحث مسئلہ تطبیق سے نتائج اخذ کیے گئے ہیں اور یہاں بھی دیگر معاصر مصنفین کے دستیاب اقوال سے استشہاد پیش کیا ہے تا کہ اخذ کردہ نتائج کی صحت پر اعتماد پیدا ہو اس طرح اس نقطۂ نظر سے ثانوی مآخذ سے استفادہ ضروری ہو گیا ہے۔ بہر حال زیر بحث موضوع سے متعلق اخذ کردہ نتائج راقم ہی کے ہیں۔ موضوع زیر بحث کے بارے میں یہ ایک ابتدائی کام ہے جس کو قطعاً حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں اگر کام کی کوئی بات ہے تو وہ اللہ لم یزل کے فضل و کرم اور محض اس کی توفیق ہی سے ہے اور اگر کوئی خامی ہے تو وہ مقالہ نگار کی کم علمی کی وجہ سے ہے۔ بہر حال کوئی بھی انسانی کوشش غلطی سے مبرا نہیں ہو سکتی۔ ساری تعریفیں اسی ایک ذات احد وصمد کے لئے سزاوار ہیں۔

ابواب کی تقسیم

اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب ''اسلام کا زرعی نظام'' میں فصلِ اول میں جزیرۃالعرب کے جغرافیائی حالات، صحرا و نیم پہاڑی سلسلوں پر مشتمل خطۂ ارض میں چند جزیروں میں زراعت کو بیان کیا گیا ہے۔ فصلِ دوم میں اسلام کے زرعی نظام کو بیان کیا گیا ہے۔ فصل سوم میں آنحضرت ﷺ کے زرعی نظام میں انقلابی اقدامات زبردست اہمیت کے حامل ہیں جس کے نتیجے میں غیر آباد خطے آباد ہوئے۔ خلفاء راشدین نے بھی اسی زرعی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر اس شعبے کو چار چاند لگا دیے۔

دوسرے باب میں ''اسلام میں زمینداری کے احکامات اور زمینوں کی آبادکاری کا منصوبہ'' کو بیان کیا گیا ہے جس میں ملکیت زمین کے مطلق ذرائع خود کاشتکاری اور مزارعت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز موجودہ نظام کا اسلام کے زرعی نظام سے تقابل کر کے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دونوں میں کتنا فرق ہے اور اسلام کا پیش کردہ حقیقی زرعی نظام کیا ہے۔

تیسرے باب میں ''زرعی نظام میں پانی کی اہمیت اور اسلام میں آبپاشی'' کے عنوان کے تحت ملک میں پانی جیسے متنازعہ فیہ مسئلے کو اسلام کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں ''پاکستان میں مروج زرعی نظام اور اس کے اثرات'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب پنجم ''اسلام کا نظام زرعی محاصل اور پاکستان میں مروج قوانین زرعی ٹیکس'' کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس باب میں پاکستان میں موجودہ مالی حالات میں زرعی اراضی پر ٹیکس گزار طبقوں میں نسبت، زرعی آمدنی پر ٹیکس کا جواز یا عدم جواز کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ حکومت پاکستان کی طرف سے زرعی اثاثہ جات پر دولت ٹیکس عائد کرنا شرعی لحاظ سے متنازعہ اور قابلِ تحقیق مسئلہ ہے یعنی کیا ایسا قانون درست ہے یا نہیں۔

اختتامیہ میں نتائج بحث اور تجاویز کو بیان کیا گیا ہے۔ اشاریہ میں وہ آیات اور احادیث شامل ہیں جن کا اس مقالہ میں ذکر آیا ہے۔ اس مقالہ کے سب سے آخر میں ان کتابیات کی فہرست دی گئی ہے جن سے دورانِ تحقیق استفادہ کیا جاتا رہا۔ یہ فہرست اسمائے مصنفین کے حروف تہجی کے اعتبار سے تیار کی گئی ہے، انگریزی کتابیات کی فہرست آخر میں بنائی گئی ہے۔

باب اول

اسلام کا زرعی نظام

فصل اول

قبل از سلام زرعی نظام

جزیرۃ العرب میں زراعت

عرب کے پالتو جانور اور چراگاہیں

جزیرۃ العرب کے زرعی خطے

جزیرۃ العرب کے چند مشہور مقامِ زراعت

آلاتِ زراعت اور کاشتکاری کے طریقے

قبل از سلام زرعی نظام

اللہ تعالیٰ نے جب اس کرۂ ارض کو زندگی کیلئے سازگار بنایا تو اسمیں نباتات کو پیدا کرنے کی صلاحیت رکھی اوران کی نشو نما کیلئے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔ پھر حیوانات کو پیدا فرمایا تو ان کی خوراک کیلئے نباتات موجود تھیں۔ جب حضرت انسان کو پیدا کیا گیا تو اس کرۂ ارض پر 'قدرتی زراعت' کا ایک طویل سلسلہ موجود تھا۔ چرند، پرند اور درند کی بھی معقول تعداد موجود تھی جسے انسان نے اپنے ساتھ مانوس کر کے فائدہ حاصل کیا۔

جدید تحقیق کے مطابق انسان نے خوراک حاصل کرنے اور جسم وروح کا رشتہ برقرار رکھنے کیلئے پہلے شکار کا پیشہ اختیار کیا اور پھر گلہ بانی۔ تیسرے مرحلہ پر اس نے زراعت کو اپنایا۔ مغربی مفکرین کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہر بات پر 'اصول ارتقاء' کا اطلاق کرتے ہیں (1) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان نے اپنی معاش پیدا کرنے کیلئے اپنے طبعی ماحول کے مطابق تینوں پیشے شروع کئے۔ قرآن حکیم نے قصہ آدم وحوا کو جس پسِ منظر میں بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ پھلوں کی قسموں اور لذتوں سے آگاہ تھے۔ اور آپؑ کو عقل وشعور کی قوتوں سے آراستہ کر کے بھیجا گیا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا انسان تسلیم کیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسان نے جو پہلا پیشہ اختیار کیا وہ زراعت تھا۔ ابنِ سعد کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ ہابیل کے پاس مویشی تھے اور وہ بھیڑ بکریاں پالتے تھے۔ جبکہ قابیل زراعت پیشہ تھا۔ (2) یعنی انسانی معاشرت کا آغاز زراعت سے وابستہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خود زراعت کرنے کی کوشش کی ہوگی اور پھر یہی فن اپنی اولاد میں منتقل کیا۔ زراعت کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ کونسی فصل کس طرح سے بوئی؟ ہوسکتا ہے کہ پھل دار درختوں کی حفاظت اور آبیاری کی صورت میں ہو یا زمین کو پھاڑ کر اسمیں بیج ڈالنے کا طریقہ انسان نے بہت بعد میں سیکھا ہو۔ (3)

زراعت کے آثار ہمیں قومِ نوحؑ میں بھی ملتے ہیں۔ قومِ عاد بھی زرعی زمینوں کے مالک تھے۔ (4) عرب میں 'ذی زرع وادیاں' بھی تھیں اور عرب اس سے آشنا تھے۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا فرمائی اس میں یہ الفاظ تھے۔

﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـــِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾

ترجمہ: "اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد ایک وادی میں جہاں کھیتی نہیں تیرے

عزت وادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔اے پروردگار تا کہ یہ نماز قائم
کریں، پس لوگوں کے دلوں کوان کی طرف مائل کردے اورانہیں پھلوں سے
رزق دے تا کہ وہ شکر کریں۔''(5)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے عرب زراعت سے واقف تھے اور وہ زرعی و غیر زرعی خطوں کی پہچان رکھتے تھے۔مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ تقریباً سترہ سو قبل مسیح میں مصر سے زراعت کا آغاز ہوا۔(6) اہلِ مصر نیل کی وادی میں سیلاب کے بعد بیج پھینک دیتے تھے اور کچھ عرصہ بعد بیج پودوں کی شکل میں اگ آتے تھے۔اس کے بعد کاشت کیلئے تیز نوک والی چھڑیوں کا استعمال کیا جاتا رہا تا آنکہ ہل ایجاد ہوا۔(7) دنیا کا پہلا 'اناج گھر' شام تھا۔ملکِ شام سے زراعت کا علم مصر گیا۔نیز بابل، شام اور مصر کے قدیم آلاتِ زراعت ایک جیسے ہیں۔(8) قرینِ قیاس یہ ہے کہ زراعت کا آغاز انسانی معاشرت کے ساتھ ہوا اور شام یا مصر یعنی جزیرۃ العرب کے اردگرد ہوا۔

قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ سبا کا مسکن جزیرۃ العرب تھا۔یہ اقوام مختلف ادوار میں شاندار تمدن کی حامل رہی ہیں اور ان کے تمدن میں زراعت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔(9)

جزیرۃ العرب میں زراعت:

طبعی لحاظ سے عرب کے دو حصے ہیں۔ایک حصہ صحراؤں اور دوسرا پہاڑی و نیم پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔موسم کی خشکی، پانی کی نایابی اور زرخیز و ہموار زمین کی کمیابی اس خطے کی نمایاں خصوصیات ہیں۔'تمدن عرب' کا مصنف اس بات کی تائید کرتا ہے۔وہ رقمطراز ہے۔''تاریخ انسانی کی ابتداء سے عرب ہمیشہ خشکی، گرمی اور کم خیزی میں مشہور رہا ہے۔اگر قدرت بارش نہ برسائے تو یہ ملک بود و باش کے قابل نہیں ہے''۔(10)

عرب میں ایسی وادیاں موجود ہیں جن میں قابلِ ذکر کاشت کاری ہوتی ہے۔مثلاً مدینہ منورہ، نجد اور طائف کی وادیاں۔(11) بحیثیت مجموعی ملکِ عرب زراعت اور کاشتکاری کیلئے موزوں خطہ نہیں ہے۔لیکن پھر بھی ساحلی علاقوں اور پہاڑی علاقوں میں واقع وادیوں میں زراعت ہوتی تھی۔اس زمانہ میں یمن، عدن، حضر موت، یمامہ، نجد، نجران، یثرب، خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تبوک وغیرہ میں زراعت کی جاتی تھی۔ان علاقوں نے قبل از اسلام اور عہد رسول میں زراعت میں شہرت حاصل کی۔وہ صحرائی خطے جہاں زیر زمین پانی قریب ہے وہاں جنگلی پھول، جڑی بوٹیاں اور جھاڑیاں اگ آتی ہیں۔(12)

جزیرہ نما عرب کی وادیوں میں پانی کی موجودگی سے ان میں سبزہ اور روئیدگی پائی جاتی ہے۔بعض وادیوں

میں درختوں کے جھنڈ تھے مثلاعریض حجاز اور یمن ۔ مدینہ میں اکثر کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ تھے ۔ان خودرو پودوں نے عربوں کوزراعت کی ترغیب دی ۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے درخت لگانے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور صحابہ کو درخت لگانے کی ترغیب بھی دی۔عسیر عالیہ میں صنوبری جھاڑیوں کے جنگل موجود ہیں لیکن پورے عرب میں جنگلوں کا کوئی گھنا منطقہ نہیں ہے ۔(13)

جزیرۃ العرب کی پیداوار:

عرب کے صحراؤں میں نخلستانوں میں بھی کھجور کا درخت عام پایا جا تا ہے ۔الخرج میں تربوز اور سرسبز علاقوں میں انجیر، انگور، آڑو، اور بعض دوسرے پھل بھی پیدا ہوتے ہیں ۔بعض علاقوں میں گیہوں، جو، جوار اور باجرہ کی فصلیں پیدا ہوتی ہیں ۔(14)

عرب کے پالتو جانور اور چراگاہیں:

اونٹ عربوں کا صدیوں سے رفیق ہے ۔اونٹ اور کھجور عربوں کا قومی نشان بن گئے ہیں ۔اس کا دودھ اور گوشت خوراک کا کام دیتا ہے ۔اسکی کھال بھی مفید ہے ۔شمالی عرب کے اکثر قبائل بھیڑ بکریاں پالتے ہیں ۔خود رسول اللہ ﷺ نے بھیڑ بکریاں چرائی ہیں اور اسے انبیاء کرام کا پیشہ قرار دیا ہے ۔عربی النسل گھوڑے سارے زمانے میں مشہور تھے ۔اس کے علاوہ گدھے، خچر، بیل اور گائے سرزمینِ عرب میں پائے جاتے تھے ۔(15)

رسول اللہ ﷺ نے چراگاہوں کو اجتماعی ملکیت قرار دے کر تمام مسلمانوں کو ان سے فائدہ اٹھانے میں شریک ٹھہرا دیا تھا ۔چونکہ زراعت کی نشوونما، گلہ بانی اور پرورش حیوانات میں چراگاہوں کا اہم حصہ ہے ۔ان میں سے چند مشہور چراگاہیں حمی النقیع، حمی الربذہ، حمی ضریہ، حمی اجیاد، حمی الرجدہ، حمی فید، حمی غابہ، حمی عریض، حمی الجدر (16)

جزیرۃ العرب کے زرعی خطے:

ان میں یمن، حضرموت، نجران، نجد، یمامہ، عمان و بحرین، مدینہ منورہ، خیبر، تبوک اور طائف زیادہ مشہور و معروف ہیں ۔

ا۔ یمن:

قومِ سبا نے یمن میں عروج حاصل کیا تو اسکی زراعت و تجارت کو بہت ترقی دی ۔انہوں نے زراعت کی نشوونما کیلئے ایک بہترین نظام آبپاشی تعمیر کیا ۔بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم 'ایسے نظامِ آبپاشی کی مثال بابل (عراق) کے سوا زمانۂ قدیم میں کہیں نہیں ملتی ۔'اس نظامِ آبپاشی کا سب سے بڑا ذخیرۂ آب 'مآرب ڈیم' تھا(17)

سدِ مآ رب نے بلا شبہ یمن کی زراعت کی نشو نما میں بنیادی کردار ادا کیا۔عرب میں قدیم رواج تھا کہ وہ وادیوں میں بند تعمیر کر کے پانی ذخیرہ کر لیتے تھے۔یمن میں بھی یہی طریقہ زمانہ قدیم سے رائج تھا۔سبائی عہد میں پورے ملک میں بند تعمیر کئے گئے اور ان سے نہریں نکال کر آبپاشی کی جانے لگی۔سدِ مآ رب سے ۲۰۰ مربع میل علاقہ میں زراعت کی جاتی تھی۔ اور اس طرح سینکڑوں ایکڑ رقبہ کاشت کر کے فصلیں اور پھل پیدا کئے جاتے تھے۔(18)

قرآنِ حکیم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴾ (19)

یمن میں کھیتوں کو بہت ہنر مندی سے تیار کیا جاتا تھا۔بعض مقامات پر کھیت طبق بر طبق بنانے کا رواج تھا اور پانی کو ایک احاطہ سے دوسرے احاطہ میں لے جایا جاتا تھا۔سدِ مآ رب اور قدرتی چشمے، تالاب، کنویں اور بعض علاقوں میں کاریزوں کے ذریعہ بھی آبپاشی ہوتی تھی۔(20)

یمن کے زرعی نظام کی تباہی:

یمن سے تین ہزار کتبات فراہم ہوئے ہیں جو اس ملک کے تمدن پر روشنی ڈالتے ہیں۔یمن میں سبائی حکومت کا دور ۱۱۰۰ ق م سے ۱۱۵ ق م ہے۔ (21)

قرآن حکیم میں آتا ہے۔ ﴿فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾

ترجمہ: ''پس وہ (ہدایت) سے منہ موڑ گئے۔اور ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا۔''(22)

سدِ مآ رب ۴۵۰ء میں ٹوٹ گیا جس نے یمن کے پورے زرعی نظام کو تباہ کر دیا۔(23)

۲۔ حضر موت:

بحر ہند کے ساحل پر واقع ایک قدیم آبادی ہے۔عاد و ثمود کے قبائل کا اصل مسکن یہی تھا۔بارشوں کے پانی کو محفوظ کر کے زراعت کے کام میں لایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ نجران میں محدود پیمانے پر آبپاشی ہوتی تھی۔نجد میں حضور ﷺ ۶ ھ میں صحابہ کے ساتھ خود تشریف لے کر گئے تھے۔یہاں کے گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں،امام طبری نے یمامہ میں بھی ایک ایسے جنگل کا ذکر کیا جہاں مسیلمہ کذاب نے کیمپ لگایا تھا نیز بحرین اور عمان میں بھی مختلف قسم کے غلے پیدا ہوتے تھے۔طائف کے

لوگ بھی زراعت کے ماہر تھے۔کنویں کھودنے اور زمین ہموار کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ (24)

جزیرۃ العرب کے چند مشہور مقامِ زراعت:

طائف میں نظامِ زمینداری:

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بنو عامر کا طائف پر غلبہ تھا۔اور طائف کے گردو نواح میں ثقیف کے لوگ آباد تھے۔

> ثقیف کے لوگوں نے دیکھا کہ وہاں کے درخت اور ان کے پھل بہت اچھے ہیں تو انہوں نے بنو عامر سے کہا کہ یہ زمین تمہارے خیال میں کاشت کے قابل نہیں ہے۔۔۔تو تم اپنے شہر کی زمینیں ہمارے حوالے کردو۔۔۔پھر جب پھل پک جائیں گے تو تم کو پورے آدھے پھل بھی دیا کریں گے۔اور ہم اپنی محنت کے معاوضے میں آدھے پھل لیں گے۔
>
> چنانچہ اس بات پر بنو عامر آمادہ ہو گئے اور اپنی زمینیں ان کے حوالے کر دیں۔(25)

قوم سبا کی زراعت:

قرآن پاک میں سبأ کی قوم کے باغات کا ذکر موجود ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾ (26)

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور تاریخی شواہد سے اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ قوم سبا کی زمین زرخیز تھی۔سبا کے کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت تھا(27)

عرب اور مکہ کی زراعت:

قرآن پاک میں وادیٔ مکہ کے متعلق ارشاد ہے۔

﴿بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾

ترجمہ: ''آپ کے عزت والے گھر کے قریب جو کہ وادیٔ غیر ذی زرع میں ہے۔''(28)

سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔''جابجا بے آب و گیاہ صحرا ہیں۔حقیقی دریا کا وجود نہیں۔عموماً پہاڑوں کے چشموں، وادیوں کے نالابوں اور میدانوں کے کنووں پر گزر ہے۔'' (29)

حجاز کی زرعی حکمت عملی:

حجاز بحراحمر کے ساحل پرایک مستطیل صوبہ ہے۔جس کا نام تورات میں فاران بتایا گیا ہے۔جہاں تجلی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔(30) سلسلہ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں۔جہاں گاؤں آباد ہیں۔باغ لگے ہیں۔کھیتیاں ہوتی ہیں۔کہیں کہیں جنگل ہیں۔دامن کوہ سرسبز ہے۔

یثرب کی زراعت:

مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا۔یہ شہراپنی زمینوں کی زرخیزی،مناسب آب وہوااورروافر پانی کی وجہ سے مشہورتھا۔ہجرت کے بعداس کا نام 'مدینۃ النبی ﷺ' رکھا گیا۔

مدینہ کے اکثرلوگ زراعت پیشہ تھے۔یہود کے قبائل کے علاوہ قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اورخزرج یہاں آکرآباد ہوئے۔اہلِ یمن نے جب یثرب کی بنجر زمینوں پر بسیرا کیااوراپنی محنت سے ان کوسرسبز وشاداب بنادیا تھا۔(31)

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَؓ قَالَ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَؓ يُكْثِرُ الْحَدِيْثَ وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ وَ يَقُوْلُوْنَ مَالِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُوْنَ مِثْلَ اَحَادِيْثِهٖ وَ إِنَّ إِخْوَتِی مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ وَإِنَّ إِخْوَتِی مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ وَ كُنْتُ امْرَأً مِسْكِيْنًا أَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِی --))

ترجمہ: ''حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ابو ہریرہ بہت زیادہ احادیث نقل کرتے ہیں۔اوراللہ پاک حساب لینے والے ہیں۔ اور لوگ کہا کرتے تھے کہ مہاجرین وانصار کو کیا ہے؟ وہ تو ابوھریرہؓ کی طرح احادیث بیان نہیں کرتے۔(ابوھریرہؓ فرماتے ہیں)میرے مہاجر بھائی بازاروں کے اندرخرید وفروخت میں مشغول رہتے تھےاورمیرے انصار بھائی اپنے کھیتوں اورباغات کے کاموں میں مشغول رہتے تھےاورمیں مسکین ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹارہتاتھا۔کھانا پیٹ بھر ملے یا نہ قناعت کے ساتھ۔''(32)

اسی طرح رافع بن خدیجؓ کی روایت ہے۔

((قَالَ كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلَ الْمَدِيْنَة مُزْرَعًا))(33)

طلوع اسلام کے وقت مدینہ میں لگان ادا کرنے کے حسب ذیل طریقے تھے۔

۱۔ پہلا طریقہ تو یہ تھا کہ زمیندار سے کاشتکار کچھ زمین حاصل کرتا اور لگان کے معاوضے میں زمیندار کی کچھ زمین پر بھی خود ہی محنت کرتا اور دیگر قطعہ پر جو کچھ اگتا وہ زمیندار حاصل کرتا۔ چنانچہ رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے۔

((عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيِّ سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلَ الْمَدِيْنَة مُزْرَعًا كُنَّا نُكْرِى الْأَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِسَيِّدِ الْأَرْضِ قَالَ فَمِمَّا يُصَابُ ذٰلِكَ وَ تَسْلَمُ الْأَرْضُ وَ مِمَّا يُصَابُ الْأَرْضُ وَيَسْلَمُ ذٰلِكَ فَنُهِيْنَا))

ترجمہ: ''حنظلہ بن قیس انصاری سے روایت ہے کہ انہوں نے رافع بن خدیجؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمارے ہاں تمام مدینہ والوں سے زیادہ کھیتی ہوتی تھی اور ہم میں سے کوئی شخص اپنی زمین کرایہ پر دے دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ یہ ٹکڑا زمین کا میرا ہے اور یہ تیرا ہے۔کبھی تو اس ٹکڑے میں پیداوار ہوتی تھی اور کبھی اس میں نہیں۔ لہٰذ حضور پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔''(34)

۲۔ لگان کی ادائیگی کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کبھی خشکی کا حصہ کاشتکار کے لئے مختص ہوتا اور تری کی کاشت زمیندار کو ملتی لہٰذا رافع بن خدیج ہی سے روایت ہے۔

((كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَ أَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَ أَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هٰذَا وَ يَسْلَمُ هٰذَا وَ يَهْلِكُ هٰذَا فَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هٰذَا فَلِذٰلِكَ زُجِرَ عَنْهُ فَأَمَّا شَيْءٌ مَعْلُوْمٌ مَضْمُوْنٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ))

ترجمہ: ''لوگ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہروں کے کنارے نالیوں کے سروں پر جو پیداوار ہوتی ہے۔اس کے بدلے میں اور کچھ دیگر حصہ پیداوار کے معاوضے میں زمین کو لگان پر چلاتے تھے۔بعض وقت ایک چیز تلف ہوتی اور دوسری بچ جاتی اور کبھی یہ تلف ہو جاتی اور وہ بچ جاتی۔ پھر بعضوں کو کچھ لگان نہ ملتا مگر وہی بچ رہتا۔اس لئے آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔مگر اگر لگان میں کوئی شے معین ہوتو اسمیں کوئی قباحت نہیں۔''(35)

۳۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ پیداوار کا کچھ معین حصہ زمیندار لے لیتا تھا اور مابقی کاشتکار کے حصہ میں آتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

((عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانُوا يَزْرَعُونَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ أَرْضَه))

ترجمہ: ''حضرت جابرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگ تہائی، چوتھائی اور نصف (پیداوار) پر زراعت کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسکی زمین ہو وہ اسکی کاشت کرے یا اس کو (کسی دوسرے کو) دے دے اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ اپنی زمین کو روک لے۔''(36)

۴۔ کاشتکار کبھی تو لگان میں پیداوار کا کچھ حصہ ادا کرتا اور کبھی زمین کے معاوضہ میں دوسری قسم کی پیداوار مثلاً کھجور وغیرہ اپنے گھر سے ادا کر دیتا۔ جیسا کہ روایت ہے۔

((رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَمِّهِ ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعٍ قَالَ ظُهَيْرٌ لَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقاً قُلْتُ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ قَالَ دَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَصْنَعُونَ بِمَحَاقِلِكُمْ قُلْتُ نُؤَاجِرُهَا عَلَى الرُّبُعِ وَ عَلَى الْأَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَ الشَّعِيرِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا))

ترجمہ: ''رافع بن خدیج بن رافع اپنے چچا ظہیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسے کام سے روکا ہے جو ہمارے ہاں مروج تھا میں نے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے جو کہا وہ حق ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا کہ تم اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہم ان کو چوتھائی پیداوار پر اور کبھی کھجور کے چند وسق یا جو کے چند وسق کے بدلے لگان پر دے دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔''(37)

مدینہ کی زرعی پیداوار:

اہلِ مدینہ زرعی فصلوں کے علاوہ کھجور کی افزائش کے مختلف طریقے اختیار کرتے تھے۔ وہ زیرگی کے فن کے بھی ماہر تھے۔ یثرب میں انگور بھی پیدا ہوتے تھے۔(38)

حائط:

جن باغات اور کھیتوں کے گرد چار دیواری ہوان کو حائط کہا جاتا تھا۔مدینہ میں باغات کی کثرت تھی۔بنی قینقاع کے یہودی مخریق کے مدینہ میں سات باغ تھے۔غزوۂ احد کے بعد یہ باغات آپ ﷺ کی ملکیت میں آ گئے اور آپ ﷺ نے ان کو وقف کر دیا۔(39)

مدینہ کے ذرائع آبپاشی:

یثرب میں پانی کی فراوانی تھی۔یہاں بارش بھی عرب کے دیگر علاقوں کی نسبت کچھ زیادہ ہوتی تھی اور آب رسانی کے قدرتی ذرائع بھی کافی تھے۔ان کا اجمالاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ **کنویں:** مدینہ میں لذیذ اور میٹھے پانی کے کنویں بھی موجود تھے۔(40) طبقات میں درجن بھر کنوؤں کا ذکر ملتا ہے جن کا پانی رسول اللہ ﷺ نے استعمال فرمایا تھا۔(41) حضرت علیؓ نے اجرت پر پانی نکال کر ایک باغ کو سینچا۔(42) حضرت عثمانؓ نے مشہور کنواں بئر رومہ مہنگے داموں خرید کر لوگوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔(43) یثرب میں پینے اور زراعت کیلئے کنوؤں کا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔

۲۔ **چشمے:** چشموں کا پانی ندی نالوں کے ذریعہ نشیب میں آتا تھا اور اہلِ یثرب اسے جمع کر کے استعمال میں لاتے تھے۔(44)

۳۔ **ندی نالے اور تالاب:** یثرب میں کئی سرسبز و شاداب وادیاں تھیں(45)

کنوؤں اور تالابوں میں شراج (نالیاں) کے ذریعہ کھیتوں اور باغوں تک پانی لے جایا جاتا تھا۔شراج بنانے کیلئے مسحاۃ (پھاوڑے) استعمال کئے جاتے تھے۔(46)

۴۔ **بارش:** یثرب میں آبپاشی کا سب سے اہم قدرتی ذریعہ بارش تھی۔(47)

یاقوت حموی نے یثرب میں تین اہم ذرائع آبپاشی کی نشاندہی کی ہے۔بارش، کنویں اور نہریں۔(48)

آلات زراعت اور کاشتکاری کے طریقے:

شمالی عرب اور یثرب میں زراعت اور باغبانی کیلئے روایتی آلات، کدال، پھاوڑے، کسی، ٹوکریاں اور ہل استعمال کئے جاتے تھے۔(49)

یہودیوں کے ہاں زیادہ تر کاشت کاری غلاموں کے ذریعہ سے کروائی جاتی تھی لیکن عربوں میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا رجحان پایا جاتا تھا۔انہوں نے زراعت کو ایک پیشہ کے طور پر اپنایا ہوا تھا۔ (50)

یثرب میں 'کھیت مزدوری' کا بھی پتہ چلتا ہے (51) مملوکہ زمین اور باغات کو بٹائی اور لگان پر دینے کا بھی رواج تھا۔(52) نہر اور نالی سے سیراب ہونے والی قطعۂ اراضی، زمیندار اپنے لئے مخصوص کر لیتا اور ناہموار و خشکی والے حصے کی پیداوار مزارع کے حصہ میں آتی۔(53) نیز مزارع سے بیگار لینے اور فصل کے علاوہ پھل وغیرہ وصول کرنے کے شواہد بھی ملتے ہیں۔(54)

فصل دوم

اسلام کا زرعی نظام

زراعت کا لغوی واصطلاحی مفہوم

زراعت کا فقہی مفہوم

زراعت کی فضیلت

عہد رسالت وخلفائے راشدین میں زراعت

زراعت کا جواز اور عدم جواز

زراعت کے بارے میں فقہائے کرام کی آراء

موجودہ دور میں زراعت کے بارے میں مختلف آراءاوران کا تجزیہ

اسلام کا زرعی نظام

اسلام نے تقسیم اراضی پر زور دیا ہے۔بڑی بڑی زمینوں کو چھوٹے حصوں میں منقسم کرنے کا راستہ بتایا پھر یہ بھی ممکن تھا کہ زمین تر کے میں بٹتے بٹتے گزوں اور انچوں میں آجائے اور ساتھ ہی یہ بھی ممکن تھا کہ گھر، باولی اور تالاب وغیرہ کے ٹکڑے کرنے پڑتے اس کی روک تھام وقف علی الاولاد کے اصول سے ہو سکتی ہے جس سے صرف آمدنی تقسیم ہوتی ہے۔جائیداد کو نقصان نہیں پہنچتا۔یہاں اسلامی قانون شفعہ کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا۔اس قانون کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی اراضی کے پلاٹ کو فروخت کر دینا چاہتا ہے تو فروخت کے وقت ملحقہ اراضی کے مالک کو ترجیح دیجاتی ہے۔

اسلامی معاشیات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے حق ملکیت کو حق ورثہ کے ساتھ تقسیم کیا۔لوگوں کو روس کی طرح حق اراضی اور اس پر ملکیت سے محروم نہیں کیا۔

زراعت کا لغوی مفہوم:

زراعت ''باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا مادہ زَرَاعَۃ" یا زَرْع" ہے۔زراعۃ سے مراد ہے زمین کا بونا اور کاشت کرنا ہے۔ زرع کا معنی ہے ''اگانا'' زمین میں بیج ڈالنا' تخم ریزی کرنا' کھیتی کرنا وغیرہ۔(55)

باب مفاعلہ کی اصل خاصیت مشارکت ہے یعنی دو اشخاص کا کسی فعل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونا۔لہذا زراعت کے معنی ہوئے دو افراد کا زراعت یا زرع کے عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونا۔

زراعت کے عمل میں بھی دو افراد شریک ہوتے ہیں۔ایک زراعت کے لئے زمین پیش کرتا ہے اور دوسرا اپنی محنت۔زراعت کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم میں کامل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

زراعت کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں زراعت سے باہمی کھیتی باڑی کا ایک معاہدہ ہے جو مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان بعض پیداوار پر طے پاتا ہے۔کتاب الھدایہ میں مزاعت کی حسب ذیل تعریف دی گئی ہے۔

"ان المزارعۃ فی الشریعۃ ھی عقد علی الزرع ببعض الخارج۔"

ترجمہ: ''شریعت میں زراعت پیداوار کے کچھ حصہ کے عوض کاشتکاری کا معاہدہ ہے۔''(56)

امام شافعیؒ کتاب الأم میں رقمطراز ہیں۔

" اذا دفع الرجل الی الرجل ارضا بیضاء علی ان یزرعھا فما اخرج اللہ منھا من

شیئ فلہ منہ جزء من الأ جزاء"

ترجمہ۔ ''جب ایک شخص دوسرے کو خالی زمین دے اس شرط پر کہ وہ اسے کاشت کرے
۔پس زمین میں سے اللہ جو پیدا فرمائے گا اس میں سے ایک حصہ اس کیلئے ہوگا
[یعنی مالک زمین کے لئے ایک حصہ کاشت کار کے لئے]'' (57)

فقہ حنبلی میں زراعت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"المزارعة دفع الارض الی من یزرعها و عمل علیها و الزرع بینهما"

ترجمہ۔ ''مزارعت کا مطلب ہے کہ زمین کاشت کار کو دینا کہ وہ اسے کاشت کرے اور
پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہو۔'' (58)

معلوم ہوا کہ زراعت شرح میں کچھ حصہ پیداوار کے مقابل کھیتی پر عقد کرنا ہے ۔اسکا مطلب یہ ہے کہ زراعت مالک زمین اور زمین پر کام کرنے والے کے درمیان معاہدہ سے عبارت ہے جس میں شرط ہو کہ کاشتکار زمین میں کچھ حصہ پیداوار کے عوض محنت کرے۔

زراعت کی فضیلت:

زراعت ایک قدیم پیشہ ہے اور یہ انبیاء سے منسوب ہے جنہوں نے خود بھی کاشت کاری کی اور دوسروں کو اس کی ترغیب دی مقدمہ ابن خلدون میں ہے کہ یہ زراعت ایک سادہ، صاف اور فطری پیشہ ہے اس میں زیادہ علم و نظر کی ضرورت نہیں اس لیے یہ پیشہ حضرت آدمؑ کی طرف منسوب ہے آپ ہی اس کے بتانے اور سکھانے والے ہیں ۔آپ ہی نے سب سے پہلے کھیتی کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزی کمانے کا سب سے پرانا طریقہ ہے (59)

کاشتکاری ایک مقدس پیشہ ہے اس کی فضیلت اور تقدس اس وقت بہت بڑھ جاتا ہے جبکہ خود ہاتھ سے محنت کرکے کاشت کیا جائے ۔نبی اکرم ﷺ کی متعدد احادیث میں ہاتھ سے محنت کرکے کمانے کی فضیلت بیان کی ہے ایک حدیث میں ہے۔

((کسی شخص نے ہاتھ کی محنت سے بہتر روزی نہیں کھائی)) (60) نبی اکرم ﷺ نے خود کاشت کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔حضرت انس سے روایت ہے۔

((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا
فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ))

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس

سے پرندہ، انسان یا جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے۔'' (61)

نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کاشتکار کو صرف فعل زراعت کی وجہ سے ثواب ملتا ہے۔ اس کی نیت ثواب حاصل کرنے کی ہو یا نہ ہو۔

جب تک بونے یا کھیتی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ثواب جاری رہتا ہے خواہ پودا لگانے والا وفات پا چکا ہو یا اس کی ملکیت کسی دوسرے کی طرف منتقل ہو چکی ہو۔

علماء کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی سے یہ بعید نہیں کہ وہ ایسے شخص کو مرنے کے بعد بھی نوازتا رہے۔ جس طرح اس کی زندگی میں نوازتا رہا ہے یعنی چھ باتوں کے سلسلہ میں ایک صدقہ جاریہ، دوسرا وہ علم جس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ تیسرے نیک اولاد جو اپنے والدین کیلئے دعا کرے، چوتھا پودا، پانچواں کھیتی اور چھٹا پاسبانی دشمنوں کے مقابلہ میں سرحد وغیرہ کی حفاظت کرنا۔ (62)

عہدِ رسالت وخلفائے راشدین میں زراعت:

رسول اللہ ﷺ کی زرعی حکمت عملی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو گئے ان کی سابقہ املاک کو بحال رکھا گیا۔ یہ اصول ابتداء ہی سے آپ ﷺ کی پالیسی کا حصہ رہا ہے۔ مثلاً آپ مدینہ پہنچے تو انصارؓ کو ان کی زمینوں پر بحال رکھا گیا اور ان کی دیگر املاک سے بھی تعرض نہیں کیا گیا۔ بنی نضیر کی مدینہ بدری کے بعد ان کی املاک بحق سرکار ضبط کر لی گئیں اور ان میں سے کچھ مہاجرین اور صرف دو انصاریوں کو بوجہ غربت عطا کیا گیا۔ جو دو اشخاص مسلمان ہوئے تھے ان کی اپنی جائیدادوں کا مالک رہنے دیا گیا۔ (63)

مدینہ، بحرین، طائف اور یمن کی زمینوں کے مالکان مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جائیدادوں پر بحال رکھا اور زمینوں پر عشر عائد کر دیا۔ (64)

فتح مکہ کے بعد بہت سے قبائل اسلام لے آئے جو افراد و قبائل مسلمان ہو گئے ان کی جائیدادوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس پالیسی کا مقصد اسلام کی ترغیب، عدل و انصاف کا قیام، معاشرتی استحکام اور عرب کی زمین کی آباد کاری تھا۔ چنانچہ قبیلہ ازد کے خالد بن ضماد کو فرمانِ تحریری دیا گیا کہ وہ اپنی جس زمینداری کی حالت میں اسلام لائے ہیں وہ انہی کی رہیگی۔ (65)

عبد یغوث بن وعلہ حارثی کیلئے تحریر فرمایا کہ وہ جس زمینداری کی حالت میں اسلام لائے ہیں وہ انہی کی

ملکیت میں رہنگی بشرطیکہ وہ اسلام پر قائم رہیں اور ارکان اسلام کی پابندی کری۔(66)

قبیلہ طے کے سردار کو بھی سابقہ املاک پر بحال رکھا گیا شرط یہ تھی کہ اسلام پر قائم رہیں۔(67)

وائل بن حجر کے قبیلے کی زمینیں اور قلعے جو زمانہ جاہلیت میں ان کی ملکیت تھے وہ انہی کی ملکیت میں ہے اور وائل بن حجر کو ایک قطعہ حضرموت میں بھی عطا کیا گیا۔ان سب پر عشر عائد کر دیا۔(68)

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے مسلمان ہونے والے افراد وقبائل کو سابقہ املاک پر بحال رکھا اور جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے ان کی املاک بحق سرکار ضبط کر لی گئیں اور مسلمان ہونے والے افراد میں بطور عطیہ تقسیم کر دی گئیں۔

وہ اموال جن کو ان کے مالکوں نے مصارف خیر اور رفاہ عامہ کیلئے وقف کر دیا ہوا یسے اموال کسی کی ملکیت نہیں ہوتے نہ کوئی ان کو بیچ سکتا ہے اور نہ کوئی خرید سکتا ہے۔نہ ہبہ کر سکتا ہے ان اموال کو صرف ان مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن کیلئے وہ وقف ہوئے ہیں۔وقف اراضی کے احکامات بھی اسی طرز پر ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم کی روایت ہے۔

((آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ نے چند درخت آپ کی نذر کر دیئے آپ ﷺ نے وہ درخت حضرت ام ایمن کو صدقہ کر دیئے۔)) (69)

۲۔ ((حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ نے اپنا کھجوروں کا باغ بیرحاء جس میں پانی کا چشمہ بھی تھا اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا اور آپ ﷺ کو اختیار دیا کہ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں۔آپ ﷺ نے ان کے باغ کی آمدن، انہی کے اعزہ وا قارب کیلئے وقف کر دی۔))(70)

۳۔ ((مدینہ کے یہودی، بنی قینقاع کے ایک مالدار شخص مخریق کو آنحضرت ﷺ سے بہت محبت تھی وہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی طرف سے لڑے اور قتل ہوئے(71) انہوں نے وصیت کی تھی کہ میرے اموال رسول اللہ ﷺ کیلئے ہیں وہ جس طرح چاہیں ان کو تصرف میں لائیں۔محمد بن کعب مروی ہیں کہ غزوہ احد کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے باغات پر قبضہ کیا اور ان کو وقف کر دیا۔(72) رسول اللہ نے فرمایا کہ مخریق بہت اچھے یہودی تھے۔(73) ابن ہشام مخریق کے اسلام لانے کی خبر دیتے ہیں))(74)

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ جب میں گورنر مدینہ تھا تو ان باغوں میں گیا ہوں ان کی کھجوریں بہت لذیذ تھیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کھجور کے ان درختوں کی عمر سو سال سے زائد ہو گی۔کیونکہ حضرت عمرؓ ثانی ۹۹ھ کے لگ بھگ مدینہ کے گورنر تھے۔

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ((رسول اللہ ﷺ کے غنیمت میں تین مخصوص و منتخب حصے تھے جو دراصل اوقاف تھے ۔اموال بنی نضیر آپ ﷺ کے موارث کیلئے فدک مسافروں کیلئے اور خیبر وقف عام تھا۔)) (75)

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں وقف کی ایک تحریک پیدا کر دی تھی ۔حضرت عمرؓ نے آپ کی پیروی کرتے ہوئے اپنا خیبر کا حصہ فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔ (76)

حضرت عثمانؓ نے وادی عتیق کا مشہور کنواں (بئر رومہ) بہت مہنگے داموں خرید کر عام مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا تا کہ ان کو پانی کی تنگی نہ ہو۔ (77)

غرض یہ کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اراضی اور کنویں بڑی تعداد میں وقف کئے اور اس سے خلق خدا کو فائدہ پہنچا۔راوی فرماتے ہیں

((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعاً وَطَوَاعِيَةُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ أَنْفَعُ لَنَا وَ أَنْفَعُ قَالَ قُلْنَا وَ مَا ذَاكَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ فَلْيُزْرِعْهَا أَخَاهُ وَلَا يُكَارِيْهَا بِثُلُثٍ وَلَا بِرُبُعٍ وَلَا بِطَعَامٍ مُسَمًّى))

ترجمہ: ”آپ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کر دیا کہ ہم ان زمینوں میں وہ چھوڑ دیں جو ہمارے لیے بے حد مفید تھا ہم نے کہا کہ وہ کون سا معاملہ تھا کہا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو وہ اس میں خود کاشت کرے یا اس کا اپنا بھائی کرے اور زمین کو ایک تہائی یا چوتھائی یا مقدرہ غلہ پر کرایہ پر نہ دے۔“ (78)

دوسری روایت ہے کہ ((نبی اکرم ﷺ کا گزر ہوا حضرت رافع بن خدیج اپنی کھیتی کو پانی دے رہے تھے آپ ﷺ نے پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ہے اُنھوں نے عرض کی ((زَرْعِي بِبَذْرِي وَ عَمَلِي الشَّطْرُ وَ لِبَنِي فُلَانٍ الشَّطْرُ)) ((بعض کھیتی میری ہے اس میں تخم اور عمل میرا ہے ۔آدھی پیداوار میری ہوگی اور آدھی بنی فلاں کی اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔))

((أَرْبَيْتُمَا فَرُدَّ الْأَرْضَ عَلَى أَهْلِهَا وَ خُذْ نَفَقَتَكَ))

ترجمہ۔ ”تم دونوں نے سودی معاملہ کیا زمین اس کے مالکوں کو واپس کر دو اور اپنا خرچ ان سے وصول کرو۔“ (79)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ))

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے زمین کا کرایہ لینے سے منع فرمایا ہے۔''(80)

دوسری روایت ہے کہ((مَنْ كَانَتْ لَهُ فَضْلُ اَرْضٍ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ))

ترجمہ: ''جس کے پاس فاضل زمین ہواسے چاہیے کہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو دے دے لیکن اگر وہ نہ مانے تو پھر اپنی زمین کو روک رکھے۔''(81)

ابوسعید خدریؓ حدیث بیان کرتے ہیں۔

((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ اشْتَرَاءُ الثَّمَرِ فِى رُؤُسِ النَّخْلِ وَالْمُحَاقَلَةُ كِرَاءُ الْاَرْضِ))

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا مزابنہ سے مراد درختوں پر کھجور کے ثمر کی خریداری ہے اور محاقلہ سے مراد زمین کا کرایہ ہے۔''(82)

نبی اکرم ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا اس کا کچھ حصہ صُلحاً فتح ہوا اور کچھ بزور شمشیر مغلوب ہوا آپ نے یہودیوں کو مفتوحہ علاقہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تو یہودیوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں یہاں رہنے دیں ہم آپ کی طرف سے یہاں کاشت کریں گے آدھی پیداوار آپ لے لیں گے اور آدھی ہم لے لیں گے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ عَلَى أَنْ يَعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا خَرَجَ مِنْهَا))

ترجمہ: ''رسول اللہ نے یہودیوں کو خیبر کی اراضی اس شرط پر دی تھی کہ وہ اس میں کام کریں جوتیں، بوئیں اور اس کی پیداوار کا آدھا حصہ ان کا رہے گا۔''(83)

((فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ قَسَمَ خَيْبَرَ وَ خَيَّرَ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ الْاَرْضَ وَالْمَاءَ أَوْ يَضْمَنُ لَهُنَّ الْاَوْسَاقَ كُلَّ عَامٍ فَاخْتَلَفْنَ فَمِنْهُنَّ مَنْ اخْتَارَ الْاَرْضَ وَالْمَاءَ وَمِنْهُنَّ مَنْ اخْتَارَ الْاَوْسَاقَ كُلَّ عَامٍ فَكَانَتْ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ مِمَّنْ اخْتَارَتَا الْاَرْضَ وَالْمَاءَ))

ترجمہ: ''جب حضرت عمر خلیفہ بنے اور خیبر کو تقسیم کر دیا تو نبی اکرم ﷺ کی بیویوں کو اختیار دے دیا کہ تم بھی زمین اور پانی کا حصہ لے لو یا اپنے وسق لیتی رہو تو بعضوں نے زمین اور پانی کا حصہ لیا اور بعضوں نے وسق لینا منظور کیا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے زمین اور پانی لیا تھا۔''(84)

ظاہر ہے کہ امہات المومنین نے اپنی زمین خود کاشت کرنے کی بجائے حسب سابق بٹائی پر دیا ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے سب سے زیادہ تعلق پہلے خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ہے آپ نے بھی زراعت کو جائز رکھا۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ دیگر خلفاء راشدین کا بھی یہی عمل رہا۔(85)

زراعت کا جواز اور عدم جواز:

رسول اللہ ﷺ نے زراعت کی اجازت بھی دی ہے۔اور اس پر عمل بھی کیا ہے چند احادیث روایات زراعت کے جواز میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ ((حضرت سعدؓ بن وقاص سے مروی ہے کہ ہم اپنی زمینوں کو عہد رسول ﷺ میں کرایہ پر دیا کرتے تھے))(86)

۲۔ ((حضرت حنظلہؓ بن قیس سے روایت ہے کہ میں نے رافع بن خدیجؓ سے پوچھا کہ کراء الارض کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے میں نے کہا کہ نقد لگان، سونے چاندی کے بدلے بھی منع کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں)) (87)

۳۔ ((حضرت ابو جعفرؒ (امام محمد باقرؒ) کہتے ہیں ((کان ابو بکر یعطی الارض علی الشطر)) حضرت ابو بکرؓ اپنی زمین نصف بٹائی پر دیتے تھے۔))(88)

۴۔ ابن ابی شیبہؒ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے۔ ((لا باس باالمزارعة بالنصف)) (89)

۵۔ ((حضرت معاذ بن جبلؓ عہد رسول ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر زمین دیتے رہے۔)) (90)

۶۔ ((حضرت موسیٰ بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ میں نے سعدؓ بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی اراضی تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض دیتے ہوئے دیکھا ہے۔))(91)

۷۔ ((حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی حصہ کی بٹائی پر زمین کی کاشت نہ کرتا ہو۔حضرت علیؓ، حضرت سعد بن مالکؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمر بن عبد العزیز، قاسمؒ، عروہؒ، آل ابو بکرؓ، آل عمرؓ، آل علیؓ اور ابن سیرینؒ یہ سب اپنی زمینیں اسی طرح کاشت پر دیا کرتے تھے۔))(92)

۸۔ ((حضرت عبداللہ بن عمرؓ عہد نبوی، عہد ابو بکرؓ، عہد ابو بکرؓ، عہد عمرؓ و عثمانؓ سے لیکر ابتدائے عہد امیر معاویہ تک اپنی زمینیں زراعت پر دیتے رہے مگر جب رافعؓ کی حدیث سنی تو اس خوف سے ترک کر دیا کہ شائد نبی کریم

ﷺ نے آخری عمر میں منع کر دیا ہو۔))(93)

۱۰۔ **خیبر کی مثال:۔** واقعہ خیبر ۷ھ عہد نبوت و خلافت کے مشہور ترین واقعات میں سے ہے۔
خیبر کا معاملہ اول و آخر زراعت کا معاملہ تھا۔حضورﷺ نے اپنا حصہ بھی بٹائی پر دیا۔حکومت کا حصہ بھی نصف پر دیا اور پندرہ سو مجاہدین کی طرف سے بھی زراعت پر زمین دی۔اس طرح زراعت پر زمین دینا آپﷺ کی سنت ٹھہری۔اسے خراج کہنا بےخبری کی دلیل ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بھی خیبر کے معاملہ کو زراعت کا معاملہ قرار دیا ہے۔(94)

صحابہ کرامؓ بھی اسے بٹائی اور زراعت کا معاملہ سمجھتے تھے۔چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے۔

((أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَی خَیْبَرَ الْیَھُوْدَ عَلَی أَنْ یَعْمَلُوْھَا وَیَزْرَعُوْھَا وَلَھُمْ شَطْرُ مَا خَرَجَ مِنْھَا))

ترجمہ: ''آنحضرتﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو اس طرف پر دی کہ وہ اس میں زراعت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف بٹائی پر ہو۔''(95)

زراعت سود نہیں ہے:

زراعت کی بعض قسمیں یثرب کی جاہلی سوسائٹی میں رائج تھیں۔جب رسول اللہﷺ نے مدینہ پہنچ کر وہاں کی زمینوں کی آبادکاری کیلئے منصوبہ بندی کی اور اس منصوبہ پر عمل درآمد شروع کیا تو ان قسموں سے بھی واسطہ پیش آیا۔زراعت کی وہ صورتیں ربو سے مشابہ اور ظلم و استحصال کا ذریعہ تھیں آپﷺ نے ان کو ممنوع قرار دیدیا اور زراعت کی عام اور سادہ صورت کو جاری رہنے دیا۔زراعت اپنی اصل کے لحاظ سے ربو سے کوئی مماثلت نہیں رکھتی۔ربو کا تعلق سرمایہ و دولت سے ہے اور اس میں سرمایہ دار صرف نفع میں شریک ہوتا ہے نقصان میں نہیں۔وہ کسی قسم کے خطرے میں شامل نہیں ہوتا۔جبکہ زراعت میں مالک اور مزارع دونوں نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں۔اگر فصل خراب ہو جائے تو دونوں کو نقصان ہوتا ہے نیز حصوں کی مقدار معین نہیں ہوتی جتنی فصل ہوا سے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرلیا جاتا ہے۔اس لئے ربو حرام ہے اور زراعت جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔ملاحظہ ہو۔

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یُحَرِّمِ الْمُزَارَعَةَ وَلٰکِنْ أَمَرَ أَنْ یَرْفُقَ بَعْضُھُمْ بِبَعْضٍ))

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ بے شک آنحضرتﷺ نے زراعت کو حرام

نہیں کیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ لوگ آپس میں نرمی اور رفاقت کا سلوک کریں۔"(96)

دوسری روایت میں کراء الارض کے الفاظ ہیں۔

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَمْ يُحَرِّمْ كِرَاءَ الْأَرْضِ وَلَكِنْ أَمَرَ بِمَكَارِمِ الْإِخْلَاقِ))

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم ﷺ نے کراء الارض کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے۔"(97)

زراعت کے جواز میں چند اہم نکات:

گذشتہ صفحات میں جو نظائر و شواہد پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام میں زراعت اپنی اصل کے لحاظ سے ممنوع اور حرام نہیں ہے۔ یہ عہد نبوت ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں رائج رہی ہے اور مملکت اسلامیہ کا پورا معاشی و معاشرتی ڈھانچہ زراعت کو جائز سمجھتا تھا۔ زراعت کے جواز میں چند اہم نکات بیان کئے جاتے ہیں۔

☆ رسول اللہ ﷺ صرف معلم و مبلغ ہی نہ تھے بلکہ ملک کے حاکم و فرماں روا تھے۔ اگر زراعت حرام ہوتی تو آپ ﷺ اس کا واضح طور پر اعلان فرماتے اور اس کی ہر نوع کو بند کر دیتے جس طرح سود کو آپ ﷺ نے نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ مسلمان معاشرے سے اس کا نام و نشان مٹا دیا۔ لیکن زراعت کا عمل آپ ﷺ کے عہد اور اس کے بعد بھی جاری رہا۔ یہ معاملہ چند افراد سے متعلق نہ تھا بلکہ پوری مملکت کے نظم و نسق سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ اگر آپ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہوتا تو یہ معروف و مشہور بات ہونی چاہیے تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت اور خلفائے راشدین کی عملی زندگی قول و فعل میں مطابقت کا بہترین نمونہ تھی۔ یہ گمان ہی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین ایک بات کو غلط کہیں اور اسے رائج بھی رہنے دیں۔

☆ اسلام کے نظام ملکیت میں مردوں کے ساتھ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بھی حق ملکیت حاصل ہوتا ہے قانون میراث کے تحت ایک شخص کے مرنے پر ترکہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں میں بٹ جاتا ہے۔ اس میں بیٹوں کیلئے بھی حصہ ہوتا ہے اور بیٹیوں و بیوی کیلئے بھی۔ اگر ملکیت زمین کے ساتھ "خود کاشتی" کی شرط عائد کر دی جائے تو نظام ملکیت اور نظام زراعت میں ایک تضاد اور تناقض کی کیفیت پیدا ہو جائیگی۔ اسلام

اس قسم کے تضاد سے پاک ہے۔اسی لئے وہ زراعت کو جائز قرار دیتا ہے۔

☆ اسلام کا قانون بیع وشراء جائز اشیاء کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں کسی قسم کی پابندی نہیں لگاتا اور نہ ہی انسان کو تصرف کے حق سے محروم کرتا ہے۔پھر زمین کے سلسلہ میں پابندی کیوں عائد کی جاتی۔

☆ اسلام نے تجارت، صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں نفع ونقصان کی شراکت پر دوسروں کے ساتھ کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے۔زمین بھی سرمایہ کی طرح ایک عامل پیدائش ہے اس کا مالک شراکت اور مضاربت کے اصول پر زراعت پر کاشت کیوں نہیں کراسکتا۔

☆ مدینہ اور عرب کے دیگر زرعی علاقوں میں غلاموں سے کھیتی کروانے یا اجرت پر کھیت میں کام کروانے کا رواج عام تھا۔یہ رواج ظہور اسلام کے بعد بھی جاری رہا۔اسی لئے آپ ﷺ نے مزدوروں کے حقوق کی پُرزور تاکید کی ہے کہ ان سے بیگار نہ لو اور ان کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرو۔زمین پر مزارع کا کام بھی اجرت پر مزدوری جیسا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ مزدور کو روزانہ اجرت دی جاتی ہے اور مزارع چھ ماہ بعد فصل کٹنے پر اپنی مزدوری لیتا ہے۔دونوں معاملات اپنی نوع کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں پھر ایک کے جائز اور دوسرے کے ناجائز ہونے کا کیا مفہوم ہوا۔

زراعت کا عدم جواز:

جن احادیث میں زراعت کی ممانعت وارد ہوئی ہے ان میں چند ایک کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۱) ((عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَزْرَعَهَا وَ عَجَزَ عَنْهَا فَلْيَمْنَحْهَا اَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُؤَاجِرْهَا اِيَّاهُ))

ترجمہ۔ ”حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے جس کے پاس زمین ہو وہ اُسے خود کاشت کرے پس وہ اگر اسکی طاقت نہ رکھتا ہو اور اس سے عاجز ہو تو اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کرنے کے لئے دیدے اور اُسے اجارہ پر نہ دے۔“(98)

۲) ((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ))

ترجمہ۔ ”حضرت جابر بن عبدؓاللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”زمین کے کرایہ“ سے منع فرمایا ہے۔“(99)

۳) ((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ))

ترجمہ۔ ''حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ''مخابرہ'' سے منع فرمایا ہے۔''(100)

٤) ((عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُحَاقِلُ الْاَرْضَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُكْرِيْهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى فَجَائَنَا ذَاتَ يَوْمٍ رَجُلٌ مَنْ عُمُوْمَتِىْ فَقَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا وَطَوَاعِيَةُاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اَنْفَعُ لَنَا ، نَهَانَا أَنْ نُحَاقِلَ بِالْاَرْضِ فَنُكْرِيْهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى وَأَمَرَ رَبَّ الْاَرْضِ أَنْ يَزْرَعَهَا أَوْ يُزْرِعَهَا وَكَرِهَ كِرَائَهَا وَمَا سِوَى ذٰلِكَ))

ترجمہ: ''حضرت رافعؓ بن خدیج کہتے ہیں کہ ہم عہد رسول ﷺ میں زمینیں محاقلہ پر دیا کرتے تھے۔یعنی تہائی اور چوتھائی پیداوار اور غلے کی متعین مقدار کے بدلے پس ایک دن میرے چچاؤں میں سے ایک آئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک ایسے کام سے روک دیا ہے جو ہمارے لئے نفع بخش تھا لیکن اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت ہمارے لئے زیادہ نفع بخش تھی۔آپ ﷺ نے ہمیں محاقلہ سے منع کر دیا ہے۔اور تہائی، چوتھائی یا مقررہ مقدار کے عوض زمین کاشت پر دینے سے منع کر دیا ہے۔اور مالک زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کیلئے دیدے۔اور اس کے کرایہ وغیرہ کو ناپسند فرمایا ہے۔''(101)

((حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے میرے چچا سے پوچھا کہ تم لوگ اپنی کھیتی کا معاملہ کس طرح کرتے ہو۔انہوں نے مخابرہ کی تفصیل بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ((فَلَا تَفْعَلُوا اِزْرَعُوْهَا أَوْأَزْرِعُوهَا أَوْ أَمْسِكُوهَا (ایسا نہ کرو خود کاشت کرو یا دوسروں کو کاشت کیلئے دیدو یا اپنی زمینوں کو روکے رکھو۔))(102)

٥) ((عَنْ اَبِى النَّجَاشِيِّ مَوْلٰى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ سَأَلْتُ رَافِعًا عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ قُلْتُ إِنَّ لِىْ أَرْضًا أُكْرِيْهَا فَقَالَ رَافِعٌ لَا تُكْرِهَا بِشَيْءٍ))

ترجمہ: ''حضرت رافعؓ بن خدیج کے غلام نجاشی نے روایت کی ہے کہ میں نے رافعؓ سے عرض کیا کہ میری ایک زمین ہے کیا میں اسے کرایہ پر دے سکتا ہوں تو انہوں نے اس سے منع کیا۔اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع

فرمایا ہے۔اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے پاس زمین ہوتو وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کیلئے دیدے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو اسے یونہی چھوڑ دے اور اسے کرایہ پر نہ دے۔"(103)

ممانعت کی احادیث کا تجزیہ وتوضیح:

گذشتہ صفحات میں زراعت کی ممانعت کے سلسلہ میں جتنی احادیث بیان ہوئی ہیں وہ زراعت کو ممنوع قرار نہیں دیتیں بلکہ زراعت کی مخصوص صورتوں جو عہد جاہلیت میں رائج تھیں اور ان میں سود سے مشابہت یا استحصال کی کوئی شکل پائی جاتی ہو کو ناجائز ٹھہراتی ہیں۔گذشتہ احادیث میں پانچ اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں اور وہ اصطلاحات درج ذیل ہیں۔

مخابرہ، کراء الارض، مزارعۃ، مزابنہ اور محاقلہ ان سے وہ مفہوم مراد لیا گیا ہے جو ایام جہالت میں مروج تھا جیسا کہ درج ذیل احادیث میں بھی بیان ہوا ہے۔مثلاً

۱۔ ((عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ سَأَلْتُ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهْ إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَ أَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَ أَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هَذَا وَ يَسْلَمُ هَذَا وَ يَهْلِكُ هَذَا فَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّاهَذَا فَلِذٰلِكَ زُجِرَ عَنْهُ فَامَّا شَيْءٌ مَعْلُوْمٌ مَضْمُوْنٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ))

ترجمہ: "حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے زمین کرایہ پر لینے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔تب میں نے پوچھا کہ سونے اور چاندی کے عوض لینا بھی منع ہے تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔عہد رسول ﷺ میں لوگ اپنی زمینیں اجرت پر دیتے ہوئے طے کر لیتے تھے کہ پانی کی نالیوں کے سرے پر اور ان کے کناروں پر اور کھیت کے بعض حصوں میں جو پیداوار ہوگی وہ مالک زمین لیگا۔ اب کبھی ایسا ہوتا کہ ایک جگہ کی کھیتی برباد ہو جاتی اور دوسری جگہ کی بچ جاتی۔اور کبھی اس جگہ کی بچ جاتی اور اس جگہ کی برباد ہو جاتی اس زمانے میں زمین کرایہ پر دینے کا یہی دستور تھا۔اس سے آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا، رہا ایک واضح اور متعین حصہ تو اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں۔"(104)

حضرت حنظلہ بن قیس سے اسی مضمون کی دو اور روایات بھی ہیں (105)

۲۔ ((حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ عہد رسول ﷺ میں بٹائی پر زمینیں دیتے تھے اور کچھ گھنڈیوں میں سے اور کچھ اس چیز میں سے اور کچھ اس چیز میں سے بھی وصول کرتے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو کاشت کیلئے دیدے یا یونہی پڑی رہنے دے۔)) (106)

زراعت کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء:

قرن اول کے فقہاء کرام کی آراء آنحضرت ﷺ کے طرز عمل سے ماخوذ ہیں اس لئے ان کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

☆ حضرت امام ابوحنیفہؒ زمین کو نقد لگان پر دینا درست اور بٹائی پر دینا درست نہیں سمجھتے۔ (107)

☆ طاؤسؒ اور ابن حزمؒ پیداوار کے مخصوص حصہ کے عوض بٹائی پر دینا جائز اور نقد لگان پر دینا ناجائز سمجھتے ہیں۔ (108)

☆ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نقد لگان اور بٹائی، دونوں پر زمین دینا جائز قرار دیتے ہیں۔ (109)

فقہ حنفی میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہوتا ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ کے موقف کو فقہ حنفی کا موقف کہا ہے۔

امام ابو یوسفؒ زراعت کو مضاربت کی طرح سمجھتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے۔

> میرے نزدیک اس معاملہ کی نوعیت وہی ہے جو مضاربت کی ہے۔ کہ اس میں ایک آدمی دوسرے کو منافع میں آدھے یا تہائی کی نسبت سے شریک ہونے کی شرط پر اپنا مال بطور مضاربت دیتا ہے۔ اور ایسا کرنا جائز ہوتا ہے این حالیکہ معاملہ مجہول ہے، معلوم نہیں کہ منافع کس قدر ہوگا۔ میرے نزدیک زمین کا معاملہ بھی مضاربت جیسا ہے۔ زمین خواہ پرتی ہو یا اس میں کھجور اور دوسرے درخت بھی ہوں۔ سب کی نوعیت یکساں ہے۔ (110)

مضاربت کے جواز پر سب علماء متفق ہیں اور زراعت، مضاربت سے مماثل ہے۔ کیونکہ ایک آدمی زمین (جو سرمایہ کی طرح ہے) دیتا ہے اور دوسرا محنت و مشقت کرتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جو پیداوار ہوتی ہے وہ دونوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کہتے ہیں کہ نقد لگان اور بٹائی دونوں صورتوں میں زمین کو اجارہ پر دینا جائز ہے۔ جمہور علماء امت کا یہی موقف ہے اور اسی پر سلف و خلف کا عمل رہا ہے۔ (111)

موجودہ دور میں زراعت کے بارے میں مختلف آراء اوران کا تجزیہ:

مزارعت کے بارے میں موجودہ دور میں تین موقف سامنے آئے ہیں۔

۱۔ شخصی ملکیت اور مزارعت دونوں جائز ہیں۔شخصی ملکیت کا اصول اسلام کے نظام معیشت کی بنیاد ہے اور قبضہ وتصرف کا حق شخصی ملکیت کی بنیاد ہے۔اس لئے ضرورت پڑنے پر زمین کومزارعت اوراجارہ پر دینا جائز ہے۔

۲۔ زمین کی شخصی ملکیت اور مزارعت دونوں ناجائز ہیں۔

۳۔ زمین کی شخصی ملکیت تو جائز ہے لیکن مزارعت ناجائز ہے۔

آیات قرآنی، احادیث اور آثار (جن کا گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے) کی رو سے شخصی ملکیت کا اصول اسلامی نظام معیشت کا بنیادی اصول ہے۔نظام زراعت کی نشوونما اور ارتقاء میں اس اصول نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔شخصی ملکیت، قبضہ کے حق اور تصرف وانتفاع کا حق بھی دیتا ہے مزارعت کی اجازت بھی اسی حق کی ایک صورت ہے۔اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ پہلا موقف قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے اور اسلام کی روح ومزاج کے مطابق ہے۔

دوسرا موقف جس کے مطابق شخصی ملکیت اور مزارعت دونوں ناجائز قرار دیئے جاتے ہیں۔سراسر قرآن و حدیث سے متصادم ہے۔کمیونزم کی تشریح اسلام کے حوالے سے کی گئی ہے یہ موقف نہ صرف اسلام کے خلاف ہے بلکہ انسانی فطرت کی بھی ضد واقع ہوا ہے۔

تیسرا موقف درمیانی راہ نکالنے کی کوشش ہے۔دوسرے اور تیسرے موقف کا مقصد قرآن وسنت کی منشاء کو بیان کرنا نہ تھا بلکہ ایک خاص صورتِ حال (جو اس وقت بدترین جاگیرداری کی صورت میں پاکستان میں پائی جاتی ہے) کی اصلاح پیش نظر تھی۔جہاں تک جاگیرداری کے خاتمہ کا تعلق ہے تو وہ مزارعت کے خاتمہ سے ختم نہیں ہو سکتی۔مزارعت کا مسئلہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور درمیانے درجہ کے زمینداروں تک محدود ہوتا ہے۔موجودہ جاگیرداری نظام مزارعت پر نہیں بلکہ زرعی غلامی پر کھڑا ہے۔وہاں تو مزارع ہوتے ہی نہیں بلکہ زرعی غلام ہوتے ہیں جن کو حصہ نہیں بلکہ گذارہ الاؤنس دیا جاتا ہے۔

فصل سوم

عہد رسالت وخلفائے راشدین کا زرعی نظام

عہد رسالت و خلفائے راشدین کا زرعی نظام

عہدِ رسالت کا زرعی نظام:

رسول اللہ ﷺ کے بندوبست اراضی کا تعلق مدنی زندگی سے ہے۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو سات ماہ تک حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر میں قیام فرمایا۔(112) یہاں پر اولین ضرورت مسجد کی تعمیر اور حرم نبوی کیلئے الگ مکانات کی تعمیر تھی۔ آپ ﷺ نے بنونجار کے دو یتیم بچوں سے اس وقت کی عام شرح کے مطابق قیمت ادا کر کے زمین حاصل کی۔(113) اور اس پر مسجد نبوی و امہاتؓ المومنین کے حجرے تعمیر کروائے۔(114) زمین کی قیمت حضرت ابوایوبؓ انصاری نے ادا کی۔(115) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پہلی زمین تھی جس کی بیع ہوئی اور اس پر مسجد تعمیر کی گئی۔

مہاجرین کو آباد کرنا اور انصار کے اثاثوں کی واپسی:

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ اس کے لئے آپ ﷺ کو بہت پہلے سے تیار کیا جا رہا تھا۔ بیعت عقبہ اول و ثانی کے بعد تو اس کے واضح آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے مستقبل کی پوری منصوبہ بندی کر لی تھی۔ مہاجرین کی تعداد ان کیلئے ثقافتی مرکز (مسجد) کا قیام، یہود کے بارے میں پالیسی، مدینہ کا دفاع اور مہاجرین کی سکونت و معیشت کے تقاضے آپ ﷺ کی نگاہ میں تھے۔ ہجرت مدینہ، مرکز اسلام کی تبدیلی ہی نہ تھی بلکہ مسلمانوں کو منظم، متحد اور طاقتور بنانے کا ایک زبردست دفاعی و سیاسی منصوبہ تھا۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر آپ ﷺ نے اقدامات کئے چنانچہ مدینہ میں مسافرت کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے فوری بعد آپ ﷺ نے مسجد اور حرم نبوی کیلئے حجروں کی تعمیر شروع کروا دی۔ یہود و انصار کے ساتھ میثاق مدینہ کا معروف معاہدہ کیا اور مہاجرین و انصارؓ کے درمیان ''رشتہ مواخاۃ'' (116) قائم کیا جو دراصل مہاجرین کی رہائش اور معیشت کے مسائل کے حل کی طرف ایک اہم قدم تھا۔

آپ ﷺ کے منصوبہ کے دو اہم پہلو تھے۔

☆ بے گھر مہاجرینؓ کیلئے سر چھپانے کو گھر یا ٹھکانہ مہیا کرنا۔

☆ مہاجرینؓ کیلئے مناسب روزگار کا انتظام کرنا۔ (117)

اس منصوبہ کی مختصر توضیح پیش کی جاتی ہے۔

الف) مہاجرینؓ کو رہائش فراہم کرنے کیلئے انصارؓ نے کمال ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا کہ

تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔انصارؓ نے اپنے گھروں کے آس پاس اپنی افتادہ زمینیں مہاجرین کو دے دیں اور وہاں ان کے گھر تعمیر کروا دیئے۔جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے اپنے رہائشی مکانوں میں سے آدھے اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیئے نیز جن کے پاس ایک سے زائد مکانات تھے انہوں نے ایک اپنی رہائش کیلئے رکھ لیا اور باقی مہاجرین کو پیش کر دیئے۔سب سے پہلے مکانات تعمیر کرنے کیلئے حارثہ بن نعمانؓ نے اپنی زمین پیش کی۔(118)

حضرت عثمانؓ،حضرت زبیرؓبن العوام،حضرت عبیدؓ،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت مقدادؓ کے مکانات افتادہ زمینوں پر تعمیر ہوئے۔(119)

ب)　رسول اللہﷺ نے حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں پینتالیس انصارؓ اور پینتالیس مہاجرینؓ کے درمیان ''عقد مواخاۃ'' قائم کر دیا(120) اور اس طرح مہاجرینؓ کو انصارؓ کی زمینوں اور نخلستانوں میں شریک بنا دیا اور مہاجرینؓ کی معیشت وروزگار کا مسئلہ وقتی طور پر حل کر دیا گیا۔

طبقات میں مذکور ہے۔عن محمد بن عمرؓ

((لما قدم رسول اللہ ﷺ المدینة آخی بین المهاجرین بعضهم لبعض وآخی بین المهاجرین والانصار آخی بینهم علی الحق والموا ساة ویتوارثون بعد الممات دون ذوی الارحام))

ترجمہ:　''جب رسول اللہﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپﷺ نے مہاجرین وانصار کا باہم اس شرط پر عقد مواخاۃ کر دیا کہ حق پر ساتھ رہیں گے۔باہم ہمدردی وغمخواری کریں گے اور ذوی الارحام کے بغیر مرنے کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔''(121)

''عقد مواخاۃ'' کی رو سے انصار ومہاجرینؓ نہ صرف دینی بھائی اور معاشرتی رفیق تھے بلکہ جائیدادوں میں بھی ایک دوسرے کے شریک تھے اور ان میں وراثت بھی قائم کر دی گئی تھی۔''عقد مواخاۃ'' تاریخ انسانی میں اپنی نوعیت کا منفرد بندھن تھا۔

مواخاۃ اسلام کے اجتماعی نظام تکافل کا عملی نمونہ تھی۔مہاجرینؓ مکہ سے بے سروسامان آئے تھے ان میں بعض خوشحال اور مالدار بھی تھے لیکن وہ بھی کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اور خالی ہاتھ مدینہ پہنچے تھے۔انصارؓ مدینہ

نے ایثاروقربانی کی لازوال مثال پیش کی ۔انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دو تجاویز پیش کیں ۔

☆ باغات اور کھیت ان کے مہاجر بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیئے جائیں ۔

☆ باغات اور کھیتوں میں ہم خود ہی کام کریں گے مگر آدھی پیداوار اپنے مہاجر بھائیوں کو دیتے رہیں گے ۔(122)

آپ ﷺ نے پہلی تجویز منظور نہیں فرمائی ۔البتہ دوسری تجویز کو پسند فرمایا ۔(123)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انصار نے بھی جہاد میں حصہ لیا اور غزوات میں برابر شریک ہوئے ۔اسلام کیلئے جان و مال کی قربانی دی لیکن آپ ﷺ مسلمانوں کے ایک حصے کو دفاعی محاذ کیلئے اور دوسرے حصے کو معاشی محاذ کیلئے مستعد رکھنا چاہتے تھے ۔کیونکہ دونوں محاذ یکساں اہمیت کے حامل تھے ۔مہاجرین و انصار کے اس زرعی اشتراک کو صحیح بخاری میں بھی بیان کیا گیا ہے حدیث کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے ۔

> ''انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے باغات اور زمینیں ہمارے درمیان تقسیم فرما دیں یعنی مہاجرین وانصارؓ کے درمیان ۔لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا ۔مگر جب انصار نے تجویز پیش کی کہ محنت ہم کریں گے مہاجرین ہماری مدد کریں اور پھل و فصل آپس میں تقسیم کرلیں گے تو آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا ۔''(124)

رسول اللہ ﷺ نے معاشی وسائل میں مہاجرین وانصار کو شریک کر کے جائیداد، زمین اور باغات سے متعلق قدیم تصور پر ضرب لگائی ۔اور اس بات کا عملی مظاہرہ کر کے اہل و ایمان کو ترغیب دی کہ یہ کام مباح اور جائز ہیں لیکن زندگی کا نصب العین نہیں زندگی کا نصب العین، اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اور وہ جہاد کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے ۔

الماوردی نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کاشتکار اور تاجر بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ کافروں کو ذلیل کرنے والا اور مومنوں پر رحم کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔اس امت میں دینداروں کو مستثنیٰ کر کے سب سے بڑے لوگ تاجر و کاشتکار ہیں ۔خدا کے ایک نبی نے جہاد کی تیاری کے موقع پر یہ کہا کہ جو شخص مکان بنا رہا ہے اور مکمل نہیں ہوا ۔یا جس کی شادی ہوگئی ہے ہمبستر نہیں ہوا یا جس کی کھیتی کھڑی ہے اور ابھی تک نہیں کاٹی وہ میرے ساتھ جہاد میں ہرگز شریک نہ ہو ۔(125)

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مجاہد کا تجارت وزراعت میں شدید طور پر ملوث ہو جانا جائز نہیں ۔رسول اللہ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ مہاجرین شدید طور پر معاشی وسائل میں ملوث ہو جائیں ۔

مواخاۃ دراصل بیعت عقبہ ثانیہ کا تتمہ و تکملہ تھی ۔اس موقع پر جب انصارؓ بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہؓ نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ بھائیو! تمہیں خبر ہے کہ یہ بیعت عرب و عجم سے اعلان جنگ ہے تو سب نے بیک زبان کہا

تھا۔''ہاں! ہم اسی پر بیعت کررہے ہیں۔(126) انصارؓ اپنی بیعت پر قائم رہے۔

دوسری طرف مہاجرین نے بھی خودداری اور اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ جو لوگ تجارت کرنے لگے یا کوئی اور مناسب روزگار میسر آ گیا تو اپنے انصار بھائیوں کے اثاثے واپس کرکے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے تجارت کی اور چند دنوں میں متموّل ہو گئے۔(127) حضرت ابوبکر صدیقؓ کپڑے کی تجارت کرنے لگے۔ (128) حضرت عثمانؓ نے کھجور کا کاروبار شروع کردیا۔(129) اور حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے۔ (130)

چار ہجری میں جب بنو نضیر جلاوطن ہوئے تو ان کی زمین اور نخلستان رسول اللہﷺ کے قبضہ میں آ گئے۔ آپﷺ نے انصارؓ کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دے دیئے جائیں اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصارؓ نے عرض کی کہ ہمارے نخلستان بھی ان کے پاس رہیں اور نئے مقبوضات بھی انہی کو دے دیئے جائیں۔(131)

مواخاۃ میں میراث بھی چلی لیکن صرف اٹھارہ ماہ تک غزوہ بدر ۲ ہجری کے بعد جب سورۃ انفال کی آیت ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾(132) نازل ہوئی تو مواخاۃ میں منسلک انصار و مہاجرین میں میراث کا سلسلہ ختم ہو گیا۔(133)

غزوہ خیبر ۷ ہجری کے بعد تمام مہاجرینؓ معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے نہایت احسان مندی کے ساتھ انصارؓ کے کھیت اور نخلستان ان کو مکمل طور پر واپس کر دیئے۔ مسلم کی روایت ہے۔

((اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قِتَالِ اَهْلِ خَيْبَرَ وَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرُوْنَ إِلَى الْاَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِي كَانُوا مَنَحُوهُمْ مِنْ ثِمَارِهِمْ))

ترجمہ: ''جب رسول اللہﷺ اہل خیبر کی لڑائی سے فارغ ہوئے اور مدینہ کی طرف لوٹے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے نخلستان واپس کر دیئے۔''(134)

انصارؓ نے اس موقع پر جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کے پیش نظر رسول اللہﷺ نے فرمایا ((اوصیکم بالانصار خیراً))(135) نیز آپﷺ کا ارشاد ہے ((انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور انصارؓ سے بغض منافقت ہے)) (136)

عقد مواخاۃ رسول اللہﷺ کی معاشی و زرعی منصوبہ بندی کا ابتدائی اقدام تھا جس سے مہاجرین کی معیشت کا مسئلہ بھی حل ہو گیا اور انصارؓ کی وہ زمینیں جو ابھی زیر کاشت نہیں آئی تھیں ان کو قابل کاشت بنا لیا گیا۔ نیز مہاجرینؓ

زراعت اور امور زراعت سے آشنا ہو گئے ۔نیز انصارؓ کی زمینوں اور باغات کی پہلے سے زیادہ دیکھ بھال کی گئی جس سے زرعی پیداوار میں اضافہ ہوا اور مسلمانوں میں معاشی خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔

مدینہ کی بنجر اور افتادہ زمینوں کی الاٹمنٹ، تقسیم اور داخلی امن:

میثاق مدینہ کی رو سے آپ ﷺ سربراہ مملکت قرار پائے ۔آپ ﷺ نے مدینہ کی وہ بنجر اور افتادہ زمینیں جو کسی کی ملکیت نہ تھیں سرکاری تحویل میں لے لیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ ((عادی الارض للّٰہ وللرسول ثم ھی لکم)) (137) ان میں بعض مہاجرینؓ کو مکان بنانے کیلئے الاٹ کیا اور بعض کو کاشت کاری اور آبادکاری کیلئے الاٹ کیا گیا۔ کیونکہ بقول امام ابوعبیدہؒ حاصل کردہ اراضیات کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا مقصود تھا۔(138)

موات زمینوں کی الاٹمنٹ کا کام کسی التواء کے بغیر شروع کر دیا گیا تھا۔حضرت طفیلؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الارت دو انصاریوں کو اپنی زمینوں میں سے ایک ایک قطعہ الاٹ کیا گیا اور یہ دونوں حضرات غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔ (139) اس سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ کی "موات" زمینوں کی الاٹمنٹ کا کام غزوہ بدر سے قبل شروع ہو چکا تھا۔

مدینہ میں یہود کے تینوں قبیلے میثاق مدینہ کے اہم فریق تھے ۔لیکن یہود نے بدعہدی کی جس کی ان کو سزا دی گئی ۔غزوہ بدر ۲ ہجری کے بعد بنی قینقاع نے ریاست کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا اور بعد ازاں ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔(140)

۴ھ میں بنونضیر نے بدعہدی کی۔ریاست کے خلاف سرکشی اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔آپ ﷺ نے ان کا پندرہ دن تک محاصرہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ ان کو قتل نہ کیا جائے مگر ان کے وطن اور املاک سے بیدخل کر دیا جائے۔یہ لوگ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔آپ ﷺ نے ان کی املاک پر قبضہ کر لیا۔(141)

طبقات میں مذکور ہے ۔(آپ ﷺ نے بنی نضیر کو) مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔وہ خیبر چلے گئے ان کا مال غنیمت اور ان کے اموال خاص طور پر آپ کیلئے تھے، یہ تقسیم نہیں ہوئے ۔صرف چھ مہاجرین اور دو انصار کو دیا گیا۔(142) بلاذری کہتے ہیں کہ پہلی زمین جو آپ ﷺ کے قبضہ میں آئی وہ بنی نضیر کی زمین تھی ۔(143) علامہ ابن کثیرؒ نے بنی نضیر کے غنائم کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔خلاصہ درج ذیل ہے۔

> آپ ﷺ نے بنی نضیر کی املاک پر قبضہ کرنے کے بعد انصار کو بلایا اور فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں بنی نضیر کے مال تمہارے اور مہاجرین کے درمیان برابر تقسیم کر دوں ۔اور مہاجرین حسب سابق تمہارے گھروں میں رہیں یا یہ اموال مہاجرین کو دیدوں اور وہ تمہارے گھر

خالی کردیں۔

انصار نے جواب دیا۔اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بنی نضیر کے اموال بھی مہاجر بھائیوں کو دیدیں اور وہ جب تک چاہیں ہمارے گھروں میں بھی رہیں۔رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے انصار کیلئے دعا فرمائی۔ ''اے اللہ!انصار پر رحم فرما اور انصار کی اولاد پر رحم فرما۔'' (144)

بخاری کی روایت ہے کہ اموال بنی نضیر میں سے زبیرؓ بن العوام کو ایک قطعہ اراضی دیا گیا۔ (145)

فتوح البلدان میں لکھا ہے((واقطع رسول اللہ ﷺ من ارض بنی نضیر ابا بکر و عبد الرحمن بن عوف وابادجانة سماك بن خرشة الساعدی وغیرہم)) (146)

خلاصہ یہ ہے کہ اموال بنی نضیر کو پہلے آپ ﷺ نے مہاجرین میں تقسیم کرنا چاہا لیکن پھر آپ ﷺ نے ان اموال کو فئے قرار دیکر سرکاری تحویل میں لے لیا اور ان میں سے صرف مہاجرین اولین (چھ افراد) کو دیا اور دو انصاریوں کو عطا کیا۔باقی املاک کی پیداوار کو مستحقین کیلئے وقف کر دیا۔جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان ہوا ہے۔

((عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي نُضِيْرٍ مَمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِمَّا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً فَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَةٍ وَمَا بَقِيَ يَجْعَلُهٗ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ عُدَّةً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ))

ترجمہ: ''مالک بن اوس نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ اموال بنی نضیر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر فئے کئے تھے۔اس میں سے مسلمانوں کو کچھ نہیں دیا گیا وہ آپ ﷺ کیلئے خاص قرار دیئے گئے تھے۔آپ اس میں سے اپنے اہل کیلئے سال بھر کا خرچہ لے لیا کرتے تھے۔اور باقی جہاد کی تیاری اور نیک کاموں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔'' (147)

مدینہ میں داخلی امن

حضور ﷺ نے مہاجرین و انصارؓ اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ لکھا جسے (148) میثاق مدینہ کہتے ہیں اس معاہدہ کی رو سے مدینہ ایک ریاست بنا اور آپ ﷺ کو ریاست کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔اس معاہدہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے مدینہ میں داخلی طور پر امن اور یک جہتی کی صورت پیدا کر دی۔یہود کی بد عہدی کی وجہ سے یہ فضا زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی لیکن ابتدأ آپ ﷺ امن اور یک جہتی پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔جس کا اثر یہ ہوا کہ مہاجرین تجارت کی

طرف اور انصار زراعت کی طرف توجہ دے سکے۔ چنانچہ دفاعی محاذ کے ساتھ معاشی محاذ بھی سرگرم عمل ہو گیا۔ آپ ﷺ اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے کہ مضبوط و مستحکم معاشی بنیاد کے بغیر مدینہ کا دفاع ممکن نہیں ہے۔

خیبر کی اراضی اور غنائم:

سات ہجری کی ابتدا میں خیبر کا زرخیز علاقہ اور اس کے نخلستان رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آ گئے۔ مدینہ منورہ خیبر سے آٹھ چوکیوں کی مسافت پر واقع ہے۔(149)

((غزا رسول الله ﷺ خيبر في سنة سبع فطاوله اهلها وما كثوه وقاتلوا المسلمين فحاصرهم رسول الله ﷺ قريباً من شهر ثم انهم صالحوه على حقن دمائهم وترك الذرية على ان لا يسحنوا ويخلوا بين المسلمين وبين الارض والصفراء والبيضاء وابزة الا ما كان منها على الاجساد و ان لا يكتموه شيئاً))

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ نے خیبر پر ۷ھ میں غزوہ فرمایا یہاں کے باشندے عرصے تک آپ کے مقابلے میں جمے رہے اور مسلمانوں سے لڑتے رہے۔ رسول اللہ نے تقریباً مہینہ ان کا محاصرہ کیا پھر انہوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کے خون معاف کیے جائیں ان کے بال بچے قید نہ کئے جائیں۔ البتہ وہ زمین سے جلا وطن ہو جائیں گے اور زمین سونے چاندی اور دیگر مال و اسباب سمیت مسلمانوں کے لئے چھوڑ جائیں گے سوائے اس مال کے جو ان کے جسموں پر ہے اور کچھ بھی نہ چھپائیں گے۔''(150)

آپ ﷺ نے خیبر کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ خیبر ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا گیا جس میں سے ہر حصہ سو سو حصے پر مشتمل تھا۔ طبری نے لکھا ہے ''آپ ﷺ نے خیبر کو شرکاء حدیبیہ میں چاہے وہ خیبر کے واقعہ میں شریک ہوئے یا نہیں تقسیم فرما دیا۔ مگر صرف ایک جابر بن عبداللہ ہی ایسے تھے جو شریک نہ ہو سکے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے دوسروں کی طرح ان کا بھی حصہ لگایا'' (151)

''جب زمینیں رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آ گئیں تو زمین پر کام کرنے والوں کی قلت کے باعث رسول اللہ ﷺ نے اس کو پیداوار کی آدھی بٹائی پر معاملہ کر کے انہی یہودیوں کے سپرد کر دیا۔ یہ عمل آپ ﷺ کی زندگی میں اور پھر آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی زندگی میں قائم رہا لیکن جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو چونکہ مسلمانوں کو بہت سے کام کرنے والے ہاتھ آ گئے اور اس قابل ہو گئے کہ زمین آباد کر سکیں اس لئے حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو شام کی طرف جلا

وطن کردیا اور تمام اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔" (152)

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے زمینیں تقسیم نہیں فرمائیں عہد صدیقیؓ میں بھی اسی طرح رہیں مگر عہد فاروقیؓ میں یہود کی جلاوطنی پر مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں۔

خیبر عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ مقام مدینہ سے تقریباً 153 کلومیٹر دور ہے۔ (153) یہاں کی زمین بہت زرخیز تھی۔ یہودیوں کے یہاں آٹھ قلعے تھے۔ یہود مدینہ پر حملہ کرنے والے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے دفاع کیلئے فوراً خیبر کی طرف پیش قدمی کی۔ آپ ﷺ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد چودہ سو تھی جن میں سے دو سو سوار اور باقی پیدل تھے۔ خیبر کے تمام قلعے، یکے بعد دیگرے فتح کر لئے گئے اور خیبر کی زمینوں ونخلستانوں کو قبضہ میں لیکر مالِ غنیمت قرار دیدیا گیا اور ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا فتح خیبر ۷ ہجری میں ہوئی تھی۔ (154)

خیبر کی اراضی کی تفصیل کتب سیرت واحادیث میں بیان ہوئی ہے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

> خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی۔ نصف بیت المال کیلئے خالص کر لیا گیا باقی غزوہ میں شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ پیدل کیلئے ایک حصہ اور گھوڑے کے دو حصے مقرر کئے گئے۔ اس طرح کل اٹھارہ سو حصے بنے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی دوسرے مجاہدین کی طرح ایک حصہ ملا۔ (155)

طبقات میں خیبر اور اراضی خیبر کی تقسیم سے متعلق بہت سی روایات بیان ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر بشیرؓ بن یسار کی روایت ہے کہ ((جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کیلئے خیبر فتح کر دیا تو آپ ﷺ نے اسے چھتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ میں سو سہم تھے۔ نصف ملکی ضروریات کیلئے مخصوص کر دیا اور دوسرا نصف مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ آپ کا حصہ بھی اسی نصف میں تھا)) (156)

آپ ﷺ نے مسلمانوں میں کاشت کرنے والوں کی قلت محسوس کی اور زمین یہود خیبر کو نصف پیداوار پر دیدی کہ وہ کاشت کریں۔ وہ لوگ برابر اسی طریقہ پر رہے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے اور مسلمانوں میں ہاتھ سے کام کرنے والوں کی کثرت ہوگئی اور وہ امور زراعت سے واقف ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے یہود کو شام کی طرف جلاوطن کردیا اور تمام املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ (157)

رسول اللہ ﷺ یہود کو خیبر سے جلاوطن کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سوچ کر کہ مجاہدین کی اکثریت کاشتکاری سے واقف نہیں ہے اور کھیتوں پر کام کرنے کیلئے مطلوبہ افرادی قوت میسر نہیں، نیز مجاہدین کی اکثریت کو کاشتکاری میں

ملوث کرکے مدینہ کا دفاع کمزور ہوسکتا تھا۔آپ ﷺ نے یہود کی درخواست پر زمینیں ان کے قبضہ میں رہنے دیں اور ان سے نصف پیداوار پر معاملہ کرلیا۔(158)

رسول اللہ ﷺ نے یہود خیبر کے ساتھ نصف پیداوار کا جو معاملہ کیا فقہاء اسے مخابرہ کا نام دیتے ہیں بخاری کی حدیث ہے۔

((عَنْ نَافِعٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ عَامَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْزَرْعٍ))

ترجمہ: ''حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود خیبر سے نصف پیداوار پر معاملہ فرمایا۔باغوں کے پھل ہوں یا کھیتوں کے غلے۔''(159)

دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کرنا چاہا تو انہوں نے عرض کی کہ ((اے محمد ﷺ ہمیں اس سرزمین میں رہنے دیجئے ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے۔اس وقت آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے پاس غلام بھی نہ تھے جو کاشتکاری کر سکتے۔خود صحابہؓ اس کام کیلئے فارغ نہ تھے۔لہذا آپ ﷺ نے نصف پیداوار (مخابرہ) پر یہود کو خیبر کی اراضی دیدی))(160)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کی پیداوار کے مقاسمہ کیلئے مقرر فرمایا۔(161) وہ یہودیوں سے بٹائی کرواتے تھے اور حصوں کی تقسیم کے مطابق مقدار جنس، متعلقہ افراد کو پہنچ جاتی تھی آپ ﷺ نے گیہوں، جو اور کھجور کو وسق کے حساب سے تقسیم فرمایا تھا۔(162)

دیگر علاقوں کا بندوبست اراضی:

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آتے ہی آپ ﷺ نے مومنین جو مکہ مکرمہ کے مہاجر تھے یا مدینہ کے باشندے تھے اور مدینہ کے دیگر باشندوں کے درمیان ایک معاہدہ لکھوایا۔جس میں مدینہ کے یہود سے بھی مصالحت کا عہدو پیمان تھا وہ یہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا عہدنامہ ہے جو قریشی اور مدنی مومنین و مسلمین کے درمیان نیز ان لوگوں کے درمیان جو انکی پیروی کرکے ان میں اس طرح آملیں کہ ان کے ساتھ رہیں اور ان کے ساتھ جہاد کریں یہ سب لوگ مل کر دوسرے لوگوں سے الگ ہو کر ایک امت قرار پائیں گے۔(163)

مدینہ کے یہود کی اراضی:

i۔ بنوقینقاع کی اراضی:

بنوقینقاع پہلے یہودی ہیں جنہوں نے اس معاہدہ کی جوان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان طے پایا تھا، خلاف ورزی کی اور ان کے آپ سے جنگ بدر اور احد کے درمیانی زمانے میں جنگ ہوئی، زہری کہتے ہیں یہ غزوہ شوال ۲ھ میں واقع ہوا۔(164)

آپ نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کیا آخر انہوں نے عاجز آ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ناچار اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔'' آپ نے ان کو جلا وطن کر دیا اور ان کی املاک کو بطور غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ زمیندار نہ تھے بلکہ صرف کاشتکار تھے۔ چنانچہ ان کے پاس سے اسلحہ اور کھیتی باڑی کے آلات کی بہت تعداد مال غنیمت میں ملی۔(165)

بنوقینقاع کی فتح کے واقعات احادیث وسیر اور کتب تواریخ میں کچھ تفصیل سے نہیں ملتے مگر بنونضیر کے اراضی کی تقسیم کے حالات کچھ تفصیل سے ملتے ہیں۔غزوہ بنوقینقاع کے بعد'' پہلی زمین جو آپ ﷺ کے قبضے میں آئی وہ بنونضیر کی زمین تھی۔(166)

ii۔ بنونضیر کی اراضی:

رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم جا کر یہودیوں سے کہہ دو کہ چونکہ تم نے میرے ساتھ غداری اور بدعہدی کی اسلئے تم میرے علاقوں سے نکل جاؤ اور میرے قریب نہ رہو۔(167)

((عن ابن عباسؓ قال حاصرهم رسول اللّٰه ﷺ يعنى بنى نضير خمسة عشر يوما حتىٰ بلغ منهم كل مبلغ فاعطوه ما اراد منهم فصالحهم على ان يحصن لهم دمائهم وان يخرجهم من ارضهم واو طانهم ويسيرهم الى اذرعات الشام))

ترجمہ: ''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کا پندرہ دن تک محاصرہ کیا اور انہیں بالکل بے بس کر دیا۔ آخر کار انہوں نے آپ ﷺ کے مطالبے کو منظور کیا اور اس شرط پر صلح کی کہ ان کو قتل نہ کیا جائے مگر ان کے وطن اور زمینوں سے ان کو بے دخل کر دیا جائے۔ اور انہیں شام کے

بیابانوں کی طرف جلاوطن کردیا جائے۔"(168)

رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا انہوں نے اپنا ایسا تمام سامان جو اونٹ پر لادا جا سکتا تھا ساتھ لے لیا۔قرآن حکیم کی اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیٓ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ﴾

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے پہلی مڈبھیڑ ہوتے ہی اہل کتاب میں سے جو کافر تھے انہیں انکے گھروں سے نکال باہر کیا۔"(169)

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ مِنۡهُمۡ فَمَآ اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ خَیۡلٍ وَّ لَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ﴾

ترجمہ: "اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے جنگ کے بغیر دلوایا ہے اس میں تمھارا کچھ حق نہیں کیونکہ اسکے لیے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غالب کردیتا ہے۔"(170)

ان کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردیں جیسا کہ یحیی بن آدم القرشی کہتے ہیں۔

((ثم قسم رسول اللہ ﷺ ارض بنی النضیر و ارض بنی قریظة ولم یقسم فدك))

ترجمہ: "پھر رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی زمین تقسیم کردی اور فدک تقسیم نہیں کیا۔"(171)

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو یہ جتایا ہے کہ یہ اموال رسول اللہ ﷺ کے خالصہ ہیں۔(172)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اس قسم کے تھے جو اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو بغیر جنگ کے دلائے تھے۔لہذا وہ مال خاص کر نبی کریم ﷺ نے لے لیا اور آپ ﷺ اس میں سے ایک سال کا خرچ اپنے گھر والوں کو دے دیتے تھے۔اس کے بعد جو باقی رہتا تھا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں میں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے خرچ کرتے تھے۔(173)

الغرض یہ مال و جائیداد سرکاری ملک قرار پایا اور رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ جس طرح چاہیں تقسیم کریں۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا۔

((ان اخوانکم من المهاجرین لیست لهم اموال فان شئتم قسمت هذه

واموالکم بینکم وبینهم جمیعاً وان شئتم امسکتم اموالکم وقسمت هذه فیهم
خاصة قال: قالوا لابل تقسم هذه فیهم واقسم لهم من اموالنا ما شئت))

ترجمہ: ''تمہارے بھائی مہاجرین نادار ہیں اگر تم چاہو تو میں یہ مال اور تمہارے اموال
مجموعاً دونوں پر تقسیم کردوں اور اگر یہ نہ چاہو تو تم اپنے اموال اپنے ہی پاس رہنے دو
میں یہ مال انہیں تقسیم کردیتا ہوں انہوں نے عرض کیا یہ مال تو آپ ان ہی میں تقسیم
فرمادیں اور ہمارے اموال میں بھی آپ جتنا چاہیں انہیں عطا فرمائیں۔''(174)

بنونضیر کے اموال رسول اللہ ﷺ کے خالصہ (سرکاری) ہو گئے آپ نے بحیثیت سربراہ مملکت جس طرح چاہا ان میں تصرف فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کی غرض عامة الناس کا مفاد تھی، نفسی یا ذاتی ہرگز نہ تھی۔ آپ ﷺ ان زمینوں میں کھجور کے درختوں کے نیچے زراعت فرما کر ماحصل سے اپنے اہل وعیال کے لئے سال بھر کی روزی حاصل فرماتے اور اس میں سے جو کچھ بچتا اسے گھوڑوں اور اسلحہ کی خریداری میں صرف فرماتے۔

iii۔ بنوقریظہ کی اراضی:

بنونضیر کی زمینوں کے بعد بنوقریظہ کی زمین جناب رسالت مآب ﷺ کے قبضہ میں آئی۔ مورخ بلاذری نے لکھا ہے۔

((حاصر رسول اللّٰہ ﷺ بنی قریظة لیال من ذی القعدة ولیال من ذی الحجة
سنة خمس فکان حصارهم خمس عشرة لیلة و کانوا ممن أعان علی رسول
اللّٰہ ﷺ فی غزوة الخندق، وهی غزوة الأحزاب))

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ۵ ھ کے آخر میں یعنی ذی القعدہ اور ذی الحجہ میں بنی قریظہ
کا محاصرہ کیا۔ پندرہ روز تک ان کا محاصرہ جاری رہا جس کا سبب آنحضرت
ﷺ کے مقابلے میں انہوں نے قریش کو جنگ خندق میں مدد دی تھی جو کہ جنگ
احزاب ہے۔''(175)

بنوقریظہ جہاں آباد تھے وہ مقام مدینہ سے کچھ فاصلے پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان شرائط صلح کے مخالفت کے باعث پندرہ دن اور بقول بعض پچیس دنوں تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔(176)

((ثم انهم نزلوا علی حکمه فحکم فیهم سعد بن معاذ الأوسی فحکم بقتل من
جرت علیه المواسی و بسبی النساء والذریة وان یقسم ما لهم بین المسلمین))

ترجمہ: ''جب وہ مجبور ہو گئے تو سعد بن معاذ اوسی کو حکم بنایا انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان

کے مرد قتل کر دیئے جائیں ۔عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے
اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں ۔"(177)

الغرض ہجرت کے پانچویں سال مدینہ اور اس کے اطراف کی زمینیں رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آ گئیں ۔ جو زمینیں بزور فتح ہوئیں آپ ﷺ نے انہیں صحابہؓ میں تقسیم فرمایا اور جو علاقے بغیر لڑائی کے فتح ہوئے وہ رسول اللہ ﷺ کے خالصہ یعنی سرکاری ملک قرار دیئے گئے ۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے اختیار سے مہاجرین اور مفلس انصاریوں کو ان میں سے عطا ئیں فرمائیں ماسوا اس کے بقول ابن عباسؓ کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہر ایسی زمین جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا اور جو افتادہ اراضی تھیں اس کے بارے میں آپ ﷺ جو چاہتے کرتے ۔(178) یعنی اپنے صوابدید کے موافق تقسیم کرتے تھے ۔

یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے یہودیوں کو جلاوطنی کا حکم دینے سے پیشتر انہیں اپنی زمینوں کو فروخت کرنے کا حکم دیا تھا ۔غالباً بنو قریظہ کی زمین کی طرف قرآن حکیم کی اس آیت میں اشارہ ہے ۔

﴿وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ﴾

ترجمہ: "اللہ نے ان کی زمینوں ،مکانوں اور اموال کا تمہیں مالک بنا دیا ۔"(179)

فدک کی اراضی:

خیبر کے بعد فدک کا علاقہ رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آیا اس سے متعلق مورخین کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر فتح کر لیا تو اللہ پاک نے اہل فدک کے دلوں میں اہل خیبر کی ذلیل شکست سے ایسا رعب ڈالا کہ انہوں نے خود ہی نصف پیداوار کی ادائیگی پر رسول اللہ ﷺ سے مصالحت وصلح کی درخواست کی ان کے نمائندے خیبر میں یا اثنائے راہ میں آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی ۔فدک پر مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی لہذا یہ علاقہ صرف اور صرف آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہو گیا ۔(180)

مورخ طبری نے خلاصہ لکھا ہے ۔

((فكانت خيبر فيئا للمسلمين و كانت فدك خالصة لرسول الله ﷺ))

ترجمہ: "خیبر تمام مسلمانوں کی ملکیت ہوا اور فدک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوا ۔"(181)

حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور وہ وہاں سے چلے گئے مگر فدک کے

یہودی معاہدے کے مطابق آدھی پیداوار کا حصہ پیش کرتے رہے حضرت عمرؓ نے ان کو نصف زمین اور نصف پیداوار کے معاوضے میں عادلانہ قیمتیں لگوا کر سونا، چاندی نیز اونٹوں کے پالان دیئے اور انہیں جلاوطن کر دیا۔(182)

خیبر کی فتح کے بعد اہل فدک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور محیصہ بن مسعود کی سفارت سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ نصف اراضی فدک اور اس کے کھجور آپ ﷺ مقاسمہ کرالیا کریں آپ ﷺ کے نصف اور نصف اہل فدک کے ہونگے۔(183)

اس کے بعد آدھا فدک تو آپ ﷺ کے صدقات کا رہا اور آدھا عام مسلمانوں کے لئے ہو گیا مگر اب (بزمانہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ) دونوں کا مصرف ایک ہی ہے۔(184)

اہل نجران سے معاہدہ ہو جانے کے بعد ان کی زمین جائیداد، تجارت وغیرہ ہر چیز کو بدستور بحال رکھا گیا۔ جس کی تفصیل کتاب الخراج میں موجود ہے۔(185) ''حضرت عمرؓ نے ان کی خفیہ سازشوں کی بنا پر انہیں نجران سے عراق و شام کی طرف منتقل کر دیا انہیں وہاں زمین دی گئی۔''(186)

فدک خیبر میں ایک مقام تھا جو یہود کے قبضے میں تھا۔ اہل فدک سے اس بات پر معاہدہ ہو گیا تھا کہ نصف زمین اور باغات اصل باشندوں کے پاس رہیں گے اور نصف خلافت کے انتظام میں دے دیئے جائیں گے۔ اہل فدک سے رسول اللہ ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا اسے اپنی حیات طیبہ میں پھر جناب ابو بکرؓ اور اول عہد عمرؓ میں کبھی نہیں توڑا گیا۔ اہل فدک کی سازشوں کی وجہ سے سیاسی مصالح کی بنا پر حضرت عمرؓ نے ان کو منتقل کیا اس کے ساتھ ہی ان کی زمین و جائیداد کی قیمت بھی ادا کی۔(187)

ایلہ: ایلہ والوں سے معاہدہ کے وقت جو کچھ طے ہو گیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں طلب کی گئی تھی۔(188)

مدینہ: مدینہ کے قرب و جوار میں بسنے والوں سے رسول اللہ ﷺ نے جتنے معاہدے کئے وہ تمام کے تمام پورے کئے گئے۔ خلاف ورزی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔

تیماء: تیماء کے لوگوں نے اسلام کے احسان و سلوک اور فیاضیوں سے متاثر ہو کر جو معاہدہ کر لیا تھا اس کی ہمیشہ پابندی کی گئی۔(189)

رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدینؓ نے جتنے بھی معاہدات کئے تھے ہمیشہ تمام کی پابندی کی گئی۔

وادی القریٰ اور تیما کی اراضی:

رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپسی میں وادی القریٰ تشریف لائے اور وہاں کے باشندوں کو دعوت اسلام دی ان کے انکار کرنے پر جنگ ہوئی اور حضور انور ﷺ کو فتح ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال آپ ﷺ کے لئے غنیمت کر دیئے آپ ﷺ نے خمس ان میں سے لے لیا اراضی و نخلستان انہی کے پاس رہنے دیئے اور ان سے اہل خیبر کی طرح کا سمجھوتا فرمایا۔ (190)

رسول اللہ ﷺ نے حمزہ بن النعمان بن ہوزہ العذری کو واپس وادی القریٰ میں وہ جگہ جاگیر میں عطا فرمائی جہاں انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا تھا یہ حمزہ بن عذرۃ کے سردار اور اہل حجاز میں سے پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قبیلہ کا صدقہ پیش فرمایا۔(191)

حضرت عمرؓ نے یہاں یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور ان کی زمین اور نخلستان کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے جو جنگ میں شریک تھے۔(192)

یہود کی جلاوطنی سے قبل ایک گراں بہا رقم ان کی اراضی کے معاوضہ میں ادا کر دی جیسا کہ الماوردی نے تصریح کی ہے۔

حضرت عمرؓ نے وادی القریٰ کے یہود کو جلاوطن کر دیا اور قیمت لگا کر ان کے حوالے کر دی۔(193)

اسلام نے ابتداً اور نہ ہی آج تک کسی پر ظلم کیا ہے اگر کہیں موجود نظر آتا ہے وہ ذاتی ہو سکتا ہے۔ اسلام کا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ اسلام انتہائی منصف اور عادلانہ مذہب ہے کوئی بھی دوسرا مذہب اس کا ثانی نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

بلاذری نے اہل تیماء کی اراضی کے متعلق لکھا ہے۔

((ولما بلغ اهل تيماء ما وطئى به رسول الله ﷺ اهل وادى القرىٰ صالحوه على الجزية فاقاموا ببلادهم وارضهم فى ايديهم))

ترجمہ: ''اہل تیماء نے جب یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے وادی القریٰ کے لوگوں کو مغلوب کر لیا تو انہوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی اور اس طرح بدستور اپنے شہروں میں رہے اور ان کی زمینیں انہی کے قبضے میں رہیں۔''(194)

((ان عمر بن الخطابؓ اجلى اهل فدك وتيماء و خيبر))

ترجمہ: ''حضرت عمرؓ نے خیبر، فدک اور تیماء کے لوگوں کو جلاوطن کر دیا۔''(195)

مکہ مکرمہ کی اراضی:

خیبر کے بعد رسالت مآب ﷺ نے مکہ فتح کیا مورخین نے لکھا ہے ”فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین صحابہؓ کو مکہ میں ان کی جس قدر زمینیں تھیں اور جو مکانات تھے۔ اجازت دے دی کہ ان سب پر قابض ہو جائیں اور ان زمینوں اور مکانوں کو مال غنیمت نہیں قرار دیا۔“(196)

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ اور اس کے اطراف کی اراضی کو حرم قرار دیا۔ مکہ اسی کے باشندوں کو واپس کر دیا۔ نہ آپ ﷺ نے (غنیمت قرار دے کر) تقسیم فرمایا اور نہ فئے قرار دیا۔(197) مکہ مکرمہ کی اراضی حرم پاک قرار دے کر حضور انور ﷺ نے اس کے کچھ اصول وضوابط مقرر فرمادئے جو تمام دنیا کے کسی دوسرے علاقے کے لئے مقرر نہیں کئے گئے۔

مکہ ۸ ہجری بزور قوت فتح ہوا(198) لیکن اس کے اموال اور زمین کو نہ مال غنیمت قرار دیا گیا اور نہ فئے قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مکہ مکرمہ دار المناسک اور وقف علی المسلمین ہے۔ چنانچہ فقہاء کی بہت بڑی تعداد مکہ مکرمہ کے مکانات کو کرایہ پر دینے اور اس کی زمین کو اجارہ پر دینے کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کے اوقاف ہیں۔(199)

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ سرزمین مکہ حرام ہے۔ اللہ نے اسے حرام کیا ہے نہ یہاں مکانوں کی خرید وفروخت حلال ہے اور نہ یہاں کے مکانات کا کرایہ حلال ہے۔(200)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حرم تمام کا تمام مسجد ہے۔(201)

رسول اللہ ﷺ نے اسی چیز کے پیش نظر مکہ کی اراضی ومکانات کو نہ مال غنیمت قرار دیا اور نہ فئے۔ حالانکہ مکہ بزور تلوار فتح ہوا تھا۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو انفال وغنائم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی اختیارات تفویض فرمائے تھے جو کسی دوسرے کو نہیں سونپے گئے۔ آپ ﷺ نے ان اختیارات کو کام میں لا کر مکہ کیلئے خصوصی پالیسی اختیار فرمائی۔(202) مکہ چونکہ امتیازی شان اور خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے مکہ کے اموال اور زمینوں کو دوسرے علاقوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم دیگر آئمہ کرام کے ہاں مکہ کی زمین کو فروخت کیا جا سکتا ہے اور سعودی فتویٰ بھی یہی ہے۔

طائف، دومۃ الجندل کی اراضی:

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے طائف کا رخ کیا اور ان کا محاصرہ کیا جسے مورخین نے اس طرح لکھا ہے۔

((و کان حصار رسول اللہ ﷺ الطائف خمس عشرۃ لیلۃ))

ترجمہ "رسول اللہ ﷺ نے پندرہ یوم تک طائف کا محاصرہ کیا۔"(203)

اس کے بعد آگے لکھا ہے۔

((ثم ان رسول اللّٰہ ﷺ انصرف الی الجعرانة لیقسم سبی اھل حنین و غنائمھم فخافت ثقیف ان یعود الیھم فبعثوا إلیه وفدھم فصالحھم علی ان یسلموا و یقرھم علی ما فی ایدیھم من اموالھم ورکازھم))

ترجمہ: "پھر رسول اللہ ﷺ جعرانہ کی طرف واپس آ گئے تاکہ اہل حنین کے قیدیوں اور بچوں کو تقسیم فرما دیں۔لہٰذا ثقیف والے آپ ﷺ کے واپس لوٹنے کے خدشے سے ڈر گئے اور آپ ﷺ کی طرف ایک وفد بھیجا جنھوں نے آپ ﷺ سے صلح کر لی اور اسلام قبول کر لیا اور انہوں نے اپنی جان، زمین اور املاک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عہد لکھوالیا۔ان کی اراضی واملاک انہی کے قبضے میں رہنے دی گئیں۔"(204)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو اکیدر بن عبدالملک کے مقابلہ پر دومۃ الجندل روانہ فرمایا۔ حضرت خالدؓ نے اسے گرفتار کیا اور اسے لے کر رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اکیدر مسلمان ہو گیا تو حضور نبی ﷺ نے اس کے لئے اور اہل دومۃ الجندل کے لئے ایک تحریر لکھوائی جو کہ حسب ذیل ہے۔

((ھذا کتاب من محمد رسول اللّٰہ ﷺ لا کیدر حین اجاب الی الاسلام و خلع الانداد و الاصنام ولاھل دومة ان لنا الضاحیة من الضحل و البور و المعامی و اعقال الارض و الحلقة و السلاح و الحافر و الحصن ولکم الضامنة من النخل و المعین من المعمور لا تعدل سارحتکم ولا تعد فاردتکم ولا یحظر علیکم البنات تقیمون الصلوة لوقتھا و تؤتون الزکاة بحقھا علیکم بذلك عھد اللّٰہ و المیثاق ولکم به الصدق و الوفاء شھد اللّٰہ و من حضر من المسلمین))

ترجمہ: "یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اکیدر کیلئے ہے جب اس نے اسلام قبول کیا اور اصنام کو چھوڑ دیا اور اہل دومہ کے لئے ہے جو بڑوں کا وہ حصہ جو آبادی سے باہر ہے۔بنجر زمین اور جنگل اور غیر آباد زمین زرہیں اور ہتھیار اور باربرداری کے جانور اور گڑھی یہ سب ہمارے لئے ہیں اور تمہارے لئے وہ کھجور کے درخت ہیں جو گڑھی کے اندر ہیں یہ بہتا ہوا پانی ہے تمہارے چرنے والے جانور

چراگاہوں سے نہیں پھیرے جائیں گے اور نصاب کی مقررہ تعداد سے جو مویشی
زیادہ ہوں زکوۃ کے تعین کے وقت ان کا شمار نہیں ہوگا اور تمہارے پودے اگنے
سے نہیں روکے جائیں گے تمہیں وقت پر نماز پڑھنی اور حق کے مطابق زکوۃ دینی
ہوگی اس لئے کہ تمہارے ساتھ اللہ کا عہد و میثاق ہے اور تم ہماری صداقت اور وفا
کے عہد کے مستحق ہو اللہ اور مسلمان جو حاضر ہیں تمام گواہ ہیں ۔'(205)

نجران، یمن، یمامہ، حضرموت، عمان کی اراضی

نجران کی اراضی:

اہل نجران نے ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا جس میں ان کے سردار اور نمائندے تھے ۔ انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کی درخواست کی آپ ﷺ نے صلح کر لی ۔(206)

حضور ﷺ نے صلح کے ساتھ ایک فرمان عطا فرمایا جس میں ان کی جان و مال زمین و جائیداد اور ملت و کلیسا وغیرہ کو امن دیا اور ان پر جزیہ عائد کر دیا پھر جب انہوں نے معاہدہ کی پامالی کی اور سود کھانے لگے تو انہیں جلاوطن کر دیا ۔ جیسا کہ لکھا ہے ۔"حضرت ابو بکر ؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے معاہدہ برقرار رکھا اور آپ ﷺ کے فرمان کے مانند ایک تحریر دی مگر جب حضرت عمر ؓ خلیفہ ہوئے تو یہ لوگ سود کھانے لگے تو انہیں جلاوطن کر دیا گیا ۔ (207)

حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے ان کی سود (خوری) اور تعداد بڑھ جانے کے اندیشہ سے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کہیں ان سے اسلام کو نقصان نہ پہنچ جائے انہیں جلاوطن کر دیا اور ان کے لئے پروانہ لکھا ۔

اما بعد یہ لوگ شام و عراق کے باشندوں میں سے جس کے پاس جائیں وہ انہیں زراعت
کے لئے زمین دے (ایسی زمینوں میں سے) یہ لوگ جو زمین بونے اور جوتنے لگیں گے وہ
ان کی یمن والی زمین کے معاوضہ میں ہوگی ۔(208)

پھر جب حضرت عثمان ؓ خلیفہ بنے تو نجرانیوں کے ایک وفد نے آپ ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا معروضہ پیش کیا اس پر حضرت عثمان ؓ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو جو کہ کوفہ کا گورنر تھا ۔لکھا

اما بعد ! میرے پاس نجران کا نمائندہ اور پادری اسقف اور معززین رسول اللہ ﷺ کا فرمان
لے کر آئے اور وہ پروانہ بھی انہوں نے مجھے دکھایا جو عمر ؓ نے انہیں دیا تھا میں نے ان کے
بارے میں عثمان بن حنیف سے گفتگو کی انہوں نے کہا کہ میں اس معاملے میں غور و فکر کر کے
اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شرط زمینداروں کے لئے بہت نقصان دہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے

> وہ اپنی زمینوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔اس لئے میں نے ان کو زمین کے معاوضہ میں اللہ کیلئے ان کے جزیے میں سے دوسو حصے کم کر دیئے ہیں اور ان کے حقوق میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ وہ ایسی قوم ہے جس کا ذمہ لیا گیا ہے۔(209)

نجران میں عیسائی آباد تھے۔۹ ہجری میں ان کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا(210) جس کے ساتھ آپ ﷺ نے تحریری معاہدہ کیا تھا۔معاہدہ کی طویل تحریر امام ابو یوسفؒ نے نقل کی ہے۔جس کے مطابق اہل نجران کا وہاں رہنے کا حق، مکانات، زمین اور دیگر جائیداد کا حق تسلیم کر لیا گیا تھا۔اس کے عوض ان پر خراج عائد کر دیا گیا تھا۔

معاہدہ درج ذیل ہے۔

> نجران اور اس کے ماتحت لوگوں کو اپنے اموال، جانوروں، زمینوں اور مذہب کے سلسلہ میں تمام حاضر وغیر حاضر افراد کو، ان کے اہل خاندان کو عبادت گاہوں کو تھوڑی یا بہت جو اشیاء ان کے قبضہ میں ہیں۔سب کے سلسلہ میں اللہ کی نگہبانی اور محمد رسول ﷺ کی ذمہ داری حاصل ہوگئی۔(211)

اس کے عوض جو خراج عائد کیا گیا وہ یہ تھا کہ ''اہل نجران ہر سال کپڑوں کے دو ہزار جوڑے (ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں دیا کریں گے۔ایک جوڑا ایک اوقیہ چاندی کی قیمت کے مساوی ہوگا۔''(212)

یہ معاہدہ وفد نجران اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان طے پایا تھا اور اسے عبد اللہ بن ابی بکرؓ نے لکھا تھا۔(213)

اس معاہدہ پر حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں بھی عمل ہوا۔اہل نجران اپنے علاقہ میں آباد رہے اور ان کو ہر قسم کا تحفظ حاصل رہا۔حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کو نجران یمن سے جلاوطن کر کے عراق میں بسا دیا گیا جسے نجران عراق کہتے تھے۔حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔انکو متبادل مکانات، زمینیں اور جائیدادیں فراہم کی گئیں نیز ان کو پورا معاشرتی تحفظ دیا گیا۔حضرت عثمانؓ نے بھی ان لوگوں کو پورا تحفظ دیا اور رسول اللہ ﷺ کے کئے گئے معاہدہ پر دل و جان سے عمل درآمد کیا۔(214)

یمن کی اراضی:

مورخین نے لکھا ہے۔

> جب اہل یمن کو حضور ﷺ کے ظہور اور اعلائے حق کی خبر ہوئی تو ان کے وفد خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے انہیں تحریری اقرار دیا جس میں یہ تھا کہ وہ جن اموال واراضی اور

مدفون خزانوں پر قابض ہیں وہ بدستور قابض رہیں گے) البتہ جو لوگ مسلمان ہوئے ان پر رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ اور ان کی اراضی پر لگان مقرر فرمایا تھا۔(215)

یمامہ کی اراضی:

یمن کی طرح یمامہ کے باشندے بھی اسلام لائے لکھا ہے۔"رسول اللہ ﷺ نے فرات بین حیان العجلی کو ایک زمین یمامہ میں جاگیر میں دی۔" معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو جاگیریں بھی عطا فرمائی تھیں۔ (216)

حضر موت کی اراضی:

حضر موت کے لوگ بھی اسلام لائے تو ان کی اراضی اسلامی مملکت کا جزو بن گئیں لکھا ہے۔"علقمہ بن وائل الحضر ی اپنے والد سے روایت کرے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں حضر موت میں ایک جاگیر عطا فرمائی" (217)

عمان کی اراضی:

رسول اللہ ﷺ نے ۸ ہجری میں ابو زید انصاری اور عمرو بن العاص کو عبید اور جیفر جلندی کے پاس فرمان مبارک دے کر روانہ کیا جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی یہ دونوں عمان گئے عبید اور جیفر سے سمندر کے کنارے صحاء میں ملے اور انہیں نبی کریم ﷺ کا فرمان دیا۔انہوں نے اسلام قبول کیا پھر ان کے عربوں کو دعوت اسلام دینے پر وہ بھی اسلام لائے۔(218)

حضور اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کے بارے میں لکھا ہے۔غرض خود رسول کریم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں تقریباً دس لاکھ مربع میل کا علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو چکا تھا۔اور دس سال تک اوسطاً دوسو چھتر مربع میل کا رقبہ فتح ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کا اراضی کے سلسلہ میں طرز عمل:

اراضی مفتوحہ و معاہدہ:

رسول اللہ ﷺ کا اپنا طرز عمل جو مذکورہ مختلف علاقوں کی اراضی کے بارے میں معلوم ہو رہا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

الف) جو علاقے جنگ کے بعد بزور فتح ہوئے آپ ﷺ ان کو شرکاء جنگ میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔

ب) جو علاقے بغیر جنگ کئے حاصل ہوتے آپ ﷺ ان کو سرکاری املاک قرار دیتے اور اس سرکاری املاک کا

ایک حصہ اگر چاہتے تو اپنے اختیار سے نادار صحابہؓ میں تقسیم فرما دیتے۔

ج) جن علاقوں کے لوگ خود مسلمان ہو کر اپنے علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کرنا چاہتے یا اہل کتاب اور مجوسی جزیہ دینا قبول کرتے تو ان کی زمینوں کو انہی کے پاس رہنے دیا جاتا تھا۔

د) ان اہل کتاب و مجوس کے تمام علاقوں میں بعض ایسی زمینوں پر جن پر اگر کوئی پہلے سے قابض نہ ہوتا تو رسول کریم ﷺ اس کو مختلف اشخاص میں ان کے کارہائے نمایاں کے پیش نظر بطور صلہ جاگیر بھی عطا فرما دیتے تھے۔

ھ) رسول اللہ ﷺ نے تمام اراضی کا انتظام مفاد عام کے لحاظ سے کیا تھا اراضی کی تنظیم و تقسیم کی جو عمدہ صورت ہو سکتی تھی وہ آپ ﷺ نے اختیار فرمائی۔

و) رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی خاص طبقہ یا جماعت کا مفاد نہیں تھا بلکہ خلق اللہ کا عام مفاد تھا۔

ز) رسول اللہ ﷺ کے ہاں ملکیت کی حیثیت حق استعمال اور حق انتفاع سے زیادہ نہ تھی اور وہ بھی اسی حد اور اسی وقت تک قابل تسلیم تھی جب تک مفاد عامہ میں خلل واقع نہ ہو اور کسی کی حق تلفی کا باعث نہ بن سکے۔

ح) رسول اللہ ﷺ نے جو نظام اراضی کے متعلق ارشاد فرمایا اس میں نہ ملکیت کی آڑ میں جور و استبداد کی گنجائش تھی اور نہ جماعتی شکنجہ میں انسان کو اس طرح جکڑ دیا گیا تھا کہ وہ آزادانہ اپنی صلاحیتوں کو نشو و نما دے کر اپنے ضمیر کا استقلال نہ باقی رکھ سکے بلکہ ہر شخص کو اپنی ضرورت و صلاحیت کے مطابق کسی تخصیص و ترجیح کے بغیر مستفید ہونے کے ذرائع و مواقع یکساں طور پر مہیا تھے۔

ط) رسول اللہ ﷺ نے رحمت و اخوت، مساوات، امانت و دیانت اور ایثار و قربانی کی فضا کا مکمل نمونہ پیش فرما دیا تھا۔(219)

معاہدین کی زمین، تجارت، صنعت و حرفت غرض ہر چیز بدستور بحال رکھی جاتی تھی نہ کبھی معاہدے کی خلاف ورزی کی جاتی اور نہ کبھی اس کے خلاف کوئی شے طلب کی جاتی تھی۔ ارشاد ہے۔

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾

ترجمہ: ''اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے۔''(220)

معاہدہ کی پابندی کے بارے میں فرمان رسول اللہ ﷺ موجود ہے فرمایا

((الا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب

نفس فانا حجیجہ یوم القیامۃ))

ترجمہ: ''غور سے سن لو جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا ان کے حقوق میں کمی کرے گا
یا برداشت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا ان کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے گا
تو اس کے خلاف میں خود قیامت کے دن مدعی بن کر دعویٰ دائر کروں گا۔''(221)

اراضی معاہدہ کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے۔''از روئے سنت صلح کے ذریعے طے شدہ خراج میں کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔خواہ مفتوح اقوام اس سے زائد دینے کی طاقت ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔''(222)

اراضی غنیمت:

گذشتہ صفحات میں کئی بار اراضی غنیمت اور اراضی فئے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اراضی کی ان دونوں اقسام کی وضاحت کر دی جائے۔قرآن کریم میں غنیمت اور فئے کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔سورۃ الانفال میں آتا ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾

ترجمہ: ''اور جان رکھو کہ جو مال غنیمت تم کفار سے حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا
اور اسکے رسول کا اور اہلِ قرابت اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔''(223)

یحییٰ بن آدم نے غنیمت کی درج ذیل تعریف کی ہے۔

الغنیمۃ فی شرعۃ الاسلام کل مال وصل الی المسلمین من الکفار عن طریق
الغلبۃ والقوۃ۔

ترجمہ: ''شریعت اسلام میں غنیمت وہ مال ہے جو مسلمانوں کو کافروں سے غلبہ وقوت
سے حاصل ہوتا ہے۔''(224)

مفتی محمد شفیع مرحوم نے غنیمت کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے۔''غیر مسلموں سے جو مال جنگ و قتال سے حاصل کیا جائے وہ غنیمت ہے اور جو صلح و رضامندی سے حاصل ہو وہ فئے کہلاتا ہے۔''(225)

علامہ ابن کثیرؒ نے آیت غنیمت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

من یفرق بین معنی الفئی والغنیمۃ یقول تلك نزلت فی اموال الفئی وھذہ فی
الغنائم

ترجمہ: ''جنہوں نے فئے اور غنیمت میں فرق کیا تو یہ (آیت سورۃ الحشر) اموال فئے کے بارے میں اور یہ آیت (سورۃ الانفال) غنیموں کے بارے میں نازل ہوئی۔''(226)

اسلام سے قبل دستور تھا کہ جنگ میں فتح کے بعد جو کچھ حاصل ہو اس میں سے چوتھا حصہ سربراہ یا رئیس قبیلہ کا ہوتا تھا۔ اور باقی لڑنے والوں کا حق سمجھا جاتا تھا۔(227) لیکن اسلام نے اس دستور کو ختم کر کے غنیمت کی تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی ملک قرار دیا۔ مفتوحہ زمین و اموال اللہ تعالیٰ کی ملک قرار دی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ خمس (پانچواں حصہ) اللہ و رسول ﷺ کیلئے نکال کر بقیہ مال غازیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر، بنی قریظہ کی جلاوطنی اور بنی قینقاع کی مدینہ بدری کے موقع پر کیا۔ فتح خیبر پر بھی آپ ﷺ نے زمینوں کو مال غنیمت قرار دیکر مجاہدین میں تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن بنی نظیر کی جلاوطنی پر ان کی زمینوں کو فئے قرار دیکر حکومت اسلامی کی ملک قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ یہ سب کچھ بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا۔ فدک اور وادی القریٰ کے اموال اور زمینوں کو بھی فئے قرار دیا گیا۔

اراضی فئے:

اراضی فئے وہ زمین ہوتی تھی جو مسلمانوں کو کافروں اور مشرکوں سے بغیر جنگ وجدال کے حاصل ہو جاتی تھی۔ قرآن حکیم میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے۔ سورۃ الحشر میں آتا ہے۔

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌO مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ O﴾

ترجمہ: ''اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے جنگ کے بغیر دلوایا ہے اس میں تمھارا کچھ حق نہیں کیونکہ اسکے لیے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو بستیوں والوں سے دلوایا ہے وہ تو وہ اللہ و رسول کا ہے اور پیغمبر کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے تا کہ وہ مال تمہارے امراء کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ رسول ﷺ جو تمہیں

دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک
اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔"(228)

گذشتہ صفحات میں بیان کردہ تشریحات کی روشنی میں درج ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

۱۔ غنیمت اور فئے میں دو امور مشترک ہیں۔

☆ دونوں کافروں اور مشرکوں سے حاصل ہوتی ہیں۔

☆ دونوں کے مصارف اللہ و رسول ﷺ، قرابت دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافر ہیں۔

۲۔ دونوں میں دو امور مختلف ہیں۔

☆ غنیمت جبراً لیجاتی ہے جب کہ فئے صلحاً حاصل ہوتی ہے۔

☆ غنیمت میں سے خمس نکال کر بقیہ چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ جبکہ فئے پوری کی پوری مصالح عامہ کیلئے ہوتی ہے۔

دونوں کا مقصد مشترک ہے کہ "دولت تمہارے امراء کے درمیان گردش نہ کرتی رہے"(229)

کسی مال اور اراضی کو غنیمت اور فئے ، قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے امام کو بھی کچھ اختیارات حاصل ہیں لیکن اسے اپنے اقدام کی سند، کتاب و سنت سے پیش کرنی ہوگی جیسے حضرت عمرؓ نے شام و عراق کی زمینوں کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے سورۃ الحشر کی آیات سے استدلال کیا ہے۔(230)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے اموال، اراضی اور باغات کو مال غنیمت قرار دیا تھا کیونکہ خیبر جنگ کے بعد فتح ہوا تھا۔ اس لئے حاصل ہونے والی اراضی و باغات میں سے خمس نکال کر بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے تھے۔(231) لیکن بنی نضیر کی زمینوں اور نخلستانوں کو فئے قرار دیکر تقسیم نہیں فرمایا تھا اور فدک کی اراضیات کو بھی آپ ﷺ نے اپنے لئے خالص کر لیا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں مواقع جنگ کے بغیر حاصل ہوئے تھے۔

اراضی انفال:

غنیمتیں کیا ہیں ارشاد الٰہی ہے۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۖ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

ترجمہ: "آپ ﷺ سے غنیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ ﷺ فرما دیں

غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔'' (232)

راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔

واصل ذلك من النفل ای الزيادة على الواجب

ترجمہ ''اصل اس کی یہ ہے کہ یہ نفل سے ہے یعنی واجب پر اضافہ۔''(233)

((قال البخاری قال ابن عباسؓ الانفال المغانم))

ترجمہ: ''امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ انفال غنیمتیں ہیں۔''(234)

ترجمان القرآن میں ہے۔''مال غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔''(235)

معارف القرآن میں ہے۔''غیر مسلموں سے جو مال جنگ وقتال اور قہر وغلبہ کے ذریعہ حاصل ہوا سے غنیمت کہتے ہیں اور جو صلح ورضامندی سے حاصل ہو جیسے جزیہ واخراج وغیرہ اس کو فئے کہا جاتا ہے۔''(236) مزید لکھا ہے۔''مال غنیمت کو حدیث پاک میں طیب الاموال کہا جاتا ہے یعنی سب سے زیادہ پاک مال۔''(237)

قاضی ثناء اللہ نے تحریر کیا ہے۔

العقار التی استولی علیها المسلمون عنوة فقال الشافعیؒ یجب ان یقسمها الامام بین الغانمین بعد التخمیس کالمنقول کما قسم رسول اللہ ﷺ خیبر وھی روایة عن احمد لعموم ھذہ الایة۔

ترجمہ: ''غیر منقولہ جائیداد (زمین، باغ وغیرہ) پر اگر مسلمان بزور شمشیر قابض ہو جائیں یعنی فتح کر لیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ منقولہ املاک کی طرح پہلے اس کا پانچواں حصہ نکالا جائے گا۔ پھر بقیہ چار حصے مجاہدین کو تقسیم کر دیئے جائیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی جائیداد تقسیم کر دی تھی۔ اس آیت کے عموم کے پیش نظر امام احمدؒ کی ایک روایت ایسی ہی ہے۔'' (238)

انفال اور فئے میں فرق:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ﴾

ترجمہ: ''اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے جنگ کے بغیر دلوایا ہے اس میں تمھارا کچھ حق نہیں کیونکہ اسکے لیے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، لیکن اللہ

اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے۔"(239)

"جو مال اہل حرب سے بلا قتال حاصل ہو وہ فئے ہے۔"(240)

یہ سب حسب صوابدید رسول اللہ ﷺ اس کے مصرف ہیں جیسا کہ اور بھی اس کے مصارف ہیں۔پس تخصیص ذکری بنا رفع شبہہ کے ہوسکتی ہے۔کہ یہ لوگ بدون شرکت جہاد کے بدرجہ اولی مستحق نہ ہوں گے۔اس شبہہ کو رفع کر دیا کہ ان کا مصرف ہونا خاص اوصاف کے اعتبار سے ہے نہ کہ بوجہ شرکت جہاد کے پس وہ وصف جس میں ہوگا۔وہ مصرف ہوگا۔(241)

مفتی محمد شفیع اس بارے میں رقمطراز ہیں۔

خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہؓ کے تعامل سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تو مال فئے آپ ﷺ کے اختیار میں تھا۔آپ کی صوابدید کے مطابق صرف کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء کے اختیار اور صوابدید پر رہا۔(242)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وقت فئے کی جس طرح چاہے تقسیم کرسکتا ہے۔صحابہ کرامؓ اور خود حضور ﷺ کا عمل مبارک یہی تھا۔مگر امام وقت مفاد عامہ کو ملحوظ رکھے آگے دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَآؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ﴾(243)اس آیت کے مفہوم میں صحابہ کرامؓ مہاجرین و انصار کے بعد پیدا ہونے والے قیامت تک کے مسلمان شامل ہیں اور اس آیت نے ان سب کو مال فئے میں حق دار قرار دیا ہے۔"(244)

قاضی ثناء اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔"یہ بات ثابت شدہ ہے کہ زمینیں جن کے ہاتھ میں ہوں انہی کے قبضہ میں ادائے خراج کی شرط پر چھوڑ دینا اجماعی مسئلہ ہے۔اس پر اجماع ہو چکا ہے۔"(245)

اس کے بعد ایک صحیح حدیث بھی بطور استدلال پیش کی ہے۔

((قالوا ! یا رسول اللہ ﷺ ۔ السنا باخوانك؟ فقال بل انتم اصحابی واخواننا الذین لم یاتوا بعد وانا فرطھم علی الحوض، فبین ﷺ ان اخوانھم کل من یاتی بعدھم))

ترجمہ: "صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ ﷺ کے بھائی نہیں ہیں تو فرمایا بلکہ تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے اور میں حوض پر ان سے پہلے پہنچنے والا ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمایا کہ ان کے بھائی وہ

تمام ہیں جوان کے بعد آئیں گے۔"(246)

مذکورہ استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان جماعت کے بعد قیامت تک کے آنے والے انسان "من بعدھم" میں شامل ہیں۔

اسی لئے سیدنا حضرت عمرؓ نے بھی سورۃ الحشر کی اسی آیت کریمہ سے شہادت حاصل کر کے یقین کے ساتھ فرما دیا تھا۔ کہ یہ سوادِ عراق و شام کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کی بجائے قیامت تک کے آنے والے انسانوں کی ضروریات کے لئے ہیں لہذا انہوں نے ان زمینوں کو تقسیم نہیں فرمایا۔

قاضی ابو بکر الجصاص نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔"جو مال کافروں سے کفر کی بناء پر مسلمانوں کو حاصل ہو خواہ وہ جہاد و قتال سے ہو یا بغیر جہاد و قتال کے وہ ہمارے نزدیک مال فیئے ہے۔"(247)

اس لحاظ سے مال فیئے عام ہوا اور مال غنیمت خاص۔ فیئے قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لئے عام ہے۔ اور غنیمت خاص جو اسی وقت مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں گی۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے۔

> جو بغیر جنگ کے ہاتھ آتا وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے اور جو کام ضروری ہو اس پر خرچ ہو اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کی طرف مسارعت کریں اور مسلمان قبول کر لیں اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہوں گے وہ بھی حکم فیئے میں داخل ہیں۔(248)

مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات سمجھ آ رہی ہے کہ دشمن کے وہ تمام اموال جو دشمن مرعوب ہو کر مسلمانوں کے حوالہ کریں وہ خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ وہ تمام مال فیئے بنتے ہیں۔ اور اس مال میں امام وقت کو حاکمانہ تصرف کا حق ہوتا ہے۔ جو کہ مسلمانوں کی عام ضروریات و مصالح میں خرچ ہوتا ہے تا کہ پوری کی پوری موجودہ قوم اور بعد میں آنے والی تمام نسلیں یکساں طور پر اس سے مستفید ہو سکیں۔

اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق و شام کی زمینیں جو کہ مال غیر منقولہ تھیں۔ مفاد عام کی خاطر تقسیم نہیں فرمائیں بلکہ اجتماعی مفاد میں صرف کیں۔

اس سلسلہ میں اردو دائرۃ معارف اسلامیہ میں مذکور ہے۔

> حضرت عمرؓ نے اپنی فراست اور دانائی سے محسوس کیا کہ اگر اسلامی فوج کے سپاہیوں کو ہزاروں لاکھوں مربع میل کا علاقہ دے دیا گیا۔ تو ایک طرف تو دولت گنتی کے چند لوگوں

کے ہاتھوں میں محصور ہو جائے گی جو قرآن مجید کے فرمان کے خلاف ہے دوسرے حکومت کی ضرورتیں پوری نہ ہوسکیں گی اس کے علاوہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر مجاہدین اسلام میں مختلف علاقوں کی اراضی تقسیم کردی گئی تو ان کی توجہ صحیح مقصد سے ہٹ جائے گی اور ان کی متحدہ قوت منتشر ہو جائے گی۔مزید براں مفتوحین کے ساتھ حسن سلوک کا مسئلہ بھی تھا۔اس بارے میں بعض صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف رائے تھا۔اور مہینہ بھر بحث ہوتی رہی۔آخر حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی آیت (سورۃ الحشر ۷ تا ۱۰) سے استدلال کیا کہ مفتوحہ اراضی صرف موجودہ لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ''والذین من بعدھم''یعنی اوران کے لئے جو ان کے بعد ہوں گے کے لئے بھی ہے۔اور یہ قیامت تک آنے والوں پر حاوی ہے اس لئے ساری زمین وقف ہو کر حکومت کے ہاتھ میں رہیں۔اب کسی کو اختلاف نہ رہا اور مجمع عام کے اس اجماعی فیصلے سے تمام اسلامی سپہ سالاروں کو اطلاع دے دی گئی۔(249)

ڈاکٹر حمید اللہ نے تحریر کیا ہے۔

مفتوحہ اراضی صرف موجودہ لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ان کے لئے جو ان کے بعد ہوں گے کے لئے بھی ہے اور یہ قیامت تک آنے والوں پر حاوی ہے اس لئے ساری زمینیں وقف ہو کر حکومت کے ہاتھ میں رہیں۔(250)

سورۃ الحشر کی مذکورہ آیات کے تحت لکھا ہے۔

عراق کی مفتوحہ اراضی جو فاتحین کے حق سے تھی بغیر تقسیم ریاست کے لئے محفوظ کر کے اس کی آمدنی عوام کے مفاد کی غرض سے خاص کردی۔عراق کی فتح پر وہاں کے باشندے بھی فاتحین پر تقسیم ہوئے مگر ممدوح نے ان باشندوں کو بھی ریاست کی تحویل میں لے کر انکی ذات سے دو قسم کی آمدنی کے ذرائع پیدا کر دیئے۔

(الف) جزیہ (ب) کاشت کارانہ حیثیت سے پیداوار میں بٹائی۔(251)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے۔''مفتوح علاقے کو فاتح فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے اس کو تمام مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا''(252)

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ اراضی کو مال فئے قرار دے کر اسلامی حکومت کی آمدن میں اضافہ فرمایا جو کہ صرف اور صرف مفاد عامہ کی خاطر کیا گیا تھا۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اراضی جو غیر مسلمانوں سے فتح کے بعد مسلمانوں کے تصرف میں آتی

ہے وہ مال فئے میں شامل ہے اور قیامت تک کے آنے والے تمام انسان اس میں حق دار ہیں۔

ابو یوسف فرماتے ہیں۔ ''جو کچھ دشمن کے لشکروں سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور جو مال اور اسلحہ اور جانور وہ اپنے کیمپ میں سمیٹ لائیں وہ غنیمت ہے اور اسی میں سے خمس نکال کر بقیہ چار حصے فوج میں تقسیم کیے جائیں گے۔''(253)

سورۃ الانفال اور سورۃ الحشر کی مذکورہ آیات اور ان کے متعلقات جو مختلف علماء کے اقوال اور بیانات کی صورت میں تحریر کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں نتیجہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اموال غیر منقولہ فئے ہیں جو کہ تمام ملت اسلامیہ کے انسانوں میں باہم مشترک اور فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے یکساں ہیں اور جو اموال منقولہ جنگ کے اختتام پر حاصل ہوں وہ بھی فئے ہیں جن سے موجودہ افراد اور قیامت تک کے آنے والے تمام کے تمام افراد یکساں طور پر مستفید ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔

خلاصہ کلام:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی انصارؓ و مہاجرینؓ میں رشتہ مواخاۃ قائم فرمایا اور انصار و مہاجرین و یہود میں میثاق مدینہ کا معاہدہ کروایا۔ مواخاۃ قائم کرنے سے مہاجرین کی کفالت کا سامان ہو گیا۔ ان کی رہائش اور معاش کا مسئلہ وقتی طور پر حل ہو گیا۔ لیکن یہ عارضی انتظام تھا۔ جونہی مہاجرینؓ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے انصارؓ کو ان کی املاک واپس کر دی گئیں البتہ آپ ﷺ کے اقدام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بوقت ضرورت، اسلامی حکومت، اغنیاء کے وسائل کو مشترک وسائل معاش قرار دے سکتی ہے۔

میثاق مدینہ کے نتیجہ میں مدینہ میں داخلی امن اور یک جہتی کا احساس پیدا ہوا اور مدینہ کے تمام عناصر، دفاع مدینہ کیلئے اکھٹے ہو گئے اس سے مدینہ کے باشندے اطمینان سے اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور دفاعی محاذ کے ساتھ ساتھ معاشی محاذ بھی سرگرم ہو گیا۔

میثاق مدینہ کے نتیجہ میں ایک چھوٹی سی ریاست معرض وجود میں آ گئی تھی جس کے آپ ﷺ سربراہ تھے۔ لیکن یہودیوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور ریاست کے وجود کے خلاف بغاوت و سرکشی کے مرتکب ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوری اقدام کیا اور یکے بعد دیگرے ان کو مدینہ سے نکال دیا۔ یہودیوں کی چھوڑی ہوئی املاک کو آپ ﷺ نے اس طرح تقسیم کیا کہ مدینہ کے مختلف طبقوں میں توازن معیشت پیدا ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ مختلف طبقوں میں معاشی تفاوت دور کرنے کیلئے خصوصی اقدامات کر سکتا ہے لیکن اس کا ہر اقدام کتاب و سنت کی روشنی میں ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کے بندوبست اراضی کے سلسلہ میں کئے گئے اقدامات سے درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ بنونضیر کوجلاوطن کرنے کے بعدان کے مکانات مہاجرینؓ کوعطا کئے گئے اوران کی اراضی و باغات کو فئے قراردیکراسلامی حکومت کی تحویل میں لےلیاانکوتقسیم نہیں کیا گیا۔

۲۔ خیبرکی اراضیات و باغات کاخمس نکال کربقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیئے یہودیوں کوزمینوں پر کاشت کاری کی اجازت مرحمت فرمادی اوران سے مخابرہ کا معاملہ کرلیا گیا آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو مقاسمہ کافریضہ سونپا۔تقسیم کے بعدتقسیم شدہ حصوں کے مطابق پیداوار اصل مالکوں تک پہنچ جاتی تھی۔

۳۔ فدک،وادی القریٰ، تیماء کی اراضیات بیت المال کا حصہ بن گئی تھیں کیونکہ یہ تمام علاقہ جات بغیر جنگ کے قبضہ میں آئے تھے۔

۴۔ اہل نجران،ایلہ اورہجر کی اراضیات ان کے اصل مالکوں کے پاس رہیں اوران پرخراج عائد کردیا۔کیونکہ ان سے یہی معاہدہ ہوا تھا۔

۵۔ مدینہ، یمن، طائف اور بحرین کی اراضیات اصل مالکوں کے پاس رہیں اورکسی چیز سے تعرض نہیں کیا گیا کیونکہ ان مقامات کے لوگ اسلام لے آئے تھے۔

٦۔ بیت المال کی اراضیات مصالح عامہ کے لئے مخصوص تھیں۔

☆ حضرت عمرؓ کا شام وعراق کی زمینوں کے بارے میں فیصلہ کتاب وسنت سے ماخوذ تھااور یہ رسول اللہ ﷺ کی زرعی منصوبہ بندی کا تتمہ وتکملہ تھا۔اس لئے مسلمانوں کی حکومت اس نظیر کوپیش نظر رکھ سکتی ہے۔

☆ اراضی فئے اوراراضی غنیمت میں نوعیت کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے لیکن اراضی فئے اورغنیمت کے خمس کے مصارف ایک ہی ہیں۔یعنی اللہ ورسول ﷺ کا حصہ، یتامیٰ،مساکین،ذوی القربیٰ اورمسافر

خلفائے راشدین کی زرعی حکمت عملی:

عہدصدیقی میں زرعی حکمت عملی:

رسول اللہ ﷺ کے بعدحضرت ابوبکرصدیقؓ مسندِ خلافت پرمتمکن ہوئے۔اراضی کے سلسلہ میں جوطرزِعمل سیدالرسل محمدرسول اللہ ﷺ کا تھا آپؓ نے اسی کوبرقرار رکھا۔آپؓ نے بھی اسی زرعی حکمت عملی کے پیش نظر چند زمینیں عطا فرمائیں۔(254)

> حضرت ابوبکرصدیقؓ نے مرتدین کے پاس جوزمینیں تھیں انکی ملکیت کوختم کردیا۔لکھا ہے
> جب مرتدین مغلوب ہوئے اوران کا فتنہ خودانہی کے لئے تباہ کن ثابت ہواتو امن وامان
> قائم ہوا۔بنوثعلبہ اوراس علاقہ (ابرق،نواح مدینہ) کے باشندے پھراپناوطن حاصل کرنے

کے لئے وہاں آئے مگر انہیں قابضوں نے اس ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ وہ جناب صدیق اکبرؓ کے پاس مدینہ منورہ میں حاضرِ خدمت ہوئے اور پوچھا کہ ہمیں اپنی زمینوں کے آباد کرنے سے کیوں روکا گیا ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس علاقے پر تمہاری ملکیت باقی نہیں رہی۔ یہ علاقہ اب میری ملک اور میرے زیرِ تصرف ہے۔ لہٰذا حضرت ابو بکرؓ نے ان کی بات نہ مانی اور بنو ثعلبہ کے خلاف انہوں نے ابرق کو مسلمانوں کے گھوڑوں کی چراہ گاہ بنا دیا۔ اس کی بعد پھر اس تمام علاقے کو اسی جنگ کی وجہ سے جو منکرین زکوٰۃ اور مسلمانوں میں ہوئی حضرت ابو بکرؓ نے زکوٰۃ کے جانوروں کی چراہ گاہ بنا دیا۔ اسی طرح ان چراگاہوں کو اوروں کے لئے محصور اور ممنوع قرار دیا۔(255)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عراق کی فتح کے لئے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا تھا۔ مسلمان تو آپؓ کے فوجی کارناموں پر فدا ہیں۔ عراق میں خالد بن ولیدؓ کا سب سے پہلا مقابلہ 'ہرمز' سے 'کواظم' میں ہوا تھا۔ اس کی بعد خالد بن ولیدؓ دوآبہ فرات میں دجلہ کے کنارے فروکش ہوئے۔(256)

آگے لکھا ہے۔

فاقام خالد بالثنی لیسبی عیالات المقاتلة ومن اعانهم واَقرّ الفلاحین و من اجاب الی الخراج من جمیع الناس بعد ما دعوا و کل ذٰلك اخذ عنوة ولکن دعوا الی الجزأ فاجابوا و تراجعوا و صاروا ذمة و صارت ارضهم لهم کذلك جری مالم یقسم فاذا اقتسم فلا

ترجمہ: "ثنی میں قیام کر کے حضرت خالدؓ نے جنگجو لوگوں کی اولاد اور ان کے معاونین کو گرفتار کیا کاشتکاروں سے اور جن لوگوں نے دعوت اسلام کے بعد خراج دینا قبول کیا ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ان سب پر بزور قابو پایا گیا تھا۔ مگر جب ان سے جزیے کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور وہ سب ذمی (وہ غیر مسلم رعایا جسکی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت قبول کرتی ہے) بنا لئے گئے۔ ان کی زمین انہی کے قبضے میں رہنے دی گئی۔ مگر یہ عمل درآمد اس وقت تک کے لئے رکھا گیا جب تک کہ زمین تقسیم نہ ہو۔ اس کے بعد یہ عمل باقی نہ رہے گا۔"(257)

وسار خالد فی الفلاحین بسیرته فلم یقتلهم و سبی ذراری المقاتلة و من اعانهم ودعا اهل الارض الی الجزاء والذمة فتراجعوا

ترجمہ: ''کاشتکاروں کے ساتھ خالدؓ نے وہی سلوک کیا جو ان کا اصول تھا، ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا۔صرف جنگجو لوگوں کی اولاد اور ان کے معاونین کو گرفتار کیا اور عام ملک کے باشندوں کو جزیہ دینے اور ذمی بن جانے کی دعوت دی جس کو ان لوگوں نے منظور کر لیا۔''(258)

مذکورہ تاریخی حوالہ جات سے معلوم ہوتا کہ جناب ابو بکر صدیقؓ کی زرعی حکمت عملی وہی تھی جو سید الرسل محمد رسول اللہ ﷺ کی تھی البتہ مرتدین کے ساتھ معاملہ مختلف تھا۔جو کہ عین اسلامی ضوابط اور قوانین کے مطابق تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی زرعی حکمت عملی:

مورخین نے عہدِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مفتوحہ اراضی کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

حضرت ابو بکر نے عثمانؓ کو تخلیئے میں بلایا اور ان سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ عہد نامہ ابو بکر بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے نام لکھا ہے۔اما بعد اس کے بعد ابو بکرؓ پر غشی طاری ہوگئی اور بے خبر ہو گئے۔لہٰذا عثمانؓ نے یہ لکھ دیا، اما بعد میں تم پر عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔میں نے حتی المقدور تمہاری خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔پھر ابو بکر ہوش میں آ گئے، آپؓ نے عثمانؓ سے فرمایا سناؤ تم نے کیا لکھا ہے۔عثمانؓ نے پڑھ کر سنایا تو ابو بکرؓ نے تکبیر یعنی اللہ اکبر پڑھا۔(259)

۱۳ھ کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عنان حکومت سنبھالی اور ۲۳ھ کے آخر میں بلاد اسلامیہ کی حدود میں اضافہ ہوتا گیا۔یعنی تقریباً دس سال تک مسلسل اسلامی حکومت کی باگ ڈور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھامی رکھی۔

عہد فاروقی کی مفتوحہ زمینوں کا حدود اربعہ:

عراق (سواد) کی اراضی:

حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں عراق کے سرسبز و شاداب علاقہ کو فتح کیا۔لکھا ہے

سواد طول میں موصل جدید سے عبادان تک اور عرض میں عذیب قادسیہ سے حلوان تک کا رقبہ بائیس کروڑ پچاس لاکھ جریب ہوتا ہے۔ (260)

مصر کی اراضی:

فتح شام کے بعد حضرت عمرؓ بن الخطاب کے ایماء سے عمروؓ بن العاص ساڑھے تین ہزار کا لشکر لے کر ۱۹ھ

میں مصر کی جانب روانہ ہوئے۔مصر کے مفتوحہ علاقے حسب ذیل ہیں۔

جزیرہ، دریائے دجلہ کے راستے سے موصل۔نصیبین،قبیلہ ایادبن نزار،اہلِ حران، جابیہ،حمص،سوق الاھواز، مناوز،نہر تیری،تستر،رامہرمز،وسوس،قیساریہ،قنسرین،قسطنطنیہ، بیسان،اجنادین اور بیت المقدس وغیرہ۔ (261)

مورخ طبری نے خاص شاہی خاندان کی زمین اور علاقے کی طرف اشارہ کیا ہے۔''کسریٰ کے خاندان کی اور ان لوگوں کی اراضی جو ان کے ساتھ بھاگ گئے تھے مال 'فئے' میں شامل ہوگئی۔لہٰذا جبل (عجم) سے لے کر جبل عرب تک کی اراضی کی فروخت ممنوع ہوگئی'' (262)

مفتوحہ زمینیں جبل (عجم) سے لے کر جبل عرب کے مابین واقع ہیں۔جس کی خرید و فروخت حضرت عمرؓ نے سرکاری ملک قرار دے کر روک دی تھی۔مورخ طبری نے لکھا ہے۔''کسریٰ کے خاندان اور انکے ساتھیوں کی اراضی جو حلوان و رعراق کے درمیان تھی وہ خالص سرکاری زمینیں تھیں''(263) ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواد عراق کے دیہاتی علاقے پر قابض ہو گئے تھے۔''(264)

حضرت عمرؓ نے حلوان اور عراق کے درمیان کے علاقے کو فتح کیا اور اسے سرکاری زمین قرار دیا۔یہ زمینیں یعنی شام، عراق سواد اور مصر کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہوئی تھیں۔

قبل از فتح اراضی کا انتظام:

حضرت عمرؓ نے جو زمینیں فتح فرمائیں فتح سے ان کے مالک کون تھے اور کاشتکار کون؟ اور ان کا انتظام و انصرام کیا تھا؟ اس کے متعلق لکھا ہے۔

> صلح میں وہ اراضی شامل نہیں کی گئیں جو کسریٰ خاندان کی تھیں یا ان لوگوں کی تھیں جو اپنے حکام کے ساتھ شامل ہو کر چلے گئے تھے۔اور انہوں نے ان دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو تسلیم نہیں کیا تھا۔اسلام یا جزیہ (265)

اس سے معلوم ہوا کہ سوادِ عراق کی زمینیں کسی ایک کی ملک نہ تھیں بلکہ شاہی خاندان کی زمین بھی تھی اور ان کے علاوہ دوسرے حکام کی اراضی بھی تھیں اور عام لوگوں کی بھی۔ جو ان کے چلے جانے کے بعد شاہی اراضی کہلائیں۔یہ صلح اور معاہدے میں شامل نہیں کی گئی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ اراضی کی ملکیت ذیل میں مذکورہ اشخاص کے پاس ہوتی تھیں۔

(۱) شاہی خاندان (۲) حکام اور عامۃ الناس

طبری نے مزید لکھا ہے۔''حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہ، جریر بن عبداللہ اور ربیل بن عمر کو جاگیریں دیں۔''(266)

مورخ بلاذری نے لکھا ہے۔

واترك الارض والانهار لعما لها ليكون ذلك في اعطيات المسلمين

ترجمہ: ''زمین اور نہریں کام کرنے والوں کے پاس رہنے دیں تا کہ یہ مسلمانوں کے عطیات میں سے ہو جائے۔''(267)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے مالک اور تھے، کاشت کرنے والے اور تھے جو لوگ مالک تھے وہ کاشت کار نہ تھے۔فتوحاتِ فاروقی سے قبل زمینوں کا انتظام وانصرام کرنے والے زمینوں کے مالک تھے۔کام کرنے والے کاشتکار اور ہوتے تھے۔زمینوں کے مالک کاشتکاروں پرظلم کرتے تھے۔اسلام نے ان کی اصلاح بھی کی اور رعایتیں بھی دیں۔جیسے طبری نے لکھا ہے۔

اور جو زمیندار ہیں فلاں شخص سے پہلے انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اہلِ ایلیاء کی طرح جزیہ ادا کریں اور جو چاہے وہ اہلِ روم کے ساتھ جا سکتا ہے اور جو چاہے وہ اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ان کسانوں سے کوئی محصول نہیں لیا جائے گا جب تک کہ ان کی فصل نہ تیار ہو جائے۔جو کچھ اس عہدنامے میں لکھا گیا ہے اس کے لئے اللہ،اس کے رسول، خلفاء اور مومنین ذمہ دار ہیں۔بشرطیکہ یہ لوگ اپنا واجب الادا جزیہ ادا کریں۔(268)

اسلام سے قبل زمینداروں پر ظلم ہوتا تھا اور انہیں مجبور کر کے ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔زمین میں فصل پیدا ہو یا نہ ہو ہر صورت میں جتنا ٹیکس مقرر و متعین ہوتا تھا وہ وصول کیا جانا ضروری ہوتا تھا۔عدم فصل کی وجہ سے اگر زمیندار ٹیکس کی ادائیگی سے محروم ہوتے تھے تو جو ظلم ممکن ہو سکتا تھا وہ ان پر روا رکھا جاتا تھا۔

مزید لکھا ہے۔''کسریٰ کے خاندان کی اور ان کی اراضی جو ان کے ساتھ بھاگ گئے تھے مال غنیمت میں شامل ہو گئی۔چنانچہ جبل (عجم) سے لے کر جبل عرب تک کی اراضی کی فروخت ممنوع کر دی گئی۔''(269)

اس مفتوحہ اراضی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اراضی شاہی خاندان یعنی کسریٰ کی بھی تھیں اور دوسرے عامۃ الناس کی بھی ان اراضی کے مالک شاہی خاندان کے افراد یا حکام بالا تھے۔کاشتکار وہ طبقہ تھا جن پر یہ مالک ظلم کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی پالیسی کی وضاحت:

حضرت عمرؓ نے شام اور عراق کی مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے سابق مالکوں کے پاس رہنے دیا اور ان کو ذمی قرار دے کر ان پر جزیہ اور زمینوں پر خراج عائد کر دیا۔ (270)

حضرت زبیرؓ، حضرت بلالؓ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ ان علاقوں کی زمینیں

خیبر کی طرح فاتح فوج میں تقسیم کر دی جائیں ۔لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا(271)اور سورۃ الحشر کی آیات سے اپنے مؤقف کے حق میں استدلال پیش کیا۔(272)

حضرت عمرؓ کے استدلال کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اگر زمینوں کو لشکرِ اسلام میں تقسیم کر دیا گیا تو پھر بعد میں آنے والوں کیلئے کیا بچے گا؟ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ جیسے اکابر صحابہؓ نے اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کی تائید فرمائی۔ (273) حضرت عمر رضی اللہ نے اپنے فیصلہ کی اطلاع عراق کے گورنر حضرت سعدؓ ابنِ ابی وقاص کو ان الفاظ میں دی۔

> ''دیکھو جو کچھ اموال غنیمت میں سے حاصل ہوا ہے وہ ان لوگوں میں تقسیم کیا جائیگا جو جنگ میں شریک ہوئے ہیں۔لیکن نہروں اور زمینوں کو انہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہنے دو جوان پر کام کرتے ہیں۔تاکہ وہ مسلمانوں کی تنخواہوں کیلئے محفوظ رہیں۔ورنہ اگر ہم ان کو بھی موجودہ لوگوں میں تقسیم کر دیں تو بعد میں آنے والوں کیلئے کچھ نہ رہے گا۔''(274)

حضرت علیؓ نے ان الفاظ میں حضرت عمرؓ کی تائید کی تھی کہ ملک کی کاشتکار آبادی کو اسکے حال پر رہنے دیجئے تاکہ وہ سب مسلمانوں کیلئے معاشی قوت کا ذریعہ ہوں۔ (275)

اراضی شام:

حضرت عمرؓ بن الخطاب کی خلافت کو پانچ ماہ گزرے تھے کہ اردن میں مقام فحل پر مسلمانوں کی اہلِ اردن سے مڈبھیر ہوئی تا آنکہ وہ اس پر امان طلب کرنے لگے۔اور اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ وہ اپنے لئے جزیہ اور اپنی زمین پر خراج دیں گے۔مسلمانوں نے ان کی زمین پر انہیں کے اموال پر امان دی۔ (276)

ملک شام کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم اراضی کا ارادہ فرمایا مگر حضرت معاذ بن جبلؓ نے اراضی کو تقسیم نہ کرنے کا مشورہ دیا۔

> قدم عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ الجابیۃ فاراد قسمۃ الارض بین المسلمین لانہا فتحت عنوۃ، فقال معاذ بن جبل: واللّٰہ لان قسمتہا لیکونن ما نکرہ ویصیر الشئی الکثیر فی ایدی القوم ثم یبیدون فیبقی ذٰلک لواحد ثم یاتی من بعد ہم قوم یسدون الاسلام مسدا فلا یجدون شیئا فانظر امرأ یسبع اولہم وآخرہم فصار الی قول معاذ

> ترجمہ: ''حضرت عمرؓ جابیہ آئے اور زمین مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا کیونکہ وہ

بزورِ فتح کی گئی تھی۔معاذ بن جبلؓ نے ان سے کہا!بخدا اگر آپؓ نے اس کو تقسیم کیا تو اس کا نتیجہ وہ ہوگا جو ہم پسند نہیں کرتے۔بہت سا مال قوم کے قبضے میں چلا جائے گا اور لوگوں کو بے تحاشا دولت ملے گی۔پھر ان کے مرنے پر ممکن ہے کہ یہ ایک (مرد یا عورت) کو مل جائے۔اور جو لوگ ان کے بعد اسلام کی مدافعت میں حصہ لیں گے انہیں کچھ بھی نہ مل سکے گا۔لہٰذا کوئی ایسی تدبیر اختیار فرمائیں جو شروع میں موجود لوگوں اور بعد آنے والوں دونوں کے لئے یکساں مفید ثابت ہو۔" (277)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انتظام سلطنت اور فتوحات ہر لحاظ سے تاریخ اسلام میں درخشاں اور واضح نظر آتا ہے۔عہد فاروقی میں اسلامی سلطنت کی حدود جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اگر ایک طرف ایران سے ہوتے ہوئے ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچ گئیں تو دوسری طرف افریقہ میں مصر کا بہت بڑا علاقہ فتح ہوا۔اور پھر شام میں رومی سلطنت کا ایک بڑا علاقہ اسلامی سلطنت کی زیرِ نگین آیا،عہد فاروقؓ کی فتوحات میں جو زیادہ اہمیت کی حامل ہیں ان میں سے درج ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ عراق (سواد) میں دجلہ اور فرات کے درمیان کا سرسبز و شاداب علاقہ

۲۔ مصری فتوحات جو دریائے نیل کے کنارے ہے۔

عراق (سواد) کی اراضی:

جیسا کہ پہلے گزرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۶ھ میں عراق کے سرسبز و شاداب علاقہ یعنی سواد کے علاقے کو فتح کیا۔الماوردی نے لکھا ہے۔

سواد طول میں موصل جدید سے عبادان تک اور عرض میں عذیب قادسیہ سے حلوان تک کا رقبہ بائیس کروڑ پچاس لاکھ جریب ہوتا ہے۔اس میں سے ٹیلوں،شور زمینوں،قلعوں،پگ ڈنڈیوں، راستوں، نہروں، شہروں، بستیوں، پن چکیوں، ڈاک خانوں، پلوں، بندرگاہوں،فواروں، نیستانوں اور اینٹ کی بھٹیوں وغیرہ کے سات کروڑ جریب کے لگ بھگ رقبہ نکال دیا جائے تو نصف کاشت کا رقبہ ہے۔ (278)

تقسیم سواد کا مسئلہ:

بلاذری نے لکھا ہے۔

كتب عمر بن الخطابؓ الى سعد بن ابى وقاص حين فتح السواد: اما بعد فقد

بلغنی کتابك تذکرأن الناس سألوك ان تقسم بینهم ما افاء اللّٰہ علیهم

ترجمہ: ''حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف خط لکھا جبکہ سواد فتح ہوا کہ مجھے آپ کا وہ خط موصول ہوا جس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ لوگ آپ سے زمین کی تقسیم کے بارے میں سوال کرتے ہیں جو کہ اللہ نے ان کو بطور 'فئے' عطا کی ہے۔''(279)

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جواباً حضرت سعدؓ کو خط تحریر کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ اہل لشکر نے ان علاقوں کو بزور فتح نہیں کیا۔ لہٰذا تقسیم نہ کرنا لکھا ہے۔

فانك ان قسمتها بین من حضر لم یکن لمن یبقی بعد هم شئی

ترجمہ: ''اگر آپ نے اس زمین کو جو آپ کے پاس موجود ہے ان میں تقسیم کر دیا تو بعد میں آنے والوں کے لئے کچھ نہ بچے گا۔''

بلاذری نے عبداللہ بن حازم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔(280)

سالت مجاهدا عن ارض السواد، فقال لا تشتری ولا تباع۔ قال: نقول لانها فتحت عنوة ولم تقسم فهی لجمیع المسلمین

ترجمہ: ''میں نے مجاہد سے ارض سواد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اسکی خرید وفروخت نہیں اس لئے کہ یہ بزور فتح ہوا۔ اور یہ قابل تقسیم نہیں اور یہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔''(281)

ان عمر بن الخطاب اراد قسمة السواد بین المسلمین فامر یحصلوا فوجد الرجل منهم نصیبه ثلاثة من الفلاحین فشاور اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی ذٰلك فقال علیؓ: دعهم یکونوا مادة للمسلمین، فبعث عثمان بن حنیف الانصاری فوضع علیه ثمانیة و اربعین و اربعة و عشرین و اثنی عشر

ترجمہ: ''سواد کے فتح ہونے پر حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور حکم دیا کہ اس کی مردم شماری کی جائے۔ لہٰذا مردم شماری کی گئی۔ معلوم ہوا کہ ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین کسان پڑتے ہیں۔ پھر انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ انہیں آزاد چھوڑ دو کہ وہ مسلمانوں کے لئے مستقل آمدنی کا ذریعہ رہیں۔ حضرت عمرؓ نے عثمان بن

حنیف الانصاری کو بھیجا اور انہوں نے اہلِ عراق پر اڑتالیس یا چوبیس یا بارہ درہم
فی کس کے حساب سے محصول عائد کر دیا۔"(282)

غرض حضرت عمرؓ نے مفتوحہ اراضی عراق (سواد) و شام کو فاتحین میں تقسیم کرنے کی منظوری صادر نہیں فرمائی
اور یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اگر ایسا کیا جائے گا تو آئندہ اسلامی نسل کے لئے کچھ نہ رہے گا۔

صحیح بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ

((سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُوْلُ أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَا أَنْ أَتْرُكَ آخِرَ النَّاسِ بَيَّانًا لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مَا فُتِحَتْ عَلَيَّ قَرْيَةٌ إِلَّا قَسَمْتُهَا كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ وَلَكِنِّي أَتْرُكُهَا خِزَانَةً لَهُمْ يَقْسِمُوْنَهَا))

ترجمہ: "حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔
اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ پچھلے لوگ یکسر مفلس رہ جائیں گے تو جو بستی فتح ہوتی اسے
تقسیم کر دیا کرتا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن میں اسے خزانہ
کے طور پر ان کے واسطے چھوڑتا ہوں تا کہ وہ اسے تقسیم کرتے رہیں۔"(283)

((لما افتتح عمر السواد قالوا له اقسمه بيننا فانا فتحناه عنوة بسيوفنا فابى وقال
فما لمن جاء بعد كم من المسلمين و اخاف ان قسمته ان تتفا سدوا بينكم فى
المياه۔ قال: فاقرأهل السواد فى ارضهم و ضرب على رؤسهم الجزية و على
ارضهم الطسق ولم تقسم بينهم))

ترجمہ: "حضرت عمرؓ نے سواد فتح کر لیا تو لوگوں نے کہا کہ اسکو ہمارے درمیان تقسیم کر دو
کیونکہ ہم نے اسکو بزور فتح کیا ہے۔ انہوں نے تقسیم کرنے سے انکار کیا اور فرمایا
کہ پھر ان مسلمانوں کے لئے کیا رہے گا۔ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ مجھے ڈر
ہے کہ اگر میں اسکو تقسیم کر دوں تو پھر تم آپس میں پانیوں پر بھی فساد کرو گے۔ لہٰذا
سواد والوں کو ان کی زمینوں پر بحال رکھا اور ان پر جزیہ اور انکی زمینوں پر خراج
عائد کیا۔ اور اسکو ان کے (مسلم فاتحین) کے درمیان تقسیم نہیں کیا۔"(284)

مؤرخین کی آراء:

حضرت عمرؓ نے جو زمینیں فتح کیں انہیں تقسیم کر دیا یا نہیں؟ مورخ طبری نے لکھا ہے۔
کسریٰ کے خاندان کی اور ان کی اراضی جو ان کے ساتھ بھاگ گئے تھے 'فئے' میں شامل ہو

> گئی ۔لہٰذا جبل عجم سے لے کر جبل عرب تک اراضی کی فروخت ممنوع ہوگئی اور جنہیں مال غنیمت حاصل نہیں ہوا ان کے درمیان اراضی کی فروخت نہیں ہوسکتی تھی ۔مگر فاتحین اور مال غنیمت کے حقداروں کے درمیان ان کی بیع وفروخت جائز تھی ۔مسلمانوں نے ان اراضی کو تقسیم نہیں کیا کیونکہ ان کی تقسیم ممکن نہ تھی ۔ان میں جنگل، دلدلی زمین، آتش کدہ اور کسریٰ کی زمینیں ملی جلی تھیں اور ان لوگوں کی اراضی بھی تھیں جو مقتول ہو گئے تھے ۔یا جو ان کے رشتہ دار تھے چنانچہ جب کبھی حکام ان کی تقسیم کے بارے میں دریافت کرتے تھے ۔تو جمہور مسلمان تقسیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے ۔لہٰذا ان کی رائے کے مطابق فیصلہ ہوتا تھا ۔وہ کہتے تھے اگر فتنہ فساد کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم تقسیم کر دیتے ۔(285)

مورخ طبری کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مفتوحہ اراضی کو تقسیم نہیں فرمایا اور اس معاملے کو مسلمانوں کے اہل حل وعقد کے سامنے رکھا انہوں نے تقسیم اراضی سے اس لئے منع فرمایا کہ فتنہ وفساد کا خدشہ ہے ۔لوگ جہاد سے رک کر زمینوں میں مشغول ہو جائیں گے جو کہ اسلامی فطرت کے خلاف ہے ۔طبری نے ایک اور جگہ لکھا ہے ۔

> حضرت عمرؓ نے ان کے گھروں اور بستیوں کے بارے میں تحقیقات کی اور انہیں مزید اراضی اور جاگیریں دیں ۔ کچھ اراضی کسریٰ کے خاندان کی تھی ۔ جو دریائے دجلہ اور حجر کے درمیان تھی ۔اسے انہوں نے تقسیم کر لیا تھا ۔باقی شاہی زمینیں اسی حال پر رہیں جس حال میں اہل کوفہ کے قریب کی شاہی اراضی تھی ۔یوں اہلِ بصرہ کی جاگیروں کے دو حصے ہو گئے تھے ۔ان کا نصف حصہ لوگوں میں تقسیم ہو گیا ۔اور نصف حصہ لشکر کے لئے اور جماعتی تقاریب کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا ۔(286)

حضرت عمرؓ کی اراضی کی تنظیم وتقسیم:

حضرت عمرؓ کا اراضی کی تقسیم کرنے یا نہ کرنے کی بابت صحابہ کرام سے جو مشورہ ہوا اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں ۔

حضرت عمرؓ اراضی کی تقسیم کی بابت کئی روز تک حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرتے رہے ۔جو احوال پیش آئے وہ حسب ذیل تھے ۔

لوگوں نے مشورہ پر مطالبہ کیا کہ زمین تقسیم کر دی جائے ۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ زمین تقسیم کر دی جائے اور اس میں وراثت چلے تو بعد میں آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا ۔؟میری یہ رائے نہیں ہے ۔ اس پر

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے کہا تو پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ زمین اور وطن داروں دونوں کو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بطور رفئے (مالِ غنیمت) دیا ہے۔حضرت عمرؓ نے جواب دیا بات تو وہی ہے جو تم کہتے ہو مگر خدا کی قسم! میرے بعد جو ملک فتح ہوگا اسمیں کوئی بڑا فائدہ نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کے سر کا وبال ہو جائے۔ اگر عراق کی زمین اور وہاں کے باسی (وطن داروں) کیساتھ تقسیم کر دی جائے اور اسی طرح شام کی زمین وطن داروں کے ساتھ تقسیم کر دی جائے تو سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا۔ شام، عراق اور اس شہر (مدینہ) اور اس کے علاوہ دوسرے شہروں کے چھوٹے بچوں اور بیوہ عورتوں کو کیا ملے گا؟

لوگوں نے حضرت عمرؓ سے بہت مباحثہ کیا اور کہا کہ خدا نے ہماری تلواروں کے ذریعے سے ہم کو جو مال غنیمت عطا فرمایا ہے اس کو آپ ایسے لوگوں پر وقف فرمانا چاہتے ہیں جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ آپ اس زمین کو ایسے لوگوں کے لڑکوں اور پوتوں کو دینا چاہتے ہیں جو جنگ میں موجود نہ تھے۔لیکن حضرت عمرؓ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہتے تھے کہ یہ میری رائے ہے۔

اس کے بعد دیگر صحابہ نے فرمایا آپؓ اس معاملہ میں مشورہ کیجئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مہاجرین اولین سے مشورہ طلب فرمایا۔حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی رائے یہ تھی کہ ان کے حقوق تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے ہم خیال اور ہم رائے تھے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دس انصار کو (جنہیں کاشتکاری کا خاص تجربہ تھا) طلب کیا جن میں سے پانچ شرفائے اوس کے اور پانچ شرفائے خزرج کے سردار تھے۔ جب یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت عمرؓ نے پہلے خدا تعالیٰ کی حمد وثنا کی جو کہ اس کا سزاوار ہے پھر فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ لوگ میری ذمہ داریوں میں شریک ہوں۔ کیونکہ میں بھی آپ ہی لوگوں کی طرح معمولی سا آدمی ہوں اور آج آپ ہی لوگ حق قائم رکھ سکتے ہیں۔ کسی نے میری مخالفت کی اور کسی نے میری موافقت۔ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری پیروی کریں۔ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن حکیم) موجود ہے۔ جو حق کو ہے، اگر میں کوئی ایسی بات کہوں جسکو میں کرنا چاہتا ہوں تو اس سے میرا مقصد صرف حق ہوگا۔ ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین! فرمایئے ہم سنیں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ لوگوں نے ان لوگوں کی بات سن لی جو خیال کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے حقوق کو چھین لینا چاہتا ہوں۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ظلم کا ارتکاب کروں اگر میں ان سے کوئی ایسی چیز چھین لوں جو ان کی اپنی ہو اسے لے کر دوسروں کو دے دوں تو میں بد بخت ہونگا۔لیکن میری رائے یہ ہے کہ کسریٰ کی

سرزمین فتح کے بعد اگر تمام مال و جائیداد اور وطن داروں کو مال غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دیا جائے اور خمس کو میں اسکے مصارف میں خرچ کروں تو دوسرا کوئی ملک فتح نہ ہو سکے گا۔

میری رائے یہ ہے کہ تمام اراضی کو وطن داروں کے ساتھ وقف قرار دوں اور ان زمینوں پر خراج اور انکے سروں پر جزیہ عائد کر دوں۔ تا کہ وہ فوجیوں، چھوٹے بچوں اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے 'فئے' ہو۔ کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہت سے اشخاص کی ضرورت ہے۔ جو وہاں جمع رہیں۔ کیا آپ لوگوں معلوم نہیں کہ ان بڑے بڑے شہروں جیسے شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کے لئے ضروری ہے کہ فوجوں کے ذریعے ان کی حفاظت کی جائے اور ان کو وظائف دے دیئے جائیں۔ پھر اگر زمین اور وطن دار تقسیم کر دیئے جائیں تو پھر ان کو وظائف کہاں سے دیئے جائیں گے۔

غرض ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہی کی رائے ٹھیک ہے۔ اور آپ نے بہت ہی اچھی بات فرمائی اور اگر یہ سرحدیں اور یہ شہر فوجوں کے ذریعے محفوظ نہ رکھی جائیں اور ان کے وظیفے نہ مقرر کیے جائیں تو تمام کفار اپنے اپنے شہروں میں واپس چلے جائیں گے۔

حضرت عمر نے فرمایا کہ اب میرے لئے معاملہ صاف ہو گیا۔ جس شخص میں عقل و دانائی ہوگی تو وہ زمین کو حسب حال رکھے گا۔ اور وطن داروں پر ایسا محصول لگائے گا جو اس کے لئے برداشت کے قابل ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے اس پر اتفاق کیا اور عثمان بن حنیفؓ کو اس اہم کام کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ یہ عقلمند اور تجربہ کار تھے۔ حضرت عمرؓ نے اراضیءِ سواد کی پیمائش کے لئے انہیں مقرر کیا اور حضرت عمر کی شہادت سے پہلے ہی کوفہ کا خراج آنے لگا۔ (281) سالانہ دس کروڑ درہم آتے اور اس زمانہ میں ایک درہم (2½) اڑھائی وانق کے برابر ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں درہم کا وزن مثقال کا وزن ہوتا تھا۔ (288)

قاضی ابو یوسفؒ نے محمد بن اسحٰق کے حوالہ سے مزید وضاحت بھی لکھی ہے۔

> محمد اسحاق زہری سے روایت کرتے ہیں کہ جب سواد فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ عام رائے یہ تھی کہ اسکو تقسیم کر دیا جائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ اصرار تھا۔ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ اسکو یونہی رہنے دیا جائے اور تقسیم نہ کیا جائے اور بلالؓ کے سخت اصرار پر فرمایا کہ اے خدا! مجھے بلال اور اس کے ساتھیوں سے نجات عطا فرما۔ غرض کئی روز تک غور و فکر کرتے رہے پھر خود حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک دلیل پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں (اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے اپنے

پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے۔مگر خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے غلبہ دلا دیتا ہے۔اور خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(289)

مذکورہ بالا آیت کریمہ بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ آیت تمام بستیوں کے بارے میں ہے۔فرمایا۔

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌO مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِO﴾

ترجمہ: ''اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے جنگ کے بغیر دلوایا ہے اس میں تمھارا کچھ حق نہیں کیونکہ اسکے لیے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو بستیوں والوں سے دلوایا ہے وہ تو وہ اللہ و رسول کا ہے اور پیغمبر کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے تا کہ وہ مال تمہارے امراء کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔رسول ﷺ جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔اور اللہ سے ڈرتے رہو۔بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''(290)

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

ترجمہ: ''وہ مال ان مہاجرین نادار لوگوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اسکی رضامندی کے طلب گار ہیں۔اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔یہی لوگ سچے ایمان دار ہیں۔''(291)

پھر اس پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ان کے ساتھ اوروں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔فرمایا۔

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ

مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O﴾

ترجمہ: ''اور وہ مال ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے ایمان میں سبقت کی اور دار الاسلام میں مہاجرین سے پہلے گھر بنایا۔ جو کوئی ان کے ہاں ہجرت کر کے آتا ہے تو وہ اس سے دوستی سے پیش آتے ہیں اور مہاجرین کو کچھ مال غنیمت کبھی زیادہ دیا جاتا ہے۔ تو اسکی طرف سے اپنے دلوں میں کبھی حسد نہیں کرتے اور مہاجرین کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ انہیں خود کتنی ہی احتیاج کیوں نہ ہو اور جو شخص اپنے نفس کو بخل سے محفوظ رکھے گا تو ایسے ہی لوگ فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔''(292)

مذکورہ آیات اللہ تعالیٰ نے انصار کے بارے میں نازل فرمائی ہیں اس کے بعد آگے فرمایا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

ترجمہ: ''اور وہ مال ان لوگوں کے لئے ہے جو بعد میں آئیں گے اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے قبل ایمان لائے بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار بے شک آپ مشفق اور مہربان ہیں۔''(293)

آیات بالا کی روشنی میں تمام مفتوحہ اراضی اور ممالک تمام لوگوں کا حق بنتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں میں تو اراضی کو تقسیم کردوں اور ان لوگوں کو محروم کردوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔ لہٰذا لوگوں نے ان مفتوحہ اراضی کو یونہی چھوڑ دینے پر اتفاق کرلیا اور اس کا لگان وصول کیا گیا۔ (294)

جس دن عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا

امابعد: تمہارا مراسلہ ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ لوگ مال غنیمت کی تقسیم چاہتے ہیں جو اللہ نے ان پر فئے کیا۔ جب میرا خط تمہیں ملے تو تم یہ دیکھنا کہ اہلِ لشکر نے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں سے کتنا مال اور سواری و باربرداری کے کتنے جانور حاصل کئے ہیں۔ (اور پھر خمس نکال کر) یہ چیزیں تمام مسلمانوں کو جو کہ وہاں حاضر ہیں تقسیم کردینا۔ اور زمینیں اور نہریں ان لوگوں کے لئے چھوڑ دینا جو ان میں کام کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی آمدنی مسلمانوں میں عطا کے کام آئے کیونکہ اگر ہم انہیں تقسیم کردیں گے جو اس وقت موجود ہیں، تو ان کے بعد

والوں کے لئے کچھ بھی نہ رہے گا۔ (295)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق (سواد) کی اراضی کو تقسیم نہیں فرمایا۔ بعض مورخین کے نزدیک عراق وشام کا علاقہ کچھ غلبہ سے اور کچھ صلح سے فتح ہوا۔

خلاصہ یہ کہ اس اجلاس کی کاروائی اور حضرت عمرؓ کے اس فیصلے میں جو چیز نمایاں اور سب سے واضح نظر آتی ہے۔ وہ خلق اللہ کا عام مفاد ہے۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے فوجیوں میں زمین تقسیم کرنا منظور نہیں فرمایا۔ اور بار بار اجلاس طلب کرنا اور دونوں فاتحین کے خطوط کا انتظار کرنا اسی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش تھی۔

سواد کے علاقے میں حضرت عمرؓ کو چار اقسام کی زمینوں پر چار مختلف طریقوں سے خراج عائد کرنا پڑا۔ اولاً حیرۃ اور بعض دوسرے شہر جن سے مسلمانوں نے علیحدہ علیحدہ معاہدات کئے تھے۔ دوم وہ زمینیں اور جاگیریں جو دھقانوں یعنی بڑے بڑے کسانوں کے قبضہ میں تھیں۔ سوم ساسانی خانوادہ شاہی اور امراء کی زمینیں جن کا کوئی مالک نہ تھا۔ چوتھے بنجر اور غیر آباد زمینیں۔ حیرۃ کے بارے میں جو شہادت موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ اس شہر پر ایرانیوں کا مکرر قبضہ ہوا اور مسلمانوں نے اسے ہر مرتبہ از سرِ نو فتح کیا۔ لیکن حضرت خالدؓ کی فتح کے وقت اہلِ حیرۃ سے جو معاہدہ ہوا تھا وہی قائم رکھا گیا۔ یحیٰی بن آدم کا بیان ہے کہ اہلِ حیرۃ سے ایک مقررہ رقم بطور خراج وصول کی جاتی تھی۔ (296)

مزید لکھتے ہیں جہاں عراق، شام اور مصر کے شاہی خانوادے کی زمین پر قبضہ ہوا۔

> حضرت عمر نے ایسی تمام زمینوں کو اپنے قبضے میں لے لیا اور انہیں اسلامی حکومت کی ملکیت قرار دیا۔ باقی زمینیں جو متوسط درجہ کے زمینداروں، کاشتکاروں کے قبضہ میں تھیں۔ انہیں کے ہاتھوں میں رہنے دی گئیں۔ (297)

مصر کی بھی حضرت عمرؓ نے جملہ اراضی کو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا تھا لیکن یہاں کی تمام زمینیں کاشتکاروں کو لگان پر دے دی گئی تھیں۔ (298)

الغرض حضرت عمرؓ کے دور میں انہوں نے مفتوحہ اراضی کو فاتحین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ اسے اجتماعی ملک قرار دیا اور قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لئے محفوظ فرما دیا۔

مصر کی اراضی:

جب شام کا علاقہ فتح ہو گیا تو حضرت عمرؓ کے ایماء سے عمرو بن العاص ساڑھے تین ہزار کا لشکر لے کر ۱۹ھ میں مصر کی جانب روانہ ہوئے پھر زبیر بن العوامؓ کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت دے کر حضرت عمرؓ نے انہیں مدد پہنچائی۔ابو عبید نے لکھا ہے۔(299)

> حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر بغیر کسی عہد کے فتح کیا تو زبیر بن العوامؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے عمرو! زمین تقسیم کرو۔عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ میں اسے تقسیم نہ کرونگا۔زبیرؓ نے کہا کہ تقسیم کرنا ہی پڑے گی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر تقسیم فرما دیا تھا۔عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ میں اس کو تقسیم نہ کروں گا جب تک کہ اس کی بابت حضرت عمرؓ کو نہ لکھ دوں۔چنانچہ انہوں نے اس کے متعلق حضرت عمرؓ کو لکھا۔حضرت عمرؓ نے انہیں جواب میں لکھا کہ اسکو آئندہ نسلوں کے لئے یونہی رہنے دو۔(300)

عمرو بن العاصؓ نے اہل مصر کو تحریر دی اور ان سے شرط کر لی کہ اگر وہ اسکی پابندی کریں گے تو ان کے بال بچے فروخت نہیں کیے جائیں گے۔اور یہ کہ ان کے اموال اور خزانے انہی کے قبضے میں رہیں گے۔پھر اس کے متعلق امیر المومنین حضرت عمرؓ کو لکھا انہوں نے اسکی اجازت دے دی۔اور اس طرح یہاں کی زمین خراجی ہو گئی اور اس شرط و معاہدہ کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ مصر بصلح فتح ہوا۔ (301)

فتح مصر کے بارے میں بھی روایتیں مختلف ملتی ہیں۔کسی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصر صلحاً فتح ہوا تھا۔اس لئے اسکی زمین 'فیئ' قرار دی گئی تھی۔اور کسی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مصر غلبہ سے فتح ہوا تھا۔اس لئے اسکی زمین 'غنیمت' میں ملی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ خلافت میں بالعموم اور دور فاروقیؓ میں بالخصوص اراضی کی تنظیم و تقسیم مفاد عامہ کے پیش نظر کی جاتی تھی۔اور عام مفاد کے لحاظ سے جو عمدہ ترین صورت ہوتی تھی خلافت اسی کو اختیار کرتی تھی۔نہ اجتماعی مفاد کو ذاتی مفاد پر قربان کیا جاتا تھا اور نہ کسی کا نا جائز حق پامال کیا جاتا تھا۔(302)

حضرت عثمانؓ کی زرعی حکمت عملی:

عراق، شام اور مصر کی اراضی کو حضرت عثمانؓ نے بیت المال کی جائیداد قرار دیا یعنی اسکو قوم کی مشترکہ جائیداد بنا دیا اور زمینداری نظام کو رائج نہ ہونے دیا۔

اس سے یہ سمجھنا کہ اسلام شخصی تملیک کا قائل نہیں، صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ مال غنیمت کی تقسیم عہد فاروقیؓ

میں بھی شخصی تملیک کی صورت میں ہوتی تھی ۔خود رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی اراضی کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی چند جاگیریں عطا فرمائیں ۔

> حضرت عثمانؓ نے کسریٰ اور اہلِ کسریٰ کے اموال کو منتخب فرمایا اور ہر وہ شخص جو اپنی زمین سے بھاگ جائے اور جو لڑائی میں قتل ہو جائے اور ہر وہ جس کا پانی ختم ہو جائے وغیرھا تو حضرت عثمانؓ اسے قطاع زمین عطا فرماتے تھے۔حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؓ نے پوچھا تو انہوں نے ینبع میں اراضی بطور قطاع عطا کی ۔(303)

ان سے معلوم ہوا کہ تملیک ہو یا تقسیم اسلامی معاشیات ان دونوں کے متعلق اضافی رائے رکھتی ہے۔ تملیک میں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے۔ یہ امام یا حکومت وقت کی رائے اور اختیار تمیزی پر موقوف ہے۔جن چیزوں کے متعلق چاہے مناسب خیال کرتے ہوئے شخصی تملیک کا طریقہ اختیار کرے یا مناسب معلوم ہو تو قومی تملیک کی راہ اختیار کرے مثلاً ۔

حضرت علیؓ کی زرعی حکمت عملی:

حضرت علیؓ کے زمانہ میں ایک زمیندار نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا اگر تم اپنے علاقے میں اپنی زمین پر ہی اقامت رکھو گے تو ہم تم سے جزیہ معاف کر دیں گے لیکن تمہاری زمین سے خراج لیتے رہیں گے ۔اگر تم اپنی زمین چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جاؤ تو ہم اس زمین کے زیادہ حقدار ہوں گے۔یعنی وہ (زمین) اسلامی ریاست کی ملکیت رہے گی ۔ (304)

محمد بن عبداللہ الثقفی کہتے ہیں کہ ایک زمیندار نے اسلام قبول کرلیا تھا اور حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا تمہارے اوپر اب جزیہ تو واجب نہیں البتہ تمہاری زمین ہماری (یعنی حکومت کی) ہوگئی ہے ۔(305)

حضرت عمرؓ نے فرمایا! اگر بعد میں آنے والوں کا خیال نہ ہو تو میں ہر مفتوحہ علاقہ اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔(306)

بہر حال اسلامی معاشیات کی رو سے یہ طریقہ بھی صحیح ہے کہ حکومت ہی تمام زمین کی مالک ہو۔اس کے ذریعہ وصول شدہ لگان سے تمام مستفید ہو۔جیسا کہ امام ابو یوسف نے لکھا ہے۔

> الخراج فئی لجمیع المسلمین
>
> ترجمہ ''خراج تمام مسلمانوں کی مشترکہ آمدنی ہے۔''(307)

امام ابوحنیفہ کے الفاظ میں ''اسلامی سرزمین کے جملہ حصے امام (سربراہ مملکت) کے زیر اقتدار ہوتے ہیں اور اس کا اقتدار مسلمانوں کی جماعت ہی کا ہوتا ہے۔'' (308)

دوسرا فیصلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ جو انہوں نے سوادِ عراق کے بارے میں کیا جسکی رو سے انہوں نے ان مفتوحہ علاقوں کو بطور 'فئے' نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے لئے وقف قرار دیا، نہ اس کے پانچ حصے کئے نہ انہیں مجاہدین میں تقسیم کیا اور یہ وہی رائے تھی جو حضرات علیؓ بن ابی طالب اور معاذؓ بن جبل رضی اللہ عنہ نے انہیں دی تھی۔(309)

الغرض گذشتہ تفصیلات کی روشنی میں چاروں خلفائے رشدین کے فیصلے سے اسلام کی وسیع النظری سامنے آتی ہے کہ اسلام کتنے بڑے اور وسیع نظام کا حامل ہے۔ کائنات میں اس طرح کا کوئی نظام موجود نہیں ہے۔
مزید یہ کہ انفرادی ملکیت میں جو شخص قوی ہوتا وہ کمزور کو دبا لیتا اور اسے مغلوب کر کے اس پر ظلم کرتا۔ جسکی وجہ سے کمزور طبقہ کے دلوں میں امراء کے خلاف نفرت پیدا ہوتی اور انفرادی ملکیت والوں کے دل میں تکبر و عجب جیسی بیماریاں پیدا ہو جاتیں۔ جو کہ تمام اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا منبع اور سرچشمہ ہیں۔ فیصلہ عمرؓ سے تمام اخلاقی بیماریوں از خود دفن ہو کر رہ گئیں۔
اسلام سے قبل کاشتکار اور زمیندار میں باہمی کشمکش تھی۔ ظلم و جور روا رکھا جاتا تھا۔ سیدنا عمرؓ کی بصیرت و دانشمندی نے بنی نوع انسان کو ظلم و زیادتی سے محفوظ فرما دیا اور کاشتکاروں کو بڑی بڑی زمینداروں کی غلامی سے آزادی دلا دی۔ اور زمینداری و جاگیرداری کا نظام جو بھیانک اثرات انسانی زندگی پر طبقاتی کشمکش کی صورت میں پیدا کرتا تھا اس کا قلع قمع کر دیا۔
امداد باہمی کے طور پر کسی کو اپنی زمین و جائیداد ہبہ کر دینا جائز ہو گیا۔ اس سے بنجر زمینوں کی آباد کاری کا اہم مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ خلافت (حکومت) بیت المال کے خرچ پر اپنی ذمہ داری سے بنجر زمینوں پر لوگوں کو متعین کر کے مزروعہ بنا سکتی ہے۔ تا کہ اس سے آباد کاری کے بعد فوائد حاصل کر کے ترقی کر سکے۔
مزید یہ کہ بنجر زمینوں کی آباد کاری سے ناکارہ انسانوں کو کام میسر آتا ہے۔ اور وہ بھی خوشحال انسانوں کی طرح خوشحالی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔
بے روزگاری کے خاتمہ کے نتیجہ میں کثیر الاخلاقی و روحانی بیماریوں از خود ختم ہو جاتی ہیں۔ بیت المال کی ذمہ داری ہے کہ وہ مفاد عامہ کی خاطر چراگاہوں کا انتظام کرے اور جنگلات سے فوائد حاصل کرنے کا انتظام بھی کرے۔ انفرادی ملکیت میں مذکورہ انتظامات کی ذمہ داری کوئی بھی قبول نہیں کرتا۔

اجتماعی وملی ملکیت کی صورت میں مختلف قسم کی اراضی سے حاصل ہونے والی کانیں اوران کے منافع بھی اجتماعی طور پر کام آئیں گے ورنہ فساد کا باعث ہوسکتا ہے۔

زراعت وباغبانی میں ترقی ملی اوراجتماعی طور پر کام کرنے میں ممکن ہے۔الغرض زمین کسی خاص فرد یاقوم کی محنت کانتیجہ نہیں ہے۔بلکہ قدرت کاایک مشترکہ عطیہ ہے۔جس میں قوم کے ہرفردکومساوی حق ملکیت حاصل ہوناچاہیے۔

قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ قدرت کے اس عطیہ کاحقیقی مالک خوداللہ تعالیٰ کی ذاتِ مطلق ہے۔

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾

ترجمہ: ''زمین تو اللہ کی ہے۔اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہےاس کاوارث بنا دیتا ہے۔''(310)

مذکورہ حقائق کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام نے کس طرح میانہ روی کی حکمت عملی کوپیش کیا ہے۔افراط وتفریط سے بچ کرایسا راستہ نکالا ہے جسمیں مطلق خانگی املاک کی اراضی کی گنجائش نہیں رکھی۔اوراشتراکیت کے نقصانات سے بھی بچایا گیا ہے۔

زمین پر افراد کا حق ملکیت تسلیم ہے۔اورعام حالات میں اسمیں کوئی مداخلت اورمزاحمت نہیں کی جاتی۔جب کہ زمین کامالک حکومت کومقررہ معاوضہ بشکل لگان ادا کرتے رہیں۔اگر مفادعامہ کا تقاضا ہوتو حکومت اسمیں مداخلت کرکے معقول معاوضہ ادا کرنے کے بعد حاصل کرنے کاحق رکھتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

باب اول

1. Encyclopaedia Britannica "Agriculture",I،P 368,369
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا،ص ۳۶، دار صادر للطباعۃ والنشر ، بیروت، لبنان ۱۳۸۸ھ
3. ایضاً، ج ا،ص ۴۲،۴۳
4. زرعی انسائیکلوپیڈیا،ص ۴۳۲، اردو سائنس بورڈ، لاہور پاکستان، ۱۹۸۹ء
5. سورۃ ابراہیم، آیت ۳۷
6. مودودی، ابو الاعلیٰ سید مولانا، تفہیم القرآن، ج ا،ص ۵۵۴، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، پاکستان ۱۹۸۶ء
7. Britannica, "Agriculture", I, P-368, 369
8. سیارہ ڈائجسٹ، ماہنامہ چودہ صدیاں نمبر، ج ۳۴،ص ۱۰۱،شمارہ فروری مارچ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۱ء
9. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا،ص ۴۰ — ۱۳۵۰
10. لیبان گستاوَ، تمدنِ عرب،ص ۴۲۳، (اردو ترجمہ علی بلگرامی) مقبول اکیڈمی، لاہور، پاکستان
11. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۳،ص ۶۲، مقالہ بعنوان "عرب" دانش گاہ پنجاب، لاہور، پاکستان ۱۹۸۰ء
12. ایضاً
13. ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج ا،ص ۲۸، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، مصر ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۳،ص ۷۹
14. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۳،ص ۶۴
15. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا،ص ۱۶۵۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا،ص ۳۰۱، کتاب الاجارہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔ لیبان گستاوَ، تمدنِ عرب، (اردو ترجمہ سید علی بلگرامی) ص ۲۹
16. نور الدین علی بن احمد السمہودی، وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، ج ا،ص ۱۰۸۳، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۷۴ھ۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا،ص ۱۲۶۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۲،ص ۴۲۳، مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ، مصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

17. Encyclopaedia Britannica III, P-956
لیبان گستاؤ، تمدن عرب، (اردو ترجمہ سید علی بلگرامی، تمدنِ عرب) ص ۲۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید مولانا، تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۹۷

18. علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ا، ص ۲۰۲، مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا

19. سورۃ سباء، آیت نمبر ۱۵

20. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۳، ص ۶۳۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ا، ص ۲۰۳۔ لیبان گستاؤ، تمدن عرب، (اردو ترجمہ سید علی بلگرامی، تمدنِ عرب) ص ۲۶

21. مودودی، ابوالاعلیٰ سید مولانا، تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۵۶۹۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ا، ص ۱۸۸

22 سورۃ سباء، آیت ۱٦

23. Fisher: The Middle Fast Geography, P-454 ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۳، ص ۶۳۔ ابنِ خلدون، عبدالرحمن بن محمد بن خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، ج ۲، ص ۳، الجنۃ البیان العربی، بیروت لبنان ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۷۰ء

24. ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج ا، ص ۲۲۲۔ احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، ج ا، ص ۲۵۵، دار صادر، بیروت، لبنان۔ لیبان گستاؤ، تمدن عرب، (اردو ترجمہ سید علی بلگرامی، تمدنِ عرب) ص ۲۲ اور ۳۴۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۵۰۹، مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ، مصر ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء۔ Fisher: The Middle Fast Geography, P-465 ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۳، ص ٦۲، ملک عرب کی سیاحت کرنے والی مغربی سیاحوں نیز ندوی مرحوم، سر سید، مودودی مرحوم نے عرب میں کسی قدرتی اور دائمی دریا کی نفی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تمدنِ عرب ص ۲۳۔ ارض القرآن، ج ا، ص ۴۳۔ سیرت سرورِ دو عالم، ج ا، ص ۱۵۷۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج ا، ص ۴۲۱۔ ابنِ الاثیر، عزالدین ابی الحسن علی بن محمد ابی الکرم، الکامل فی التاریخ، ج ا، ذکر ''غلبہ الثقیف علی الطائف'' ص ۱۲۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔ ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ا، ص ۱۲۲ اور ۵۰٦، مرکز احیاء التراث المغربی، رباط۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا، ص ۸۷

25. ابنِ الاثیر،عزالدین ابی الحسن علی بن محمد ابی الکرم،الکامل فی التاریخ،ج۱،ص۶۸۴،۶۸۵ ''ذکر غلبہ الثقیف علی الطائف والحرب''

26. سورۃ سباء، آیت ۱۵

27. سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن،ج۱،ص۲۰۰، دارالاشاعت،کراچی،پاکستان،۱۹۷۵ء

28. سورۃ ابراہیم، آیت ۳۷

29. سید سلیمان ندوی،تاریخ ارض القرآن،ج۱،ص۷۱

30. ایضاً ج۱،ص۸۱

31. شیخ امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی،معجم البلدان،ج۵،ص۸۶، دارصادر للطباعۃ و النشر ،بیروت،لبنان۱۳۵۰ھ۔مودودی،ابوالاعلیٰ سید مولانا،تفہیم القرآن،ج۵،ص۳۷۰ (بحوالہ کتاب آلاغانی ۹۴۱۹)۔شیخ امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی،معجم البلدان،ج۵،ص۸۷ ابنِ ہشام،ابومحمد عبدالملک،السیرۃ النبویۃ،ج۲،ص۱۶۵۔ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح بخاری، ج۱،ص۳۱۳،کتاب المزارعۃ

32. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح بخاری،ج۲،ص۶۵۴ کتاب المساقاۃ

33. ایضاً،ج۱،ص۳۱۳

34. ایضاً،ج۱،ص۳۱۲،۳۱۳

35. مسلم بن حجاج القشیری،صحیح مسلم،ج۲،ص۱۳،باب کراءالارض،وفاقی وزارتِ تعلیم،اسلام آباد،پاکستان۱۹۸۵ء

36. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح بخاری،ج۱،ص۳۱۵

37. ایضاً،ج۱،ص۳۱۵

38. ایضاً،ج۱،ص۳۲۰،کتاب المساقاۃ۔محمد بن جریر طبری،تاریخ الامم والملوک،ج۱،ص۴۲۱

39. ابنِ ہشام،ابومحمد عبدالملک،السیرۃ النبویۃ،ج۲،ص۱۶۵،حدیث تحریق

40. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح بخاری،ج۱،کتاب الجرہ

41. ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،ج۱،ص۵۰۳

42. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی،سنن ابنِ ماجہ،ص۱۷۸،کتاب الرہن،المکتبۃ الفاروقیہ،ملتان،پاکستان،۱۳۱۵ھ

43. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح بخاری،ج۱،ص۶۱۳،کتاب المناقب

44. واقدی، کتاب المغازی، ص ۲۶۰، جماعۃ نشر الکتب القدیمۃ، لندن
45. شیخ امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۶۵
46. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۶، کتاب المساقاۃ
47. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۳، ص ۶۴
48. شیخ امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی، معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۶۴
49. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داوٗد، باب التبذیر، مکتبۃ العلم، لاہور، پاکستان۔ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۱۸۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید مولانا، تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۷۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۰۶-۱۱۶ ''ذکرِ خیر''۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۵، کتاب المزارعۃ۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ص ۱۸۱، باب الاشدبہ
50. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۴، ذکر سعد بن عبادہ و اسید بن حضیر
51. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ص ۱۷۸، باب الرہن۔ واقدی، کتاب المغازی، ص ۱۲۴، ابنِ ماجہ، ص ۱۷۸، باب الرہن
52. صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب المزارعۃ ملاحظہ فرمائیں
53. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۵، کتاب المزارعۃ مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ
54. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ص ۱۸۰، کتاب المزارعۃ
55. تمام لغوی بحث لسان العرب از منظور احمد اور النہایۃ از ابنِ اثیر سے ماخوذ ہے۔
56. برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، کتاب الھدایۃ، کتاب المزارعۃ، مکتبۃ شرکۃ علمیہ، ملتان، پاکستان
57. الشافعی محمد بن ادریس، الامام، الأم، ج ۷، ص ۱۰۱، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان
58. ابوعبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، کتاب المزارعۃ، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، سعودی عرب ۱۳۵۴ھ
59. ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، ج ۲، ص ۳۸۳
60. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، باب ۱۵، ح ۲۰۷۲ کتاب البیوع
61. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، ج ۳، ص ۱۱۸۹، ح ۱۵۵۳۔ ایضاً، ج ۳، ص ۱۱۸۸، ح ۱۵۵۲
62. علامہ یوسف القرضاوی، اسلام میں حلال و حرام، ص ۱۷۲، (م) شمس پیرزادہ، الدار السّلفیہ، بمبئی، انڈیا
63. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۶

64. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۳۵
65. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا ص ۲۶۷
66. ایضاً، ج ا ص ۲۶۸
67. ایضاً، ج ا ص ۲۶۹
68. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحیٰی، فتوح البلدان، ص ۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ
69. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۲، کتاب الجہاد والسیر
70. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۸۶
71. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا ص ۵۰۱
72. ایضاً، ج ا ص ۵۰۲
73. ایضاً، ج ا ص ۵۰۲
74. ابنِ ہشام، ابومحمد عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، ج ۲ ص ۱۴۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا ص ۵۰۳
75. ایضاً، ج ا ص ۵۰۳
76. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۸۹، کتاب الوقف
77. ایضاً، ج ا ص ۳۱۶، کتاب المناقب
78. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۳ ص ۳۰، باب ۲، باب فی التشدید فی ذالک
79. ایضاً، ج ۳ ص ۳، باب ۲، باب فی التشدید فی ذالک
80. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب البیوع، ج ۳ ص ۱۱۷۶
81. ایضاً، ج ۳ ص ۱۱۷۶، ح ۱۵۴۴
82. ایضاً، ج ۳ ص ۱۱۷۹، ح ۱۵۴۶
83. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، ج ۲ ص ۸۲۱، ح ۲۲۰۶
84. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، ج ۳ ص ۱۱۸۶، ح ۱۵۵۱
85. محمد رواس قلعہ جی، موسوعہ فقہ ابی بکر، ص ۲۱۵، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء۔ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۱۰۷، بولاق، ۱۳۰۲ء، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، ج ۲ ص ۸۲۰
86. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۸۸

87. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۷، کتاب المزارعۃ
88. ایضاً ص ۳۱۲، نیز طحاوی، ج ۲ ص ۲۶۲
89. علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۴، کتاب المزارعۃ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان
90. ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، ص ۱۷۹
91. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۱۰۷
92. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۷، کتاب المزارعۃ
93. ایضاً۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۱۰۷
94. مودودی، ابوالاعلیٰ سید، مسئلہ ملکیت زمین ص ۷۰، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۷۸ء۔ مولانا حفظ الرحمن سیوھاروی، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۳۵، ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان
95. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۷، کتاب المزارعۃ۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۱۰۶
96. ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع ترمذی، ج ا ص ۱۶۶، میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان
97. ایضاً
98. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، ج ا ص ۳۱۵۔
99. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱
100. ایضاً۔ حاکم نیشاپوری، "المستدرک"، ج ۲ ص ۲۸۶ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا
101. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۳
102. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۵
103. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۵۔ سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۲۷، نیز امام علی بن عمر الدارقطنی، سنن دارقطنی، ج ۲، ص ۳۰۴
104. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۵، کتاب المزارعۃ
105. ایضاً
106. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۲
107. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۸۸-۸۹

108. مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۳۴

109. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۸۸-۹۱

110. ایضاً، ص ۱۰۵

111. مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۳۵

112. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۳۷

113. ایضاً، ج ۱، ص ۲۳۷

114. ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، صحیح بخاری، باب المساجد، نیز ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۴۰، ۱۴۱

115. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۳۸

116. ایضاً، ج ۱، ص ۲۳۸

117. ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۵۰

118. شیخ امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی، معجم البلدان، ج ۵، ص ۸۶ "ذکر مدینہ منورہ"

119. ایضاً

120. ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۱ موسسہ الرسالۃ، بیروت، لبنان ۱۳۹۹ھ

121. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۳۸

122. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۲

123. ایضاً

124. ایضاً، ج ۱، ص ۳۱۳، کتاب المزارعۃ

125. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ ص ۱۱۸، ولایات الدینیۃ مصر، ۱۲۹۸ھ/۱۹۸۳ء

126. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۱۲۲

127. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۳۳، کتاب المناقب

128. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۳۰

129. امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۱، ص ۶۲، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان

130. ایضاً

131. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۰

132. سورۃ الانفال، آیت نمبر ۷۵
133. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا، ص ۲۳۸
134. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ا، ص ۹۶، کتاب الجہاد والسیر
135. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا، ص ۷، کتاب الایمان
136. ایضاً
137. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۲۶۷
138. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۶۷۸
139. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۲۴۶
140. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۱۷۴
141. ایضاً، ج ۲، ص ۲۲۶
142. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۸
143. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۶
144. ابنِ کثیر ابوالفداء عماد الدین، البدایۃ والنھایۃ، ج ۸، ص ۷۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان ۱۹۶۶ء
145. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا، ص ۳۵۹
146. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۶
147. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۸۹
148. ابنِ ہشام، ابومحمد عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، ج ا، ص ۱۷۸، ۱۷۹
149. مسعودی، التنبیہ والاشراف۔ ''ہجرت کا ساتواں سال''
150. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۳۶ ''خیبر''، نیز طبری، ج ۲، ص ۳۰۶
151. محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۲، غزوہ وادی القریٰ، ص ۳۰۶
152. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۵۶ نیز البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴۱ ''خیبر''
153. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۰۶
154. ایضاً
155. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۳۴

الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الاحکام السلطانیۃ، ص ۱۸۵

156. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۴

157. ایضاً

158. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، باب المساقاۃ، ص ۱۷۷

159. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۳

160. بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، ص ۱۳۷، دائرہ معارف عثمانیہ، حیدر آباد

161. ابنِ ہشام، ابومحمد عبدالملک، السیر ۃ النبویۃ ج ۳، ص ۳۶۳۔ نیز بلاذری، ص ۳۲۔ ابنِ سعد، ج ۲، ص ۱۱۰

162. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۰

163. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۳۔ نیز طبری، ج ۲، ص ۱۳۸، ذکر واقعہ بدر الکبریٰ

164. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۱۷۲، غزوہ بنوقینقاع ۲ھ

165. ایضاً، ص ۱۷۲

166. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ص ۷، ''ہجرۃ النبی ﷺ من مکۃ الی المدینۃ المنورہ''

167. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۴، بنونضیر کی جلاوطنی

168. ایضاً، ص ۲۲۰

169. سورۃ الحشر، آیت ۲

170. ایضاً، آیت ۶

171. یحیٰ بن آدم القرشی، کتاب الخراج، ص ۴۱

172. ایضاً، ص ۴۱

173. یحیٰ بن آدم القرشی، کتاب الخراج اور فتوح البلدان، ص ۳۳
ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۳۹۷

174. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الجہاد، ص ۳۹۷
البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ص ۳۳

175. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ص ۳۴، ۳۵، 'اموال بنوقریظہ' نیز طبری، ج ۱، ص ۲۴۰

176. مسعودی، التنبیہ والاشراف، ص ۵۸ ''غزوہ بنوقریظہ''، لیڈن

177. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ص ۳۵۔ نیز کتاب الاموال، ص ۱۲۹

178. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۸۲

179. سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۲۷

180. محمد بن جریر طبری، طبری، ج ۲، ص ۳۰۲، ۳۰۳

181. ایضاً، ج ۲، ص ۳۰۲، ۳۰۳

182. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴۶

183. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۶۲، باب ۱۷

184. ایضاً، ص ۱۶۲

185. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۷۸، ۷۹، نیز فتوح البلدان، ص ۷۵ ''صلح نجران''

186. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۷۹۔ نیز کتاب الاموال، ص ۲۸۹ اور فتوح البلدان، ص ۷۷

187. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴۲۔ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج ص ۴۳

188. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الاموال، ص ۳

189 البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴۸ ''امر وادی القریٰ وتیماء''

190. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴۷

191. ایضاً، ص ۴۸

192. ایضاً، ص ۴۷

193. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۶۲، باب ۱۴۔ محمد یوسف الدین، ڈاکٹر، اسلام کے معاشی نظریے ج ص ۳۰۸ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، ج ۱۳، ص ۲۰۳، عنوان "Land Nationalization" مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا ۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء

194. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴۸ ''وادی القریٰ وتیماء''

195. ایضاً

196. ایضاً

197. مسعودی، التنبیہ والاشراف

198. ابنِ قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۲، ص ۶۸

199. ایضاً

200. ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ۱، ص ۱۹۴

201. ایضاً، ج ۱، ص ۱۹۵

202. ابنِ ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۲۲

203. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۹۸، مکہ کے واقعات

204. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۶۷

205. ایضاً، ص ۷۲، ۷۳، دومۃ الجندل

206. ایضاً، ص ۷۰ ''صلح نجران''

207. ایضاً، ص ۱۸۸

208. ایضاً، ص ۷۷

209. ایضاً، ص ۷۷ ''صلح نجران'' نیز کتاب الاموال، ص ۲۸۷

210. ابنِ ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۲۲

211. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۸۶

212. ایضاً

213. ایضاً، ص ۸۷

214. ایضاً

215. ایضاً، ص ۷۹، ۸۰ ''یمن''

216. ایضاً، ص ۱۰۳ ''الیمامہ'' نیز کتاب الاموال، ص ۴۰۹ ''اقطاع النبی''

217. ایضاً، ص ۸۴ ''یمن''

218. ایضاً، ص ۸۷ ''عمان''

219. محمد حمید اللہ ڈاکٹر، ''قانون بین الممالک'' ص ۳۴، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن، انڈیا

220. سورۃ الانفال، آیت نمبر ۶۱

221. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۱۵۵

222. ابوعبید،، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۱۲

223. سورۃ الانفال، آیت ۴۱

224. یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۱۷

225. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن،، ج ۴، ص ۲۳۷، دارۃ المعارف، کراچی، پاکستان ۱۹۹۰ء

226. ابنِ کثیر، ابوالفداء عمادالدین، تفسیر ابنِ کثیر، ج ۲، ص ۳۱۰، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان

227. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۳۷
228. سورۃ الحشر، آیات ۶، ۷
229. ایضاً
230. ایضاً
231. ابن کثیر، ابوالفدا عماد الدین تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۱۱
232. سورۃ الانفال، آیت نمبر ۱
233. راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۵۰۳، نور محمد اصح المطابع، کراچی، پاکستان
234. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۶۹ ۔ امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن، ج ۳، ص ۴۲۹، فاران فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان
235. ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۵۳، اسلامی اکادمی، لاہور، پاکستان، جولائی ۱۹۸۶ء
236. ابومحمد عبدالحق الحقانی الدہلوی تفسیر فتح المنان، ج ۲، ص ۴۶۸، المشہور بہ تفسیر حقانی، نور محمد کارخانہ، کراچی، پاکستان ۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۳۷
237. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۳۸
238. علامہ قاضی محمد ثنا اللہ عثمانی تفسیر مظہری، ج ۴، ص ۸۹، دارالاشاعت، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۱ء
239. سورۃ الحشر، آیت ۶
240. مولانا محمد اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، ج ۱۱، ص ۱۲۳، ۱۲۵، تاج کمپنی، لاہور پاکستان ۔
241. ایضاً
242. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۸، ص ۳۶۸
243. سورۃ الحشر، آیت ۱۰
244. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۸، ص ۳۸۰
245. علامہ قاضی محمد ثنا اللہ عثمانی تفسیر مظہری، ج ۴، ص ۹۲
246. ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، بحوالہ مسلم شریف، دارالکاتب العربی، لبنان، بیروت ۱۹۶۷ء
247. الجصاص، ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن، ج ۳، ص ۸۴، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان ۱۳۴۷ھ

248. فوائد عثمانی ص ۷۰۸،

مولانا محمد ادریس کاندھلوی معارف القرآن مع تکملہ تفسیر، ج ۷، ص ۱۶۸، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، پاکستان

249. اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۲ ص ۲۱۲

250. قومی ڈائجسٹ، ''فاروق اعظم'' ڈاکٹر حمید اللہ ج ۵ ص ۲۴،

251. ابو یحییٰ امام خان، حضرت عمر کے سیاسی نظریے، ص ۱۸۸، گوشہ ادب، لاہور، پاکستان ۱۹۰۸ء

252. مودودی، ابو الاعلیٰ سید مولانا، مسئلہ ملکیت زمین، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۳۳

253. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۱۹

254. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۶۱۸

255. ایضاً، ج ۲، ص ۶۱۹

256. الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، باب ۱۴، ص ۱۶۰

257. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۹۰ تا ۱۹۴، ۱۵ھ سے ۱۹ھ تک کے واقعات میں تفصیلات موجود ہیں۔

258. ایضاً، ص ۱۳۸، ۱۶ھ کے واقعات

259. ایضاً، ج ۳، ص ۱۳۸، ۱۶ھ کے واقعات۔ ایضاً، ص ۸۶، ۱۴ھ کے واقعات

260. ایضاً، ج ۳، ص ۸۹، ۱۴ھ کے واقعات

261. البلاذری، ابو الحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۶۵، یوم جلولاء الوقیعد

262. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۵، ۱۵ھ کے واقعات

263. ایضاً، ص ۱۳۷، ۱۶ھ کے واقعات

264. ایضاً، ۱۱-۱۲ھ کے واقعات، ج ۲، ص ۵۵۷ تا ۵۸۵ اور کتاب الاموال، ص ۴۱۱، ۴۱۲

265. ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۴۱۲، ۴۱۳

266. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۵۵۸، ۱۲ھ کے واقعات

267. البلاذری، ابو الحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان

268. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۵۵۸، ۱۲ھ کے واقعات

269. ایضاً، ص ۵۵۶، ۱۲ھ کے واقعات

270. ایضاً، ص ۵۵۹

271. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص۲۰-۲۱
272. سورۃ الحشر، آیات ۹-۱۰
273. ایضاً
274. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص۲۱- ۲۳
275. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ا، ص ۵۵- ۶۳ اور کتاب الخراج ص۲۳- ۲۴
276. ایضاً
277. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ ،فتوح البلدان، ص۱۲۲
278. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ ص ۱۶۵
279. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ ،فتوح البلدان، ص ۲۶۵
280. ایضاً
281. ایضاً، ص۲۶۷
282. ایضاً، ص۲۶۸
283. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا، ص ۳۱۴ کتاب الحرث والمزارعۃ، کتاب الاموال، ص۸۴-۸۶۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۲ ص ۶۰۸، کتاب المغازی
284. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص۱۳۷- ۱۶ا۱۳۸ھ کے واقعات
285. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ ،فتوح البلدان، ص ۲۶۸، نیز کتاب الاموال، ص ۸۵
286. ایضاً، ص۱۷۳، ۱۷ھ کے واقعات
287. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص۲۰ تا ۲۹
288. ایضاً، ص۲۵
289. ایضاً
290. سورۃ الحشر، آیات ۶-۷
291. ایضاً، آیت ۸
292. ایضاً، آیت ۹
293. ایضاً، آیت ۱۰
294. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۲۵ تا ۲۹۔ ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، باب ۲۸

ص ۳۱۵ تا ۳۳۲۔یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۴۱ تا ۵۲۔ البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۶۴

295. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۶۵

296. محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام کا معاشی نظریہ، ص ۴۱، مطبوعات ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، پاکستان ۱۹۵۵ء

297. ایضاً، ص ۴۲

298. محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام کا معاشی نظریہ، ص ۴۴، مطبوعات ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، پاکستان ۱۹۵۵ء۔ فاروق اعظم نمبر، ماہنامہ ''ضیائے حرم'' ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۔نیز پیر سید محمد کرم شاہ، فاروق اعظم کی زرعی اصلاحات، ص ۱۲۰

299. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۸۶

300. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۱۶۔۲۱۵، 'فتح مصر والمغرب'

301. ایضاً، ص ۲۱۸

302. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۲۲۰، 'فتح مصر والمغرب ۔ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۰۷

303. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۳۶ ''فصل فی ذکر القطائع''۔یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۵۰، باب القطائع

304. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۷۱

305. ایضاً، ص ۷۳ اور ۸۳

306. ایضاً، ص ۸۴۔۸۳

307. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۴۶

308. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ا، ص ۹۳

309. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۸۹

310. سورۃ الاعراف، آیت ۱۲۸

باب دوم

اسلام میں زمینداری کے احکامات اور زمینوں کی آباد کاری کا منصوبہ

فصل اول ملکیت زمین کا مفہوم، شروعیت، شرائط اور ذرائع

ملکیت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

قبل از اسلام شخصی ملکیت

ذاتی و شخصی ملکیت کا تصور از روئے قرآن وحدیث

اسلام میں شخصی ملکیت کا مزاج

عہد رسولؐ اور صحابہ میں شخصی ملکیت

اسلام میں اجتماعی ملکیت کا تصور

قانونِ میراث

کلالہ (بےاولاد میت) کا ترکہ

وصیت

ذاتی ملکیت کی مشروعیت

ملکیت کی قسمیں

ذاتی ملکیت

عام ملکیت

ریاستی ملکیت

ذاتی ملکیت کی شرائط وقیود

ذاتی ملکیت کی قیود

ملکیت اراضی کے ذرائع

فصلِ دوم: زمینوں کی آبادکاری کا منصوبہ

احیائے موات الارض

اراضی بیت المال و مصارف

زمینوں کی آبادکاری کا توسیعی منصوبہ

زمینوں کی آبادکاری کے لیے پانی کا انتظام

جنگلات، معدنیات اور پرورش حیوانات

کاشتکاری کی ترغیب اور کسانوں کی خوشحالی کے لیے اقدامات

فصلِ سوم: بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنانا

بنجر زمینیں اور انھیں مزروعہ بنانے کی صورتیں

الف۔ خلافت کے مصارف

ب۔ کاشت کار کو اجازت

ج۔ حق ملکیت کے ساتھ آبادکاری کی اجازت

آبادکاری کی صورت جو زمین کے لائق و مناسب ہو

زراعت لگان اور بٹائی کے سلسلے میں اسلامی ترغیبات

زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کے اصول

اسلام کے زرعی نظام اور جاگیرداری نظام میں فرق و امتیاز

فصل اول

ملکیت زمین کا مفہوم، مشروعیت، شرائط اور ذرائع

ملکیت زمین کا مفہوم، مشروعیت، شرائط اور ذرائع

ملکیت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

ملکیت مَلَکَ (یَمْلِکُ) کے مصدر سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم کسی چیز یا جائیداد کے بارے میں حق تصرف کے مکمل اختیارات رکھتا ہے "القاموس" میں اس کا معنی بیان کیا گیا ہے۔

احتواه قادراً على الا ستبداد به

ترجمہ: "اس (شخص) کا اس شے پر قبضہ اور اس پر حاوی ہونا ہے۔"(1)

"تاج العروس" میں امام راغب اصفہانی کے حوالہ سے اس مفہوم کو پوری طرح میں واضح کیا گیا ہے۔

الملك هوالتصرف بالامر والنهى فى الجمهور

ترجمہ: "ملکیت سے مراد کسی چیز پر جمہور میں سے کسی فرد کو امر و نہی کے تصرف کا حاصل ہوتا ہے۔"(2)

S.W.FALLON ملکیت کے مفہوم کو ذیل کے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

1. Proprietary right in land.
2. Landed or real Property.(3)

یعنی زمین یا اس طرح کی کسی حقیقی جائیداد پر کسی (فرد یا قوم) کے ترجیہی حقوق مصری قانون میں ملکیت سے مراد ہے۔

الملكية هى الحق للمالك فى الانتفاع بما يملكه والتصرف فيه بطريقة مطلقة

ترجمہ: "ملکیت مالک کا وہ حق ہے جس کی وجہ سے اسے اپنی چیز سے نفع حاصل کرنے اس میں بلا روک ٹوک تصرف کرنے کا اختیار ہے۔"(4)

ان مختلف تعریفات سے ذیل کے امور اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ اس تعلق یا تخصیص کا اظہار ہو جو کسی انسان کا کسی شے سے ہے۔

۲۔ شے سے اپنے متعلق اور تخصیص کی بنا پر تصرف اور انتفاع کا حق۔

۳۔ حق تصرف میں کوئی مانع نہ ہو مثلاً صغیر سنی یا جنون۔

۴۔ حق تصرف یا حق انتفاع اماِلقًیا و کاملةً مکمل طور پر ہو

شریعت اسلامی کی رو سے ملکیت کی تعریف یوں ہے۔

الملك: اختصاص بالشيئ يمنع الغير منه ويمكن صاحبه من التصرف فيه ابتداء إلاالمانع شرعی

ترجمہ: ''یعنی ملکیت کسی شخص کا کسی چیز کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق ہے جو دوسرے کے لئے تصرف سے مانع ہوں ماسوائے حق شرعی کے۔''(5)

قبل از اسلام شخصی ملکیت

عرب کے قبائلی نظام میں زمین' مکانات اموال اور جانوروں کی شخصی وانفرادی ملکیت کا تصور واضح ،شعو رگہرا اور دستور عام تھا۔قبائلی نظام کے قیام کا بنیادی مقصد ہی ''اہل قبیلہ'' کی جان و مال کا تحفظ تھا اگر مال' جانور اور زمین کی ملکیت کا تصور ہی نہ تھا تو اس نظام کے قیام کا کوئی مقصد نہ تھا۔

عرب میں تین مشہور پیشے تجارت، گلہ بانی اور زراعت میں شخصی ملکیت کا تصور بالکل واضح اور صاف تھا۔ افراد اپنی دولت' جانور اور زمینوں کے مالک ہوتے تھے۔ان کی حفاظت کے لئے جو مرکزی ادارہ (سردار) قائم ہوا تھا اسکو اپنی آمدنی ایک مخصوص حصہ بطور ٹیکس ادا کرتے تھے جنگوں میں جو مال غنیمت ہاتھ آتا تھا۔اس کا 1/4 حصہ سردار کو ملتا تھا اور باقی جنگ میں شریک افراد میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ (6)

قبل از نبوت حضرت خدیجہؓ نے اپنا ذاتی مال دیکر رسول اللہ ﷺ کو بغرض تجارت شام بھیجا تھا۔(7) یہ مال حضرت خدیجہ کا تھا۔حضرت خدیجہؓ کے قبیلے کا نہ تھا۔

طائف میں آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی ملکیت ایک کنواں یا چشمہ تھا جسے ذوالہرم کہتے تھے۔ (8) اس پر بنو ثقیف نے قبضہ کرلیا تھا۔عبدالمطلب نے اس کو حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کی چنانچہ ایک کاہن کے فیصلہ کے مطابق یہ کنواں عبدالمطلب کو مل گیا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ اس کنویں یا چشمے کے ساتھ کوئی زرعی زمین ہوگی ورنہ صرف کنویں کے لئے اسقدر تگ و دو ممکن نہ تھی۔

سفر طائف کے دوران آنحضرت ﷺ نے جس باغ میں پناہ لی تھی وہ بھی مکہ کے قریشی عقبہ و شیبہ بن ربیعہ کی ملکیت تھا۔(9)

ذوالہرم کے پاس ابوسفیانؓ کی بھی املاک تھیں کیونکہ فتح مکہ کے بعد جب بنو ثقیف کے بتوں کو توڑنے کے لئے ابوسفیان ومغیرہ بن شعبہ کو طائف بھیجا گیا تو ابوسفیانؓ اپنی املاک پر ٹھہرے تھے۔(10)

جاہلی عرب میں بھی میراث کا دستور تھا مگر میراث صرف نوجوان وتوانا مرد کو ملتی تھی۔کمزور عورتیں اور بچے

اس سے محروم رہتے تھے۔(11)

طائف، مکہ، مدینہ اور عرب کے دیگر علاقوں میں سرمایہ دار و محتاج، زمیندار و مزارعہ اور غریب و امیر کا وجود شخصی ملکیت کا ثبوت ہے یہ الگ بات ہے کہ شخصی ملکیت ظلم اور استحصال کا ذریعہ بن چکی تھی۔
جاہلی معاشرت میں اجارہ، رہن، قرض، امانت وغیرہ کا چلن تھا اور ان سب کی بنیاد انفرادی ملکیت ہوتی ہے۔
گلہ بانی بھی اجرت پر کی جاتی تھی بعض لوگوں کے ملکیتی جانور (بھیڑ بکریاں اور اونٹ وغیرہ) ہوتے تھے جن کو چرواہے، اجرت پر چراتے تھے۔ یہ بہت شریفانہ پیشہ تصور ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مکی زندگی میں اجرت پر یہ کام کیا تھا۔(12)

جاہلی عرب میں ''اجتماعی ملکیت'' کا تصور بھی موجود تھا۔ زمین کے بعض ٹکڑے جن سے اجتماعی مفاد وابستہ ہوتا تھا وہ اجتماعی ملکیت میں ہوتے تھے جیسے حمیٰ (چراگاہ) چشمہ وغیرہ۔
بہر حال انفرادی و شخصی ملکیت کا تصور جاہلی عرب میں بھی بالکل صاف اور واضح تھا۔

ذاتی و شخصی ملکیت کا تصور از روئے قرآن وحدیث:

از روئے قرآن:

تہذیب وتمدن کا آغاز زراعت کے آغاز سے وابستہ ہے۔ زراعت نے خانہ بدوش انسان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی اور اس نے بستیوں کی صورت میں رہنا شروع کیا پھر یہ بستیاں قصبوں اور بڑے بڑے شہروں میں تبدیل ہوتی رہیں۔ یہ بستیاں قصبے اور شہر زیادہ تر دریاؤں کے کنارے آباد ہوئے کیونکہ وہاں وافر مقدار میں پانی اور وسیع ہموار زمین میسر تھی۔ بڑی بڑی قدیم تہذیبوں نے دریاؤں کے کنارے جنم لیا۔ وہیں پرورش پائی اور عروج حاصل کیا۔ ان بڑی بڑی تہذیبوں کی بنیاد زراعت تھی انسانی تمدن کا آغاز ''زرعی معاشرت'' سے ہوا۔ زراعت اور زرعی معاشرت کی بنیاد، ارتقاء اور نشوونما کی بنیاد، ذاتی و شخصی ملکیت کا تصور اور دستور تھا۔ زمین کی ذاتی و شخصی ملکیت کا اصول، زرعی معاشرت کا خاصا ہے۔ یہ زرعی معاشرت کی بنیاد اور شناخت ہے اور اس کے بغیر زراعت میں پیش رفت ممکن نہ تھی اور نہ ہی تمدن انسانی میں ارتقاء ممکن تھا۔ اس لئے صدیوں سے انسان کا یہ حق ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر معروف چلا آ رہا ہے پھر ذاتی ملکیت وہ فطری داعیہ ہے جو انسان کی طبیعت اور فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اور یہ انسانی کوشش، محنت اور جدوجہد کا بہت بڑا محرک ہے اس لئے اسلام نے مرد کے حق ملکیت کو تسلیم بھی کیا ہے اور اسے قانونی تحفظ بھی فراہم کیا ہے اسلام کے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے۔

''زمینوں'' کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے اس قدیم ترین اصول کی تجدید فرمائی جس

سے دنیا میں ملکیت زمین کا آغاز ہوا ہے جب انسان نے اس کرہ خاکی کو آباد کرنا شروع کیا تو اصول یہی تھا کہ جو جہاں رہ پڑا ہے وہ جگہ اسی کی ہے اور جس جگہ کو کسی نے کارآمد بنالیا ہے اس کے استعمال کا وہی زیادہ حقدار ہے۔ یہی قاعدہ تمام عطیات فطرت پر انسان کے مالکانہ حقوق کی بنیاد ہے۔(13)

اسلام سے قبل صدیوں سے زرعی زمین اور دیگر اموال کی شخصی ملکیت کا دستور جاری تھا قرآن حکیم نے نہ اسکی مذمت کی، نہ مخالفت کی اور نہ ہی یہ قانون واصول موقوف کیا، نہ اس کی جگہ پر کوئی نیا اور متبادل قانون رائج کیا۔ جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شخصی ملکیت کے دستور کو جائز رکھا۔ البتہ اس پر اس قسم کی قانونی واخلاقی پابندیاں عائد کیں کہ یہ حق، استحصال اور ظلم کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر حق ملکیت کا اثبات موجود ہے۔ یہاں پر اس کا تذکرہ مفید ہوگا۔

۱) ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾

ترجمہ: ''اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جبکہ وہ پھل لائے اور اسکی فصل کٹنے کے دن اللہ کا حق ادا کرو۔''(14)

۲) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو اپنی نیک کمائی میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمھارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔''(15)

پہلی آیت میں ''خدا کا حق ادا کرے'' سے مراد ''صدقہ وزکوۃ'' ہے۔(16) اور دوسری آیت میں پیداوار سے خرچ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد بھی صدقہ وزکوۃ ہے اور صدقہ وزکوۃ ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے اور زندگی گزارنے کے لئے ان کو دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے اگر زمین مشترکہ ملکیت ہوتو نہ زکوۃ دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ لینے کا۔

۳) سورۃ توبہ میں آٹھ مصارف زکوۃ بیان کر دیئے گئے ہیں۔(17) ظاہر کہ مستحقین زکوۃ وہ لوگ ہیں جن کے پاس کوئی مال نہیں کوئی زرعی زمین نہیں اور وہ معیشت کی دوڑ میں معاشرے سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں یا وقتی طور پر ایسی صورت حال سے دوچار ہیں کہ ان کو مالی مدد کی ضرورت ہے ایسے لوگوں کی ذمہ داری ان لوگوں پر ڈالی گئی ہے جو صاحب مال اور صاحب ملکیت ہیں۔

۴) قرآن حکیم میں تقریباً ستر آیات ایسی ہیں جن میں اَمْوَالُهُمْ، اَمْوَالُكُمْ، مَالَهٗ، اَمْوَالَنَا، اَمْوَالُ النَّاسُ

اور اَمْوَالُ الْيَتَامٰى کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان آیات میں مال کی اضافت انسانوں کی طرف جوان کی ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔

۵) قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات ہیں جن میں زکوٰۃ' صدقات' قرض حسنہ' انفاق فی سبیل اللہ' وصیت وراثت' مہر ونفقہ' دیت وخون بہا' کفارہ' بیع وشراء' امانت وخیانت' اسراف وتبذیر' بخل وشح' رباء ومیسر اور سرقہ وغیرہ کا ذکر ہے اور ان کے متعلق ایجابی وامتناعی احکامات ہیں۔مذکورہ الفاظ کے لغوی' عرفی اور شرعی معنی ومفہوم میں ذاتی وشخصی ملکیت کا مفہوم ان کی ماہیت میں داخل اور ان کی حقیقت کا جزو لاینفک ہے۔ شخصی ملکیت کا انکار کر دیا جائے تو ان الفاظ کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا اور ان سے متعلق احکامات بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

۶) قرآن حکیم میں دو اشخاص کی مثال پیش کی گئی ہے جو باغات کے مالک تھے ان میں سے ایک نے شرک کیا اور تکبر کیا تو اللہ تعالی نے اس کے باغات کو تباہ وبرباد کر دیا۔قرآن حکیم میں آتا ہے۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾

ترجمہ: ''اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عنایت کیے تھے اور انکے گرد کھجوروں کے درخت لگا دیے تھے اور انکے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔'' (18)

اس آیت سے متصل دوسری آیات میں بھی اسی قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔

۷) سورۃ احزاب میں یہود کی زمینوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُهَا﴾

ترجمہ: ''اور اللہ نے تمہیں یہود کی زمینوں' ان کے مکانوں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا۔اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم بھی نہ رکھا تھا۔''(19)

یعنی کہ جو ارض، دیار اور اموال پہلے یہودیوں کی ملکیت تھے وہ اب مسلمانوں کی ملکیت قرار پائے ہیں۔

۸) قرآن حکیم کی ایک اور آیت کریمہ زرعی ملکیت میں انفرادی وشخصی ملکیت کو بیان کرتی ہے۔

﴿اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ﴾

ترجمہ: ''اور یہ کہ صبح سویرے چلو اپنے کھیتوں پر اگر تم اسے کاٹنے والے ہو۔''(20)

لفظ ''حرثکم'' سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کھیت ان لوگوں کی ملکیت تھے۔

شخصی ملکیت'' کا حق اسلام میں اسقدر محترم ہے کہ اگر کوئی اسے نقصان پہنچائے یا سرقہ کا مرتکب ہو تو قرآن حکیم اسے قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا دیتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً' بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ایک ایک ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے جرم کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت کے طور پر ہے۔''(21)

ازروئے حدیث:

شخصی حق ملکیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے

(1) قبضہ کا حق (2) تصرف اور انتفاع کا حق۔

رسول اللہ ﷺ نے جس شخص کو بھی آباد یا غیر آباد زمین الاٹ کی اسے مذکورہ دونوں قسم کے حقوق بھی عطا فرمائے مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا۔

((مَنْ أَعْمَرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ))

ترجمہ: ''جس نے ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہ تھی پس وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔''(22)

یعنی آباد کرنے والے کا قبضہ اور تصرف کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔''ارض موات'' ہو یا اراضی بیت المال یہ مختلف افراد کو ملکیتی حقوق پر دی گئی ان پر متعلقہ اشخاص کا قبضہ بھی تسلیم کیا گیا۔ان کو تصرف و انتفاع کا حق بھی دیا گیا اور وہ وراثت میں بھی منتقل ہوئیں۔

گذشتہ ابواب میں بہت سی احادیث بیان ہو چکی ہیں جن سے شخصی ملکیت کے اثبات کا پہلو نکلتا ہے چند ایک اگلے صفحات میں ''مزارعت ومخابرت'' کے زیر عنوان بیان ہونگی۔یہاں پر چند ایک ارشادات نبوی ﷺ نقل کئے جاتے ہیں جن سے شخصی ملکیت کے حق کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔

۱) ((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ))

ترجمہ: ''جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔''(23)

۲) ((مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ))

ترجمہ: ''جس نے کسی کی زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہتھیالیا اس گلے میں سات زمینوں کا طوق

ڈالا جائے گا۔" (24)

۳) ((مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِيْنَ))

ترجمہ: "جس نے بالشت بھر زمین بھی از راہ ظلم لی تو اس گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا اسی مفہوم کی ایک اور حدیث ہے۔" (25)

۴) ((مَنْ اَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْاَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ اَرَضِيْنَ))

ترجمہ: "جس کسی نے کسی زمین پر ناحق قبضہ کر لیا تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔" (26)

ان احادیث سے زمین کی شخصی ملکیت کا ثبوت و جواز فراہم ہوتا ہے اور دوسرے کی زمین غصب کرنے پر شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ احکامات اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ "شخصی ملکیت" کو ایک ناگزیر برائی کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ ایک "برحق اصول" کی حیثیت سے اس کو تسلیم کیا گیا ہے اس پر پوری معیشت کو تعمیر کیا گیا ہے اور اسکی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا گیا ہے۔

اسلام میں شخصی ملکیت کا مزاج:

اسلام میں کائنات کی ہر شئے کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالی ہے اسی نے کائنات اور انسان کو پیدا کیا وہی ہر چیز اور انسان کی پرورش اور نشوونما کرنے والا ہے وہ ہر شئے کا خالق اور رب ہے اور ان صفات میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے ہر شئے پر اللہ تعالی کا حق ملکیت ذاتی مستقل اور حقیقی ہے لیکن اس نے کائنات کی ہر شئے کو بنی نوع انسان کے استفادے کے لئے مباح عام کر دیا ہے اس نے انسان کو جزوی، عطائی، مجازی اور عارضی حق ملکیت عطا فرمایا ہے اللہ کی ملکیت اور انسان کی ملکیت کا تصور متعارض و متضاد نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے سے موافق ہے فرد کا قبضہ ملکیت سے زیادہ ایک ذمہ داری ہے ایک امانت ہے جسے وہ اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق تصرف میں لا سکتا ہے اگر وہ اسے اللہ تعالی کے حکم کے مطابق استعمال میں نہ لائے تو اس کا حق ملکیت منسوخ ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں بیس سے زائد آیات ایسی نازل ہوئی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالی ہے لیکن اس نے تمام اشیاء کو بنی نوع انسان کے استفادے کے لئے عام کر دیا ہے یہاں پر صرف دو آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ﴿الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾

ترجمہ: ''جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمھارے کھانے کے لیے انواع واقسام کے پھل پیدا کیے۔''(27)

(۲) ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمھارے لیے پیدا کیں۔''(28)

اسلام میں زمین کی ملکیت کو یہ صورت اختیار نہ کرنی چاہیے کہ جاگیرداروں اور مالداروں کا ایک خاص گروہ پیدا ہو جائے اور مال و دولت اسی خاص گروہ میں محدود ہو کر رہ جائے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ﴾

ترجمہ: ''دولت تمھارے امراء ہی میں گردش کرتی نہ رہ جائے۔''(29)

رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر خصوصی نگاہ رکھی کہ معاشرے میں معاشی عدم توازن پیدا نہ ہو۔ چنانچہ بنو نضیر کی مدینہ بدری کے بعد ان کے مکانات کو تو مہاجرینؓ میں تقسیم کر دیا لیکن ان کی اراضی اور نخلستانوں میں سے صرف چھ مہاجرینؓ اور دو انصاریوںؓ کو بوجہ غربت عطا فرمایا اور بقیہ بیت المال میں جمع کر دیا تاکہ معاشرے کے محروم افراد کی مدد کی جا سکے۔ اس طرح اسلامی حکومت کے قبضہ میں آنے والی املاک کی تقسیم سے معاشرہ میں معاشی عدم توازن کا سدباب کر دیا گیا۔

اسلام مال و دولت کی شخصی ملکیت کو پسند کرتا ہے اور زمین کی آبادی و دیگر معاشی وسائل سے استفادے کو ضروری قرار دیتا ہے قرآن پاک میں آتا ہے۔

﴿هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا﴾

ترجمہ: ''اور اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اس زمین میں تم سے آبادی کروائی۔''(30)

امام ابوبکر الجصاص نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کا آباد کرنا واجب ہے خواہ زراعت کی شکل میں ہو یا باغات وتعمیرات کی شکل میں(31)

لیکن اسلام معاشی وسائل کو مقصد حیات ''نہیں بلکہ'' ذریعہ حیات'' قرار دیتا ہے وہ دنیوی وسائل اراضی مال دولت' سونا چاندی اور جانوروں وغیرہ کو ''متاع دنیا'' بتاتا ہے اور امام راغب نے لکھا ہے کہ متاع اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کچھ مدت کے لئے کچھ نہ کچھ نفع حاصل کیا جا سکتا ہو۔(32) رسول اللہ ﷺ نے اسی اصول کو زندگی کا اصول بنایا اور ''ملکیت'' کے بارے میں ایک خاص رویہ اختیار فرمایا اور رویہ ملکیت سے چمٹے رہنے کا نہیں بلکہ اپنی

سادہ ضروریات پوری کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ہے۔آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں اس کی بیشمار مثالیں موجود ہیں طوالت کے خوف سے چند ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے

(۱) مدینہ کی ابتدائی زندگی میں آپ ﷺ کی معیشت کا کوئی خاص بندوبست نہ تھا۔غزوہ احد ۳ھ میں مخریق یہودی نے آپ ﷺ کے لئے اپنے سات باغ وقف کردیئے تھے آپ ﷺ نے وہ ساتوں باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کردیئے۔(33)

(۲) آپ ﷺ مال غنیمت کا ایک حصہ اور مال فئی پورا بیت المال میں جمع کروا دیتے تھے جس سے محروم اور غریب افراد کی کفالت کی جاتی تھی۔ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ بنی نضیر،فدک اور خیبر کی زمینوں میں سے اپنے اہل وعیال کے لئے تھوڑا سا حصہ نکال کر بقیہ پیداوار یتامی،مساکین،مسافر،فقراء اور جہاد پر خرچ فرمادیتے تھے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے رویہ کو خوب بیان کرتی ہے۔حضرت ابو ذرغفاریؓ راوی ہیں۔

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرَّةِ الْمَدِيْنَةِ عِشَاءً وَ نَحْنُ نَنْظُرُ إِلَى اُحُدٍ فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَااَبَاذَرٍّ قَالَ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاأُحِبُّ أَنَّ أُحُدًا ذَاكَ عِنْدِي ذَهَبٌ أُمْسِي ثَالِثَةً عِنْدِيْ مِنْهُ دِيْنَارٌ إِلَّا دِيْنَارًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللّٰهِ هَكَذَا حِثَابَيْنَ يَدَيْهِ وَ هَكَذَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَهَكَذَا عَنْ شِمَالِهِ قَالَ ثُمَّ مَشِيْنَا فَقَالَ يَااَبَاذَرٍّ قَالَ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ الْأَكْثَرِيْنَ هُمُ الْأَقَلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ قَالَ هَكَذَاوَهَكَذَاوَهَكَذَا مِثْلَ مَا صَنَعَ فِيْ الْمَرَّةِ الْأُوْلَى))

ترجمہ: ''ایک دن رسول اللہ ﷺ کوہ احد کی طرف تشریف لے گئے(آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ذرؓ تھے)آپ ﷺ نے فرمایا ابو ذرؓ!میں عرض کی یارسول اللہ حاضر ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میرے پاس احد جتنا سونا ہواور اس میں سے ایک دینار وہ میرے پاس تین راتیں رہے ہاں ایک دینار میں روکے رکھوں گا جسے میں قرض اتارنے کیلئے اپنے پاس رکھوں گا۔آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلاتے ہوئے کہا اور ایسے لوگ کم ہی ہونگے۔آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ذرؓ میں نے عرض کی ہاں اللہ کے

رسول میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں ۔آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ آج زیادہ رکھتے ہیں وہ قیامت کے دن مفلس ہونگے سوائے ان کے جو ایسا کریں۔''(34)

مال و دولت کے بارے میں آپ ﷺ لوگوں میں جو رویہ پیدا کرنا چاہتے تھے وہ ان دو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعِسَ عَبْدُالدِّيْنَارِ وَ عَبْدُالدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ إِنْ أُعْطِىَ رَضِىَ وَاِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ))

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تباہ و برباد ہو جائے اشرفی کا بندہ' روپے کا بندہ اور جبّے کا بندہ اگر اسے یہ چیزیں دی جائیں تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو جاتا ہے ایسا شخص تباہ و برباد ہو جائے ،سرنگوں ہو جائے اور جب اسے کانٹا چبھ جائے تو نہ نکالا جائے۔''(35)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے

((أَنَّ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ حَدَّثَهُ عَنْ اَبِيْهِ أَنَّ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ أَفْسَدَلَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ))

ترجمہ: ''حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ ان کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا نقصان مال و منصب کی حرص کسی شخص کے دین کو پہنچاتی ہے۔''(36)

مذکورہ احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ وسائل حیات سے استفادہ کرنا اور مالدار ہونا کوئی بری چیز ہے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ))

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو متقی بھی ہو اور غنی بھی۔''(37)

مقصد یہ ہے کہ انسان ''دنیوی متاع'' کو ذریعہ حیات سمجھے' مقصد حیات نہ بنائے۔

عہدرسول ﷺ وصحابہؓ میں شخصی ملکیت:

رسول اللہ ﷺ نے تمدن کے اس اساسی دستور کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اسے مستحکم کیا اور اس کے تحفظ کا قانونی انتظام فرمایا۔ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کی پوری معاشی اسکیم اور خاص طور پر عرب کے زرعی نظام کو اسی بنیاد پر اٹھایا۔ کیونکہ آپ ﷺ بخوبی آگاہ تھے کہ شخصی وانفرادی ملکیت انسان کی فطرت کا تقاضا اور زرعی ترقی کی بنیاد ہے چنانچہ آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو مسجد نبوی ﷺ کے لئے انصارؓ کے دو نوجوانوں سے قیمتاً زمین خریدی۔(38)

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے مہاجرینؓ کی آبادکاری اور معیشت کا مسئلہ حل کرنے کے لئے انصارؓ اور مہاجرینؓ میں مواخات قائم کردی۔ حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں پینتالیس مہاجرینؓ اور پینتالیس انصارؓ کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا۔(39) اب ایک مہاجرؓ دوسرے انصاریؓ کے معاشی وسائل میں حصہ دار بن گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت خارجہؓ بن زید کا' حضرت عمرؓ کو حضرت عتبانؓ بن مالک کا' حضرت عثمانؓ کو حضرت اوسؓ بن ثابت کا اور حضرت ابوعبیدہؓ الجراح کو حضرت سعدؓ بن معاذ کا بھائی بنایا گیا۔(40)

مؤاخات میں ایک فرد کو دوسرے فرد سے وابستہ کیا گیا۔ قبیلوں کو ایک دوسرے سے وابستہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ تمام انصارؓ انفرادی طور پر زمینوں اور باغوں کے مالک تھے اور شخصی وانفرادی ملکیت کا تصور صدیوں سے مدینہ میں رائج تھا۔ آپ ﷺ نے اس دستور کو جاری رکھا اور اسے ملحوظ رکھتے ہوئے رشتۂ مواخاۃ قائم فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ کو قطعات اراضی ملکیتی بنیادوں پر الاٹ فرمائے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے افراد ہونگے جن کو زمینیں ملیں لیکن ان کے نام تاریخ کی کتابوں میں محفوظ نہ رہ سکے۔ وائل بن حجرؓ کو حضرموت میں جاگیر عطا فرمائی۔ حضرت بلالؓ بن حارث کو وادی عقیق کا بہت بڑا حصہ بطور جاگیر عطا فرمایا۔ فتح خیبر کے بعد خیبر کی تقریباً نصف زمین غزوہ خیبر میں شریک مجاہدین میں تقسیم فرمادی۔ جس پر ان کو مکمل مالکانہ حقوق حاصل تھے۔ تصرف وانتخاب کا حق خرید وفروخت کا حق اور وراثت میں منتقل کرنے کا حق وغیرہ۔

بنی نضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے مکانات مہاجرینؓ کو الاٹ کردیئے اور زمینوں میں سے بھی مہاجرینؓ وانصار کو مالکانہ حقوق کی بنیاد پر قطعات اراضی عطا فرمائی۔ گذشتہ صفحات میں مدینہ کے آبادکاروں اور جن کو قطعات اراضی دیئے گئے ایک طویل فہرست بیان کی گئی ہے اس فہرست کے آبادکاروں اور جن کو قطعات اراضی دیئے گئے کی ایک طویل فہرست بیان کی گئی ہے اس فہرست میں مزید اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور اس میں وہ افراد بھی شامل نہیں ہیں جن کے نام کسی وجہ سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ ان تمام افراد کو مالکانہ حقوق کے ساتھ اراضی دی

گئی۔وہ اپنی اراضی پر قابض تھے۔تصرف وانتفاع کا حق استعمال کرتے تھے خرید وفروخت کر سکتے تھےاور یہ قطعات ان کی اولاد کو وراثت میں منتقل بھی ہوئے۔

مسلمان ہوتے وقت جن افراد اور قبائل کے قبضہ میں جو انفرادی و اجتماعی املاک تھیں وہ انہی کے قبضہ میں بحال رہنے دی گئی جیسے انصار مدینہ، یمن، بحرین اور طائف کے افراد و قبائل کو سابقہ املاک پر بحال رکھا گیا اور ان کی ملکیت سے تعرض نہیں کیا گیا۔(41)

بعض قبائل کے ہاں مشترکہ اراضی بھی پائی جاتی تھی اسے اجتماعی ملکیت ہی میں رہنے دیا گیا بلکہ کچھ قبائل کا ذکر ملتا ہے جن کو مشترکہ اراضی بھی دی گئی مثلا بنی جناب کو ساریہ اور اسکا بلند حصہ (42) بنی قرہ کے لئے المظلہ کی چراگاہ(43) اور بنی حارث کے لئے مجس کا علاقہ الاٹ کیا گیا(44) اور باقاعدہ تحریری الاٹمنٹ آرڈر جاری فرمائے۔

یہ قطعات اراضی زیادہ تر حمیٰ (چراگاہ) کی صورت میں تھے جن سے تمام افراد قبیلہ کا مفاد وابستہ تھا۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں انفرادی و شخصی ملکیت کا تصور واضح، غیر مبہم اور بہت محترم ہے۔سید قطب اسکی یوں وضاحت کرتے ہیں۔

> اسلام میں اس صریح اور واضح حق (شخصی و انفرادی ملکیت کا حق) کے تسلیم کئے جانے میں کوئی شبہ نہیں ہے یہ بات بھی شبہ سے بالا ہے کہ یہ حق اسلامی طرز زندگی کا ایک بنیادی اصول اور اسلام کے اقتصادی نظام کی اساس ہے۔یہ ایسا بنیادی اصول ہے کہ جس کی خلاف ورزی صرف ضرورت کی صورت میں ضرورت کی حد تک ہی کی جا سکتی ہے۔(45)

زراعت کی ترقی اور زمینوں کی آباد کاری کے لئے ”حقوق ملکیت“ بہت ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔ زراعت کی ترقی کے لئے طویل منصوبہ بندی اور سرمایہ و محنت کی فراہمی ضروری ہوتی ہے۔کھیت پر کی جانے والی محنت ایک عرصہ کے بعد پھل دیتی ہے۔غرضیکہ زراعت اور کھیتی باڑی کا پیشہ اپنی نوعیت اور مزاج کے لحاظ سے مالکانہ حقوق کی بنیاد پر پھل پھول سکتا ہے نیز زمین سے طویل اور مستقل وابستگی اسکی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے شخصی ملکیت کے حق کو جائز اور برقرار رکھا اور اسے مزید مستحکم بنایا نیز اسے پورا قانونی تحفظ عطا فرمایا۔

صحابہ کرامؓ

”ملکیت“ کے بارے میں جو آپ ﷺ کا رویہ تھا وہی آپ ﷺ نے صحابہؓ کے اندر پیدا کیا۔حضرت سلیطؓ انصاری کو قطعہ ارض مدینہ سے تھوڑی دور ملا تھا جس کی نگرانی کے لئے آپؓ جایا کرتے تھے اس طرح رسول

اللہ ﷺ کی محفل سے کئی کئی روز دور رہنا پڑتا تھا حضرت سلیطؓ نے وہ قطعہ زمین حضور ﷺ کو پیش کر دیا کہ جسے چاہے دیدیں آپ ﷺ نے وہ حضرت زبیرؓ کو عطا کر دیا۔ (46)

آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے اپنی اپنی جائیدادیں اللہ کی راہ میں وقف کر دیں۔(47)

غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ ﷺ نے جہاد فنڈ کی اپیل کی تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال جو کل چار ہزار درہم تھا پیش کر دیا حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال دیدیا جو سو اوقیہ چاندی یعنی چار ہزار درہم تھا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے آٹھ ہزار درہم پیش کئے حضرت عباسؓ حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مالی جہاد میں حصہ لیا۔ سب سے زیادہ مال حضرت عثمانؓ نے پیش کیا آپؓ نے تین صد اونٹ بمعہ ساز و سامان اور ایک ہزار دینار آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔(48)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ میں سرمایہ پرستی پیدا نہ ہونے دی۔ زندگی کو ایک اعلیٰ ترین نصب العین، رضائے الٰہی کا حصول، سے باندھ دیا اور مال و دولت کو ضروریات زندگی کی تکمیل کا ایک معمولی ذریعہ قرار دیا۔ نیز آپ ﷺ نے قانونی ضابطہ بندی اور ترغیب و تلقین کے ذریعہ شخصی ملکیت کو ظلم و استحصال کا ذریعہ نہیں بننے دیا زرعی املاک پر زکوٰۃ و عشر عائد فرمایا اور انفاق کی ترغیب دیکران کو افراد اور جماعت کے لئے مفید بنایا۔

اسلام میں اجتماعی ملکیت کا تصور:

انسانی معاشرت میں ابتداء ہی سے شخصی ملکیت اور اجتماعی ملکیت کا تصور موجود رہا ہے انسان چونکہ طبعاً انفرادیت پسند بھی ہے اور اجتماعیت پسند بھی اس لئے اس نے ملکیت کے سلسلہ میں بھی شخصی ملکیت اور اجتماعی ملکیت کے دائرے بنائے اور ان کو آج تک ہم آہنگ بنانے کی کوشش میں مصروف ہے اسلام میں بھی شخصی ملکیت کے ساتھ اجتماعی ملکیت کا تصور موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پانی، گھاس اور آگ کو اجتماعی ملکیت قرار دیا تھا روایت کے الفاظ یہ ہیں ((اَلنَّاسَ شُرَکَاءُ فِی ثَلَاثٍ فِیْ الْکَلَاءِ وَ الْمَاءِ وَالنَّارِ)) (49)

بارش، دریاؤں، چشموں اور ایسی نالیوں یا نہروں کا پانی جن میں انسانی محنت صرف نہ ہوئی ہو نیز ایسی خودرو چراگاہیں جو بارش کا نتیجہ ہوں اور کسی کی ملکیت میں نہ ہوں اور آگ وغیرہ کو تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا گیا یہ چیزیں عرب کی زندگی میں بنیادی ضروریات شمار ہوتی تھیں اس لئے ان سے استفادہ کا حق پوری جماعت کو دیا گیا۔

آپ ﷺ کی زرعی منصوبہ بندی میں یہ اصول بھی نمایاں ہے کہ کوئی زمین اگر اجتماعی مفاد کے لئے مفید ثابت نہ ہو رہی ہو بلکہ ضرر کا باعث بن رہی ہو تو اسلامی حکومت اسے چھین کر بیت المال میں جمع کر سکتی ہے یا وہ کسی دوسرے کو عطا کر سکتی ہے اسی اصول کے مطابق حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ بن حارث سے وادی عقیق کی جاگیر واپس لیکر مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھی (50)

ایسے اموال یا ارضیات جن کا شخصی ملکیت میں دینا' اجتماعی مفاد کے خلاف ہو ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا مثلاً آپ ﷺ نے ایک صحابی ابیضؓ کو ایک جاگیر عطا کی' بعد میں پتہ چلا کہ اس میں نمک کی کان ہے جو تمام لوگوں کے استعمال کی چیز ہے چنانچہ آپ ﷺ نے وہ زمین واپس لے لی (51)

اجتماعی ملکیت کے سلسلہ میں آج بھی ان اصولوں کا اطلاق و انطباق ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول مجروح نہ ہوں اور افراد امت کو ذاتی ملکیت سے محروم کر کے غلام بنانے اور دبا کر رکھنے کا مقصد پیش نظر نہ ہو۔

خلاصئہ کلام یہ کہ

☆ قرآن و سنت کی رو سے شخصی ملکیت کا حق تمدن کے ارتقاء کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس لئے وہ اسلامی معاشرے کا بنیادی اصول اور اسلام کے زرعی نظام کی بنیاد ہے۔

☆ ذاتی ملکیت ایک مشروط اور پابند ذمہ داری ہے

☆ قانونی ضابطہ بندی اور ترغیب و تلقین کے ذریعہ شخصی ملکیت کو ظلم و استحصال کا ذریعہ بننے سے روکا گیا ہے۔

☆ اسلام میں شخصی ملکیت کا تصور ایسا نہیں ہے جو آج کے مادی دور میں پیدا ہو گیا ہے بلکہ یہ متاع دنیا ہے اس سے انسان کا تعلق ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا ایک مسافر کا مسافر خانہ کی اشیاء سے ہوتا ہے یہ ذریعہ حیات ہے مقصد حیات نہیں ہے۔

☆ زرعی املاک کی بعض شکلیں مشترکہ ملکیت شمار ہوتی ہیں اس سے عام لوگوں اور جماعت کا مفاد وابستہ ہوتا ہے کسی فرد واحد کو ان پر قبضہ کا حق نہیں ہے۔

☆ زرعی زمینوں کا ایک حصہ جماعت کا حق ہے جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے تاکہ ان افراد تک پہنچایا جائے جو معاشی دوڑ میں کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں تاکہ معاشرہ میں اقتصادی توازن برقرار رہے۔

☆ اجتماعی ملکیت کے اصولوں کا اطلاق اس بات سے مشروط ہے کہ اسلام کا بنیادی اصول شخصی ملکیت مجروح نہ ہو اور افراد امت کو ذاتی ملکیت سے محروم کر کے غلام بنانے اور دبا کر رکھنے کا مقصد پیش نظر نہ ہو۔

قانون میراث:

اسلام کا ایک مستقل قانون میراث ہے جو ایک طرف شخصی ملکیت کے تصور کو مستحکم کرتا ہے اور دوسری طرف قطعات زمین کی تقسیم اور جاگیرداری کی مستقل شکل کو توڑنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے ۔وراثت کا قانون عہد جاہلیت میں بھی مروج تھا لیکن یہ بہت غیر متوازن تھا اس میں میراث صرف تندرست وتوانا مرد کو ملتی تھی جو میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھا سکتا تھا عورت کے لئے کوئی حصہ نہ تھا بلکہ وہ خود میراث سمجھی جاتی تھی(52) عہد جاہلیت کا قانون وراثت آج کے یورپی قانون سے بہت ملتا جلتا تھا جس میں وراثت صرف بڑے بیٹے کو پہنچتی ہے ۔

اسلام نے ایک متوازن قانون وراثت دیا ہے جس کے مطابق ترکہ تمام وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے اور اسطرح گردش دولت کا اہتمام بھی ہو جاتا ہے اسلام کا یہ قانون وراثت قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی تھی اور اسے بعینہ معاشرے میں نافذ کیا تھا سورۃ نساء میں بیان کیا گیا ہے ۔

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَھَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا O وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾

ترجمہ: ’’اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے ۔اور اگر میت کی اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی ہے ۔اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف ہے اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ میت کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ ہے اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں

کا چھٹا حصہ ہوگا اور یہ تقسیم ترکہ میت کی وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی ۔تم کو معلوم نہیں کہ تمھارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے اور یہ حصے اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے، حکمت والا ہے ۔اور جو مال تمھاری بیویاں چھوڑ مریں اگر ان کے اولاد نہ ہو تو اس میں سے نصف حصہ تمھارا ہے ۔پھر اگر انکے اولاد ہو تو ترکے میں تمھارا حصہ چوتھائی ہے لیکن یہ تقسیم وصیت کی تعمیل کے بعد جو انھوں نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد جو ان کے ذمے ہوکی جائے گی ۔''(53)

کلالہ (بے اولاد میت) کا ترکہ:

اس بارے میں بھی قرآن حکیم میں آتا ہے

﴿اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَاتَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّاتَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

ترجمہ: ''اگر کوئی بے اولاد مر جائے اور اسکی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں سے دو تہائی کی حقدار ہونگی اور اگر کئی بھائی بہن ہوں تو عورتوں کا ایک اور مردوں کے دو حصے ہونگے اللہ تمھارے لئے احکامات بیان کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے ۔''(54)

وصیت:

کوئی بھی انسان مرنے سے پہلے اپنی جائیداد کے ایک تہائی حصہ تک وصیت کرسکتا ہے ۔قرض ادا کرنے کے بعد ترکہ وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا یعنی وارثوں کو بالکل محروم کرکے سارے ترکہ کے بارے میں وصیت نہیں کی جاسکتی اور وصیت کسی وارث کے حق میں نہیں کی جاسکتی ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ((لا وصیۃ لوارث)) (55)

اسلام کا یہ نظام میراث خاندان کے مختلف افراد اور یکے بعد دیگرے آنے والی نسلوں کے درمیان عدل کا

بہترین مظہر ہے نیز اس سے مال و دولت اور زمینیں تقسیم ہو جاتی ہیں اور وہ استحصال کی صورت اختیار نہیں کرتیں اگر اسلام کا قانون وراثت پوری طرح نافذ کر دیا جائے تو بڑی بڑی زمینداریاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے قانون وراثت کو پوری طرح معاشرے میں نافذ فرمایا جس سے دولت اور زمین چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوئی بلکہ تقسیم در تقسیم ہوتی رہی اور بڑی بڑی جاگیریں معرض وجود میں نہ آئیں اور نہ ہی بڑے بڑے زمیندار پیدا ہوئے قانون وراثت نے مسلم معاشرے میں زمینداروں کا خاص طبقہ پیدا نہ ہونے دیا معاشرہ سے جبر و ظلم اور استحصال کا ہر نشان مٹا دیا گیا۔ آپ ﷺ نے وسائل معیشت کو فاسد اور خراب نہ ہونے دیا بلکہ ان کا صحیح استعمال کیا جس سے عام رفاعیت اور خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ قانون میراث آپ ﷺ کی زرعی حکمت عملی کا ایک اہم عنصر تھا جو اب تک مسلمانوں کے پرسنل لاء کا حصہ ہے شاہ ولی اللہ نے آپ ﷺ کے معاشی اقدامات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور ان کے اپنے حالات پر منطبق کیا ہے (56) ہم بھی ان اصولوں کو اپنے حالات پر منطبق کر کے استحصال سے پاک زرعی نظام ترتیب دے سکتے ہیں۔

ذاتی ملکیت کی مشروعیت:

اسلام میں ملکیت کے تصور میں جامع اصول یہ ہے کہ بنیادی طور پر ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔'' (57)

ایک اور جگہ قرآن میں فرمایا:

﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ﴾

ترجمہ: ''آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملکیت ہے، کہو کہ اللہ کی۔'' (58)

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل مالک اللہ ہے کیونکہ وہی تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ﴾

ترجمہ: ''اس کی سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو تم لوگ اس کی عبادت کرو۔'' (59)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اشیائے کائنات سے انسان کا قانونی رشتہ کیا ہے؟ قرآن کریم نے اس رشتے کو ’’خلیفہ‘‘ اور "امانت" کی اصطلاحوں کے ذریعے واضح کیا ہے۔اور بتایا ہے کہ انسان کی حیثیت اس کائنات میں خلیفہ کی ہے اور کائنات کی تمام چیزیں اسے بطور امانت دی گئی ہیں۔اس امانت کے استعمال کی صورتیں "تسخیر" اور "نفع" ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾

ترجمہ: ’’اور جس وقت آپ کے رب نے ارشاد فرمایا فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک نائب ضرور بناؤں گا۔‘‘(60)

تسخیر کی صورت کو اللہ نے واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿وَسَخَّرَلَكُمْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾

ترجمہ: ’’اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ان سب کو اس نے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے۔‘‘(61)

انتفاع کی صورت کیا ہے؟اس کی وضاحت ’انفاق‘ یعنی خرچ کرنے کی اجازت دے کر فرمائی۔

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ﴾

ترجمہ: ’’اور (ایمان لا کر) جس مال میں تم کو اس نے قائم مقام کیا ہے اس میں سے اس (اس کی راہ) میں خرچ کرو۔‘‘(62)

ملکیت کی قسمیں:

تسخیر اور انتفاع کے لحاظ سے ملکیت کی تین قسمیں بنتی ہیں۔

۱۔ ذاتی ملکیت ۲) عام ملکیت ۳) ریاستی ملکیت (63)

۱۔ ذاتی ملکیت

آیئے سب سے پہلے ذاتی ملکیت کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر معلوم کریں۔سوال یہ ہے کہ کیا اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہم قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو دیکھتے ہیں کہ متعدد آیات میں اموال کی نسبت افراد کی طرف کی گئی ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾

ترجمہ: ''تمہارے اموال اور اولاد میں تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے۔''(64)

قرآن کریم میں دوسری جگہ آیا ہے۔

﴿وَفِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾

ترجمہ: ''اوران کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق ہے۔''(65)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اموال کی نسبت جن لوگوں کی طرف کی گئی ہے وہ ان کے مالک ہیں۔
اسی طرح زکوۃ، انفاق اور میراث کے احکام اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل کے الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾

ترجمہ: ''اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک نیتی سے قرض دیتے رہو۔''(66)

ذاتی ملکیت کے ذرائع:

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ذاتی ملکیت جائز ہے آیئے اب یہ دیکھیں کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جن کی بدولت کوئی شخص ایک چیز کا مالک بن سکتا ہے۔قرآن کریم، سنت نبوی اور فقہائے کرام کی مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکیت کے ذرائع درج ذیل ہیں۔

ا۔ عمل محنت:

جب کوئی شخص عمل اور محنت کر کے جائز طریقے سے کوئی چیز حاصل کرے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾

ترجمہ: ''مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے۔اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے۔''(67)

اسی طرح جو شخص محنت کر کے ناکارہ اور غیر آباد (موات) زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهٗ))

ترجمہ: ''جس نے غیر آباد زمین آباد کی تو وہ اس کی ہے۔''(68)

البتہ اس ملکیت کے لئے امام ابو حنیفہ امام (حکومت وقت) سے اجازت لینا ضروری قرار دیتے ہیں جبکہ

امام شافعی، ابو یوسف اور امام محمد یہ شرط نہیں لگاتے۔(69)

۲۔ خرید وفروخت:

اگر کوئی شخص قیمت ادا کر کے کوئی چیز خریدے تو اس صورت میں بھی وہ اس کی ملکیت کا حق رکھتا ہے کیونکہ یہ ایک جائز طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔''(70)

۳۔ ھدیہ/ھبہ:

اگر کوئی شخص دوسرے کو تحفے کے طور پر کوئی چیز دے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'واھب' کو 'موھوب لہٗ' کی مرضی یا حاکم کے فیصلے کے بغیر ھبہ شدہ چیز واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ بشرطیکہ 'موھوب لہٗ' وہ چیز اپنے قبضے میں لے چکا ہو اور اگر اس نے اس کی مرضی یا حاکم کے فیصلے کے بغیر واپس لے لی تو وہ غاصب سمجھا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی ھبہ کی ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔

((تہادوا تحابوا)) (71)

ترجمہ: ''آپس میں ھدیہ دیا کرو اور باہم محبت کی طرح ڈالو''

۴۔ صدقات وزکوٰۃ:

زکوٰۃ وصدقات بھی جن کو دیئے جائیں وہ ان کے مالک بن جاتے ہیں۔ مصارف زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾

ترجمہ: ''صدقات یعنی زکوٰۃ مفلسوں، محتاجوں، کارکنان صدقات کا حق ہے اور جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کیلئے مقرر ہے۔''(72)

ان مصارف کے شروع میں 'لام' ہے جو تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تمام صدقات 'صرف' انہی لوگوں کا حق ہے۔ اور اس کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے۔ بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے

خرچ بھی کیا جائے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔(73) لہٰذا زکوۃ کا مال مستحقین کی ملکیت بن جاتا ہے۔مولانا اشرف علی تھانوی بھی مصارف زکوۃ میں تملیک شرط قرار دیتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ جن کو زکوۃ دی جائے ان کو اس کا مالک کردیا جائے۔بدون تملیک زکوۃ ادا نہ ہوگی۔(74)

۵۔ میراث:

کسی شخص کے مرنے پر جو مال ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے وہ اس مال کے مالک بن جاتے ہیں۔جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَنِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَنِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾

ترجمہ: ''جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔یہ حصے اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔''(75)

۶۔ شکار:

شکار کرنے سے بھی شکاری مالک بن جاتا ہے۔کیونکہ یہ جائز ہے اور جو کوئی کسی جانور کو خشکی یا سمندر میں شکار کرے وہ اس کا ہو جاتا ہے۔لیکن ان جانوروں کا شکار جائز نہیں جس میں کوئی ایسی علامت پائی جائے جو کسی کی ملکیت ہونے پر دلالت کرتی ہو۔ مثلاً ہرن کے گلے میں کوئی بندی، کبوتر کے پاؤں میں چھلہ وغیرہ۔

۷۔ حیازہ:

اگر کوئی شخص غیر مملوکہ (مباح) چیز کو ملکیت کی نیت سے اپنے قبضے میں لے کر اپنی حفاظت میں رکھے تو وہ اس کی مستقل ملکیت بن جاتی ہے۔مثلاً اگر کوئی عام نہر سے ہاتھ یا کسی ڈبے کے ذریعے پانی لے یا حوض میں جمع کرے تو وہ حرز اور حفاظت کی بدولت اس کا مالک بن جاتا ہے۔بشرطیکہ پانی کا بہاؤ منقطع ہو اور اگر ایک طرف سے پانی آتا ہے اور دوسری طرف اتنا ہی پانی نکلتا ہے تو وہ 'حرز' میں نہیں سمجھا جاتا اور وہ اس پانی کا مالک نہیں ہوگا۔(76)

شرح المجلۃ میں اسے ذیل کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

كل من احرز شيئا مباحا كان مالكاله مستقلا ____ كون الاحراز مقرو نا بالقصد ___ يشترط فی احراز الماء انقطاع جريه۔

ترجمہ: ''جس کسی نے غیر مملوکہ چیز اپنے حرز میں رکھی۔ وہ اس کا مستقل مالک ہوگیا ___حرز میں رکھنے کے ساتھ ارادہ بھی ہو___پانی کے حرز میں اس

کے بہاؤ کا منقطع ہونا شرط ہے۔"(77)

۲۔ عام ملکیت:

ملکیت کی دوسری شکل یہ ہے کہ ایک چیز تمام لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہو لیکن چونکہ لوگ مختلف ممالک میں رہتے ہیں۔اس بناپر عام ملکیت کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

ا۔ ملکی حدود کے اندر عام ملکیت

ب۔ بین الاقوامی حدود کے اندر ملکیت۔

ا۔ ملکی حدود میں عام ملکیت:

یہ وہ ملکیت ہے جس میں کسی فرد کی تخصیص نہ ہو اور اس میں بیع، اقطاع اور ھبہ کا تصرف کسی کے لئے جائز نہ ہو۔کیونکہ اس پر تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کا حق ہوتا ہے۔جو اس وقت تک زندہ ہوں یا آنے والی نسلیں ہو ان تمام کے لئے اس ملکیت سے ذاتی فائدہ لینا جائز ہے۔(78) یعنی یہ ملکیت ریاستی اور ذاتی ملکیت دونوں سے مختلف ہے۔کیونکہ نہ تو اس میں ملک تصرف کرسکتا ہے اور نہ کوئی فرد بلکہ یہ ایک عام ملکیت ہوتی ہے۔جو تمام عوام کے لئے ہوتی ہے۔جبکہ ذاتی ملکیت میں مالک اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرسکتا ہے اور ریاستی ملکیت میں ملک (یعنی حکومت) ضرورت و مصلحت کی بنیاد پر تصرف کرسکتی ہے۔بڑے دریاؤں کا پانی ساحل کے قریب سمندروں کا پانی عام راستے و چراگاہیں اور جنگلات عام ملکیت کی مثالیں ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا۔

((اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَکَاءُ فِی ثَلَاثٍ فِیْ الْکَلَاءِ وَ الْمَاءِ وَالنَّارِ))

ترجمہ: "مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں پانی، چارہ اور آگ میں۔"(79)

علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ اس میں مسلمان اور کافر سارے شریک ہیں۔

لہٰذا ان اشیاء سے فائدہ اٹھانے کے لئے جو کوئی بھی پہل کرے وہ زیادہ حق دار ہوجاتا ہے۔لیکن اس حد تک کہ دوسرے کو نقصان نہ ہو کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے۔((لا ضرر ولا ضرار))(80)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے عام ملکیت کیوں قرار دیا گیا۔ڈکتور رفیق یونس نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس "مصلحۃ عامۃ" ہو رہی اور ایک عام ضرورت ہے (81) اور تمام زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ﴾

ترجمہ: ''اورہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔''(82)

۲۔ بین الاقوامی عام ملکیت:

یہ وہ ملکیت ہے جو تمام دنیا کے ممالک کے لوگوں میں مشترک ہو۔مثلاً بڑے سمندروں کا پانی اور اس کے متعلقات۔

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ساحلی ملک کا قریب کے پانی پر حق ہوتا ہے۔مثلاً بحیرہ عرب میں پاکستان کا اختیار خشکی سے بارہ میل تک ہے جس میں اس کے اوپر کی ہوا،تہہ کے نیچے سب کچھ شامل ہے۔(83) اسے اصطلاح میں 'البحر الاقليمي' یا 'المنطقة الملاصقه' کہتے ہیں۔لیکن دور کا پانی دنیا کے ممالک کے لئے مشترک ہوتا ہے۔اس ساحلی ملک کے لئے خاص نہیں ہوتا اور صرف پانی ہی نہیں بلکہ اس سے متعلق تمام جاندار اور بے جان مصادر بھی انہی ممالک کے لئے مشترک ہیں۔خواہ وہ اس کی سطح پر ہوں یا درمیان میں یا اس کی تہہ میں یا تہہ کے نیچے یا اس کے اوپر ہوا میں۔ مثلاً مچھلی،اسفنج،مرجان،سیپیاں،موتی معدنیات اور پٹرول وغیرہ۔اسی طرح یہ ممالک عملاً سمندروں کی تہوں کو مواصلاتی تار اور تیل کے پائپ بچھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ان کے جہاز ان کی ہواؤں میں اڑتے ہیں۔(84)

۳۔ ریاستی ملکیت:

ملکیت کی تیسری قسم وہ ملکیت ہے جو کسی ملک کی حکومت کے لئے خاص ہو خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، حیوانات ہو یا جمادات،اس ملکیت کو اصطلاح میں بیت المال کا نام دیا جاتا ہے جس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ زکوۃ کا بیت المال ۲۔ مصالح کا بیت المال ۳۔ ضوائع کا بیت المال

۱۔ بیت المال:

اس میں زکوۃ کا مال ہوتا ہے اور شریعت کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ ہوتا ہے۔

۲۔ مصالح کا بیت المال:

یہ وہ بیت المال ہے جس میں 'فئی' غنیمت اور خراج کے مدوں سے مال آتا ہے اور اس کے مصارف رواتب،اجور،ارزاق،مساجد کی تعمیر، پل،راستے اور ضرورت کے وقت فقراء اور مساکین ہیں۔

۳۔ ضوائع کا بیت المال:

اس کے ذرائع آمدن گمشدہ ملی ہوئی چیزیں، لاوارث ترکہ اور بغیر ولی کے مقتول کی دیت ہیں۔جبکہ

مصارف بغیر ولی کے فقراء ہیں جن کی تکفین وتدفین کی جاتی ہے اوران کے جرائم کی صورت میں جرمانہ وغیرہ ادا کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ریاستی ملکیت میں وہ تمام مواردعامہ شامل ہیں جن میں ملک کے لئے مصلحت کی بنیاد پر شرعی مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہو۔ان میں غیرآباد زمین وہ زمین جس پر حکومت کے مختلف ادارے قائم ہوں اور وہ معدنیات جوحکومتی زمین میں ہوں شامل ہیں۔

جہاں تک ذاتی زمین اورغیرمملوکہ(مباح) زمین میں معدنیات کاتعلق ہے توان کے متعلق مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ معدنیات عام ملکیت ہیں ۔وہ کسی کی ملکیت نہیں ۔جبکہ جمہورعلماء کہتے ہیں کہ ذاتی زمین میں معدنیات، زمین کی ملکیت کی بدولت زمین کے مالک کی ملکیت ہوتی ہیں۔کیونکہ جوسطح زمین (ظاہری) کا مالک ہے وہی اندرون زمین (باطنی) کابھی مالک ہےاورغیرمملوکہ(مباح) زمین سے حاصل شدہ معدنیات کودوقسموں میں بانٹا گیا ہے۔

۱) ظاہری ۲) باطنی

ظاہری معدنیات نکالنے پر وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بنتی کیونکہ اس پرخرچ اور محنت نہیں ہوتی جبکہ باطنی معدنیات ذاتی ملکیت بنتی ہیں کیونکہ ان پرخرچ اورمحنت نہیں ہوتی جبکہ باطنی معدنیات ذاتی ملکیت بنتی ہیں کیونکہ اس پرخرچ اورمحنت ہوتی ہے ۔اوران کی حیثیت غیرآباد کی آبادی جیسی ہوتی ہے۔(85)

ذاتی ملکیت کی شرائط:

ذاتی ملکیت کے حق کے جواز کے باوجوداسلام نے کچھ شرائط لگائی ہیں۔اگروہ شرائط پوری نہ کی جائیں تو ذاتی ملکیت ناجائز ہے جوکہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ چیز کاجائزاورحلال ہونا:

اسلام ان چیزوں کاحق ملکیت دیتا ہے جوجائز اورحلال ہوں۔مثلاًمردارخون،(دم مسفوح) سؤراورشراب وغیرہ کی ملکیت اس لئے ناجائز ہے کہ یہ حرام ہیں۔اوران کی حرمت قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾

ترجمہ: ’’تم پرحرام کیے گئے ہیں مرداراورخون اورخنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیراللہ

کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب لگنے سے مر جائے اور جو اونچائی سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو مرنے سے پہلے ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرو۔"(86)

۲۔ ملکیت ناجائز طریقے سے حاصل نہ ہو:

اسلام میں یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ کسی چیز کا حق ملکیت تب حاصل ہوتا ہے کہ وہ چیز جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو۔ اگر وہ ناجائز طریقے سے حاصل ہو تو اس کو حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی چیز یا دولت سود، جوا، رشوت، ظلم، خیانت، دھوکہ اور چوری یا ڈاکہ جیسے غلط اور ناجائز طریقوں سے حاصل کی گئی ہو تو اس پر حق ملکیت حاصل نہیں۔

سود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے۔"اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔" (87)

ایک اور آیت میں سودی لین دین کرنے والے کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ قرار دی ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوٰا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ O فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔"(88)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سود اتنی قبیح چیز ہے کہ اگر کوئی سودی کاروبار کرتا ہے تو گویا وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کے لئے تیار ہے۔

جوا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام شیطان کے عمل میں سے ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ فلاح پاؤ۔"(89)

رشوت ظلم اور دھوکے کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْ بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان کے (جھوٹے مقدمہ) کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعے سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ (یعنی ظلم کے) کھا جاؤ۔''(90)

ناحق طور پر مال کھانے میں رشوت، ملاوٹ اور ظلم وغیرہ کے ذریعوں سے مال حاصل کرنا شامل ہیں۔ اسی طرح امانت کو اس کے مالکوں کو واپس کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔''(91)

چوری کو سخت جرم قرار دیتے ہوئے اس کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کیا ہے۔(92)

ان آیات کریمہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ غلط طریقوں سے کمائی ہوئی دولت ناجائز ہوتی ہے اور کسی شخص کو ایسی دولت یا مال کا حق ملکیت جائز نہیں بلکہ حرام کمائی کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے 'احکام شریعت' میں لکھا ہے کہ 'حرام روپیہ کسی کام میں لگانا جائز نہیں۔ چاہے نیک کام ہو یا اور سوائے اس کے کہ جس سے لیا ہوا سے واپس دے یا فقیروں پر تصدق کرے۔ بغیر اس کے اس کو پاک کرنے کا کوئی حیلہ نہیں۔(93)

بلکہ اس کے مقابلے میں دوسرے جائز طریقے موجود ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ لیکن جائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کے لئے بھی اسلام نے کچھ قیود رکھی ہیں جن کا ذکر بھی ضروری سمجھتے ہوئے ذیل کی سطور میں بیان کیے جاتے ہیں۔

ذاتی ملکیت کی قیود:

ا۔ مال جمع نہ کرنا اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنا:

اسلام نے مال و دولت جمع کرنے اور اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنے کی مذمت کی ہے اور ایسا کرنے والے کے لئے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

ترجمہ: ''اور جولوگ سونا اور چاندی (دولت) جمع کر رکھتے ہیں۔اور ان کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔''(94)

۲۔ سرمایہ کاری کرنا (Investment):

اسلام تمام اموال کے مالکوں پر لازم کرتا ہے کہ وہ اپنے اموال سے سرمایہ کاری کریں اور خاص کر ایسی املاک میں تو بہت ضروری ہے جو پیداوار دینے والی ہوں ۔مثلاً زمین وغیرہ کیونکہ املاک کو پیداوار اور نفع سے روکنا معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے۔اگر مالک خود نہیں کرتے تو حکومت کو چاہیے کہ ان کو مجبور کرے اور وہ پھر بھی نہیں کرتے تو حکومت کو چاہیے کہ وہ املاک ان لوگوں سے لے کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کرے۔(95)

حضرت عمرؓ نے بھی بلالؓ بن الحارث المزنی کی زمین کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا۔

من عطل ارضا ثلاث سنین لم یعمرھا، فجاء غیرہ فعمرھا فھی لہ

ترجمہ: ''جس نے تین سال گزر جانے پر اپنی زمین کارآمد نہ بنائی اور اس کے علاوہ دوسرے نے اسے آباد کیا پس یہ اس کی ہے۔''(96)

۳۔ اسراف اور بخل نہ کرنا:

اسلام خرچ کرنے میں اعتدال کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا صاحب مال کو چاہیے کہ وہ نہ اسراف کرے اور نہ بخل اور نہ کنجوسی سے کام لے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا﴾

ترجمہ: ''اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہیے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔''(97)

ایک اور جگہ فرمایا ہے۔

﴿وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ۝ اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ‌ ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ۝﴾

ترجمہ: ''اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ (کیونکہ) فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔''(98)

۴۔ ذخیرہ اندوزی نہ کرنا:

بعض لوگ اس نیت سے اشیاء صرف ذخیرہ کرتے ہیں کہ وہ نایاب ہو کر مہنگی ہو جائیں تب وہ بیچیں گے یہ اسلام میں حرام ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

ذخیرہ اندوزی کی مذمت حضورﷺ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

((من احتکر حکرۃ یرید ان یعلی علی المسلمین ھو خاطی و قد برئت عنہ ذمۃ اللّٰہ و رسولہ))

ترجمہ: ''جو کوئی ذخیرہ اندوزی کرے گا جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کی اشیاء کو مہنگی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ گناہ گار ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ اس سے بری ہے۔''(99)

۵۔ صدقات واجبہ ادا کرنا:

ان قیود میں ایک قید یہ بھی ہے کہ مال میں سے شریعت کے مقرر کردہ صدقات مثلاً زکوٰۃ، عشر اور دوسرے مالی لوازمات ادا کئے جائیں۔ یعنی اگر کوئی صاحب نصاب ہو تو وہ مستحقین کو زکوٰۃ دے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾

ترجمہ: ''اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ۔''(100)

ایک اور جگہ پر اس ادائیگی کو مساکین کا حق قرار دیا ہے۔

﴿وَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾

ترجمہ: ''اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق ہے۔''(101)

اور اگر کوئی خوشی اور مرضی سے ادا نہیں کرتا تو حکومت پر لازم ہے کہ وہ انہیں مجبور کرے کہ وہ صدقات واجب ادا کریں بصورت دیگر ان سے زبردستی وہ رقم لی جائے اور رکاوٹ پیدا کرنے کی صورت میں ان سے جہاد کیا جائے۔ اور اس کی عملی مثال حضرت ابو بکرؓ نے قائم کی ہے اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا تھا۔(102)

۶۔ میراث کی وصیت میں ایک تہائی کی تحدید:

وصیت کرنے والے کے لئے ایک تہائی سے زیادہ حصے میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے دوسرے ورثاء کو نقصان ہوتا ہے۔ لہٰذا مالک ہوتے ہوئے بھی اسلام وصیت کی تحدید کرتا ہے۔(103)

۷۔ حق ملکیت استعمال کرتے وقت دوسروں کو تکلیف نہ ہو اور شریعت کے مطابق ہو:

انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی ذاتی ملکیت کو استعمال کرتے ہوئے اس سے فائدہ حاصل کرے لیکن ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس کے اس استعمال سے دوسروں کو نقصان نہ ہو۔ اس کے علاوہ وہ اس ملکیت کو شرعی حدود اور دینی قواعد کے حدود میں استعمال کرے۔ کیونکہ حقوق کا استعمال مصالح کے حصول اور مفاسد کو ہٹانے کے لئے ہوتا ہے جس میں پہلے معاشرے کے فائدے کا لحاظ ہوتا ہے بعد میں فرد کے فائدے کا۔

پس جب حق ملکیت کے استعمال میں معاشرے یا دوسرے انسان کو نقصان ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس مصلحت اور نقصان کا موازنہ کرے۔ اگر مالک کی مصلحت نقصان کی بہ نسبت زیادہ ہے تو اسے استعمال کرے اور اگر دوسرے شخص کا نقصان زیادہ ہے تو اس استعمال کو ترک کرے۔(104)

ملکیت اراضی کے ذرائع:

شریعت اسلامیہ کی رو سے درج ذیل وسائل و ذرائع سے حاصل شدہ زمین کسی فرد کی جائز ملکیت تصور ہوگی۔

ا۔ اشتراء:

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾

ترجمہ: ’’اے ایمان والو: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔‘‘(105)

یعنی باہم جائز طریقہ سے لین دین اور خرید و فروخت کر و خرید سے حاصل شدہ زمین فرد کی جائز ذاتی ملکیت تصور ہوگی خرید و فروخت نبی اکرم ﷺ کے عمل و طریق سے ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود مسجد اور اپنے مکانوں کے لیے جگہ مدینہ کے لوگوں سے خریدی۔ صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں ان کی کوئی جائیداد یں نہ تھیں بلکہ انہوں نے کاروبار کر کے لوگوں سے زمینیں خریدیں اور گھر بنائے

۲۔ وراثت:

وراثت حصول ملکیت کا دوسرا ذریعہ ہے قرآن حکیم نے اولاد، والدین بیوی اور دوسرے رشتہ داروں کو ایک دوسرے کی جائیداد کا وراثت قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾

ترجمہ: ''جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی ۔ یہ حصے اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں ۔''(106)

۳۔ وصیت:

اسلامی شریعت میں وصیت سے مراد ہے ۔
کسی شے کو یا اس کے منافع کو بہ طریق احسن یہ کہہ دینا یا لکھ دینا کہ میری موت کے بعد فلاں کے لئے (107)
وصیت کے ذریعہ ملنے والا مال فرد کی جائز ملکیت تصور ہوتا ہے ۔ قرآن حکیم میں اس کے متعلق ہے کہ ۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

ترجمہ: ''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ جائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے ۔''(108)

اسلام نے مرنے والے کو 1/3 تک وصیت کرنے کی اجازت دی ہے اور اگر اس سے زیادہ کی ہو تو وہ غیر موثر ہوگی ۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

((الثلث والثلث كثير وفي حديث كبير أو كثير))

ترجمہ: ایک تہائی کی وصیت کرو اور ایک تہائی بھی بہت ہے یا فرمایا بہت بڑا ہے ۔(109)

۴۔ ھبہ:

ھبہ سے مراد ہے کسی شے کو دوسرے کی ملکیت میں بغیر عوض کے دے دینا ۔(110)

اگر ایک فرد دوسرے فرد، قوم یا جماعت کو اپنا مال بطور ھبہ بخش دے تب ھبہ ہونے والے کو زمین پر اس حد تک مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے جس قدر ھبہ کرنے والے شخص کو حاصل تھے ۔ اگر ھبہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے تو اس شرط کے علاوہ باقی سارے حقوق ھبہ پانے واے کو حاصل ہوں گے ۔ رسول اکرم ﷺ سے ھبہ ثابت ہے اور آپ نے بلال ؓ بن حارث مزنی کو ایک قطعہ زمین بطور ھبہ عطا فرمایا ۔(111)

۵۔ احیاء موات:

موات سے مراد ہے

ایسی زمینیں جن میں تعمیر یا زراعت کے آثار نہ پائے جائیں نہ یہ بستی والوں کی مشترکہ ضروریات کے کام آتی ہو۔مثلاً وہ جگہ تفریح گاہ مویشیوں اورسواری کے جانوروں کی چراگاہ ایندھن حاصل کرنے کی جگہ یا قبرستان نہ ہواور نہ تو کسی کی ملکیت میں ہو نہ کسی کے قبضہ میں تو ایسی جگہ موات قرار پائے گی اور جو شخص بھی ان زمینوں یا ان کے کسی ٹکڑے کی آبادکاری عمل میں لائے گا یہ اس کی ملکیت ہو جائے گی ۔ (112)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے کار زمین کی آبادکاری کیلئے امام وقت کی رضامندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر محض زمین آباد کرلینے سے حقوق ملکیت حاصل نہ ہوں گے صاحب ھدایہ لکھتے ہیں ۔

ثم من أحياء باذن الامام يملكه وان احياه بغير اذنه لم يملكه عند ابى حنيفه وقال يملك ولأبى حنيفه قوله عليه السلام ليس للمرء الا ما طابت به نفس امامه

ترجمہ: ''پھر جس نے مردہ اراضی کوامام کی اجازت سے آباد کیا وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اگر اس نے امام کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو وہ اس کا مالک نہ ہو گا، صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ اس کا مالک ہوگا۔امام صاحب کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا انسان کے لیے وہی شے حلال ہے جو اس کا حاکم خوشی سے دے دے۔''(113)

ایسی اراضی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں ۔

((قال رسول الله ﷺ من اعمر ارضا ليست لاحد فهو احق))

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو تو وہ اس کا جائز حقدار ہے۔''(114)

مذکورہ اصول کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ نے اس بارے میں دو ضابطے مقرر فرمائے ہیں ۔

ا۔ جو شخص دوسرے کی مملوکہ زمین آباد کرے تو وہ اپنے اس فعل آبادکاری کے باعث ملکیت کا حقدار نہ ہو جائے گا آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

((من احيا ارضا ميتة فهى له ليس لعرق ظالم فيه حق))

ترجمہ: ''جس کسی نے مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اس کی ہے اور دوسرے کی زمین پر ناروا

طور پر آباد کاری کرنے والے کیلئے کوئی حق نہیں۔" (115)

۲۔ دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص خواہ مخواہ احاطہ کھینچ کر یا نشان لگا کر زمین کو روک رکھے اور اس پر کوئی کام نہ کرے تو اس کا حق ملکیت تین سال بعد خود بخود ساقط ہو جائے گا۔ دلیل نبی اکرم ﷺ کی وہ حدیث مبارکہ ہے جسے حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں۔

((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِمُحْتَجِرٍ حَقٌّ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِيْنَ))

ترجمہ: "جو کوئی مردہ زمین آباد کرے وہ اسی کی ہے اور بیکار رکھنے والے کے لیے تین سال بعد کوئی حق نہیں۔" (116)

اسی بناء پر صاحب ھدایہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مسلسل تین سال تک کسی زمین کو آباد نہ کرے تو امام اس سے وہ اراضی چھین کر کسی اور کے حوالے کر دے۔ (117)

۶۔ مالِ غنیمت:

مالِ غنیمت سے مراد ہے وہ اموال جو مسلمان مشرک فوجوں سے بذریعہ جنگ حاصل کریں جو ساز و سامان اسلحہ اور مویشی لے کر آئیں اس کا پانچواں حصہ ان لوگوں کے لیے جن کے نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں گنوائے ہیں اور اس کے باقی چار حصے اس کی فوج کے درمیان تقسیم ہوں گے جنہوں نے یہ مال پایا ہے۔ (118)

یہ تقسیم اللہ تعالیٰ نے خود قرآن حکیم میں بھی واضح کر دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾

ترجمہ: "اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول اور قرابت داروں، یتیموں محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔" (119)

مالِ غنیمت سے حصہ پانے والے اس مال کے جائز مالک تصور ہوں گے اس سے متعلق عہد نبوت و خلافت راشدہ میں ذیل کے طرز عمل سامنے آتے ہیں۔

۳۔ آنحضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ پر یہ عمل اختیار فرمایا کہ ((لا تثریب علیکم الیوم)) کا اعلان عام اور مفتوحین کو جان و مال کا پورا تحفظ اور آزادی دے دی اس صورت میں اہل مکہ اپنی زمینوں اور جائیدادوں کے بدستور مالک رہے اور اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی زمینیں عشری قرار دے دی گئیں۔ (120)

۴۔ دوسرا طرز عمل وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے خیبر میں اختیار فرمایا۔ یعنی مفتوح علاقوں کو مال غنیمت قرار دے

دیا سابق مالکوں کی ملکیت ساقط قرار دے دی گئی ایک حصہ خدا اور رسول کے حق میں لے لیا گیا اور باقی زمین ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو فتح خیبر کے موقع پر لشکر اسلام میں شامل تھے یہ تقسیم شدہ زمینیں جن لوگوں کے حصہ میں آئیں وہ ان کے مالک قرار پائے اور ان زمینوں پر عشر لگا دیا گیا۔(121)

۵۔ تیسرا طرز عمل حضرت عمر سے متعلق ہے جو انہوں نے ابتداء شام اور عراق میں اختیار فرمایا اور بعد ازاں تمام مفتوحہ ممالک کا بندوبست اس کے مطابق ہوا۔ آپ نے مفتوحہ علاقوں کو فاتح فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے ان کو تمام مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دے دیا اور اس کا انتظام سب مسلمانوں کی طرف سے اپنے اپنے ہاتھ میں لے لیا اصل باشندوں کو حسب سابق ان کی زمینوں پر بحال رہنے دیا گیا ان کو ذمی قرار دے کر ان پر جزیہ و خراج عائد کر دیا گیا اور ان کا مصرف یہ قرار پایا کہ یہ عام مسلمانوں پر صرف ہو۔(122)

۷۔ دیگر اسباب ملکیت:

مندرجہ بالا وجوہ ملکیت کے علاوہ بھی چند دیگر امور ہیں جو کہ ملکیت کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً حق مہر، خلع، مصالحت ادائے قرض وغیرہ سے حاصل ہونے والی اراضی سے بھی زمین کی جائز ملکیت حاصل ہوتی ہے۔

اقطاع ارض:

اقطاع سے مراد ہے کہ حکومت زمین کا کوئی قطع کسی شخص کو بطور عطیہ عطا کر دے۔(123)

اقطاع کا لغوی مفہوم:

اقطاع قطع کی جمع ہے قطعیہ قطع سے جو کاٹنے کی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قطع سے مراد وہ قطعہ اراضی ہے جو کسی شہری کو حکومت کی طرف سے مکان بنانے یا کاشتکاری و آبادکاری وغیرہ کیلئے بلا معاوضہ دی جائے۔

لغوی اصطلاح میں اقطاع سے مراد ہے۔

القطعة بالكسر الطائفة من الشيئ ---و الطائفة من الارض اذ كانت مغروزة۔

ترجمہ: ''قطعہ حرف قاف پر زیر کے ساتھ اس سے مراد شے کا کچھ حصہ ہے اور پیش کے ساتھ زمین کا کوئی حصہ بشرطیکہ وہ دوسرے حصول سے الگ ہو۔''(124)

اقطاع کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

هو تمليك الإمام جزء من الأرض

ترجمہ: ''امام کی طرف سے کسی کو حصہ زمین کا مالک بنایا۔''(125)

علامہ الخوارزمی اس کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں کہ

تخصیص الدولة قطعة من الارض ونحوها من الموارد الطبیعیة لشخص قادر علی العمل علی نحو الامتاع و التملیك أو غیره

ترجمہ: ''حکومت کا زمین وغیرہ کا کوئی قطعہ یا کوئی طبعی موارد میں سے کوئی اور شے کا کسی ایسے شخص کے لیے بطریق ملکیت یا عطیہ مخصوص کر دینا جو عمل پر قادر ہے۔ ''(126)

قاضی عیاض کی بیان کردہ تعریف بھی اس کے قریب ہے وہ فرماتے ۔

إن الاقطاع تسویغ الامام من مال اللّٰه شیئا لمن یراه اهلا لذلك

ترجمہ: ''اقطاع امام کا اللہ کے مال میں سے کسی شے کا کسی اہل نظر آنے والے شخص کو عطا کرنا ہے۔''(127)

ہمارے خیال میں علامہ الخوارزمی اور قاضی عیاض کی بیان کردہ تعریفات ہی زیادہ مناسب اور زیادہ جامع ہیں ان سے ذیل کے نکات اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ اقطاع کے تحت اراضی اور اراضی کی قسم کی اشیاء مثلا معاون وغیرہ داخل ہیں۔

۲۔ پھر اقطاع تملیک بھی ہوسکتا ہے۔اور اقطاع انتفاع بھی۔

۳۔ اقطاع صرف حاکم دے سکتا ہے۔

اقطاع کا جواز:

اسلام میں اسلامی سلطنت کے حاکم اعلی کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ جن لوگوں کو چاہے ایسی اراضی جو کسی کی ملکیت نہ ہوگی مملکت اسلامیہ کے زیرنگین ہو عطا کرسکتا ہے اسکا جواز حسب ذیل روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

((عن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی ﷺ اقطعه أرض حضر موت))

ترجمہ: ''حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں حضرت موت میں ایک قطعہ ارضی مرحمت فرمایا''(128)

ایک اور روایت میں ہے کہ

((ان رسول اللّٰه ﷺ اقطع بلال بن حارث المزنی معادن القبیلة وهی من ناحیة

الفرع فتلك المعادن لا یؤخذ منها الا الزکاۃ إلی الیوم))

ترجمہ: ''نبی اکرمﷺ نے بلال بن حارث مزنی قبیلہ کی کانیں جو ناحیہ الفرع میں واقع ہیں مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ ان کانوں میں ماسوائے زکوٰۃ کے کوئی اور شے وصول نہیں کی جاتی۔''(129)

ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

((عن ابن عمر ان النبی ﷺ اقطع الزبیر حضر فرسہ فاجری فرسہ حتی قام ثم رمی بسوطہ فقال اعطوہ من حیث بلغ السوط))

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرمﷺ نے حضرت زبیر کو گھوڑے کی دوڑ تک کا قطعہ مرحمت فرمایا۔حضرت زبیر نے اپنے گھوڑے کو چھوڑ دیا جب وہ بھاگ کر رک گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا تو آپ نے فرمایا کہ جہاں تک اس کا کوڑا گیا ہے وہاں تک کا قطعہ انہیں دے دو۔''(130)

نبیﷺ کے بعد خلفاء راشدین بھی لوگوں کو زمین کے قطعات دیتے رہے ۔مثلاً ''حضرت عثمان نے رسول اللہﷺ کے پانچ صحابہ کو بطور جاگیر زمینیں دی تھیں (ان کے نام یہ ہیں) حضرت زبیر،سعد،ابن مسعود،اسامہ بن زید،اور خباب بن الارث۔''(131)

حضرت موسیٰ بن طلحہ روایت کرتے ہیں کہ ''عثمان بن عفان نے عبداللہ بن مسعود کو نہریں (کے علاقہ) میں جاگیر دی عمار بن یاسر کو استینیاء میں آپ نے خباب کو صفاء اور سعد بن مالک کو ھرمزان کا گاؤں بطور جاگیر دیا۔''(132)

حضرت عمر کے متعلق ہے کہ ''عمر بن خطاب نے عقیق کا سارا علاقہ لوگوں کے درمیان بطور جاگیر تقسیم کر دیا یہاں تک کہ ایک جاگیر عمرو بن زبیر کی جاگیر سے بھی تجاوز کر گئی۔''(133)

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے قانون اقطاع پر عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں بھی در آمد شروع ہو گیا تھا اور یہ کہ اس مبارک عہد میں اس قسم کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔

تاہم اس عہد میں عطاء جاگیر کے اس قانون سے نہ کوئی اسلامی حکومت کی زرخیز اراضی لوگوں کو عطا کر کے حکومت کو نقصان پہنچایا گیا اور نہ ہی اس کے ذریعہ نااہل لوگوں کو ناجائز طور پر نوازا گیا۔

اقطاع (عطائے جاگیر) کی مختلف صورتیں و مقاصد:

۱۔ مکمل مالکانہ حقوق:

اقطاع کی ایک صورت یہ ہے کہ جس کو زمین دی جائے اس کا مالک بنادیا جائے اس صورت میں اس کو بیع و شراوغیرہ کے تمام مالکانہ تصرفات جائز ہوں گے اوراس کے بعد یہ زمین اس کے وارثوں میں بحصص شرعیہ منتقل ہوگی امام کوان سے واپس لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔(134)

حضوﷺ کے اکثر اقطاعات اسی قسم کے ہیں مثلاً ابورافعؓ کچھ لوگوں کے بارے میں روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''نبیﷺ نے ان لوگوں کوایک زمین عطا فرمائی یہ اسے زیر کاشت نہ لاسکے تو انہوں نے عمر بن خطاب کے زمانہ میں اسے آٹھ ہزار دینار یا آٹھ لاکھ درہم میں فروخت کردیا۔(135) اسی طرح رسول اللہﷺ نے حضرت زبیر کو جو خیبر سے زمین عطا فرمائی تھی یہ آپ کے وارثوں میں منتقل ہوئی۔''

۲۔ زمین کے منافع کا مالک بنایا (نسل درنسل):

دوسری صورت یہ ہے کہ جس کو زمین دی جائے اس کا مالک نہ بنایا جائے بلکہ اس کا منافع اور آمدنی حاصل کرنے کا اختیار نسلا بعد نسل دیا جائے۔اس صورت میں بلاوجہ شرعی اس جاگیردار یا اس کے وارثوں کو زمین سے بے دخل نہیں کرسکتے ہاں وہ اس زمین کو معطل چھوڑدیں یا زمین کا عشر وخراج ادا نہ کریں تو ان سے لے کر دوسروں کو دی جا سکتی ہے۔نیز اس صورت میں جاگیردار یا اس کے وارثوں کو بیع وھبہ یا وقف کا اختیار نہیں ہوتا باقی تصرفات جن کا تعلق پیداوار سے ہے وہ سب جائز ہیں۔(136)

> حضرت تمیم داری کی جاگیر یا عطیہ زمین اس قسم میں شامل ہے کتاب الاموال میں ہے کہ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے تمیم کے لیے حضور کے اس لکھے کو پورا کیا اور ساتھ ہی ان سے کہا۔تمہیں یہ حق نہیں کہ اس جاگیر کو فروخت کرو۔چنانچہ یہ جاگیر آج تک ان کے گھرانہ میں چلی آرہی ہے۔(137)

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ جاگیردار کو زمین کا مالک بنائیں اور نہ نسلا بعد نسل منافع دیں بلکہ تا حیات جاگیردار کو منافع لینے کا اختیار دیا جائے اس صورت میں حسب شرط جاگیردار کے انتقال کے بعد یہ زمین اس سے واپس لے لی جائے گی۔(138)

۴۔ جاگیردار کو پیداوار سے منافع حاصل کرنے کی اجازت بلاکسی تحریر مدت کے دی جائے۔اس صورت میں

امام کو ہر وقت اختیار ہے کہ جب ضرورت یا مصلحت دیکھے اس کے قبضہ سے نکال لے ۔

۵۔ اس کی رو سے نہ زمین کی ملکیت سے جاگیردار کا کوئی تعلق ہو نہ اس کی پیداوار و منافع بلاواسطہ اس کو دیئے جاویں بلکہ زمین کا جو عشر یا خراج بیت المال میں داخل ہو یا کسی مستحق شخص کو دے دیا جائے ۔

اس صورت میں اگر زمین پر کوئی کاشتکار یا کرایہ دار منجانب امام قابض و متصرف ہے وہ اپنی جگہ بحال رہے گا۔ جاگیردار اس کو بے دخل کر کے دوسروں کو اجارہ پر نہ دے سکے بلکہ شرط کے موافق اس کا تعلق عشر و خراج کے اس حصہ سے ہوگا جو امیر نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے ۔(139)

۶۔ علاوہ ازیں ایک صورت یہ بھی ہے جس میں حکومت مخصوص مقاصد مثلاً گھوڑے پالنے یا مفید مویشیوں کی پرورش کے لیے کسی کو جاگیر دے اس بارے میں حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ مطلوبہ مقاصد کی عدم تعمیل کی صورت میں یہ زمین واپس لے لی جائے ۔

محمد بن عبید اللہ ثقفی کہتے ہیں کہ بصرہ والوں میں سے ثقیف قبیلہ کا گھوڑوں کے بچوں کی پرورش کی پہل کرنے والے ابوعبداللہ نافع نامی شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا ہماری طرف سے بصرہ میں ایسی زمین ہے جو خراج کی نہیں اور نہ کسی مسلمان کو اس کی کمی سے کوئی نقصان پہنچے گا اگر آپ مناسب تصور فرمائیں تو وہ مجھے بطور جاگیر عطا کر دیجئے میں اس میں اپنے گھوڑوں کے لیے چارہ پیدا کروں گا۔ چنانچہ حضرت عمر نے ابوموسی اشعری کو لکھا کہ اگر وہ زمین ایسی ہی ہے جیسی یہ بیان کر رہے ہیں تو وہ انہیں بطور جاگیر دے دو ۔(140)

مطلوبہ مقاصد پورے نہ کرنے پر جاگیر واپس لینے کی مثال دور فاروقی میں موجود ہے۔

عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضرت عمر سے دمشق میں آنذرکیسان کے علاقہ میں اپنے گھوڑے باندھنے کے لیے کچھ زمین مانگی ۔ چنانچہ انہوں نے ایک قطعہ انہیں وہاں دے دیا لیکن جب ان لوگوں نے وہاں کھیت لگا ڈالے تو انہوں نے نہ صرف وہ زمینیں ان سے واپس لے لیں بلکہ وہاں زراعت کرنے کی وجہ سے ان پر جرمانہ بھی لگایا۔(141)

اقطاع دینے کے مقاصد:

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں مختلف لوگوں کو جو اقطاعات دیئے گئے ان کے پیش نظر چند مقاصد ہوتے تھے ۔قرآن حکیم میں آتا ہے ۔

﴿هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا﴾

ترجمہ: ”اور اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اس زمین میں تم سے آبادی کروائی۔“(142)

امام جصاصؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کا آباد کرنا واجب ہے خواہ زراعت کی شکل میں ہو یا باغات وتعمیرات کی شکل میں(143)

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی زمین کی آباد کاری کیلئے لوگوں کو قطعات اراضی عطا فرمائے ۔ یہ قطعات ،سکونت کیلئے بھی دیئے گئے اور زراعت کیلئے بھی۔ اللہ نے یہ زمین انسان کے فائدے کیلئے پیدا فرمائی اور اللہ کے رسول ﷺ نے جزیرۃ العرب کی زمین کے چپے چپے کو اللہ کے بندوں کے فائدے کیلئے استعمال فرمایا۔ آپ ﷺ نے خود بھی لوگوں کو اقطاع (جاگیریں) عطا فرمائیں اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے بھی۔ مقصد واضح تھا زمین کی آبادکاری تا کہ اسلامی معاشرے میں رفاہیت اور خوشحالی کا دور دورہ ہو اور اسلام کو استحکام حاصل ہو۔ احادیث وآثار کے ذخیرے میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جو قطعات زمین عطیہ کی صورت میں دیئے وہ کوئی شاہانہ بخشش نہ تھی بلکہ ان کے واضح مقاصد تھے۔ وہ مقاصد درج ذیل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جس کو بھی قطعہ زمین عطا فرمایا اس کی اسلام کیلئے خدمات کو پیش نظر رکھا۔ نیز یہ دیکھا کہ وہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں کس قدر کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

☆ نومسلموں کی تالیف قلب کیلئے تا کہ وہ اسلام پر مستحکم ہو جائیں۔

☆ زمین کی آبادکاری کیلئے قطعات الاٹ کئے گئے تا کہ اس اہم وسیلہ معیشت سے اسلامی معاشرہ کی رفاہیت اور معاشی خوشحالی میں اضافہ ہو۔

☆ اسلام اور مسلمانوں کی صلاح اور فلاح کو پیش نظر رکھا گیا۔

امام ابو یوسفؒ کی درج ذیل عبارات ہمارے بیان کردہ مقاصد کی تائید کرتی ہیں وہ لکھتے ہیں۔

وذلك بمنزلة المال الذى لم يكن لأحد ولا فى يد وارث فلإمام العادل أن يجيز منه ويعطى كل من له غناء فى الاسلام

ترجمہ: ”اور یہ زمین مال کی طرح ہے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ ہی کسی کی وراثت ہو پس امام عادل کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی بھی صاحب حیثیت مسلمان کو عطا کر دے۔“(144)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

والارض عندى بمنزلة المال فلا مام ان يجيز من بيت المال من له غناء فى

الاسلام ومن يقوی به علی العدو ويعمل فی ذلك بما يری انه خير المسلمين وأصلح لأمرهم

ترجمہ: ''زمین میرے نزدیک مال کی طرح ہے پس امام کیلئے جائز ہے کہ وہ بیت المال میں سے صاحب حیثیت مسلمانوں کو دے اور جو دشمن پر قوی اور طاقتور ثابت ہوں ان کو دے اور اس بارے میں وہ عمل کرے جس میں مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی ہو۔''(145)

عطیات زمین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو پالیسی اختیار فرمائی اس کے تین بنیادی اصول تھے۔

۱۔ زمین اس شخص کو دی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کی نمایاں خدمات سرانجام دے اور اس عطیہ سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔

۲۔ قطعہ زمین مخصوص مقاصد کیلئے دیا جاتا تھا۔ اگر وہ مقاصد پورے نہ ہو رہے ہوں اور وہ قطعہ صحیح طور پر استعمال نہ ہو رہا ہو یا اس پر صحیح طور پر کام نہ ہو رہا ہو تو اسے منسوخ کر کے کسی اور کو دیدیا جاتا تھا۔ اس کیلئے آپ ﷺ نے تین سال کی مدت مقرر فرمائی تھی۔ عام طور پر قطعات کی الاٹمنٹ کا مقصد، زمین کی آبادی کاری تھی۔ اگر یہ مقصد پورا نہ ہو رہا ہوتا تو اس شخص سے زمین واپس لے لی جاتی تھی۔ جیسے آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ بن حارث مزنی کو وادی عقیق میں بہت بڑی جاگیر دی تھی لیکن وہ اس کے بڑے حصے کو آباد نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں غیر آباد حصہ واپس لیکر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔(146) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ اصول بیان فرمایا تھا کہ

((من كانت له ارض ثم تركها ثلث سنين فلم يعمرها فعمرها قوم آخرون فهم أحق بها))

ترجمہ: ''جس شخص کے پاس زمین کا کوئی ٹکڑا ہو اور وہ تین سال تک اسے آباد نہ کرے اور دوسرے کوئی لوگ اسے آباد کرلیں تو وہ اس زمین پر زیادہ حق رکھتے ہیں۔''(147)

امام اراضی بیت المال میں سے اقطاع عطا کرنے کا مجاز ہے لیکن اس کو حق نہیں ہے کہ ایک شخص کی زمین چھین کر دوسرے کو دیدے۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں۔

امام عادل کو حق ہے کہ جو زمین کسی کی ملک نہ ہو اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس میں سے ان لوگوں کو عطیات دے جن کی اسلام کیلئے خدمات ہیں لیکن جو زمین کسی حاکم نے ایک سے

چھینی اور دوسرے کو بخش دی تو اس کی حیثیت اس مال کی سی ہے جو ایک سے غصب کیا گیا اور
دوسرے کو عطا کر دیا گیا۔ (148)

رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل میں شاہانہ بخشش کے طور پر یا خوشامدی لوگوں کو نوازنے کیلئے عطیات زمین دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تو ہر قدم پر اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ متعین مقاصد اور طے شدہ اصولوں کے مطابق قطعات زمین الاٹ کرے۔ سب سے اہم مقصد تو زمین کی آباد کاری ہے۔

غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑے رکھنے کی بجائے امام کو چاہیے کہ وہ انہیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد اور خوش حال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہوگا۔ (149)

حضرت بلال بن حارث مزنی کو پوری وادی عقیق آنحضور ﷺ نے عطا فرمائی تھی (150) اس کا مقصد بھی آباد کاری میں تھا۔ اس دور میں قطائع دینے کے پیش نظر اللہ کی مخلوق کے لیے زیادہ سے زیادہ پیداوار بڑھانا اور عام خوش حالی کی فضا پیدا کرنا ہوتا تھا اس لیے بالعموم انہی لوگوں کو قطائع دیئے جاتے تھے۔ جو زمین کو زیر کاشت لا کر پیداوار بڑھا سکتے تھے اور اگر کوئی خدمت سپرد ہونے کی بناء پر خود کاشت نہ کر سکتے تو وہ دوسروں کے ذریعہ کاشت کروا کر قطائع دینے کا مقصد پورا کرتے تھے۔

اس بارے میں امام ابو یوسفؒ مزید فرماتے ہیں کہ نومسلموں کی تالیف قلب کے لیے اقطاع دیئے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جاگیریں دی ہیں جن کے بارے میں انہیں احساس تھا کہ ان کو جاگیریں دینا بہتری کا باعث ہوگا۔ (151)

بسا اوقات لوگ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو نادار و محتاج پاتے تھے۔ ان کے پاس گزر بسر کی کوئی شکل نہ رہ جاتی ایسی صورت میں خلافت انہیں قطائع دے کر کسب معاش کے قابل بناتی اس حسن سلوک سے ایک طرف تو یہ ہوتا کہ نومسلموں کو اسلام قبول کرنے کے بعد معاشی پریشانیوں سے دوچار نہ ہونا پڑتا تھا اور وہ مطمئن ہو کر خدمت خلق اور رحمت الٰہی کو عام کرنے میں اپنی توجہ خرچ کرتے اور دوسری طرف غیر مسلموں کو یہ حسنِ سلوک دیکھ کر سوچنے اور سمجھنے کا موقع ملتا اور اسلام قبول کرنے کی راہیں کھلتیں۔

آپ نے فرات بن حیان کو جاگیر بخشی یہ لوگ یمامہ کے اشراف تھے۔ اس لیے رسول اللہ نے ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تالیف قلب کے ضمن میں انہیں ان کی غیر آباد زمینوں میں سے یہ علاقے بطور جاگیر دیئے تھے۔ (152)

ان کے علاوہ انہیں بھی عطیہ زمین سے نوازا جاتا تھا جن کے سپرد مفاد عامہ کی کوئی ضرورت ہوتی تھی اور

فوجی اور وہ لوگ جو ملک وقوم کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے۔

امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بیت المال میں سے ان لوگوں کو انعامات دیے جنہوں نے اسلام کیلئے کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو یا جو اس مال کے ذریعہ دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرنے والے ہوں۔(153)

صحابہ کرامؓ جن کو قطعات اراضی دیئے گئے

رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل صحابہ کرامؓ کو قطعات اراضی عطا فرمائے۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ
۲۔ حضرت زبیرؓ بن عوام
۳۔ حضرت بلالؓ بن حارث المزنی
۴۔ حضرت ابوبکرؓ
۵۔ حضرت عمرؓ
۶۔ حضرت عثمانؓ
۷۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
۸۔ حضرت علیؓ
۹۔ حضرت ربیعہؓ اسلمی
۱۰۔ حضرت عمروؓ بن العاص
۱۱۔ حضرت علقمہؓ بن وائل
۱۲۔ فراتؓ بن حیان عجلی
۱۳۔ ابورافعؓ
۱۴۔ طلحہؓ بن عبیداللہ
۱۵۔ زیدؓ بن حارثہ
۱۶۔ عوسجہؓ بن حرملہ
۱۷۔ راشدؓ بن عبدالسلمی
۱۸۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب
۱۹۔ حضرت ربیعہؓ بن حارث
۲۰۔ ابوسفیانؓ بن حارث
۲۱۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب
۲۲۔ قبیلہ مزینہ یا جہینہ
۲۳۔ قبیلہ جہینہ
۲۴۔ سعیدؓ بن سفیان الرعلی
۲۵۔ قبیلہ بنی عقیل کے تین افراد، ربیع بن معاویہ، مطرف بن عبداللہ اور انس بن قیس
۲۶۔ سلمہ بن مالک السلمی
۲۷۔ ہوذہ بن نبیشہ السلمی
۲۸۔ خالد بن ضماد الازدی
۲۹۔ ابوثعلبہ خشنی
۳۰۔ تمیم داری
۳۱۔ ابیض بن حمال مازنیؓ
۳۲۔ حیرہ کے حاکم کی بیٹی
۳۳۔ مجاعہ
۳۴۔ ارقم مخزومی
۳۵۔ حضرت مقدادؓ بن عمرو
۳۶۔ حضرت مطیعؓ
۳۷۔ تمیم داریؓ کے بھائی تمیم بن اوس

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دیئے گئے عطیات زمین اور جاگیروں پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے عطائے جاگیر کا کام وسیع پیمانے پر کیا۔ یہ آپ ﷺ کی زرعی منصوبہ بندی کا اہم جزو تھا۔ اور اس کا مقصد اسلام و مسلمانوں کی بہتری اور عرب کی زمینوں کی آباد کاری تھا۔ اوپر بیان کئے گئے نظائر سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے وہ زمینیں بطور جاگیر عطا کیں جو بیت المال کی ملک تھیں۔ یہ نہ کسی کا حق تھیں۔ نہ کسی کے قبضہ میں تھیں۔ نہ کسی کی ملکیت تھیں اور نہ کسی کا ورثہ تھیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔ ''آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے لوگوں کو جاگیریں دیں لیکن انہوں نے کسی مسلمان یا معاہد کا حق، کبھی جاگیر کے طور پر کسی دوسرے کو نہیں دیا۔''(154)

رسول اللہ ﷺ کی عطائے جاگیر کی بیان کردہ مثالوں سے اقطاع کی درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں۔

☆ تمام قطعات مالکانہ حقوق کی بنیاد پر دیئے گئے۔ مالک زمین کو زمین پر قبضہ اور اس کی پیداوار پر تمام مالکانہ تصرفات عطا کئے گئے۔ مالک کو خرید و فروخت کے اختیارات بھی حاصل تھے اور وہ قطعہ زمین اس کے وارثوں میں شرعی حصوں کے مطابق منتقل بھی ہوسکتا تھا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام اور دیگر صحابہؓ کو دیئے جانے والے اکثر قطعات کی یہی صورت تھی۔

☆ قطعات زمین، خدمات اسلام کے عوض آباد کاری کیلئے دیئے جاتے تھے۔ ملکیت کا مستقل ہونا آباد کاری سے مشروط ہوتا تھا۔ اگر کوئی شخص تین سال کی مدت کے اندر زمین آباد نہ کر سکے تو قطعہ اراضی اس سے واپس لیکر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت بلالؓ بن حارث مزنی کو یہی صورت پیش آئی تھی۔ البتہ مالک کو اختیار تھا کہ خود کاشتی سے آباد کرے، مزدوری دیکر آباد کروائے یا پیداوار کے کسی حصہ کے عوض آباد کاری کروائے۔ لیکن آپ ﷺ نے خود کاشتی کو ترجیح دی ہے۔

☆ عطائے جاگیر کی یہ صورت بھی تھی کہ زمین پر کسی قسم کے مالکانہ حقوق دیئے بغیر صرف پیداوار میں حصہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جس طرح عباسؓ بن عبدالمطلب اور ربیعہؓ بن حارث کو خیبر کی کھجوروں کی پیداوار کی شکل میں جاگیر دی گئی۔

☆ حضرت تمیم داریؓ کی مثال سے محدود ملکیت کی نظیر بھی ملتی ہے۔ ان کو جو جاگیر دی گئی وہ اسکی پیداوار اور نفع کے حقدار تھے۔ یہ ان کے وارثوں کو بھی منتقل ہوئی لیکن ان کو فروخت، ہبہ یا وقف کرنے کا اختیار نہ تھا۔ بیت اللحم کے علاقہ میں دی گئی یہ جاگیر، فتح شام کے بعد ان کو ملی۔ اور حضرت عمرؓ نے یہ پابندی لگا دی کہ اس کی بیع کا آپ کو یا آپ کی اولاد کو حق حاصل نہ ہوگا۔

امام ابوعبیدہ لکھتے ہیں۔

((عن لیث بن سعد قال: إن ابن عمر امضی ذلك لتمیم قال لیس لك ان تبیع قال فھی فی ایدی اھل بیتہ الی الیوم))

ترجمہ: "لیث بن سعدؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس زمین کا تمیم کیلئے فرمان جاری کر دیا۔اس شرط کے ساتھ کہ اس کی فروخت کی اجازت نہیں وہ جاگیر آج تک انہی کے خاندان میں چلی آتی ہے۔"(155)

☆ جس قطعہ اراضی میں کوئی کان یا معدنیات ہوتی تھیں وہ عطیہ کے طور پر نہیں دی جاتی تھی اگر قطعہ زمین دینے کے بعد پتہ چلتا تو وہ قطعہ واپس لے لیا جاتا تھا۔جیسے ابیض بن حمال مازنیؓ کے معاملہ میں ہوا۔مختصر یہ کے جس قطعہ زمین سے مفاد عامہ وابستہ ہو وہ جاگیر کے طور پر نہیں دیا جاتا تھا۔

☆ قطعہ ارض کسی مخصوص اور متعین مقصد کیلئے بھی دیا جاتا تھا۔اگر وہ مقصد پورا نہ ہو رہا ہو تو امام یا حکومت اسے واپس لے سکتی ہے۔جیسے حضرت عمرؓ نے بنی ثقیف کے ایک فرد ابوعبداللہ بن نافع کو گھوڑوں کی پرورش کیلئے ایک قطعہ اراضی دیا تھا۔(156)

اقطاع کے بارے میں خلیفہ کے اختیارات:

ا۔ خلیفہ کس زمین سے اقطاع دے سکتا ہے:

سلطنت اسلامیہ کے سربراہ کو یہ حق اور اختیار حاصل ہے کہ وہ بنجر اور خالصہ زمینوں میں سے کسی کو عطیہ عطا کر دے لیکن عطیہ میں دی جانے والی زمین کسی فرد کی ملکیت نہ ہو۔اور عوام الناس کے مجموعی حقوق سے وابستہ نہ ہوں۔مثلاً قبرستان اور پارک وغیرہ۔

بنجر زمین:

جو ہمیشہ سے غیر مزروعہ چلی آ رہی ہو ایسی زمینوں کی سختی اور ویرانی دیکھ کر لوگوں کو انہیں قابل کاشت بنانے کی ہمت نہ ہوتی تھی ایسی زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لیے عہد رسالت وخلافت راشدہ میں لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا تھا۔علاوہ ازیں یہ حکم بھی موجود تھا کہ جو شخص ایسی زمین کو زیر کاشت لائے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی اسے اصطلاح میں احیاء موات کا نام دیا جاتا ہے۔حضرت عمر اکثر اسی زمین سے قطعات دیا کرتے تھے۔ آپ حضرت ابوموسی اشعری کے نام خط میں لکھتے ہیں۔

اگر یہ جزیہ کی زمین یا ایسی نہ ہو جس تک جزیہ کا پانی پہنچتا ہو تو یہ زمین اس کی جاگیر میں دے دو۔(157)

خالصہ زمینیں:

ان سے مراد وہ زمینیں ہیں جنہیں سرکاری املاک قرار دیا گیا ہو ان میں کئی طرح کی اراضی شامل ہوتی ہے۔

الف۔ جن زمینوں کے مالک جنگ میں مارے جاتے ہیں۔

ب۔ یا بھاگ جاتے ہیں۔

ج۔ شاہی جاگیریں جو بادشاہ کے صرف خاص کے لیے خالصہ ہوئی۔

د۔ شاہی خاندان اور افسروں کی جاگیریں۔

ہ۔ ترائی، جھیلیں، جھاڑیاں وغیرہ۔

یہ وہ تمام زمینیں ہیں جن کا اسلامی غلبہ کے بعد کوئی مالک نہ رہ جاتا۔ یہ خلافت کے لیے خالصہ ہو کر مفاد عامہ کے لیے وقف ہو جاتی تھیں اس زمین کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار امام کو حاصل ہو جاتا ہے وہ جو مناسب سمجھے کرے۔ ''ایسی زمینیں مناسب سمجھیں تو بطور جاگیر عطا کریں آپ ان کو کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں یا کوئی مفید شکل سامنے آئے تو اسے بھی اختیار کر سکتے ہیں۔''(158)

امام کو ان زمینوں میں سے اقطاع دینے کا اختیار حاصل ہے لیکن اس کو یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ اقطاع صرف اسی زمین سے دیا جائے جو کہ کسی فرد کی ملکیت نہ ہو اگر کسی فرد کی ملکیت سے نکال کر اسے دوسرے کو دیا جائے گا۔ تو یہ اقطاع غصب کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ ''جس نے جاگیر کسی ایک سے چھین کر دوسرے کو بطور جاگیر دے دی تو اس کی نوعیت اس مال جیسی ہے جسے کوئی فرد غصب کر کے دوسرے فرد کو دے دے۔''(159)

لیکن چونکہ یہ اسباب بہت ہی نادر الوقوع ہیں اس لیے ان کے تفصیلی ذکر کی ضرورت نہیں۔

ان ذرائع سے حاصل ہونے والی مملوکہ زمین کے استعمال، استغلال اور انتفاع کے آزادانہ حقوق مالک کو حاصل ہوتے ہیں تاہم اس اختیار کو مفاد عامہ اور شرعی حدود سے مقید کر دیا گیا ہے۔

حکومت صرف اراضی موات اور خالصہ میں سے ہی زمینیں عطا کرنے کی مجاز ہے۔ یہ حق اس کو نہیں ہے کہ ایک شخص کی زمین چھین کر دوسرے کو دے دے یا اصل مالکان اراضی کے سر پر خواہ مخواہ ایک شخص یا جاگیردار کو مسلط کر دے اور اس کو مالکانہ حقوق عطا کر کے اصل مالکوں کی حیثیت اس کے ماتحت کاشتکاروں کی سی کر دے۔

حاکم وقت کے لیے یہ امر ناجائز ہے کہ وہ عمومی ضروریات کی چیزیں کسی ایک فرد کی ملکیت میں دے دے جس سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچتا ہو۔ دلیل حضرت ابیض بن حمال مازنی کی وہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

سے مآرب کے علاقہ کی نمک کی کان اپنی جاگیر میں لینی چاہی تو آپ ﷺ نے وہ مجھے عطا کر دی۔ جب میں واپس چلا گیا تو لوگوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اسے کیا کچھ دے دیا ہے۔آپ نے تو اسے بڑا قیمتی سدا رہنے والا پانی کا خزانہ (یعنی نمک کی کان) بخش دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہ واپس لے لیا۔(160)

اس کے علاوہ امام کا کسی ایک فرد کو اتنی جاگیر دینا کہ دوسرے لوگ اس حق سے محروم ہو جائیں درست نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے طلحہؓ بن عبداللہ کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر لکھ دیا اور اس تحریر پر بعض لوگوں کو گواہ بنالیا۔جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔عہد فاروقی میں حضرت طلحہؓ وہ تحریر لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اس پر اپنی مہر ثبت کر دیجئے تو حضرت عمر نے انکار کر دیا اور فرمایا کیا دوسروں کو محروم کر کے یہ ساری زمین تم تنہا ہی لو گے۔(161)

۲۔ اقطاع واپس لینے کا اختیار:

امام کو اگر چہ عام حالات میں کسی مسلمان یا معاہد کا حق چھیننے کا کوئی اختیار نہیں لیکن اگر قطعہ کا درست استعمال نہ ہو رہا ہو یا اس پر واجب حق ادا نہ کیا جا رہا ہو تو امام اور حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ اس پر نظر ثانی کرے اور اسے واپس لے لے۔

نبی اکرم ﷺ نے بلالؓ بن حارث کو پوری وادی عقیق دے دی تھی۔مگر وہ اس کے بڑے حصہ کو آباد نہ کر سکے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین تم کو اس لیے نہیں دی تھی کہ نہ خود استعمال کرو اور نہ دوسروں کو کرنے دو جتنی زمین تم استعمال کر سکتے ہو رکھو اور باقی واپس کر دو حضرت بلالؓ نے انکار کیا لیکن حضرت عمرؓ کے اصرار پر زیر استعمال حصہ چھوڑ کر باقی زمین ان سے واپس لے لی۔(162)

اگر اموات میں سے زمین عطا کی جائے اور لینے والا اس کو تین سال تک بے کار چھوڑے رکھے تو امام کو اختیار ہے کہ قطعہ واپس لے لے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور حکومت میں لوگوں سے ناجائز جاگیریں واپس لے کر حضرت عمر کی سنت تازہ کر دی۔یہ اقطاعات ذاتی ملکیت سے اس لیے نکال لئے گئے کہ یہ راہ راست خلفاء کی عطا کردہ نہیں تھے۔

> جس کسی کو راہ راست پر چلنے والے حکمرانوں نے جاگیریں عطا کیں اس سے جاگیریں واپس لینے کا حق کسی کو نہیں اب جس نے کوئی جاگیر کسی ایک سے چھین کر دوسرے کو بطور جاگیر دے دی تو اس کی نوعیت اس مال جیسی ہے جسے کوئی غصب کر کے دوسرے کو دے دے۔(163)

۳۔ اقطاع پر محاصل:

عطیہ کے طور پر دی جانے والی زمینوں کے بارے میں امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر خراجی زمین میں سے قطعہ دیا جائے تو امام اپنی صوابدید کے مطابق خراج عائد کرے اور اگر عشری ہو تو عشر وصول کرے اور اگر چاہے تو عشر وخراج کے علاوہ بھی ٹیکس لگا سکتا ہے۔ اصولاً یہ امام کی رائے پر موقوف ہے کہ ان پر عشر عائد کرنا مناسب سمجھے تو ایسا کرے اور عشر کا دوگنا عائد کرنا موزوں خیال کرے تو ایسا کرے۔(164) اور اگر زمین خراجی ہو تو

> امام کو یہ اختیار ہے کہ جب خراجی زمینوں میں سے کوئی زمین کسی کو جاگیر کے طور پر عطا کرے تو اس پر عشر ۱۰/۱ یا عشر اور نصف عشر ۱۰/۳ یا دوعشر ۱۰/۲ یا اس سے زیادہ یا کوئی خراج غرض یہ کہ جتنا کچھ بھی عائد کرنا مناسب سمجھے کردے۔(165)

ان میں سے جو طریقہ خاص و عام کے لیے فائدہ مند ہو وہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے صحابہ کرام کے پاس خراجی زمینیں موجود تھیں۔

> عبداللہ بن مسعود، خباب، حسین بن علی کے پاس خراجی زمینیں تھیں ان لوگوں کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کے پاس بھی خراجی زمینیں تھیں۔ شریح کے پاس بھی ایک خراجی زمین تھی یہ سب لوگ ان زمینوں پر خراج دیا کرتے تھے۔(166)

اقطاع کے حوالہ سے بڑی زمینداری:

اسلام میں زمین کے بڑے بڑے ٹکڑوں کا ہونا بھی جائز ہے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا بھی حدیث مبارکہ ہے نبی کریم ﷺ کے حصہ میں جو فدک کی زمین آئی تھی وہ اتنی بڑی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس زمین کی آمدنی سے اپنے اور اپنے گھروں والوں کے اخراجات بھی نکالتے بنو ہاشم کے غرباء پر بھی خرچ کرتے بنو ھاشم کی بیواؤں کا نکاح بھی اسی روپیہ سے کرتے تھے۔(167)

نبی ﷺ نے بعض صحابہ کو بھی زمینوں کے بڑے بڑے اقطاع عطا فرمائے تھے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے بلال بن حارث المزنی کو سمندر اور پہاڑی کے مابین سارا علاقہ بطور جاگیر عطا فرمایا۔ یہ زمین اتنی بڑی تھی کہ بے کار پڑی ہونے کی وجہ سے حضرت عمر کو واپس لینی پڑی۔ حضرت زبیرؓ کی زمین پر گھوڑا دوڑانے اور کوڑا پھینکنے والی روایت سے اندازہ ہونا چاہیے کہ عرب کا گھوڑا کتنی تیز بھاگتا ہوگا۔ اور اس زمین کی حد بندی کتنی ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے بعض افراد کو بڑی بڑی زمینداریاں بخشی گئی تھیں۔ اور یقیناً اتنی بڑی زمینداریوں کو صحابہ خود کاشت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بٹائی پر دیتے تھے۔ لیکن یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے

کہ اس زمانہ میں بنجر اور افتادہ زمینیں بکثرت تھیں اور آباد کرنے والے کم۔ پیداوار آج کے مقابلہ میں کم تھی۔ خصوصاً عرب کی زمینوں سے اسلئے زیادہ سے زیادہ زمین آباد کرنے کیلئے لوگوں کو دی جاتی۔

فصل دوم

زمینوں کی آبادکاری کا منصوبہ

احیائے موات الارض

اراضی بیت المال و مصارف

زمینوں کی آبادکاری کا توسیعی منصوبہ

زمینوں کی آبادکاری کے لیے پانی کا انتظام

جنگلات، معدنیات اور پرورش حیوانات

کاشتکاری کی ترغیب اور کسانوں کی خوشحالی کے لیے اقدامات

زمینوں کی آباد کاری کا منصوبہ

رسول اللہ ﷺ جونہی مدینہ پہنچے انہوں نے افتادہ اور بنجر زمینوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور فوری طور پر مہاجرین ؓ کو سکونت اور کھیتی باڑی کیلئے غیر مملوکہ اراضی کی الاٹمنٹ شروع کر دی۔ اس طرح ریاستی وسائل میں اضافہ ہوا اور معاشرے کو زرعی بنیاد فراہم کرنے اور موجود زرعی وسائل کو کام میں لانے کی طرف پیش قدمی کا آغاز کر دیا گیا۔

موات زمینوں کی تقسیم اور ان کی آباد کاری آپ ﷺ کی زرعی منصوبہ بندی کا اہم حصہ تھی۔ اس کے علاوہ چراگاہوں کو قومی ملکیت میں لینا اور ان کی حفاظت، اراضی بیت المال کی تنظیم، آبادی کاری کیلئے قطعات اراضی کی تقسیم، اوقاف کا قیام اور معدنی وسائل و جنگلات سے متعلق اقدامات بھی آپ ﷺ کے آباد کاری منصوبہ میں شامل تھے۔ منصوبہ کی تمام شاخوں پر آپ ﷺ نے مختصر وقت میں پورا عمل کروایا جس سے جزیرۃ العرب کی زراعت ترقی کی راہ پر ڈال دی گئی۔ یہاں پر تمام اقدامات کو ترتیب سے بیان کیا جائے گا۔

احیائے موات الارض:

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے بنجر اور افتادہ زمینوں کی طرف توجہ دی اور مدینہ پہنچتے ہی ان کی آباد کاری کا کام شروع کر دیا۔ اس کیلئے آپ ﷺ نے یہ اصول طے کر دیا کہ ((عادی الارض للہ وللرسول ثم ھی لکم))(168) (غیر آباد اراضی اللہ و رسول ﷺ کی ہے اور پھر تمہارے لئے ہے۔) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موات زمینوں کا مفہوم واضح کر دیا جائے تا کہ اس بارے میں بیان کردہ احکامات کی تفہیم آسان ہو جائے۔

امام ابو یوسفؒ موات اراضی کی درج ذیل تعریف کرتے ہیں۔ ''ایسی زمینیں جن میں تعمیر یا زراعت کے کوئی آثار نہ پائے جائیں اور نہ یہ بستی والوں کے کام آتی ہوں۔ نہ تو کسی کی ملکیت میں ہوں اور نہ کسی کے قبضہ میں تو یہ موات قرار پائیں گی۔''(169)

امام شافعیؒ کے نزدیک موات سے مراد وہ مردہ زمین ہے جس میں آبادی نہ ہو۔(170)

مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں۔ ''ارض موات سے مراد وہ غیر آباد زمین ہے جو بالفعل قابل زراعت و انتفاع نہیں اور نہ کسی شخص کی ملک ہے اور نہ کسی شخص کی ضروریات عامہ میں مصروف ہے۔''(171)

مولانا ظفر احمد عثمانی کے بقول ارض موات سے مراد وہ غیر آباد زمین ہے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔(172) مولانا حفظ الرحمان سوہاروی نے اسے زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے وہ رقمطراز ہیں ''خشک چٹیل میدان، ریتلی زمینیں اور خشک ٹیلے عام طور پر ناقابل کاشت ہوتے ہیں۔ مگر سخت محنت اور بعض زرعی تدابیر کے

ذریعہ ان میں سے اکثر حصہ کو قابل کاشت بنایا جا سکتا ہے۔ اسے احیائے موات'' کہتے ہیں۔''(173)

مندرجہ بالا تعریفات سے موات اراضی کی یہ صورت سامنے آتی ہے کہ ایسی زمین جو کسی کی ملکیت اور قبضہ میں نہ ہو اور نہ ہی یہ مصالح عامہ کے کسی کام آ رہی ہو، قابل زراعت و انتفاع نہ ہو، اس میں نشیب و فراز یا گڑھے ہوں یا وہ پانی میں ڈوبی ہوئی ہو، اسے سیراب کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو یا وہ ناہمواری کی وجہ سے سیراب نہ ہو سکتی ہو۔

احیاء سے مراد ہے کہ کسی زمین کو آبادی یا زراعت کے قابل بنانا۔ مثلاً اگر کوئی زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہو تو اس کے اوپر سے پانی ہٹانا اور خشک کر کے سکونت یا زراعت کے قابل بنانا۔ زمین کو ہموار بنانا، آبپاشی کے قابل بنانا، اگر کسی زمین میں گڑھے ہوں تو ان کو بھرنا، نہر، دریا اور چشمے یا کنویں سے پانی پہنچانا نیز جھاڑ جھنکار کو صاف کرنا احیاء الارض کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ کام دستی آلات سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور مشینوں کے ذریعہ بھی۔

ارض موات سے متعلق احکامات:

ارض موات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی معروف پالیسی تھی کہ جو اس کو آباد اور قابل کاشت بنا لے وہی اس کا مالک ہے۔ یہ ترغیب کارگر ثابت ہوئی اور اس کے نتیجہ میں بہت غیر آباد زمینیں زیر کاشت آئیں۔ آپ ﷺ نے بہت سے لوگوں کو غیر آباد قطعات اراضی الاٹ کئے۔ اس طرح زمین جو ایک بنیادی اور اہم عامل پیدائش ہے کا صحیح طور پر استعمال ہوا اور معاشرہ معاشی خوشحالی کی طرف گامزن ہوا۔ چند احادیث و آثار پیش کئے جاتے ہیں تا کہ آپ ﷺ کی زرعی پالیسی اور زمینوں سے متعلق منصوبہ بندی کا پورا نقشہ سامنے آ سکے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ))

ترجمہ: ''جو شخص کسی مردہ زمین کو آباد کر لے وہ اسکی ملک ہے۔''(174)

احیاء الارض کے عمل میں مسلم یا غیر مسلم کی تمیز نہیں ہے۔

کتاب الخراج میں ہے

((حدثنی لیث عن طاؤس قال قال رسول اللہ ﷺ عادی الارض للہ وللرسول ثم لکم من بعد مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِمُحْتَجِرٍ حَقٌّ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِيْنَ))

ترجمہ: ''حضرت طاؤس سے روایت کرتے ہوئے لیثؒ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موات زمین اللہ و رسول ﷺ کیلئے ہے۔ پھر اس کے بعد تمہارے

لئے۔ پس جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ وہ زمین اسی کی ہو گی۔ اور تحجیر
کرنیوالے کیلئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔"(175)

احادیث کے الفاظ اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ موات زمینوں کی آباد کاری کیلئے آنحضرت ﷺ نے ایک زبردست تحریک شروع کی تھی۔ ترغیب و تلقین کے ذریعہ لوگوں کو اس کیلئے تیار کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں بھی اس کیلئے بہت تحریک پائی جاتی تھی۔ روایات کے انداز اور تعداد سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس کام کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ خاص طور پر عروہؓ بن زبیر کی بیان کردہ حدیث کے الفاظ احیاء الارض کی اہمیت اور اس کیلئے صحابہؓ کی دلچسپی اور سنجیدگی کا پتہ دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے موات زمین کی آباد کاری کیلئے ملکیت کا فطری محرک دیکر صحابہؓ میں تحریک پیدا کی اور جب یہ کام وسیع پیانے پر ہونے لگا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے اصول و قواعد بیان فرمائے اور وضاحت طلب معاملات کی تشریح و توضیح فرمائی۔

احیائے موات اس قدر اہم عنوان ہے کہ کتاب الخراج اور کتاب الاموال میں اس پر طویل ابواب قائم کئے گئے ہیں اور احادیث کی اکثر کتابوں میں بھی اس بارے میں باب قائم کئے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ احیاء الارض میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے۔ اور وہ زمینوں کی آباد کاری کیلئے کس قدر جوش و جذبے کے ساتھ کوشاں تھے۔

گذشتہ صفحات میں بیان کردہ احادیث کی روشنی میں احیاء الارض کے سلسلہ میں درج ذیل اصول و ضوابط سامنے آتے ہیں۔

☆ اگر کوئی شخص کسی بیکار زمین کو سکونت یا زراعت کیلئے کارآمد بنا لے تو وہ اس کی ملکیت ہو جاتی ہے شرط یہ ہے کہ وہ قطعہ اراضی کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی کسی کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ صرف فعل آباد کاری سے حق ملکیت ثابت نہیں ہوتا۔

☆ احیاء الارض کرنے والے کو مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی شخص کسی قطعہ اراضی کو یونہی روک رکھے اور اسے آباد نہ کرے تو تین سال کے بعد اس قطعہ اراضی پر اس کا حق ساقط ہو جائیگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احیائے موات کے عمل سے ہی کوئی شخص کسی قطعہ اراضی کا مالک بن جاتا ہے یا اس کیلئے امام یا حکومت سے منظوری و اجازت ضروری ہے۔

اس امر میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس کیلئے امام کی منظوری کو ضروری سمجھتے

ہیں لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اس سلسلہ میں کسی قسم کی منظوری کو ضروری نہیں سمجھتے ۔جیسا کہ بدائع میں مذکور ہے۔

فالملك فى الموات يثبت با لا حياء با ذن الامام عند ابى حنيفة و عند ابى يوسف و محمد يثبت بنفس الا حياء واذن الامام ليس بشرط

ترجمہ: ''احیاء موات کی ملکیت ابو حنیفہ کے نزدیک امام کی اجازت سے ہوگی ۔جبکہ ابو یوسف اور محمد کے نزدیک صرف احیاء ارض سے اسے مالکانہ حقوق حاصل ہو جائیں گے امام کی اجازت شرط نہیں ۔''(176)

اگر اسلام کی تنظیم اور نظم وضبط کے حامل مزاج کو دیکھا جائے تو امام ابو حنیفہؒ کا موقف زیادہ صائب معلوم ہوتا ہے ۔جو شخص جہاں چاہے آبادکاری شروع کردے یہ بات حکومت کیلئے بھی مسائل پیدا کرتی ہے اور لوگوں کیلئے بھی پریشانی کا باعث ہوگی۔

آبادکاری کیلئے مدت کی شرط:

احیاء الارض کیلئے ضروری ہے کہ تین سال کے اندر ہو ورنہ قطعہ زمین واپس لیکر کسی اور کو دیدیا جائیگا ۔اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بہت واضح ہیں ۔لیکن حضرت عمرؓ کے دو فیصلے بھی اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

ا۔ قبیلہ مزینہ یا قبیلہ جہنیہ کے لوگوں کو ایک زمین دی گئی تھی لیکن وہ تین سال کے اندر اسے آباد نہ کر سکے ۔پس بیکار پڑی زمین دیکھ کر کچھ لوگوں نے اسے آباد کرلیا ۔جھگڑا ہوا اور مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا ۔آپؓ نے حالات معلوم کر کے وہ زمین ان لوگوں کے قبضہ میں رہنے دی جنہوں نے اسے آباد کیا تھا ۔آپؓ نے فرمایا کہ جس زمین پر تین سال گزر جائیں اور متعلقہ فرد آباد نہ کرے تو دوسرے لوگ جو آباد کرلیں وہ اس کے حقدار بن جاتے ہیں ۔(177)

تین سال کی آبادکاری کی شرط کی زد میں حضرت بلالؓ بن حارث بھی آئے ۔یہ واقعہ بھی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا ہے اور متعدد کتب میں بیان ہوا ہے۔

اسلام میں احیائے موات کے طریقے:

احادیث سے احیائے موات کے لئے دو طریقوں کی نشاندہی ہوتی ہے

ا۔ اسلامی حکومت کا سربراہ لوگوں کو ترغیب دے کہ وہ بنجر اور بیکار زمینوں کو آباد کریں ۔اس سلسلہ میں انسان کے فطری داعیہ ملکیت اور مستقبل کے تحفظ کو اجاگر کر کے لوگوں میں ایک تحریک پیدا کی جاسکتی ہے ۔حضور نبی کریم ﷺ نے اسی چیز کو پیش نظر رکھ کر اعلان فرمادیا کہ ''جس نے مردہ زمین زندہ کی وہ اسی کی ہے''(178)

۲۔ افتادہ زمین کی آباد کاری کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حکومت خود اپنی نگرانی میں آباد کاری کروائے اور اس پر جس قدر بھی اخراجات ہوں وہ بیت المال سے ادا کئے جائیں۔بعض اوقات یہ صورت حال پیش آسکتی ہے۔کہ لوگوں میں آباد کاری کیلئے اخراجات کرنے کی سکت نہیں ہوتی۔اور جو اخراجات کر سکتے ہوں ان کو اقطاع اراضی دینے سے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔اس صورت میں اسلامی حکومت کو خود یہ اقدام کرنا چاہیے تا کہ زمین کا کوئی ٹکڑا غیر آباد نہ رہ جائے اور خلق خدا کی اجتماعی معیشت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

امام یا حکومت کے اختیارات:

احیائے موات کے سلسلہ میں امام یا حکومت کو ایسی پالیسی اختیار کرنی چاہیے جس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری ہو۔امام ابو یوسفؒ نے اس بارے میں امام یا حکومت کی حدود و اختیارات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> امام کو چاہیے کہ وہ بنجر، غیر مملوکہ اور لاوارث اراضی کو قطعہ کی صورت میں دیدے اور اس سلسلہ میں وہ عمل اختیار کرے جو اجتماعی بھلائی پر مبنی ہو۔امام کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی کی معقول وجہ کے کسی کی ملکیت منسوخ کردے یا کسی کو ملکیت عطا کردے۔البتہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر افتادہ زمین جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو بطور جاگیر دیدے۔امام اس سلسلہ میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جو اس کی نظر میں مسلمانوں کیلئے سب سے بہتر ہو اور جس کے فوائد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچ سکیں۔(179)

اراضی موات کے محاصل:

کتاب الخراج میں اراضی موات کے محاصل کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر زمین ذمی کو دی گئی ہے تو اس پر خراج عائد ہوگا۔نیز اگر وہ قطعہ خراجی زمینوں میں سے ہے یا ان سے ملحق ہے تو بھی اس پر خراج عائد ہوگا۔لیکن اگر یہ زمین مسلمان کو دی گئی ہے تو اس پر عشر عائد ہوگا۔(180)

اسلام کی زرعی پالیسی یہ ہے کہ بیکار اور افتادہ زمینوں کو زیر کاشت لاکر ملکی پیداوار میں اضافہ کیا جائے اور لوگوں کیلئے روزگار کے مواقع پیدا کئے جائیں۔اسلام نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے ملک میں ایک چپہ زمین بھی بیکار پڑی رہے۔یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی عادی الارض کو سرکاری تحویل میں لیکر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا۔یہ ساتویں صدی عیسوی کی وہ اسلامی ریاست تھی جس نے قرآن و سنت کی کوکھ سے جنم لیا تھا اور ابھی ابتدائی حالت میں تھی نیز اپنے وجود کو برقرار رکھنے کیلئے دفاعی جدوجہد کر رہی تھی۔دوسری طرف صورت یہ ہے کہ بیسویں صدی کی مسلمان ریاست، پاکستان میں لاکھوں ایکڑ اراضی غیر آباد اور بنجر پڑی ہے اور نصف صدی گزرنے

کے باوجود جدید دور کی کسی بھی حکومت کو احیاء الارض کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں مل سکی۔

احیائے موات آنحضور ﷺ کا بنجر اور افتادہ زمینوں کو آباد کرنے کا عظیم منصوبہ تھا جس پر آپ ﷺ نے بھر پور توجہ دی۔

عہد نبوی کے آباد کار:

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صحابہ اکرامؓ کی اکثریت زراعت میں گہری دلچسپی لینے لگی تھی ۔اس طرح آپ ﷺ نے غیر زراعت پیشہ مہاجرینؓ کو زراعت کا ماہر بنا دیا تھا مہاجرینؓ نے مدینہ اور مضافات کی زمینوں کو آباد کرنے کے لئے سخت محنت کی۔عہد نبوی کے چند آباد کاروں کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ **حضرت ابوبکر صدیقؓ**۔رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک قطعہ اراضی عطا فرمایا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ قطعہ مقام سُنح میں ہوگا (181) جہاں آپؓ نے بعد میں کپڑے کا کارخانہ بھی لگایا تھا۔ اموال بنی نضیر میں سے بھی آپ ﷺ کو کچھ زمین ملی ۔(182)

۲۔ **حضرت عمر فاروقؓ**۔آپؓ کو الجرف میں بنجر زمین کا ایک قطعہ الاٹ ہوا جسے آپؓ نے خود محنت سے آباد کیا۔ (183) روایت ہے کہ حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو ایک جاگیر عطا کی (184)

۳۔ **حضرت عثمانؓ**۔آپؓ کو اموال بنی نضیر میں سے ایک قطعہ اراضی عطا کیا گیا اور آپؓ نے اسکی آبادکاری کے لئے ایک کنواں کھدوایا تھا۔

۴۔ **حضرت زبیرؓ بن عوام**۔یہ مدینہ کے بہت بڑے اور کامیاب کاشتکار تھے ان بہت سے قطعات اراضی ملے تھے جن میں سے کچھ غیر آباد بھی تھے لیکن آپؓ نے اپنی محنت سے ان کو آباد کرلیا۔آپؓ کو خیبر میں ایک زمین عطا ہوئی۔(185) بنی نضیر کے اموال میں سے ایک نخلستان الاٹ ہوا(186) اور ایک وسیع وعریض قطعہ ارض عطا ہوا جو غیر آباد تھا اور اسے آپؓ نے آباد کیا۔

۵۔ **حضرت ابورافعؓ**۔حضرت ابورافعؓ کے خاندان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک زمین عطا کی تھی جسے وہ آباد نہ کر سکے اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں انھوں نے اسے آٹھ ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔

۶۔ **حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف**۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو الجرف میں ایک قطعہ اراضی عطا کیا تھا یہ غیر آباد تھا (187) آپؓ اونٹوں کے ساتھ کاشتکاری کرتے تھے چنانچہ یہ قطعہ اس قابل ہوگیا کہ آپؓ کے اہل خانہ کے لئے سال بھر کا غلہ پیدا کرتا تھا۔(188) آپؓ بہت خوشحال کاشتکار تھے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپؓ نے اپنی زرہ بیچ کر ایک باغ بھی خریدا تھا۔(189)

۷۔ **حضرت سعد بن ابی وقاصؓ**۔حضرت سعد وادی عقیق میں رہتے تھے بنو امیہ کے گورنر مروان کے عہد میں وہیں آپؓ کا انتقال ہوا۔(190) خیال ہے کہ وہاں پر آپؓ کو اراضی الاٹ ہوئی تھی جسے آپؓ نے آباد کیا اور وہیں پر سکونت کر لی تھی۔

۸۔ **حضرت بلالؓ بن حارث مزنی**۔روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو وادی عقیق کا بہت بڑا حصہ عطا فرمایا تھا جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک وہ آباد نہ کر سکے تھے۔حضرت عمرؓ نے ان سے یہ زمین واپس لیکر عام مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھی۔(191)

حضرت بلالؓ کو سمندر اور صحرا کے درمیان بھی ایک جاگیر عطا کی گئی تھی(192)

۹۔ **قبیلہ مزینہ یا جہینہ** کے کچھ لوگوں کو ایک زمین بطور جاگیر عطا کی گئی تھی جسے وہ عہد عمرؓ تک آباد نہ کر سکے اور کسی قبیلے کے لوگوں نے اسے آباد کر لیا۔حضرت عمرؓ نے آباد کرنے والوں کو عطا کر دی۔(193)

۱۰۔ **حضرت علیؓ بن ابی طالب**۔آپؓ کو دو قطعات اراضی الاٹ کئے گئے۔دونوں غیر آباد تھے۔(194)

جن قطعات اراضی کے بارے میں اغلب امکان تھا کہ یہ غیر آباد تھے ان کو اوپر درج کر دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے بہت سے لوگوں کو قطعات عطا فرمائے تھے جن میں آباد و غیر آباد کی تفریق کرنا بہت مشکل ہے باقی عطیات کا ذکر ''اقطاع'' کے زیر عنوان آئیگا۔

حمیٰ (سرکاری چراگاہیں):

عرب کے ریگزاروں میں حمیٰ کی تلاش بھی عربوں کی زندگی کا حصہ رہی ہے کیونکہ حمیٰ عربوں کی معاشی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے عرب کے گلہ بان معاشرے اور زرعی خطوں میں پرورش حیوانات کے حوالے سے حمیٰ کی بہت اہمیت ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے چراگاہوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا تھا اور تمام مسلمانوں کے لئے پانی آگ اور چراگاہ کو مشترکہ ملکیت قرار دیدیا تھا۔(195) آپ ﷺ نے اونٹوں۔بھیڑ بکریوں اور دیگر حیوانات کے لئے مدینہ منورہ کے ارد گرد چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں۔

الماوردی نے حمیٰ کی درج ذیل تعریف کی ہے۔''زمین کے جو قطعات اس غرض سے آباد نہ کرنے دیئے جائیں کہ ان میں گھاس اور چارہ اگے اور جانوروں کے چرنے کے لئے مباح ہوں ان کو حمیٰ کہتے ہیں۔'' (196)

رسول اللہ ﷺ نے موجود چراگاہوں کے تحفظ کا سامان بھی کیا اور نئی آباد کرنے کی ترغیب بھی دی نیز

آپ ﷺ نے خود بھی جانوروں کی پرورش کی اور دوسروں کو بھی ترغیب دی کیونکہ تجارت، کاشتکاری اور گوشت و دودھ کی فراہمی کے لئے یہ اقدام بہت ضروری تھا۔حضرت مالک بن انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ اور اس کے چاروں اطراف بارہ میل کے علاقہ کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹنے اور جلانے سے منع کر دیا تھا۔(197) واضح رہے کہ یہ جھاڑیاں اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے لئے خوراک کا کام دیتی تھیں نیز جلانے کے کام بھی آتی تھیں۔امام ابوسف اس روایت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"بعض علماء کے نزدیک آپ ﷺ کے اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ چونکہ یہ جھاڑیاں اونٹ۔گائے اور بھیڑ بکریوں کے چارے کے کام آتی ہیں لہذا ان کو اس مقصد کے مخصوص کر دیا جائے۔"(198)

امام ابوعبید نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑی پر چڑھے اور میدان نقیع کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ میری چراگاہ ہے۔(199) اس چراگاہ کو آپ ﷺ نے مہاجرینؓ وانصارؓ کے گھوڑوں کے چرنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا نیز جہاد میں کام آنے والے جانور بھی اس چراگاہ میں چرا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حمی صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔(200)

اللہ ورسول کے ذریعہ یہ اختیار اسلامی حکومت کو پہنچتا ہے کہ وہ اجتماعی مفاد کے لئے کسی زمین کے ٹکڑے کو حمی قرار دیدیں۔زرعی معیشت میں حمی کی اسقدر اہمیت ہے اور اس کے اتنے فوائد ہیں کہ آج کے دور میں بھی زرعی ملکوں میں چراگاہوں کے لئے زمین کے ٹکڑے مخصوص کئے جاتے ہیں اور چراگاہیں اگانے کے لئے مراعات دی جاتی ہیں۔

خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی اس طرف پیش قدمی ہوتی رہی۔حضرت ابوبکرؓ نے ربذہ کو حمی قرار دیا اور اس پر اپنے غلام ابوسلامہؓ کو عامل مقرر کیا تھا۔ (201)

حضرت عمر نے سرف میں حمی مقرر کر کے اپنے آزاد کردہ غلام ھنی کو اس پر عامل بنایا تھا۔(202)

سرکاری طور پر کسی مقام کو چراگاہ بنانے کا مقصد عام لوگوں غرباء و مساکین اور دوسرے محروم طبقوں کے جانوروں کے لئے چارہ اور گھاس فراہم کرنا تھا یا جہاد میں کام آنے والے جانوروں کی پرورش مقصود تھی۔امراء اور صاحب ثروت افراد کے جانوروں کی چرائی کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کی وہ نصیحت ہماری راہنمائی کرتی ہے جو انھوں نے اپنے غلام ھنی کو اس وقت کی تھی جب اسے ایک سرکاری چراگاہ کا نگران مقرر کیا تھا۔

ہشام بن سعید نے حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے آزد کردہ غلام کو ایک سرکاری

چراگاہ کانگران مقرر کیاتو اس سے یہ فرمایا دیکھو عام لوگوں پر دست درازی نہ کرنا۔مظلوم کی بددعا سے ڈرنا کیونکہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے ۔عام لوگوں کے اونٹوں یا گلہ یا بھیڑ بکریوں کو میری چراگاہ میں چرنے دینا لیکن عثمانؓ بن عفان اور ابن عوفؓ کے اونٹوں کو دور رکھنا کیونکہ اگر ابن عفانؓ یا ابن عوفؓ کے مویشی ہلاک ہو جائیں تو یہ لوگ مدینہ آ کر اپنے کھیت اور کھجور کے باغات سنبھال لیں گے لیکن اگر کسی غریب کے مویشی ہلاک ہو گئے تو وہ میرے پاس دہائی دیتا آئے گا میرے لئے اسے سونا چاندی دینے سے بہتر ہے کہ اسے چارہ پانی فراہم کرتا رہوں۔(203)

حمی سے متعلق تصریحات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ عام لوگوں کے جانوروں کے لئے مقرر کی جاتی ہے صاحب ثروت لوگوں کے لئے نہیں۔نیز دفاع میں کام آنے والے جانور بھی ان چراگاہوں میں چرتے ہیں اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ چراگاہیں قائم کرے اور ان کو مفاد عام کے لئے وقف کرے لیکن حکومت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حمی (مقرر کردہ یا غیر مقرر کردہ) یا بیکار زمین میں جانور چرانے پر لوگوں سے معاوضہ طلب کرے۔

اراضی بیت المال و مصارف:

یہ ایسی ارضیات تھیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے بیت المال میں جمع کر لیا تھا اور اسے مصالح عامہ کے لئے وقف کر دیا تھا ان کی آمدنی اور پیداوار ان لوگوں پر خرچ ہوتی تھی جن کا بیت المال پر کوئی حق تھا۔

آنحضرت ﷺ کے عملی اقدامات سے ماخوذ اراضی بیت المال کی درج ذیل قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

- وہ ارضیات جو کسی ملک یا علاقہ فتح ہوتے وقت کسی کی ملک نہ تھیں آباد تھیں یا غیر آباد فتح کے بعد بیت المال میں داخل ہونگی(204)

- وہ ارضیات جن کے مالکوں نے خود دست بردار ہو کر حکومت کو اختیار دے دیا تھا کہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرے مثلاً نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصارؓ نے وہ تمام زمینیں جن تک پانی نہ پہنچتا تھا آپ ﷺ کے حوالے کر دیں کہ آپ ﷺ ان سے جو چاہیں کام لیں۔(205)

- اراضی غنیمت۔جو ممالک اور علاقے قہر و غلبہ سے فتح ہوں ان کے باشندوں کے حقوق ملکیت منسوخ کر کے اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تھی اور خمس (پانچواں حصہ) بیت المال کے لئے نکالا جاتا تھا۔(206)

- اراضی فئے جو خطے یا علاقے صلحاً فتح ہوں ان کی پوری اراضی بیت المال میں ہوگی۔مثلاً بنونضیر۔فدک اور وادی القریٰ کی ارضیات آپ ﷺ نے تقسیم نہیں فرمائیں بلکہ بیت المال کی ملک قرار دیں۔

- وہ ارضیات جن کے مالک لاوراث فوت ہوجائیں یا لاپتہ ہوجائیں وہ بھی بیت المال میں داخل ہونگی۔
- وہ ارضیات جن کے مالک جنگ میں مارے جائیں یا ملک چھوڑ کر بھاگ جائیں ان کی اراضی بیت المال کا حصہ بن جائیگی۔امام خاص خاص ارضیات کو بھی بیت المال کے لئے مخصوص کرسکتا ہے جیسے حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں میں سے حکمرانوں اوران کے خاندان کی زمینوں نیز جنگ میں مارے جانے والے لوگوں اور ملک سے بھاگ جانے والوں کی ارضیات کو سرکاری املاک قرار دیکر بیت المال میں داخل کردیا تھا۔(207)

اس بارے میں مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں۔''اراضی بیت المال کا مصرف وہ لوگ ہیں جن کا بیت المال پر کوئی حق ہے مثلاً فقراء، مساکین، یتامی اور بیوائیں، مسافر، بیمار، معذور، مجاہدین اور لشکر اسلامی، علماء و قضاۃ، عمال سلطنت اور رفاہ عامہ کے کام۔''(208)

اراضی غنیمت اور اراضی فئے کی نوعیت مختلف ہے لیکن بیت المال میں جا کر ان میں کوئی فرق نہیں رہتا اور ان کے مصارف ایک ہوجاتے ہیں یعنی اللہ و رسول کا حصہ، ذوالقربٰی، یتامیٰ مساکین اور مسافر (209)

اراضی بیت المال کے سلسلہ میں امام کو وسیع اختیارات حاصل ہیں۔لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اراضی بیت المال کو پوری امت کے مصالح کو ملحوظ رکھ کر استعمال کرے اسے ذاتی ملکیت سمجھ کر تقسیم نہ کرے۔اس کی بہت سی مثالیں آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور خلفائے راشدینؓ کے عمل میں پائی جاتی ہیں ان کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

بیت المال میں آباد زمینیں بھی ہوتی ہیں اور غیر آباد بھی۔غیر آباد سرکاری زمینوں کو آباد کروانا اور ان کو قابل کاشت بنانا، اسلامی حکومت کے وظائف میں شامل ہے۔عہد رسول ﷺ میں آباد کاری کا یہ کام حکومت بھی کرتی تھی اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی جاتی تھی۔افراد کے مقابلہ میں حکومت کے ذرائع زیادہ ہوتے ہیں اس لئے اسے اس طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

زمینوں کی آبادکاری کا توسیعی منصوبہ:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ اور اس سے ملحق مواضعات کی آبادکاری اور بندوبست کے علاوہ عرب کے دیگر علاقوں کی طرف بھی پوری توجہ فرمائی جس کا بنیادی مقصد اسلام کی ترغیب اور عدل کا قیام تھا۔لیکن اس کے علاوہ عرب کی زیادہ سے زیادہ اراضی کو آباد بنانا بھی تھا۔فتح مکہ کے بعد عرب کے قبائل نے تیزی سے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور عرب کا متعدد حصہ آپ ﷺ کے زیر نگین آ گیا تو آپ ﷺ نے مختلف قبائل کی املاک اور اراضی کے بارے میں تحریری احکامات جاری فرمائے۔یہ ایک طرح سے آبادکاری کا توسیعی منصوبہ تھا جس پر آپ ﷺ نے فوری عملدرآمد شروع کردیا۔اور عرب کے جن خطوں میں زراعت ممکن تھی اور آبپاشی کی کوئی نہ کوئی صورت موجود تھی وہاں

زراعت و کاشتکاری کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

عرب کے نئے علاقوں کیلئے رسول اللہ ﷺ کی عمومی پالیسی وہی تھی جو مدینہ و مضافات کی بستیوں کیلئے تھی۔ اس کی نمایاں خصوصیات یہ تھیں کہ جو قبیلہ زمانہ جاہلیت سے جن املاک پر قابض اور متصرف چلا آ رہا ہے اس پر اسی قبیلہ کو بحال رکھا گیا اور وہاں کی غیر آباد اراضی کو اسی قبیلہ کے افراد میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں قبیلہ جہینہ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جسے ایک تحریر کے ذریعے اس زمین کے مالکانہ حقوق تسلیم کر لئے گئے جس پر ان لوگوں نے نشان لگا کر پہلے ہی کاشت شروع کر رکھی تھی۔(210)

زرعی عمل کو جاری اور مسلسل رکھنے کیلئے بعض افراد کو ان کی زمینوں پر بحال رکھا گیا اور بعض کو نئی اراضیات دی گئیں۔ مثلاً قبیلہ ازد کے خالد بن ضماد کو تحریری فرمان دیا گیا کہ وہ اپنی جس زمینداری کی حالت میں اسلام لائے ہیں وہ انہی کی رہیگی۔(211) اور حضر موت کے رئیس وائل بن حجر کو ایک نیا قطعہ اراضی الاٹ کیا گیا۔(212)

قبائل کے علاقہ جات میں پائی جانیوالی چراگاہوں، چشموں اور اجتماعی مصرف میں آنے والی زمینوں کو ریاست کی تحویل میں لیکر ان کو اجتماعی ملکیت قرار دیدیا گیا۔

یہاں پر ان قبائل کی ایک فہرست درج کی جاتی ہے جن کو اراضی دی گئی یا سابقہ اراضی پر بحال رکھا گیا۔ اس سے آپ ﷺ کے آبادکاری کے توسیعی منصوبہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں کے مختلف قبائل کے مسلمان ہونے پر جو احکامات جاری فرمائے ان میں یہ بات نمایاں ہے کہ اکثر افراد اور قبیلوں کو ان کی سابقہ املاک پر بحال رکھا گیا۔ بعض افراد کو نئے قطعات بھی الاٹ کئے گئے۔ یہ آباد بھی تھے اور غیر آباد بھی۔ قبیلوں کو جو وادیاں الاٹ کی گئیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر چراگاہیں تھیں۔ تمام افراد یا قبیلے جو مسلمان ہوئے چاہے ان کو سابقہ املاک پر بحال رکھا گیا ہو یا نئی اراضی دی گئی ہو سب کو دوبارہ نئے سرے سے تحریری فرمان جاری کئے گئے۔ قبیلوں اور افراد کی املاک کا پورا تحفظ کیا گیا۔ اس کے علاوہ یمن، بحرین، یمامہ، نجران اور نجد کی اراضیات کا بھی بندوبست فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا آبادکاری منصوبہ کس قدر وسیع اور جامع تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبائل اور افراد کا حق ملکیت اس بات سے مشروط کر دیا کہ جب تک تم صادق رہو جب تک اسلام پر قائم رہو جب تک وقت پر نماز ادا کرو اور جب تک زکوۃ ادا کرتے رہو اگر آج بھی ملکیت کو انہی شرائط سے مشروط کر دیا جائے تو بہت سے معاشی مفاسد کا سدباب ہوسکتا ہے۔

زمینوں کی آبادکاری کیلئے پانی کا انتظام:

زراعت کیلئے پانی کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم کیلئے خون کی ہے۔زرعی ترقی کیلئے پانی کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں۔ذرائع آبپاشی کا ایک باضابطہ نظام زرعی معیشت کیلئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے نظام آبپاشی کی اصلاح کیلئے متعدد اقدامات کئے۔

عہد رسول اللہ ﷺ میں مدینہ میں ذرائع آبپاشی بارش، کنویں اور نہریں تھیں نہروں کو شراج بھی کہتے تھے۔ بارش تو ایک قدرتی ذریعہ آب ہے۔البتہ کنوؤں اور نہروں کی ترقی کیلئے پوری توجہ دی گئی۔

آپ ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل وہاں کے نظام آبپاشی میں بہت سی خرابیاں پائی جاتی تھیں۔مثلاً

☆ یثرب میں کنوؤں اور نہروں کا پانی فروخت کرنے کا عام رواج تھا۔(213)

☆ جس کی زمین بالائی حصہ میں ہوتی وہ نیچے والے کسان کو پانی سے محروم رکھنے کیلئے پانی روک لیتا تھا۔

☆ بالائی کھیت کا مالک اپنی اراضی سے نہر یا ندی گزارنے کی اجازت نہیں دیا کرتا تھا۔(214)

رسول اللہ ﷺ نے ان خرابیوں کو دور کیا اور نظام آبپاشی کی اصلاح فرمائی۔اور لوگوں کو ایسے افعال سے سختی کے ساتھ منع کیا جو پانی کی فراہمی میں رکاوٹ بنتے تھے۔حدیث ہے۔

((عن ابی ھریرہ عن النبی ﷺ قال ثلاث لا یکلمھم اللّٰہ یوم القیمۃ لا ینظر الیھم رجل حلف علی سلعتہ لقد اعطیٰ بھا اکثر مما اعطیٰ وھو کاذبۃ بعد العصر لیقطع بھا مال رجل مسلم ورجل منع فضل مائہ فیقول اللّٰہ الیوم امنعک فضلی کما منعت فضل ماء لم تعمل یداک))

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ روز قیامت تین آدمیوں سے خدا تعالیٰ نہ بات کریں گے اور نہ ان کی طرف دیکھیں گے۔ایک وہ جس نے کسی مال کی جھوٹی قسم کھائی کہ اس کی قیمت زیادہ مل رہی تھی۔دوسرا وہ جس نے کسی دوسرے کا مال ہضم کرنے کیلئے بعد عصر جھوٹی قسم کھائی۔تیسرا وہ شخص جس نے ضروریات سے زائد پانی روکا۔اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس طرح تو نے پانی روکا تھا۔آج میں تم سے اپنا فضل روک لونگا حالانکہ تو نے اس پانی کو پیدا نہیں کیا تھا۔''(215)

ایک دوسری حدیث میں بھی آپ ﷺ نے پانی روکنے سے منع فرمایا ہے۔

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا یَمْنَعُ فَضْلَ الْمَاءِ لِیَمْنَعَ بِهِ الْکَلَاءِ))

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ضرورت سے زائد پانی اس لئے نہ روکا جائے کہ گھاس نہ ہو سکے۔''(216)

مدینہ منورہ میں با قاعدہ نہریں نہ تھیں۔لوگ بارش کے پانی کو کسی مقام پر روک لیتے تھے اور پھر وہاں سے چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعے اپنے نخلستانوں اور کھیتوں کو سیراب کرتے تھے۔حضرت زبیرؓ بن عوام نے اپنے کھیتوں کیلئے نسبتاً بڑی نہر نکال لی تھی جسے شراج حرہ کہتے تھے۔اسی نہر کے پانی پر آپؓ کا ایک انصاری سے جھگڑا بھی ہوا تھا۔صحیح بخاری میں اس جھگڑے کے بارے میں تین روایات نقل کی گئی ہیں۔ایک یہاں درج کی جاتی ہے۔

((عن عروة بن زبير انه حدثه ان رجلا من الانصار خاصم الزبير فی شراج من الحرّة يسقى به النخل فقال رسول اللّٰه ﷺ اسق يا زبير فامره باالمعروف ثم ارسل الى جارك قال الانصارى ان كان ابن عمّتك فتلون وجه رسول اللّٰه ﷺ قال اسق ثم احبس حتى يرجع الماء الى الجدر واستوعى له حقه فقال الزبير واللّٰه ان هذه الاية انزلت فی ذلك فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم فقال لی ابن شهاب فقدرت الانصار والناس قول النبی ﷺ اسق ثم احبس حتى يرجع الماء الى الجدر فكان ذالك الى الكعبين))

ترجمہ: ''عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے حرہ ندی سے متعلق حضرت زبیرؓ سے جھگڑا کیا جس سے وہ کھجور کے درختوں کو سیراب کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا اے زبیر اپنی زمین سیراب کر کے اپنے پڑوسی کیلئے پانی چھوڑ دیا کرو۔انصاری نے کہا کہ ہاں وہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے جو ہوئے یہ سن کر آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے زبیر اپنی زمین سیراب کر کے پانی روک لیا کرو یہاں تک کہ وہ دیوار تک پہنچ جائے۔زبیرؓ کو آپ ﷺ نے پورا پورا حق دلا دیا۔زبیرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ آیت ''کوئی اس وقت'' تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ ﷺ کو حَکَم نہ مانے۔اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ انصارؓ اور دوسرے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کا جب تک کھیتوں کی دیوار تک پانی نہ پہنچ جائے۔سیراب کرتے رہو۔اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ٹخنوں تک پانی آ

جانے تک کیلئے حکم دیا ہے۔''(217)

روایت کی رو سے پانی کے استعمال کے دو اصول بیان ہوئے ہیں۔

☆ جب کسی کی زمین سیراب ہو جائے تو وہ اپنے پڑوسی کیلئے پانی چھوڑ دے۔

☆ بالائی زمین کے مالک کے کھیت میں جب ٹخنوں تک پانی کھڑا ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نشیبی زمین کی طرف پانی چھوڑ دے۔

پانی کی تقسیم وغیرہ پر پیدا ہونے والے جھگڑوں سے اہل مدینہ کی زراعت میں دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے نیز اس قسم کے جھگڑے تو انتہائی ترقی یافتہ نہری نظام میں بھی پیدا ہوتے رہتے جبکہ مدینہ کا آبپاشی نظام تو ابھی ابتدائی حالت میں تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے پانی، گھاس اور آگ کو مشترکہ ملکیت قرار دیا۔(218) یہ چیزیں عرب کی اجتماعی زندگی کیلئے بنیادی اہمیت کی حامل تھیں۔اس لئے آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اس میں شریک کر دیا۔نیز آپ ﷺ نے زائد از ضرورت پانی کی فروخت سے منع کر دیا۔حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے۔(219) امام ابو یوسفؒ کنویں اور چشمہ کے پانی کی بیع کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔ (220)

بعض لوگ اس غرض سے پانی روک لیتے تھے کہ ان کے کھیتوں کے اردگرد گھاس نہ اگے، کیونکہ کھیتوں کے اردگرد جانور چریں گے تو کھیتوں کا نقصان ہوگا۔آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے کسی کو بھی نہیں کرنا چاہیے کہ چارہ اگنے کا سدباب کرنے کی خاطر پانی روک لے۔(221)

عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ان کی وھط کی زمین کے ناظم نے ان کو لکھا کہ اپنے کھیتوں اور کھجوروں کی سینچائی کے بعد جو فاضل پانی بچ جاتا ہے اس کے تجھے تیس ہزار درہم پیش کئے جا رہے ہیں۔آپؓ نے اسے لکھا کہ پانی فروخت نہ کرنا بلکہ اپنی زمین سیراب کرنے کے بعد اپنے قریب ترین پڑوسی کو باری دو اور پھر اس کے بعد والے کو۔کیونکہ حضور ﷺ نے ضرورت سے زائد پانی کی فروخت سے منع فرمایا ہے۔(222)

پانی کی تقسیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے۔

جب کسی وادی میں پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے تو بالائی حصوں کے مالک کو یہ حق نہیں کہ وہ پانی کو زیریں علاقہ کے لوگوں کی طرف جانے سے روکے۔

رسول اللہ ﷺ نے کنویں اور چشموں کیلئے حریم مقرر کیا۔اس طرح کنویں کے مالک کو تھوڑی سی زمین میسر آ جاتی تھی اور پانی کے استعمال میں آسانی پیدا ہو جاتی تھی۔امام زہریؒ کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

چشمہ کا حریم پانچ سو ہاتھ، ناضح کنویں کا حریم ساٹھ ہاتھ اور عطن کے کنویں کا حریم چالیس ہاتھ ہوتا ہے۔(223) ناضح کنواں وہ ہے جس سے اونٹوں کے ذریعہ پانی کھینچ کر آبپاشی کی جاتی تھی۔

عطن کا کنواں مویشیوں کو پانی پلانے والا کنواں ہوتا تھا۔اس سے آبپاشی کا کام نہیں لیا جاتا تھا۔حریم سے مراد مویشیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے نظام آبپاشی کی اصلاح کی اور پانی کی تقسیم کے اصول مقرر فرمائے کیونکہ آپ ﷺ بخوبی آگاہ تھے کہ اس کے بغیر زمینوں کی آبادکاری کا مقصد پورا نہ ہوسکتا تھا۔آپ ﷺ نے زرعی مقاصد کیلئے استعمال ہونے والے پانی کیلئے درج ذیل اصول وضوابط مقرر فرمائے۔

☆ بارش، دریا اور کسی بھی قدرتی ذریعہ سے میسر آنے والا پانی سب کا مشترکہ ہے۔

☆ بالائی زمینوں کے مالکان پانی کو روک نہیں سکتے۔وہ جب پانی استعمال کرلیں تو ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اگلی زمینوں کیلئے پانی چھوڑ دیں۔

☆ ضرورت سے زائد پانی کی فروخت سختی سے منع کردی گئی۔

☆ کھیتوں کے اردگرد گھاس اگنے کے سدباب کیلئے پانی کو روکنا ممنوع قرار دیدیا۔

☆ ایک زمیندار کیلئے یہ پیمانہ مقرر کردیا کہ جب کھیت میں پانی ٹخنوں تک کھڑا ہوجائے تو وہ دوسرے کیلئے پانی چھوڑ دے۔

☆ چشمہ، نہر یا کنویں سے جانوروں کو پانی پینے سے نہیں روکا جاسکتا۔

☆ چشمے، نہر اور کنوئیں کا حریم مقرر کردیا۔اس سے مالک کو ان چیزوں کے ساتھ تھوڑی زمین میسر آجاتی تھی۔اس طرح نہر اور کنویں کھودنے کی ترغیب دی گئی۔اور ایک کنویں کے حریم میں دوسرا کنواں کھودنے سے منع کردیا گیا۔

جنگلات اور معدنیات:

رسول اللہ ﷺ کی پالیسی یہ تھی کہ جنگلات اور معدنی ذخائر کو ذاتی ملکیت میں دینے کی بجائے اجتماعی مفاد کیلئے رکھنا پسند کرتے تھے۔چنانچہ جنگلات پر مشتمل تمام اراضی آپ ﷺ نے اپنی تحویل میں لے لی تھی۔البتہ جنگلوں کو ٹھیکے پر دینے کا ثبوت ملتا ہے۔آپ ﷺ نے سلیمہ کا جنگل بنی قدمان کو ٹھیکہ پر دیا تھا(224) جہاں تک معدنی ذخائر کا تعلق ہے تو ابیض بن حمال کو دی گئی زمین لے لی تھی کہ آپ ﷺ کو لوگوں نے بتایا کہ وہاں نمک کی کان ہے۔(225)

شجر کاری:

رسول اللہ ﷺ نے زراعت اور کاشتکاری کے ساتھ شجر کاری کی بھی حوصلہ افزائی فرمائی ۔ کیونکہ یہ بھی زراعت کا ایک اہم جزو قرار پاتا ہے ۔اور بہت مفید عمل ہے ۔اس سے لوگوں کی بہت سی ضروریات (ایندھن اور لکڑی کی دیگر مصنوعات وغیرہ) پوری ہوتی ہیں ۔درختوں کو زرعی دولت کا نام دیا جاتا ہے اور آج بھی شجر کاری کیلئے تحریکیں چلائی جاتی ہیں ۔درخت موسم کو خوشگوار بنانے اور آندھیوں کے زور کو کم کرنے کا باعث بنتے ہیں ۔عرب کے مخصوص جغرافیائی خطے میں تو اس عمل کی شدید ضرورت تھی ۔

درختوں کی لکڑی، اس کا سایہ اور پھل انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے جاتے ہیں ۔اسی لئے آنحضرت ﷺ نے عام درختوں اور پھل دار درختوں کی کاشت کی تلقین وترغیب دی ۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے ۔

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ وِمَا أَكَلَ السَّبُعُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ وَمَا اَكَلَتُ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَة))

ترجمہ: ''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان درخت لگائے اس میں سے جو کچھ کھایا جائے وہ صدقہ ہے اور جو چوری ہو جائے وہ صدقہ ہے جو کچھ پرندے کھا جائیں وہ صدقہ ہے اور جو کچھ بھی کوئی شخص اس میں سے لیتا ہے وہ بھی صدقہ ہوتا ہے ۔'' (226)

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ درخت لگانا کار ثواب ہے اور اس سے جو بھی فائدہ اٹھاتا ہے وہ مالک کی طرف سے صدقہ ہوتا ہے ۔اس طرح خیر اور نیکی کے فطری جذبہ کو ابھار کر اور ثواب کی تحریص سے شجر کاری کی ترغیب دی گئی ۔

طبقات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے تین صد یا پانچ صد پودے لگائے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرامؓ نے حضرت سلمانؓ کی مدد فرمائی ۔پورا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے ۔

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مکاتب بن جاؤ میں نے اپنے آقا سے بات کی تو انہوں نے مجھے اس شرط پر مکاتب بنایا کہ میں اس کیلئے کھجور کے تین صد پودے لگا دوں اور چالیس اوقیہ چاندی دوں ۔آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس سلسلہ میں اپنے بھائی کی مدد کرو ۔ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق تیس، بیس، پندرہ، اور دس سے میری مدد کی ۔آپ ﷺ نے فرمایا سلمانؓ جاؤ اور ان کیلئے گڑھے کھود دو لیکن میرے آنے تک درخت نہ لگانا، میں خود اپنے ہاتھ سے درخت لگاؤں گا ۔پھر

میں نے اور ساتھیوں نے تین صد تھالے بنائے ۔آپ ﷺ تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے درخت رکھنے لگے ۔آپ ﷺ تھالوں کو برابر کرتے تھے اور دعا برکت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ان سب سے فارغ ہو گئے ۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے ان میں سے کوئی پودا نہیں مرجھایا۔ (227)

الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ روایت ابن ہشام میں بھی بیان ہوئی ہے ۔(228)

یہ رسول اللہ ﷺ کی برکت تھی جس سے پودے لگانے کے بعد سو فیصد نتائج حاصل ہوئے ورنہ زراعت کے جدید ترین طریقے اختیار کر کے بھی سو فیصد نتائج حاصل نہیں کئے جاسکتے ۔

حضور ﷺ نے خودرو پودوں اور درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا تھا۔اور ایسے درختوں کی فروخت وغیرہ بھی نا جائز قرار دیدی تھی ۔

عمرو راوی ہیں کہ عکرمہ کہتے تھے درختوں کی قیمت مت کھانا کیونکہ یہ حرام ہے ۔(229)

یہ وہ درخت تھے جو کسی کی ملکیتی زمین میں نہیں بلکہ چراگاہ یا افتادہ زمین میں،بغیر بیج ڈالے اور پانی دیئے اگ آئے تھے ۔آپ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد بارہ میل تک کی خاردار جھاڑیوں اور خودرو درختوں کو کاٹنے سے منع کر دیا تھا ۔(230)

حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا پھلدار درخت لگانا صدقہ ہے ۔(231)

آپ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے کہ جس شخص کو درخت کاٹتے دیکھو اسے مارو اور جو کچھ اس کے پاس ہو چھین لو ۔(232)

اصلاً یہ حکم حمی کے درختوں کیلئے تھا لیکن اس سے آپ ﷺ کی تحفظ اشجار پالیسی کا اظہار ہوتا ہے ۔

پرورش حیوانات:

پرورش حیوانات، زراعت کا اہم شعبہ سمجھا جاتا ہے ۔رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف پوری توجہ دی۔خود بھی جانور پالے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زراعت کی تمام جزئیات، آپ ﷺ کی نگاہ میں تھیں ۔اور وہ آپ ﷺ کی منصوبہ بندی کا حصہ تھیں ۔

پرورش حیوانات کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے اقدامات کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے ۔

☆ آپ ﷺ نے پانی چراگاہ اور آگ کو مشترکہ ملکیت قرار دیکر حمی سرکاری تحویل میں لے لیں۔ پہلے سے موجود چراگاہوں کا انتظام سرکاری سطح پر کیا اور نئے حمی بھی قائم فرمائے۔ اس طرح آپ ﷺ نے پرورش حیوانات کے وسیع امکانات پیدا کر دیئے۔

☆ عربوں کی زندگی میں صحراء اونٹ، کھجور اور چراگاہ بہت اہمیت رکھتے تھے۔ وہ چراگاہوں کی تلاش میں سر گرداں رہتے تھے۔ کیونکہ ان کی اصل دولت جانور ہوتے تھے۔ جن سے وہ گوشت اور دودھ حاصل کرتے تھے۔ آپ ﷺ عرب کے جغرافیائی ماحول کی روایت کے ناطے اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چراگاہوں کا تحفظ بھی کیا اور ان کو وسعت بھی دی اور عربوں کی برسوں کی روایت کو مستحکم اور وسیع کیا اور لوگوں میں پہلے سے زیادہ پرورش حیوانات کا جذبہ پیدا کیا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعے بھی لوگوں میں پرورش حیوانات کا رجحان پیدا فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ((جن لوگوں کے ہاں بکری ہے ان کے ہاں برکت ہے)) (233)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا۔ ((جن کے ہاں تین بکریاں رات کو چر کر آئیں ان کے ہاں رات بھر فرشتے رہتے ہیں))

☆ آپ ﷺ نے اپنی اور انبیاء کرامؑ کی مثالیں دیکر لوگوں کو اس عمل پر ابھارا۔

حضرت عبید بن عمیرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ((کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ عرض کیا گیا آپ ﷺ نے بھی یا رسول اللہ ﷺ فرمایا ہاں میں نے بھی، میں اہل مکہ کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا))(234)

ایک روایت میں ہے کہ میں اجیاد میں لوگوں کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔(235)

انبیاء کرامؑ اور آنحضرت ﷺ کے بکریاں چرانے کے دوسرے بلند ترین مقاصد بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس کو اپنے اور انبیاء کے حوالے سے بیان کرنے کی ایک مصلحت پرورش حیوانات کا رجحان پیدا کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی لوگوں میں یہ رجحان پیدا فرمایا۔ آپ ﷺ کے پاس خود بہت سے جانور تھے جو مدینہ کی مختلف چراگاہوں میں چرا کرتے تھے۔ چنانچہ عبدالسلام بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی کئی دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں جو ذی الجدر اور جماء میں چرا کرتی تھیں۔(236)

☆ تاریخ طبری میں آپ ﷺ کے جانوروں کی تفصیل دی گئی ہے جو مختلف اوقات میں آپ ﷺ کے پاس رہے اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ مدنی زندگی میں آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں گھوڑے رکھے جن کے نام یہ ہیں۔

سکب لزاز ظرب لحیف یعسوب(237)

طبقات میں ان کے علاوہ تین اور گھوڑوں کا ذکر بھی ہے۔وہ تھے۔ سبحہ ، مرتجز اور ورد (238)

۲۔ مدینہ میں آپ کے پاس بیس دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں جن پر آپ ﷺ کے اہل خانہ گذر بسر کرتے تھے۔ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

حنّاء سمراء عریس سعدیہ بغوم یسیرہ دبا مہرہ شقراء بردہ

ان اونٹنیوں کو غابہ، جماء اور ذی الجدر کی چراگاہوں میں چرایا جاتا تھا اور چرانے پر آپ ﷺ کا غلام یسارؓ متعین تھا جسے کفار مکہ نے غارت گری کر کے قتل کر دیا تھا۔(239)

۳۔ آپ ﷺ کی سات دودھ دینے والی بکریاں بھی تھیں۔عجوہ، زمزم، سقیاء، برکہ ، ورسہ، اطلال، اطراف(240)

بکریوں کو عام طور پر کوہ احد پر چرایا جاتا تھا اور یہ خدمت ابن ام ایمنؓ سرانجام دیتے تھے۔ (241)

آپ ﷺ کے پاس دو گدھے عفیر اور یعفور اور دو مادہ خچریں فضہ اور شہباء بھی ہوتی تھیں جو سواری اور باربرداری کے کام آتے تھے۔(242)

رسول اللہ ﷺ نے پرورش حیوانات کیلئے معاون حالات پیدا کئے اور اس سلسلہ میں حمی چراگاہوں کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا اور ان کو وسعت بھی دی۔اور بعض قدرتی گھاس کی حامل وادیوں کو جانوروں کے چرنے کیلئے مخصوص کر دیا۔ نیز جانوروں کو پالنا عین ثواب قرار دیا جس سے لوگوں میں اس کام کیلئے زبردست رجحان پیدا ہوا۔اس رجحان میں مزید اضافہ کرنے کیلئے آپ ﷺ نے اپنی اور انبیاء کرام علیھم السلام کی مثالیں دیں اور خود جانور پال کر صحابہؓ کو اس مفید عمل کیلئے زبردست داعیہ عطا فرمایا۔

کاشتکاری کی ترغیب اور کسانوں کی خوشحالی کیلئے اقدامات:

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ ومضافات کی زمینوں کی آبادکاری میں دلچسپی کی وجہ سے مدینہ کی زراعت کافی ترقی کر گئی۔آپ ﷺ نے قریش جیسے غیر زراعت پیشہ قبیلہ کو کاشت کاری اور کھیتی باڑی پر لگا دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے تاجر پیشہ افراد نخلستانوں اور کھیتوں کی آبادکاری میں مشغول ہو گئے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ جیسے اہل علم کھیتی باڑی اور باغات کی نشوونما میں گہری دلچسپی لینے لگے۔

عہد جاہلیت میں یثرب کے نظام آبپاشی میں کوئی باقاعدگی نہ تھی نیز دوسروں سے پانی روکنے اور زائد از ضرورت پانی فروخت کرنے کی سختی سے ممانعت فرمائی۔شراج اور کنوؤں کے ذریعہ آبپاشی کی اصلاح فرمائی کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ زراعت کے جسم میں دوڑنے والا خون ذرائع آبپاشی سے فراہم ہوتا ہے۔نظام آبپاشی کی اصلاح سے لوگوں میں کھیتی باڑی کا زبردست رجحان پیدا ہوا۔

آپ ﷺ نے حق ملکیت اور اس کے تحفظ کو یقینی بنایا۔اسلام سے قبل حقوق ملکیت کا تصور واضح اور گہرا ضرور تھا لیکن اس کو کوئی تحفظ حاصل نہ تھا۔قبائلی معاشرے میں حق کا تعین طاقت کرتی تھی۔رسول اللہ نے عدل و انصاف کی بنیاد پر حق کو متعین کیا اور اس کے تحفظ کو یقینی بنا کر لوگوں میں اعتماد پیدا کیا۔چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔((جس نے کسی دوسرے کی بالشت بھر زمین بھی ناحق غصب کی قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔))(243)

قرآن حکیم نے چوری کی سزا قطع ید قرار دی۔ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ایک ایک ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے جرم کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت کے طور پر ہے۔''(244)

رسول اللہ ﷺ کے سخت ترین الفاظ اور قرآن حکیم کی سخت ترین سزا سے حق ملکیت کے تقدس کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں یہ کس قدر محترم چیز ہے۔ان تمام احکامات سے حق ملکیت محفوظ ہو گیا۔آپ ﷺ کے احکامات فائلوں کی زینت بننے کیلئے نہ ہوتے تھے بلکہ ان کے عملی نفاذ سے مطلوبہ مقاصد حاصل کئے جاتے تھے۔حق ملکیت کو زراعت کی ترقی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔حق ملکیت کے تحفظ کے ان اقدامات سے لوگوں میں زراعت سے لگاؤ اور کھیتی باڑی سے رغبت پیدا ہوئی۔آپ ﷺ نے مزارعت کو ناجائز تو قرار نہیں دیا لیکن خود کاشتی کی حوصلہ افزائی فرمائی۔اور اسے غیر حاضر زمینداری پر ترجیح دی۔چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔((رب الارض ان یزرعھا او یزرعھا))(245) (مالک زمین یا تو خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کیلئے دیدے)

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے۔((فلا تفعلوا ازرعوھا او ازرعوھا او امسکوھا))

ترجمہ: ''ایسا نہ کرو یا خود کاشت کرو یا دوسروں کو زراعت کیلئے دیدو یا اپنی زمینوں کو روک رکھو۔''(246)

آپ ﷺ کے ان ارشادات سے لوگوں میں کاشت کاری سے رغبت کاری پیدا ہوئی اور اگر کوئی مجبوری نہ

تھی تو لوگ خود کاشتی کو ترجیح دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی اپنا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی ترغیب دی کہ اپنے ہاتھ سے کام کریں۔ اس ترغیب اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرنے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔

((کان اصحاب رسول اللہ ﷺ قوما عمال انفسھم کانوا یعالجون اراضیھم

بایدیھم))

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ خود کام کرنے والے لوگ تھے۔ وہ اپنی زمینوں پر اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔''(247)

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرینؓ و انصارؓ میں اور عرب کے وہ علاقے جن میں زراعت ممکن تھی میں زراعت اور کھیتی باڑی کی ایک تحریک پیدا کر دی جس سے وسائل میں بھی اضافہ ہوا اور پیداوار میں بھی نتیجتاً معاشرے میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔

زرعی ترقی کیلئے کسان کا خوشحال اور خود کفیل ہونا بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کسان کی خوشحالی اور سہولت کیلئے متعدد اقدامات فرمائے۔ جس سے عرب کا زرعی نظام مستحکم ہوا اور ظلم و جبر اور استحصال کا شکار کسان سکھ کا سانس لینے کے قابل ہوا۔ آپ ﷺ نے جو اقدامات فرمائے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ا۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دیکر انسانی معیشت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

ترجمہ: ''اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''(248)

قرآن حکیم نے سود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا۔

﴿فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (249)

رسول اللہ ﷺ نے عملاً مسلم معاشرے کے وجود سے سود کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو عملی صورت دی کہ

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے۔''(250)

ان احکامات کا اطلاق زرعی شعبہ پر بھی ہوا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ اور طائف میں زرعی قرضوں

کارواج تھا۔کسان اپنی ضروریات پوری کرنے یا زرعی آلات وغیرہ خریدنے کیلئے قرض لیتے تھے۔مدینہ میں یہودی ساہوکار کسانوں کو قرض دیتے تھے۔ حضرت عباسؓ بھی ان ساہوکاروں میں سے تھے جو مدینہ کے کسانوں کو قرض دیا کرتے تھے۔اور جب فصل پکتی تھی تو وصولی کیلئے پہنچ جاتے تھے۔(251) طائف میں بھی سود کی یہی صورت پائی جاتی تھی وہاں کے کسان بھی ساہوکاروں کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔(252)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عہدرسول ﷺ میں تجارتی اور کاروباری شعبوں میں سود کی لعنت موجود تھی تاہم یہ کہنا بھی حقیقت سے قریب ہے کہ زرعی شعبہ بھی اس سے بری طرح متاثر تھا اور زیادہ تر بوجھ کسانوں پر تھا۔آپ ﷺ نے عرب کے کسانوں کو سود سے نجات دلائی اور مدینہ و طائف کی زرعی معاشرت کے مناظر میں حرمت ربو کے احکامات نے عمیق و وسیع اثرات مرتب کئے اور ان علاقوں کے کسان معاشی بدحالی کی دلدل سے نکل کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گئے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے کسانوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے اجناس و اثمار کی خرید و فروخت کے اصول وضوابط مقرر فرمائے جن سے کسانوں کو اپنی پیداوار کی صحیح اور جائز قیمت ملنے لگی۔مدینہ میں بعض نخلستانوں کو یکمشت کئی سال کیلئے خرید لیتے تھے۔اس طرح ان کو ارزاں نرخوں پر باغات مل جاتے تھے۔لہذا آپ ﷺ نے کئی سالوں کیلئے باغات کی پیداوار کی خریداری ممنوع قرار دیدی۔(253) نیز مالکان، باغات کو پھل کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے بیچ دیتے تھے۔جب پھل پکنے پر آتا تو اس میں کیڑے پڑ جاتے یا کوئی بیماری لگ جاتی تھی جس سے خریدنے والے کسانوں کو بہت نقصان ہوتا۔آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آئندہ کوئی باغ، اس وقت تک نہ خریدا جائے اور نہ بیچا جائے جب تک اس کے پھلوں کی پختگی ظاہر نہ ہو۔(254)

۳۔ کسانوں کی سہولت کیلئے آپ نے تخفیف لگان اور تخفیف مالگذاری کے اصول کو رائج فرمایا۔اکثر حالات میں کاشت کار کے مصالح کو زمیندار اور حکومت کے مصالح پر مقدم رکھا اور کسی حال میں بھی جائز نہیں سمجھا کہ لگان یا مالگذاری کی شرح، زمین کی حیثیت سے بڑھ جائے۔آپ ﷺ نے فتح خیبر کے بعد خیبر کی زمینوں کو یہودیوں کو مخابرہ پر دیدیا اور عبداللہ بن رواحہؓ کو وصول یابی کیلئے بھیجا تو ان کی تقسیم پر یہودیوں نے کہا تھا کہ بھذا قامت السموات والارض(255) اسی انصاف پر زمین و آسمان کھڑے ہیں

آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی کسانوں کی سہولت اور خوشحالی کے متعدد اقدامات کئے اور خاص طور پر حضرت عمرؓ فاروق نے مالگذاری اور لگان کے سلسلہ میں تخفیف کے اصول کو پیش نظر رکھا۔(256) جس سے کسانوں نے دل لگا کر محنت کی جس سے خوشحالی ان کا مقدر بنی۔

۴۔ رسول اللہﷺ نے مزارعت کی اجازت فرمائی لیکن ان صورتوں کوحرام قرار دیدیا جوسود سے مشابہ تھیں یا جن میں ظلم واستحصال کی کوئی شکل پائی جاتی تھی۔ چنانچہ مدینہ میں رواج تھا کہ آبپاشی کے پانی کی نالیوں کے سامنے والی زمین کی پیداوار، زمیندار اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے اور بقیہ مزارعہ کیلئے چھوڑ دیتے تھے۔یا زمین میں بوئی گئی فصل کے بجائے کوئی دوسری جنس ،مخصوص مقدار میں مقرر کر لیتے تھے۔ (257)ان تمام صورتوں میں مالک فائدے میں رہتا تھااور کاشت کارکونقصان ہوتا تھا۔آپﷺ نے ان تمام مروجہ صورتوں کونا جائز قرار دیدیا جس سے کسان اور کاشتکار کے حقوق ومفادات محفوظ ہو گئے وہ زیادہ محنت کرنے لگےاور زرعی معاملات میں زیادہ دلچسپی لینے لگےجس سے مدینہ،مضافات مدینہ اور عرب کی زمینوں کی آبادکاری میں تیز رفتاری پیدا ہوئی اور زرعی خطے، زرعی ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔

فصل سوم

بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانا

بنجر زمینیں اور انھیں مزروعہ بنانے کی صورتیں

الف۔خلافت کے مصارف

ب۔ کاشت کار کو اجازت

ج۔ حق ملکیت کے ساتھ آبادکاری کی اجازت

آبادکاری کی صورت جو زمین کے لائق ومناسب ہو

زراعت لگان اور بٹائی کے سلسلے میں اسلامی ترغیبات

زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کے اصول

اسلام کے زرعی نظام اور جاگیرداری نظام میں فرق وامتیاز

بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانا

بنجر زمینیں اوران کو مزروعہ بنانے کی صورتیں:

احادیث وآثار اور فقہاء کے بیان کے مطابق حسب ذیل زمینیں بنجر سمجھی جاتی ہیں جیسا کہ ابو یوسف نے لکھا ہے۔

۔۔۔فاذا لم یکن فی ھذہ الارضین اثر بناء ولا زرع ولم تکن فیئا لاھل القریۃ ولا مسرحا ولا موضع بقرۃ ولا موضع محتطبھم ولا موضع مرعی دوابھم واغنامھم ولیست بملک لاحد ولا فی ید احد فھی موات(258)

وہ تمام زمینیں جن میں سخت پتھریلی یا ریتلی، چٹیل میدان، خشک ٹیلے وہ زمین جو جھاڑیوں، دلدلوں اور سیلابوں کی زد میں آ گئی ہوں ندیوں کا رخ تبدیل ہو جانے سے جو زمین قابل کاشت نہ رہی ہو۔نزاعی جھیلیں اور اسی قسم کی وہ تمام زمینیں جن سے عدم صلاحیت کی وجہ سے انتفاع منقطع ہو گیا ہو وغیرہ۔

مذکورہ بالا تمام زمینیں بنجر قرار دیجاتی ہیں اور خلافت ان کو قابل کاشت بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔

الف۔ خلافت کے مصارف

حکومت اپنے اخراجات پر بنجر زمینوں کو آباد کرائے جیسا کہ یحیٰی بن آدم القرشی نے لکھا ہے۔

وان شاء انفق علیھا من بیت مال المسلمین واستاجر من یقوم فیھا

ترجمہ: ''اور اگر چاہے تو بنجر زمینوں پر مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ کرے اور جو اسے آباد کرے اسے اجرت پر دے دے۔''(259)

ب۔ کاشت کار کو اجازت

حکومت کاشتکار کو خود اپنی محنت اور اخراجات پر زمین کو آباد کرنے کی اجازت دے اور شرط یہ ہوتی تھی کہ بیچنے یا ہبہ کرنے وغیرہ کا حق نہ ہو گا۔اس صورت میں صرف زمین کی منفعت کا مالک بنایا جاتا تھا۔اس کی ذات کا نہیں اسی بناء پر فقہا نے لکھا ہے۔

امام امر رجلا ان یعمر ارضا میتۃ علیٰ ان ینفع بھا ولا یکون الملک لہ فاحیاھا لم یملکھا

ترجمہ: ''خلیفہ کسی کو اس شرط پر بنجر زمین آباد کرنے کا حکم دے کہ آباد کرنے والا صرف

زمین کے منافع کا مالک ہوگا۔اس کی ذات کانہیں تو آباد ہو جانے کے بعد وہ
ذات کا مالک نہ ہو سکے گا۔"(260)

ج۔ حق ملکیت کے ساتھ آبادکاری کی اجازت

اس صورت میں آباد کرنے والے کو ہر قسم کے تصرفات اور جملہ حقوق حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کو مخاطب کرکے فرمایا۔

ولك ان تقطع ولك من أحببت ورأيت تواجره وتعمل بما ترى أنه صلاحٌ

ترجمہ: "آپ کو بالکل اختیار ہے مناسب ہو تو کسی کو قطعہ دے دیں یا اجرت دیکر کسی اجیر سے کاشت کروالیں آپ جو صورت مناسب سمجھیں اور جس میں فلاح و بہبود ہو۔"(261)

بہر حال آباد کاری کی جو صورت بھی ہوتی ہے۔کبھی تو خلیفہ کی عام اجازت ہوتی ہے اور کبھی اجازت لینا مناسب سمجھا جاتا ہے کیونکہ زمین کے بارے میں آخری فیصلہ خلافت ہی کا ہوتا ہے۔طبرانی کی حسب ذیل روایت سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

"ليس للمرء إلا ما طابت به نفس امامه" (262) آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس پر خلیفہ خوش ہو)

فقہ کی تصریح بھی اسی کی موید ہے۔

ولا يملكه الا بتمليك الامام (263) (بغیر خلیفہ کے مالک بنائے ہوئے اس کا مالک نہیں ہوگا)

حکومت کی اجازت ملنے کے بعد کاشتکار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے تین سال کے اندر اندر آباد کرے ورنہ بے کار پڑے رہنے دینے پر اسے بے دخل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگ اپنی زمینیں روکتے جا رہے ہیں کہ وہ اسے آباد نہ کر سکیں گے تو آپؓ نے عام اعلان کر دیا تھا۔

((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِمُحْتَجِرٍ حَقٌّ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِيْنَ))

ترجمہ: "جو شخص مردہ زمین آباد کرے گا اسی کی ملکیت ہوگی اور صرف قبضہ کرکے روک لینا آبادکاری کے بغیر تین سال کے بعد اس کا حق نہ ہوگا۔"(264)

حقیقت یہ ہے کہ خلافت کا مقصد غیر مزروعہ اراضی کو قابل کاشت بنانا ہوتا ہے تا کہ عامۃ المسلمین کا مفاد جو زمین سے متعلق ہے وہ پامال نہ ہونے پائے یہ مقصد صرف زمین پر کاشت کاری کی صورت ہی میں پورا ہو سکتا ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ لَهُ)) (265)(جس نے مردہ زمین کو قابل کاشت بنایا وہ اسی کی ہوگی۔

((أَنَّ الْاَرْضَ أَرْضُ اللّٰهِ وَالْعِبَادَ عِبَادُ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْيَامَوَاتًا فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ))

ترجمہ: ''زمین بھی اللہ کی اور بندے بھی اللہ کے ہیں جو شخص بنجر زمین کو مزروعہ بنائے گا وہ اسی کی ہوگی۔''(266)

زمین بے کار ڈال رکھنے کی صورت میں جب پرانے قابضین کو بے دخل کر دیا تھا تو نئے لوگوں کے لئے جواز کی کیسے گنجائش نکل سکتی تھی؟ اس کی تائید میں وہ تمام احادیث و آثار ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ اور خلفاءؓ نے آباد کاری کو علت ملک قرار دیا تھا۔(267) کوئی ایک حدیث پاک بھی ایسی نہیں ملتی جس میں بلاوجہ روک رکھنے کو سبب ملک بتایا گیا ہو۔

مزید فرمایا ((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ)) (268)جو شخص ایسی بنجر زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملک نہ ہو تو وہ آباد کرنے والے کی ملکیت ہوگی۔

آبادکاری کیصورت جوزمین کے لائق ومناسب ہو

قاضی ابو یوسف نے حدیث "الارض الموات" کے تحت تحریر فرمایا ہے۔"ویعمرھا بما فیه مصلحتها" (269)اور جس میں زمین کی مصلحت ہو اس کے مطابق اس کو آباد کرے۔''

یعنی جو زمین جس کام کے لائق ہو اس میں وہی کام ہونا چاہیے ایسا نہیں کہ زمین تو کاشتکاری کے لئے موزوں ہے۔مگر محض روک رکھنے کیلئے کوئی اور کام اس پر شروع کر دیا اس صورت میں اس زمین پر نہ تو آباد کاری کا حکم لگےگا اور نہ ایسے شخص کو آباد کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔

زمینوں کو آباد کرنے کے بارے میں جو مزید رسول اللہ ﷺ نے ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں یعنی اجارہ، مزارعہ کی صورتوں میں اس کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا کچھ آیا ہے؟ وہ حسب ذیل ہے۔

اللہ پاک نے قرآن حکیم میں زراعتی پیداوار کو انسانی دنیا پر عظیم الشان احسان جتا کر اس حقیقت کی جانب توجہ دلائی ہے کہ زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔فرمایا

﴿أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ O ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّٰرِعُونَ O لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ O إِنَّا لَمُغْرَمُونَ O﴾

ترجمہ: ''بھلا بتلاؤ تو تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اگر ہم چاہیں

تو اس کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم تو تاوان میں پھنس گئے‘‘(270)

زراعت و لگان اور بٹائی کے سلسلے میں اسلامی ترغیبات:

اس سلسلہ میں میں پہلی بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ زمین کے متعلق انفرادی ملکیت کے جواز کو مان لینے کے باوجود اسلام کے معاشی نظام میں کیا زمینداری سسٹم کی موجودہ ظالمانہ روش کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! اسلام موجودہ زمینداری سسٹم کے ظالمانہ اصول کو کیسے جائز قرار دے سکتا ہے۔ جبکہ وہ اس مباح زمینداری کو بھی غیر پسندیدہ سمجھتا ہے جو کہ انصار و مہاجرین کے درمیان اجارہ و مزارعہ کی صورت میں رائج تھی۔

((عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِنَا أَرْضٌ أَنْ يُعْطِيَهَا بِبَعْضِ خَرَاجِهَا أَوْ بِدَرَاهِمَ وَقَالَ إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِكُمْ أَرْضٌ فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ أَوْ لِيَزْرَعْهَا))

ترجمہ: ’’حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک ایسے کام سے منع فرمایا جو ہمارے لئے نفع بخش تھا۔ وہ یہ کہ ہم میں سے کسی شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اس کو نہ بٹائی پر دے اور نہ نقد لگان پر اور فرمایا کہ اگر تم میں سے جس کے پاس زمین ہو تو وہ خود کاشت کرے یا اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کیلئے مفت احسان کے طور پر دے۔‘‘(271)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ))

ترجمہ: ’’حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس زمین ہو اس کو چاہیے کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کیلئے مفت احسان کے طور پر دے دے اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی کرنے کو تیار نہیں تو اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے۔‘‘(272)

((کان ابن عمرؓ یکری مزارعه علی عهدالنبی ﷺ و ابی بکر و عمر و عثمان و صدر من امارة معاوية فلما سمع حديث رافع ترك ذلك خشية ان يكون النبی ﷺ قد احدث فی ذلك شيئاً))

ترجمہ: ''حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو عہد رسالت میں عہد ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے ابتداء امارت تک کاشت کاروں کو لگان پر دیتے رہے مگر جب انہوں نے رافع کی حدیث سنی تو اس عمل کو اس خوف سے ترک کر دیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے آخر عمر مبارک میں یہ فیصلہ دیا ہو۔''(273)

مذکورہ بالا حوالہ جات و روایات الفاظ کے معمولی ردو بدل کے ساتھ ثابت ہیں۔ان سے یہ ثابت اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ زمین کو نقد لگان یا بٹائی پر دینے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس طرح زمینداری کے نفس جواز کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بلکہ زمین کی انفرادی ملکیت تسلیم کرتے ہوئے یا خود کاشت کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں اور یا دوسرے بھائی کے ساتھ حسن سلوک کی۔

بعض دوسری روایات بھی ہیں جن میں صاحب زمین کو نقد لگان یا بٹائی دونوں پر دینے کی اجازت نکلتی ہے اور نہ صرف یہ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے خلفاء راشدین اور بعد کے زمانہ تک صحابہ تابعین، تبع تابعین اور امت کے افراد کے عملی تواتر سے بھی یہی ثابت ہے۔کہ وہ زمین کو نقد لگان اور بٹائی پر دیتے رہے ہیں۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت بنجر زمینوں کو مزروعہ بنانے کے لئے اور زمین کو اجتماعی مفاد کی خاطر اپنی تحویل میں رکھ سکتی ہے۔

((عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ أَنَّهُ سَأَلَ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ فَقَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ فَقَالَ أَبِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ أَمَّا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَلَا بَأْسَ بِهِ))

ترجمہ: ''حنظلہ بن قیسؓ کہتے کہ میں نے رافع بن خدیجؓ سے زمین کے اجارہ پر لینے کی بابت دریافت کیا انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تب میں نے کہا کہ چاندی اور سونے کے بدلے یعنی نقد لگان پر بھی منع ہے تو انھوں نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''(274)

((عَنْ نَافِعٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ عَلَى أَنْ يَعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا خَرَجَ مِنْهَا))

ترجمہ: ''ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف بٹائی پر ہو۔''(275)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ مَابِالْمَدِيْنَهِ أَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ إِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وِالرُّبُعِ وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَسَعْد۔۔۔))

ترجمہ: ''ابوجعفر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی یا چوتھائی حصہ کی بٹائی پر زمین کی کاشت نہ کرتا ہو اور حضرت علیؓ' سعد بن مالک' عبداللہ بن مسعودؓ' عمر بن عبدالعزیز' قاسم' عروہ' آل ابوبکرؓ' آل عمرؓ' آل علی اور ابن سیرینؒ یہ سب اپنی زمینیں اسی طرح کاشت پر دیا کرتے تھے۔''(276)

قال ابو یوسف۔ فاحسن ماسمعنا ہ فی ذلك واللّٰہ اعلم ان ذلك كله جائز مستقیم صحیح وهو عندی بمنزلة مال المضاربة

ترجمہ: ''امام ابو یوسف فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جو بات سب سے بہتر ہم نے سنی وہ یہ ہے کہ زمین کو نصف تہائی یا چوتھائی بٹائی کے ہر طریق پر دینا جائز ہے اور میرے نزدیک زمین کا یہ معاملہ "مال مضاربۃ" کی طرح ہے۔''(277)

مذکورہ بالا روایات اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ صاحب زمین اگر خود کاشت نہ کرے تو دوسرے کو نقد لگان یا بٹائی پر دے سکتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔بعینہ حکومت کی اپنی تحویل میں جو زمین ہوتی ہے اسے دوسرے سے کاشت کرواسکتی ہے اور کاشت کروا کر اجتماعی مفاد حاصل کر سکتی ہے جیسا کہ زمانہ نبوت سے زمانہ خلافت راشدہ تک زمین کے اصل مالک جو ہوتے تھے فتح کے بعد زمینیں انہیں کے سپرد کر دی جاتی تھیں۔ان سے جو فوائد حاصل ہوتے تھے وہ اجتماعیت کے کام آتے تھے۔

اس سے زمین کو زیادہ سے زیادہ مزروعہ بھی بنایا جاسکتا ہے اور مفاد عامہ کے فوائد بھی زیادہ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کے اصول:

رسول اللہ ﷺ نے زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کے مندرجہ ذیل اصول بتائے ہیں۔

ا۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا حضور ﷺ نے ان کی املاک سے تعرض نہیں کیا ان کو ان کی سکنی و زرعی املاک پر بحال رکھا۔ جیسے مدینہ' طائف' یمن اور بحرین کی زمینیں یعنی جو لوگ اسلام قبول کرلیں ان کی املاک سے تعرض نہیں کیا جائے گا اس اصول کو درج ذیل حدیث بھی بیان کرتی ہے۔

((ان القوم اذا سلمو ااحرزوا دماء ھم واموالھم))

ترجمہ: ''جب لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو انہوں نے اپنے خون اور مال کی حفاظت کرلی۔''(278)

امام ابو یوسفؒ اسی اصول کی یوں تشریح کرتے ہیں

> جولوگ اسلام قبول کرلیں ان کا خون حرام ہے قبول اسلام کے وقت جن اموال کے وہ مالک ہوں وہ انہی کی ملک رہیں گے۔اس طرح ان کی زمینیں بھی انہی کی ملک رہیں گی اور وہ عشری قرار دی جائیں گی اسکی مثال مدینہ کے انصارؓ ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا اور وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے اور ان پر عشر لگا دیا گیا ایساہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں سے کیا گیا(279)

امام ابوعبیدؒ کہتے ہیں کہ اسلام قبول کرتے وقت جولوگ جس اراضی کے مالک ہوں وہ انہی کی ملک رہے گی اس پر عشر عائد کیا جائے گا اور وہ عشری زمین ہوگی ۔(280)

مزید وضاحت کے لئے علامہ ابن قیمؒ کا قول ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ دور میں (دو جاہلیت میں) حاصل ہونے والی لوگوں کی املاک کی چھان بین میں وقت نہیں گنوایا۔ بلکہ آئندہ کے لئے انسان اور اس کے افعال کو اسلام کے تابع فرمایا۔علامہ کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے۔"نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص اسلام لاتے وقت جس چیز پر قابض تھا وہ اسی کے قبضہ میں رہنے دی گئی یہ نہیں دیکھا گیا کہ اسلام لانے سے پہلے وہ چیز کس ذریعہ سے اس کے قبضہ میں آئی تھی ۔"(281)

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات واقدامات کی علماء نے جو توضیح کی ہے اس سے دو چیزیں سامنے آئی ہیں ایک یہ کہ قبول اسلام کے وقت جو جس چیز کا مالک تھا اسکی ملک بحال رکھی گئی دوسرے یہ کہ اس چھان پھٹک میں وقت اور توانائی ضائع نہیں کی گئی کہ وہ چیز کس ذریعہ سے اس کے قبضہ میں آئی اسلام میں ملکیت کا پورا پورا تحفظ کیا گیا ہے لیکن شرط قبول اسلام ہے۔ جیسے بنونضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو ان کی زمینوں و باغات پر اسلامی حکومت نے قبضہ کرلیا لیکن دو اشخاص یامین بن عمر اور ابوسعد بن وہب نے اسلام قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے دونوں کی ملکیت بحال رکھی اور ان سے کوئی چیز نہیں لی گئی ۔(282)

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جولوگ اسلام قبول نہ کریں لیکن مصالحانہ طور پر اسلامی حکومت کے تابع رہنا قبول کر لیں اور اسلامی حکومت سے معاہدہ کرلیں تو ان کی زمینوں اور جائیدادوں کو برقرار رکھا جائے گا اور جن شرائط پر صلح ہوئی ہو ان پر پوری طرح عمل کیا جائے گا۔آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ سے اسکی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں مثلاً فدک ، وادی القریٰ نجران ایلہ اور ہجر کے قبیلوں سے مصالحت ہوئی اور معاہدے کئے گئے ان کو زمینوں اور جائیدادوں پر بحال رکھا گیا اور ان سے وہی کچھ وصول کیا گیا جس پر ان سے معاہدہ ہوا تھا۔(283)

امام ابو یوسفؒ نے رسول اللہ ﷺ کے اس بارے میں اقدامات کی یوں وضاحت کی ہے ''غیر مسلموں میں سے جس قوم کے ساتھ اس بات پر امام کی صلح ہو جائے کہ وہ مطیع ہو جائیں اور خراج ادا کریں تو وہ اہل ذمہ ہیں ان کی اراضی، اراضی خراج ہے ان سے بس وہی لیا جائیگا جس پر ان سے صلح ہوئی ہو'۔(284)

اہل نجران سے رسول اللہ ﷺ نے تحریری معاہدہ کیا تھا ان کی اور ان کی ملکیت کے تحفظ کی ذمہ داری اٹھائی تھی اور اس کے عوض ان پر مخصوص خراج عائد کیا تھا اس معاہدہ پر عہد رسول ﷺ میں بھی پورا پورا عمل ہوا اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی ۔حضرت عمرؓ کے عہدہ خلافت میں بعض مصلحتوں کی بناء پر ان کو نجران عرب سے نجران عراق کی طرف منتقل کیا گیا تو ایک کو اتنی ہی سکنی و زرعی زمین دی گئی جس قدر اس کے پاس عرب میں تھی اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو لکھا ''فلیو سعھم من خریب الارض'' فراخ دلی کے ساتھ افتادہ زمینوں میں سے ان کو دیں (285)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ جن زمینوں کے مالک بزور شمشیر مغلوب ہوں ان کی سابق ملکیت منسوخ کر دی جاتی ہے زمینوں اور باغات کو مال غنیمت قرار دیکر خمس نکال کر بقیہ لشکر میں شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس اصول کا اطلاق خیبر کی زمینوں پر کیا مفتوح علاقے کو مال غنیمت قرار دے دیا گیا ایک حصہ خدا اور رسول کے حق میں لیا گیا اور بقیہ لشکر اسلام میں شامل مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ افراد ان زمینوں کے مالک قرار پائے اور ان پر عشر عائد کر دیا گیا(286)

بزور شمشیر مغلوب ہونے والوں کے بارے میں ایک طرز عمل وہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمینوں کے بارے میں اختیار فرمایا اور دوسرا طرز عمل وہ ہے جو حضرت عمرؓ نے شام اور عراق کی زمینوں کے بارے میں اختیار فرمایا۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے یثرب میں قدم رکھا تو اپنے آپ کو ''زرعی ماحول'' اور زراعت پیشہ انصارؓ کے درمیان پایا۔ یثرب جسے آپ ﷺ کی آمد پر ''مدینۃ النبی'' کا نام دیا گیا وہ کسانوں کی بستی کے نام سے مشہور تھا۔ اکثر انصارؓ مدینہ زراعت پیشہ تھے جیسا کہ حضرت رافعؓ نے کہا تھا۔((كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ حَقْلًا)) (287)(اہم اہل مدینہ اکثر زراعت پیشہ تھے)مدینہ کے اقتصادی نظام میں زراعت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی ۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے زرعی ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے زراعت کی نشوونما اور ترقی کیلئے کئی اقدامات کئے ۔ ان اقدامات کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آچکی ہے یہاں پر اس حکمت عملی کو بیان کیا جائے گا جس کے نتیجہ میں مدینہ اور جزیرۃ العرب کے ہر خطے میں جہاں پانی وافر، زمین ہموار اور موسم موافق تھا۔ زراعت لہلہانے لگی تھی ۔اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا رویہ اور طرز عمل بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

۵۔ مکہ میں قریش تجارت پیشہ تھے اور زراعت و کاشتکاری کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اسلیئے غزوۂ بدر کے آغاز پر جب تین انصاریؓ جو بنیادی طور پر کسان تھے مقابلہ کے لئے نکلے تو قریش کے ایک سردار عتبہ نے پکار کر کہا تھا کہ اے محمد ﷺ یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں۔ اسی قسم کا اظہار ابو جہل نے اپنے قتل کے وقت کیا تھا۔ غزوہ بدر ہی میں دو کمسن انصاری مجاہدوں معاذؓ اور معوذؓ نے ابو جہل کو سخت گھائل کر دیا۔ وہ قریب المرگ تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عہد رسول ﷺ کے اس فرعون کا سر قلم کرنا چاہا تو اس نے کہا تھا۔ "لو غیرا کار قتلنی"(288) (کاش مجھے کسان کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہوتا) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "وادغیر ذی زرع" میں صدیوں سے رہائش پذیر عرب قبائل تجارت پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ "اہل زرع" کے بارے میں اچھے خیالات نہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ بھی اسی قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور آپ ﷺ نے اپنی معیشت کا آغاز بھی تجارت سے ہی کیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کسی بھی وسیلہ معیشت کو کمتر یا برتر نہ سمجھتے تھے بلکہ ہر وسیلہ کو قابل احترام سمجھتے تھے اور اس سے حلال رزق کمانا واجب اور ضروری خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے زرعی ترقی کیلئے فوری اقدامات کا آغاز کر دیا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے اس سوچ پر ضرب کاری لگائی جو زراعت کو کمتر پیشہ سمجھتی تھی اور مہاجرینؓ کو انصارؓ کے ساتھ شریک کر دیا ان کی معیشت کو زراعت سے وابستہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاجرینؓ نہ صرف زراعت کرنے لگے بلکہ ان میں زراعت سیکھنے کی زبردست تحریک پیدا ہوئی۔(289) یہ بات اس روایت سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو طبری نے نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

> حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ غزوہ ذات العشیرہ میں علیؓ اور میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ہم نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ وہاں ہم نے بنی مدلج کے کچھ آدمیوں کو اپنے نخلستانوں میں زراعتی کام کرتے دیکھا۔ میں نے علیؓ سے کہا کہ آؤ قریب جا کر دیکھیں کہ یہ کیونکر کام کرتے ہیں ہم قریب گئے اور ان کو تھوڑی دیر دیکھتے رہے پھر نیند آنے لگی اور ہم کھجور کے ایک درخت کے سایہ میں جا کر زم مٹی پر سو گئے۔(290)

۶۔ غزوہ ذات العشیرہ ۲ ہجری میں غزوہ بدر سے پہلے وقوع پزیر ہوا تھا۔(291) مدنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ہی مہاجرینؓ میں امور زراعت سے واقفیت حاصل کرنے اور عملی زراعت سیکھنے کی خواہش کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی تحریک، ترغیب اور تلقین نے مہاجرینؓ کو زراعت میں گہری دلچسپی لینے کے قابل بنا دیا تھا۔ مدینہ میں قیام کے ابتدائی ایام میں آپ ﷺ کے مالی اخراجات، زراعت سے ہی وابستہ تھے اور بقیہ تمام زندگی یہ زراعت ہی سے وابستہ رہے۔ ابتداء میں انصار کھجور کے کسی درخت کو آپ ﷺ کیلئے وقف کر دیتے تھے اور اس کی پیداوار

آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔(292) نیز وہ اپنے کھیتوں کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ فصل پکنے اور برداشت کرنے کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔(293)

۷۔ ۴ھ میں بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد آپ ﷺ کے گھریلو اخراجات، مکمل طور پر زراعت سے وابستہ ہو گئے۔ بنونضیر کے نخلستانوں پر قبضہ کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ان کو فئے قرار دے دیا اور ان میں سے ایک حصہ ازواج مطہرات کیلئے رکھ کر بقیہ اراضی بیت المال میں جمع کر دی گئی۔(294)

۸۔ ۷ھ فتح خیبر کے بعد خیبر کی پیداوار میں سے تمام ازواج مطہرات کیلئے فی کس اسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس (۲۰) وسق جو سالانہ مقرر ہوئے تھے۔(295) یہ طریقہ کفالت، حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی جاری رہا لیکن حضرت عمرؓ نے جب یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر دیا اور زمین متعلقہ مجاہدین میں تقسیم کی تو بعض ازواج مطہرات نے پیداوار کی بجائے زمین لے لی۔(296) اور بعض نے پیداوار لینا ہی پسند کیا۔ ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مدینہ میں آپ کی معیشت زراعت سے وابستہ تھی۔

۹۔ آپ ﷺ نے مزارعت پر بھی کاشت کروائی اور جرف کی وادی میں خود اپنے ہاتھوں بھی زراعت کی۔(297) اس طرح آپ ﷺ نے زراعت کی نشو ونما اور ترقی کیلئے اپنی مثال پیش کر کے انصارؓ و مہاجرینؓ کو اس راہ پر ڈالا اور عرب کے جن خطوں میں زراعت ممکن تھی وہاں زراعت کیلئے ایک تحریک پیدا کر دی۔

۱۰۔ آپ ﷺ نے اس خیال کو سختی سے مسترد کر دیا تھا کہ زراعت کمتر پیشہ اور کسان کمتر مخلوق ہوتی ہے۔ مہاجرینؓ نے بھی اس قسم کے باطل آبائی تصورات کو رد کر کے مدینہ کی زرعی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کھیتی باڑی کرنے اور درخت لگانے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اسے کار ثواب قرار دیا۔ ایک روایت ملاحظہ ہو۔

((عَنْ اَنَسِ بِنْ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ))(298)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے۔ پس اس میں سے پرندے انسان یا چوپائے جانور کھاتے ہیں تو یہ اس کیلئے صدقہ ہے۔“

یعنی زراعت ایک ایسا عمل ہے جس کے کرنے سے بلا ارادہ بھی ثواب ملتا رہتا ہے۔

۱۱۔ مہاجرینؓ و انصارؓ زراعت کیلئے معروف ہو گئے تھے اور یہ آپ ﷺ کے زراعت سے متعلق رویہ کا نتیجہ تھا۔

اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے ہوتا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ فَقَالَ لَهُ أَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَاسْتِحْصَادُهُ فَكَانَ أَمْثَالَ الْجِبَالِ فَيَقُولُ اللّٰهُ دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ فَإِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهُ إِلَّا قُرَشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا فَإِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ وَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم))

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمﷺ ایک دن باتیں کر رہے تھے اور ان کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا تھا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ جنتیوں میں سے ایک شخص خدا سے کاشتکاری کی اجازت مانگے گا تو خدا کہے گا کہ کیا تو اپنی موجودہ حالت پر راضی نہیں۔ وہ کہے گا ہاں لیکن میں کاشتکاری کرنے کو پسند کرتا ہوں۔ پس وہ بیج ڈالیگا اور وہ پلک جھپکنے میں اگ آئیگا۔ سیدھا ہو جائیگا اور برداشت کے لائق ہو جائیگا۔ خدا تعالیٰ کہے گا کہ اے ابن آدم اسے لے لو تجھ کو کوئی چیز سیر نہیں کر سکتی۔ اعرابی نے کہا۔ بخدا یہ کوئی قریشی یا انصاری ہوگا۔ اس لئے کہ یہی کھیتی کرنے والے ہیں۔ ہم تو کھیتی نہیں کرتے۔ آپﷺ یہ سن کر مسکرا دیئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاجرینؓ و انصار کھیتی باڑی کے کام میں کس قدر معروف ہو گئے تھے۔ انصار تو پہلے ہی زراعت پیشہ تھے۔ ان کو آپﷺ نے مزید تیز کیا اور مہاجرینؓ کو خود ترغیب و تلقین اور اپنی مثال سے اس راہ پر ڈالا تھا۔''(299)

زراعت کی فضیلت میں ایک اور حدیث ہے۔

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ وَمَا اَكَلَتْ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَة))

ترجمہ: ''حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کو جو کوئی مسلمان درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے اس میں سے جو کچھ کھایا جائے وہ صدقہ ہے۔ جو کچھ

چرایا جائے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ جو کچھ جانور کھائیں وہ بھی مالک کے حق میں صدقہ ہے۔ جو پرندے کھائیں وہ بھی صدقہ ہے۔ نیز جو کچھ بھی کوئی شخص اس میں سے لے لیتا ہے وہ مالک کے حق میں صدقہ ہوتا ہے۔'' (300)

اس طرح کی اور بھی احادیث ہونگی جن میں زراعت کو کارثواب قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ، کتا پالنے کو نا پسند فرماتے تھے۔ لیکن جانوروں کی حفاظت، کھیتوں کی رکھوالی کیلئے کتا پالنے کی اجازت دی۔ (301)

اسلام کے زرعی نظام اور جاگیرداری نظام میں فرق وامتیاز:

رسول اللہ ﷺ نے آبادکاری کیلئے لوگوں کو قطعات اراضی ضرور الاٹ فرمائے لیکن زمین کی اس تقسیم کو ایک نظام نہیں بننے دیا۔ بلکہ اسے نظام اسلام کے تابع رکھا۔ چنانچہ زرعی معیشت میں نہ تو طبقات پیدا ہوئے اور نہ ہی اس قباحت نے جنم لیا جسے عرف عام میں جاگیرداری کہتے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ جاگیرداری نظام کی نمایاں خصوصیات بیان کر دی جائیں تا کہ اسلام کے زرعی نظام اور جاگیرداری نظام میں فرق و امتیاز واضح ہو جائے۔

ڈاکٹر راشد البراوی جاگیرداری نظام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جاگیرداری نظام ایک ایسا پیداواری نظام ہے جس کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مستقل طور پر ایک غلام طبقہ کا وجود پایا جاتا ہے۔ اس نظام کے تحت زمیندار یا اس کے کارندے پیداوار کا ایک مقررہ حصہ کسان سے وصول کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں زمیندار کو بعض خصوصی معاشی مراعات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ زمیندار کسان سے جس قسم کی خدمت لینا چاہے اس کا اسے پورا اختیار ہوتا ہے۔ وہ چاہیے تو کسانوں سے نقد یا جنس کی صورت میں خراج بھی لے سکتا ہے۔ (302)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

> جاگیرداری نظام اپنے زیر سایہ افراد معاشرہ کو دو نمایاں طبقات میں تقسیم کر دیتا ہے۔ زمیندار و جاگیردار، کسان و کاشتکار جن کی معاشرتی حیثیت ان کے کام اور فرائض کی نوعیت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ کسان، مزارع اور غلام انہی معاشرتی تبدیلیوں کے مختلف نام ہیں۔

ڈاکٹر موصوف مزید لکھتے ہیں۔

> کسان زمین کو بوتے تھے اور فصل اگاتے تھے۔ اس لئے ان کو زمین کی پیداوار میں سے کچھ حصہ دیدیا جاتا تھا، تا کہ اس سے وہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پال سکیں۔ اسی طرح

کھیتوں میں جھونپڑے بنانے کیلئے بھی زمین دیجاتی تھی۔کسان، زمیندار کے کھیتوں میں اپنے آلات زراعت اور مویشیوں سے ہل چلاتے تھے۔فصل کی کاشت اور کٹائی کے موقع پر وہ زمیندار کے بے دام غلام ہوتے تھے۔ان کیلئے ضروری تھا کہ زمیندار کو تحفے تحائف پیش کریں اور اپنا غلہ زمیندار کی چکیوں پر پسوائیں۔(303)

جاگیرداروں کے انتظامی اور عدالتی اختیارات کو بیان کرتے ہوئے مصنف مذکور نے لکھا ہے۔

جاگیرداری نظام میں زمیندار کو اپنی جاگیر میں رہنے والے کسانوں پر مکمل انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔اس نظام میں کسانوں کو کوئی آزادی حاصل نہ تھی۔جس زمین پر وہ کام کرتے تھے۔اس پر ان کو کوئی مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوتے تھے۔نہ وہ اسے بیچ سکتا تھا۔اور نہ یہ زمین اس کی اولاد میں منتقل ہوسکتی تھی۔نہ وہ یہ کسی کو ہبہ کرسکتا تھا۔اور نہ یہ زمین اس کی اولاد میں منتقل ہوسکتی تھی۔اس کا آقا جب چاہتا اس سے بیگار اور جبری محنت لے سکتا تھا۔اظہار اطاعت و وفاداری کیلئے وہ زمیندار کو بھاری ٹیکس ادا کرنے پر بھی مجبور تھا۔ٹیکس کی مقدار، زمیندار اپنی مرضی سے مقرر کرتا تھا۔زمیندار کی زمین کے ساتھ اس کے مزارعین بھی بک جاتے تھے اور نئے زمیندار کی ملکیت قرار پاتے تھے۔وہ اپنی مرضی سے کسی دوسرے کے پاس کام کرنے کے مجاز بھی نہ تھے۔اور نہ ہی اپنی مرضی سے اپنے مالک کو چھوڑ سکتے تھے۔کسان کو زمین دینا یا نہ دینا، زمیندار کا کام تھا۔کسانوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین زمیندار ہی کرتا تھا۔(304)

ڈاکٹر البراوی کے طویل اقتباسات کی روشنی میں جاگیرداری نظام کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

۱۔ جاگیرداری نظام میں زمیندار و جاگیردار اور کسان و کاشت کار دو مستقل طبقے ہوتے ہیں۔کسان زمیندار کے دائمی غلام ہوتے ہیں۔وہ نسل در نسل غلامی کرتے تھے۔اگر زمیندار زمین بیچ دیتا تھا۔تو یہ مزارع اور کسان بھی ساتھ ہی بک جاتے تھے اور نئے زمیندار کی ملکیت قرار پاتے تھے۔

۲۔ زمیندار اور کسان میں بٹائی کا معاملہ نہ ہوتا تھا بلکہ زمیندار ایک مقررہ حصہ جس سے کسان اور اس کے اہل و عیال اپنا پیٹ پال سکیں دیتا تھا اور اپنا مقررہ حصہ اپنے کارندوں کے ذریعہ وصول کرتا تھا۔اگر کسی وجہ سے فصل خراب ہو جاتی یا کم پیداوار ہوتی تب بھی کسان کیلئے ضروری تھا کہ وہ مقررہ مقدار زمیندار کو ادا کرے۔اس کیلئے ہر قسم کے مظالم روا رکھے جاتے تھے۔

۳۔ کسانوں سے بیگار اور جبری محنت لینا، زمیندار کا حق سمجھا جاتا تھا۔

۴۔ کسانوں کو زمیندار کی زمین میں جھونپڑے بنانے کیلئے جگہ دی جاتی تھی لیکن یہ ان کی ملکیت نہ ہوتے تھے۔کسان زمین کو بونے اور فصل اگانے کیلئے اپنے آلات زراعت اور مویشی کام میں لاتے تھے۔

۵۔ فصل کی کٹائی اور کاشت کے موقع پر کسانوں کیلئے ضروری تھا کہ وہ زمیندار کو تحفے تحائف پیش کریں اور اپنا غلہ زمیندار کی چکیوں پر پسوائیں۔اس طرح کسانوں کے وجود سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا جاتا تھا۔

۶۔ زمینداروں کو اپنی جاگیر میں رہنے والے کسانوں پر مکمل انتظامی وعدالتی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔وہ کسانوں سے جس قدر چاہتا خراج وصول کر سکتا تھا اور جتنا چاہتا ٹیکس عائد کر سکتا تھا۔اس پر کوئی پابندی نہ تھی۔

۷۔ کسانوں کو کسی قسم کی کوئی آزادی حاصل نہ تھی۔وہ نہ زمین کا انتخاب کر سکتے تھے۔اور نہ اپنی مرضی سے اپنے مالک کو چھوڑ سکتے۔نیز ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین زمیندار کرتا تھا۔

۸۔ کسانوں سے خراج وصول کرنے،ان سے ٹیکس اور تحفے تحائف کے نام پر رقم بٹورنے،ان سے جبری بیگار لینے اور ان کی غلامی کو دائمی بنانے کیلئے زمیندار ان پر شدید ظلم کرتے تھے اور ان کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے تھے۔چونکہ یہ تمام کام کسان خوشی سے نہ کرتے تھے اس کیلئے ظلم،زیادتی اور سزا وتھدیب کو روا رکھا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے بے شک لوگوں کو قطعات زمین عطا فرمائے لیکن ان کو استحصال اور ظلم کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔مالک زمین کیلئے تصرف اور انتفاع کا حق تو ثابت ہے لیکن اسے کسی قسم کی خصوصی مراعات واختیارات حاصل نہ تھے۔زمیندار کیلئے ضروری تھا کہ وہ زمین میں آبادکاری کروائے۔زمین کو بہتر بنائے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرے تاکہ اسلامی معاشرہ مین خوشحالی کا دوردورہ ہو۔اس سلسلہ میں وہ غلاموں سے بھی کاشت کروا سکتا تھا اور کرواتا تھا زمین کو بٹائی پر بھی دے سکتا تھا۔مزدوروں سے اجرت پر بھی کام کروا سکتا تھا۔لیکن اس تمام عمل میں وہ اسلام کے ضابطہ اخلاق وقانون کا پابند تھا۔

یہاں پر اسلام کی اصلاحات کو شق وار بیان کیا جاتا ہے جن سے ظلم اور استحصال کا خاتمہ کیا گیا تھا۔

۱۔ اسلام میں زمیندار اور کاشت کار دو مستقل طبقے نہیں بلکہ دو شریک کار کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی معاشرتی حیثیت برابر اور مساوی ہوتی ہے۔اپنے تمام معاملات کے بارے میں دونوں اسلام کے ضابطہ اخلاق و قانون کے پابند ہیں۔

۲۔ اسلام میں دائمی زرعی غلامی کا کوئی تصور نہیں ہے کسان کو انتخاب زمین کا حق حاصل تھا۔وہ زمین کا جو ٹکڑا چاہے لے سکتا تھا اور جب چاہے چھوڑ سکتا تھا۔جس زمیندار کی مزارعت اختیار کرنا چاہے کر سکتا تھا اور جب چاہے اسے چھوڑ سکتا تھا۔

۳۔ اسلام میں زمیندار اور کسان کے درمیان جائز قانونی تعلق کی صرف دو صورتیں پائی جاتی ہیں۔معاہدہ باہمی اور مزارعت۔

۴۔ معاہدہ باہمی کی صورت میں کسان زمیندار کو کرایہ زمین ادا کر کے ایک مخصوص مدت تک زمین کی پیداوار کا حق دار بن جاتا ہے اور مزارعت میں زمین، زمیندار کی اور محنت کسان کی ہوتی ہے اور پیداوار کو نصف تقسیم کر لیا جاتا ہے۔زمین کی کاشت پر اٹھنے والے تمام اخراجات زمیندار ادا کرتا ہے اور کاشتکار صرف جسمانی محنت زمین پر لگاتا ہے۔

۵۔ اسلام میں بیگار یا جبری محنت کا کوئی تصور نہیں ہے۔علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ کاشتکار سے مزارعت میں زمین کی کاشت سے متعلق کاموں کے علاوہ کوئی خدمت لینا حرام ہے۔مثلاً مکان بنوانا، باغ کی دیوار بنانا یا اسی قسم کے اور کام کروانا(305)اس کے بعد علامہ کے الفاظ یہ ہیں۔

لأن السنة انما وردت بالشرط عليهم ان يعتملوها با موالهم و أنفسهم فقط

ترجمہ: ''اس لئے سنت نبوی سے صرف یہ نکلتا ہے کہ کاشتکار کے ذمہ صرف ایک ہی شرط ہے کہ وہ اجارہ پر لی ہوئی زمین کو اپنے مال اور محنت سے بوئے اور جوتے۔''(306)

بیگار کو اسلام میں بدترین ظلم قرار دیا گیا ہے۔بغیر اجرت کسی سے کام لینا آزاد شخص کو غلام بنانے کے مترادف ہے۔آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے۔ ((اعطوا الاجير أجره قبل ان يجف عرقه))(307)مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

۶۔ اسلام میں زمیندار کو کسی قسم کے انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔نہ زمیندار ٹیکس عائد کر سکتا ہے اور نہ اس کو گھٹا بڑھا سکتا ہے۔تمام انتظامی و عدالتی اختیارات اسلامی حکومت کو حاصل ہوتے ہیں اور اسلامی حکومت کی نگاہ میں زمیندار اور کاشتکار برابر ہوتے ہیں۔زمیندار اور کاشتکار اپنی اپنی پیداوار میں سے عشر ادا کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ذمہ داریوں اور فرائض کا تعین کتاب و سنت میں کر دیا گیا ہے اسلامی حکومت اسے پوری قوت سے نافذ کرتی تھی۔حضرت عمرؓ کا دور اس کی درخشاں مثال ہے۔

۷۔ زمیندار، کسان سے پیداوار کا نصف یا مقررہ حصہ وصول کرنے کے بعد کسی قسم کا اضافی مطالبہ کرنے کا حقدار نہ تھا۔ نہ تحفے تحائف کا مطالبہ کرسکتا ہے اور نہ کسی قسم کی بھینٹ لے سکتا ہے۔ نہ رواج و رسوم کے نام پر اضافی رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس قسم کی بھینٹ اور رشوت کو حرام قرار دیا ہے۔(308)

۸۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے جاگیردار میں ایک مخصوص رویہ پیدا کیا۔ اس کی ذات اور جاگیر اسلام اور مسلمانوں کی فلاح کیلئے مخصوص تھی اور وہ جہاد بالمال کے تقاضے اپنی استطاعت سے بڑھ کر پورے کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال جو چار ہزار درہم تھا پیش کر دیا۔(309) حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال سوا اوقیہ چاندی دی (310) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آٹھ ہزار درہم پیش کئے۔(311) حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹ بمعہ کمبلوں اور کجاووں کے اور ایک ہزار درہم دیئے۔(312) حضرت عباسؓ اور حضرت طلحہؓ نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جہاد فنڈ میں عطیات دیئے۔(313) غرض یہ کہ عہد رسول ﷺ کے زمیندار کا طرز عمل اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کے غریب اور محروم افراد کیلئے فلاحی اور تعمیری تھا۔

۹۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی ریاست کا جو معاشی ڈھانچہ تعمیر کیا تھا اس کی بنیادیں آزادی عمل تعاون واشتراک، خدمت خلق، انفاق فی سبیل اللہ پر رکھی گئی تھیں۔ اسلامی معاشرہ اپنے دائرہ میں تمام محروم اور معذور افراد کے حقوق و مفادات کا محافظ و نگران تھا۔ حکومت زیر دستوں کی محافظ و پاسبان تھی۔ اس لئے اس معاشرہ میں زمیندار و کسان کی تفریق نہ تھی۔ اسلامی معاشرے کے باعزت شہری ہونے کے ناطے دونوں کے حقوق محفوظ تھے۔ اس لئے اسلام میں قطعات زمین دینے کے باوجود ایسا نظام پیدا نہیں ہوا جسے جاگیرداری نظام کہا جا سکے۔ بلکہ اسلام، جاگیرداری نظام کی ضد واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ جناب محمد قطب لکھتے ہیں۔

> اپنی روح اور معاشی نظام دونوں کے اعتبار سے اسلام، جاگیرداری نظام کی ضد واقع ہوا ہے۔ اس نے ایک ایسے وقت میں آکر انسانیت کو جاگیرداری نظام کی لوٹ گھسوٹ سے نجات دلائی تھی جبکہ وہ زرعی غلامی کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی۔(314)

۱۰۔ جاگیرداری نظام کے قیام و فروغ میں تنہا قطعہ زمین یا ذاتی ملکیت ہی موثر عامل نہیں ہے۔ بلکہ جاگیرداری نظام ذاتی ملکیت کے غلط استعمال اور زمینداروں و کسانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت سے جنم لیتا ہے۔ زمیندار کا رویہ، حکومت کی طرف سے اس کو ملنے والے لامحدود اختیارات اور مخصوص جاگیردارانہ نفسیات،

یہ سب عوامل مل کر جاگیرداری نظام تخلیق کرتے ہیں۔لیکن عہد رسول ﷺ اور عہد خلفائے راشدینؓ میں ذاتی ملکیت کی اجازت اور قطعات اراضی کی الاٹمنٹ کے باوجود جاگیرداری نظام پیدا نہیں ہوا بلکہ بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں بھی بڑی بڑی زمینداریوں نے وہ صورت اختیار نہیں کی جسے یورپ میں جاگیرداری نظام کہا جاتا ہے۔ظلم اور استحصال کی یہ بھیانک صورت قبل از اسلام روم وایران کی سلطنتوں میں پائی جاتی تھی اور بعد از اسلام یورپ میں اس کا وجود ملتا ہے۔اسلام نے ان تمام عوامل کا سدباب کردیا تھا جو ذاتی ملکیت زمین کو جاگیرداری نظام میں تبدیل کرتے ہیں۔اسلام میں عقیدے اور ریاست کی گرفت ذاتی ملکیت کو استحصال کا ذریعہ نہیں بننے دیتی۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں متاع دنیا کے بارے میں یہ رویہ پیدا کیا کہ یہ مقصد حیات نہیں ہیں بلکہ ذریعہ حیات ہیں۔چنانچہ اسلامی معاشرہ جاگیردارانہ فکرو معاشرت سے محفوظ رہا اور آپ ﷺ نے اسلام کے زرعی نظام کو ایسی بنیادوں پر استوار کردیا کہ آپ ﷺ کے بعد صدیوں تک مسلمان معاشروں میں جاگیرداری نظام کبھی قائم نہ ہوسکا۔عالم اسلام اور پاکستان میں موجودہ صورت حال اسلام کی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کی پیدا کردہ ہے۔

حواشی وحوالہ جات

باب دوم

1. الفیروزآبادی، القاموس، ج ۳ ص ۳۲۰، المطبعۃ الخیریۃ، مصر
2. محمد مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، ج ۷، ص ۱۸۰، المطبعۃ الخیریہ، مصر
3. S.W. FALLON, Urdu English Law Commercial Dictionary
4. محمد بن محمد ابو حامد الغزالی، الوسیط، ج ۸، ص ۴۹۳،
5. وھبۃ الزحیلی، الدکتور، الفقۃ الاسلامی وادلتہ، ج ۴، ص ۵۷، دارالقلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق، شام
6. یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، ج ا، ص ۷۸، مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا ۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء
7. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا، ص ۱۳۱، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان ۱۳۸۸ھ
8. ایضاً، ج ا، ص ۸۷۔ حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کا نظامِ حکمرانی، ج ا، ص ۵۷،
9. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ا، ص ۱۲۲، مرکز احیاء التراث المغربی، رباط
10. ایضاً
11. محمد بن جریر طبری، تفسیر طبری، ج ۴ "تفسیر آیتِ میراث"، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
12. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ا، ص ۱۲۶
13. مودودی، ابوالاعلیٰ سید، مسئلہ ملکیت زمین، ص ۳۹، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۷۸ء
14. سورۃ الانعام، آیت ۱۴۱
15. سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۷
16. محمد بن جریر طبری، تفسیر طبری، ج ۱۲، ص ۱۵۸
17. سورۃ التوبہ آیت ۶۰
18. سورۃ الکہف آیت ۳۲
19. سورۃ الاحزاب آیت ۲۷
20. سورۃ القلم آیت ۲۲
21. سورۃ المائدہ آیت ۳۸
22. ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا، ص ۳۱۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء
23. ایضاً، ج ا، ص ۳۳۷

24. ایضاً، ج ۱ص ۳۳۶
25. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب تحریم الظلم وغصب الارض، وفاقی وزارتِ تعلیم، اسلام آباد، پاکستان ۱۹۸۵ء
26. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱ص ۳۳۲
27. سورۃ البقرہ آیت ۲۲
28. سورۃ البقرہ آیت ۲۹
29. سورۃ الحشر آیت ۷
30. سورۃ الھود آیت ۶۱
31. الجصاص، ابو بکر احمد بن علی، احکام القرآن، ج ۲، ص ۱۶۵، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان ۱۳۴۷ھ
32. راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص ۴۶۱، نور محمد اصح المطابع، کراچی، پاکستان
33. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱ص ۵۰۱
34. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱ص ۳۲۱ ۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الاستقراض، ج ۷، ص ۷۵-۷۶
35. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الجہاد
36. امام احمد بن حنبل الشیبانی، مسند احمد، ج ۳، ص ۴۶۰، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان
37. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق
38. ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۴۰، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، قاہرہ، مصر ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
39. ابنِ قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۱ص ۵۶، موسسہ الرسالۃ، بیروت، لبنان ۱۳۹۹ھ
40 ابنِ ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۵۰-۱۵۴
41. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۶، مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ، مصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
42. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱ص ۲۶۷
43. ایضاً، ج ۱ص ۲۶۸
44. ایضاً
45. عدل اجتماعی، قطب، العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، (اردو ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) ص ۲۲۷، اسلامک پبلیکشنز، لاہور، پاکستان

46. ابوعبید،القاسم بن سلام، کتاب الاموال،ص ۲۶۸

47. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الوقف، ج ا ص ۳۸۹

48. ابنِ عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسین، التاریخ الکبیر، ج ا ص ۱۰۶ -۱۱۱، مطبع روضۃ الشام، شام، ۱۳۲۹ھ

49. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۲ ص ۱۳۶، ابنِ ماجہ ص ۱۸۰، مکتبۃ العلم، لاہور، پاکستان

50. یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۱۱۰، دارالتراث، قاہرہ، مصر

51. ابوعبید،القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ا ص ۲۷۶ ۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۴۳

52. محمد بن جریر طبری، تفسیر طبری، ج ۴

53. سورۃ النساء آیات ۱۱،۱۲

54. ایضاً، آیت ۱۷۶

55. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الوصایا، ج ا ص ۳۸۳

56. شاہ ولی اللہ دہلوی، احمد، حجۃ اللہ البالغہ، ج ا ص ۱۵۳، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، پاکستان

57. سورۃ نساء آیت ۱۲۶

58. سورۃ الانعام آیت ۱۲

59. سورۃ الانعام آیت ۱۰۲

60. سورۃ البقرہ آیت ۳۰

61. سورۃ الجاثیہ آیت ۱۳

62. سورۃ الحدید آیت ۷

63. رفیق یونس مصری، اصول الاقتصاد الاسلامی ص-۴۱، دارالقلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق، شام

64. سورۃ التغابن آیت ۱۵

65. سورۃ الزاریات آیت ۱۹

66. سورۃ المزمل آیت ۲۰

67. سورۃ النساء آیت ۳۲

68. امام مالک بن انس، الموطا، ج ۲، کتاب الاقضیۃ، ص ۷۴۴، رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والفتاء والدعوۃ والارشاد، سعودی عرب، ۱۹۸۲ء

69. ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۔ ۵۹۶، بولاق، ۱۳۰۲ء

70. سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵

71. امام مالک بن انس، الموطا، ج ۲، کتاب حسن خلق میں۔ ۹۰۸

72. سورۃ التوبہ آیت ۶۰

73. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۴، ص ۴۹۶، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان ۱۹۹۰ء

74. مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن ص۔ ۱۷۷، تاج کمپنی، لاہور پاکستان۔

75. سورۃ النساء آیت ۷

76. احمد ابراہیم بک، کتاب المعاملات الشرعیۃ المالیۃ ص۔ ۴۷، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، پاکستان

77. سلیم رستم بن باز اللبنانی، شرح المجلۃ الاحکام العدلیۃ ص ۶۷۹، المطبعۃ الادبیۃ، بیروت، لبنان ۱۹۲۳ء

78. رفیق یونس المصری، اصول الاقتصاد الاسلامی ص ۴۶

79. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۷۳۔ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، کتاب المبسوط، ج ۳۲، ص ۱۶۴، دارالمعرفۃ قاہرہ، مصر، ۱۳۶۴ھ

80. امام مالک بن انس، المؤطا، کتاب القضیۃ ص۔ ۷۴۵

81. رفیق یونس المصری، اصول الاقتصاد الاسلامی ص۔ ۴۶

82. سورۃ الانبیاء آیت ۳۰

83. Territorial Waters and Maritime Zones Act 1976 P/1

84. رفیق یونس مصری، اصول الاقتصاد الاسلامی ص۔ ۴۸

85. ایضاً ص۔ ۱۶۸-۱۶۹

86. سورۃ المائدہ، آیت ۳

87. سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۵

88. سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۸-۲۷۹

89. سورۃ المائدہ، آیت ۹۰

90. سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۸

91. سورۃ النساء، آیت ۵۸

92. سورۃ المائدہ، آیت ۳۸

93. احمد رضا خان بریلوی، احکامِ شریعت حصہ اول ص۔ ۷۵، نذیر پبلیکیشنز اینڈ سنز، لاہور پاکستان

94. سورۃ التوبہ ۳۴

95. اسماعیل البدوی، دعائم الحکم فی الشریعۃ الاسلامیۃ والنظم الدستوریۃ المعاصرۃ ص۔ ۳۲۲-۳۲۳، دارالفکر العربی،

بیروت، لبنان ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰

96. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص۔ ۳۶۸

97. سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۹

98. سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۶-۲۷

99. امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۵۱

100. سورۃ البقرہ آیات ۴۳، ۸۳، ۱۱۰

101. سورۃ الذاریات آیت ۱۹

102. اسماعیل البدوی، دعائم الحکم فی الشریعۃ الاسلامیۃ والنظم الدستوریۃ المعاصرہ ص ۳۲۶

103. احمد ابراہیم بک، کتاب المعاملات الشرعیہ ص ۳۶۶

104. اسماعیل البدوی، دعائم الحکم فی الشریعۃ الاسلامیۃ والنظم الدستوریۃ المعاصرہ ص ۳۲۶

105. سورۃ النساء، آیت ۲۹

106. ایضاً، آیت ۷

107. مولانا حفظ الرحمن سیوھاروی، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۲۴، ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان

108. سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۰

109. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الوصیہ

110. مولانا حفظ الرحمن سیوھاروی، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۶۵

111. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۷۳-۷۴

112. ایضاً ص ۷۶-۷۷

113. برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ، ج ۲ ص ۴۷۶، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان، پاکستان

114. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، ج ۲ ص ۸۲۳

115. ایضاً، ج ۲، ص ۸۲۳

116. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۷۷

117. برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ، ج ۲ ص ۴۷۷

118. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۲۱

119. سورۃ الانفال آیت ۴۱

120. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب فتح مکہ

121. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۳۲-۳۳

122. ایضاً ص ۳۳-۳۴

123. ایضاً

124. الفیروزآبادی القاموس، ۱۳،۷

125. محمود المظفر، احیاء الارض الموات، ۲۶۰ بحوالہ شرح الغرشی، مطبعۃ العالمیۃ، قاہرہ، مصر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء

126. الخوارزمی، مفتاح العلوم، ۴۰

127. محمود المظفر، احیاء الارض الموات، ۲۶۰ بحوالہ راجع الکحلانی فی سبل السلام ۸۶۳

128. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۴ ص ۴۴۱

129. ایضاً ص ۴۴۳

130. ایضاً ص ۴۵۳

131. ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۲۷۸

132. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۷۳

133. ایضاً ص ۷۳

134. محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی ص ۲۰، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان ۱۹۷۹ء

135. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۷۳

136. محمد شفیع اسلام کا نظام اراضی، ص ۲۱

137. ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۲۷۵

138. محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۲۳

139. ایضاً ص ۲۴-۲۵

140. ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۷۳

141. ایضاً ص ۲۸۳

142. سورۃ ہود آیت ۶۱

143. الجصاص، ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن ۱۶۵۲

144. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۳۲

145. ایضاً ص ۳۳

146. یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۱۱۰

147. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۳۳
148. ایضاً ص ۳۳
149. ایضاً ص ۷۲
150. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۲۷۳
151. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۲۴۵
152. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۲۸۰-۲۸۱
153. ایضاً ص ۲۸۰-۲۸۱
154. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۶۱
155. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۲۷۵
156. ایضاً ص ۲۷۵
157. ایضاً ص ۲۷۷
158. محمود المظفر، احیاء الارض الموات ص ۲۸۸-۲۸۹
159. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ۷۶
160. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۲۷۶
161. ایضاً ص ۲۷۶
162. ایضاً ص ۲۹۰
163. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۶۹
164. ایضاً ص ۶۹
165. ایضاً ص ۷۱
166. ایضاً ص ۷۳
167. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۳ ص ۳۷۸
168. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ۲ ص ۲۷۸
169. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۷۶
170. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، باب ۱۶، ولایات الدینیۃ مصر، ۱۲۹۸ھ/۱۹۸۳ء
171. مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۶
172. ظفر احمد عثمانی التھانوی، "اعلاء السنن" ج ۱۴، ص ۱۶۵، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، پاکستان

173. مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۲۷

174. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۶۵

175. ایضاً ص ۶۵

176. الکاسانی، علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی، بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۱۹۵، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان ۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء

177. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۶۱، یحییٰ بن آدم ۱۰۲

178. ایضاً ص ۷۶

179. ایضاً ص ۷۷

180. ایضاً ص ۷۷

181. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۸

182. محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۲۶،

183. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۸

184. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۴۷

185. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، کتاب الخراج، ص ۴۳

186. ایضاً

187. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۳۶

188. ایضاً، ج ۳، ص ۱۳۶

189. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، کتاب البیوع

190. ایضاً، کتاب المناقب، الطبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۴۷

191. یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۱۱۰، کتاب الخراج، ص ۶۶،

192. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۴۷

193. ایضاً ص ۶۱

184. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان ص ۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ

195. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابن ماجہ، ص ۱۸۰ باب المزارعۃ

196. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الاحکام السلطانیۃ، باب ۱۶

197. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۱۲۴

198. ایضاً،ص ۱۲۴

199. السمہو دی،نورالدین علی بن احمد،وفاءالوفاباخبار دارالمصطفیٰ،ج ۳،ص ۱۰۸۳،مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۷۴ھ

200. الماوردی،ابوالحسن علی بن محمد البغدادی،الأحکام السلطانیۃ ،باب ۱۶،سنن ابوداؤد،ج ۲،ص ۸۳

201. ایضاً،باب ۱۶،سنن ابوداؤد،ج ۲،ص ۸۳

202. ابو یوسف،یعقوب بن ابراہیم،کتاب الخراج،ص ۱۲۵

203. ایضاً،ص ۱۲۵

204. ایضاً،ص ۴۷

205. ایضاً،ص ۴۷

206. سورہ الانفال،آیت ۴۱

207. مفتی محمد شفیع،اسلام کانظام اراضی،ص ۱۹

208. ایضاً،ص ۱۹

209. سورۃ الانفال،آیت ۴۱، الحشر،آیات ۷-۱۰

210. محمود احمد رضوی،مکتوبات نبوی،۱۰۰،لاہور پاکستان،۱۹۷۸ء

211. ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،ج ۱،ص ۲۶۷

212. ایضاً،ج ۱،ص ۲۸۷

213. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح بخاری،کتاب المساقاۃ،ج ۱

214. ایضاً،ج ۱،ص ۳۱۹

215. ایضاً،ج ۱،ص ۳۱۹

216. ایضاً،ج ۱،ص ۳۱۷

217. ایضاً،ج ۱،ص ۳۱۸ کتاب المساقاۃ

218. ابو یوسف،یعقوب بن ابراہیم،کتاب الخراج،ص ۱۱۶

219. ایضاً،ص ۱۱۵

220. ایضاً،ص ۱۱۴

221. ایضاً،ص ۱۱۶

222. ایضاً،ص ۱۱۷

223. ایضاً،ص ۱۱۹

224. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ،۲،ص ۲۷۱
225. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ا،ص ۲۷۶
226. مسلم بن حجاج القشیر ی، صحیح مسلم، ج ۲، کتاب المسا قاۃ والمز ارعۃ
227. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۴ ''سلمان فارسی''ص ۷۹
228. ابنِ ہشام، ابومحمد عبدالملک ، السیر ۃ النبویۃ ، ج ا ص ۲۸
229. ابو یوسف، یعقو ب بن ابرا ہیم، کتاب الخراج ص ۱۲۴
230. ایضاً، ص ۱۲۴-۱۲۵
231. ابوعبداللہ محمد بن اسا عیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۲ کتاب المز ارعۃ
232. البلا ذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ص ۴
233. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۸۱
234. ابوعبداللہ محمد بن اسا عیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۰۱ کتاب الجارہ
235. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا ص ۱۲۵-۱۲۶
236. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملو ک، ج ۲، ص ۴۲۳
237. ایضاً، ج ۲، ص ۴۲۱-۴۲۲
238. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۷۵
239. محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملو ک، ج ۲، ص ۴۲۳
240. ایضاً
241. ایضاً
242. ایضاً
243. مسلم بن حجاج القشیر ی، صحیح مسلم، ج ۲، کتاب المسا قاۃ والمز ارعۃ
244. سورۃ المائدہ آیت ۳۸
245. مسلم بن حجاج القشیر ی، صحیح مسلم، ج ۲، کتاب المسا قاۃ والمز ارعۃ، ج ۲ ص ۱۳
246. ابوعبداللہ محمد بن اسا عیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۵
247. بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، ج ۶ ص ۱۲۷، دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد
248. سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۵
249. ایضاً، آیت ۲۷۹

250. ایضاً، آیت ۲۷۶
251. ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، سنن دارمی، ۲۴، اسباب النزول، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی، پاکستان ۱۳۳۷ھ
252. محمود احمد رضوی، مکتوباتِ نبوی، ص ۲۳۶
253. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا، کتاب البیوع
254. ایضاً
255. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۵۰
256. ایضاً، صفحات ۱۸۶ اور ۳۷ پر متعدد مثالیں دی گئی ہیں۔
257. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۳۱۵ نیز ابنِ ماجہ، سنن ابنِ ماجہ ص ۱۸۰
258. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۶۹، نیز ابوالحسن احمد بن محمد، قدوری، ص ۱۷۳
259. یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۲۲
260. مختصر الطحاوی، ص ۳۴، نیز فتاویٰ عالمگیری، ج ۴، ص ۱۶۷، مطبع دار الکتب العربی، قاہرہ، مصر ۱۳۷۰ھ
261. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۶۴
262. علامہ الزیلعی، نصب الرایہ، ج ۴، ص ۲۹۰
263. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۷۱
264. مختصر الطحاوی، ص ۳۱۴
265. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۷۰۔ نیز ابو داؤد ج ۲، ص ۸۲
266. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۸۱، مکمل باب "احیاء الموات" صحیح بخاری، ج ا، ص ۳۱۴، "باب من احیی ارضاً مواتاً"
267. ایضاً
268. امام مالک بن انس، المؤطا، ص ۱۲۰، ترمذی، کتاب الاحکام، باب "ماذکر فی احیاء ارض الموات"
269. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۷۱
270. سورۃ واقعہ، آیت نمبر ۶۳ تا ۶۷
271. جامع ترمذی، "باب الزکوٰۃ"، ج ا، ص ۸۱۔ صحیح بخاری، ج ا، ص ۳۱۵
272. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا، ص ۳۱۶
273. ایضاً

284. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۲۰۔ نیز صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۵

275. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۳

276. ایضاً

277. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۹۶

278. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۸۰

279. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۳۵

280. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۵۵

281. ابن قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۲، ص ۹۶

282. ابن کثیر، ابوالفدا ءعماد الدین تفسیر القرآن، ج ۸، ص ۷۵، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان

283. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۳۵

284. ایضاً ص ۸۷

285. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ۱، ص ۱۹۴

286. ایضاً، ج ۲، ص ۵۱۳

287. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۳، کتاب المزارعۃ

288. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ص کتاب الجہاد

289. علامہ محمد طاہر، مجمع البحار، ج ۱، ص ۲۸، مجلس دائرہ المعارف، حیدر آباد دکن، انڈیا

290. محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۲۳

291. ایضاً، ج ۲، ص ۱۲۳

292. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصدقات

293. ایضاً

294. یحیٰی بن آدم، کتاب الخراج، ص ۴۱

295. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، کتاب المزارعۃ

296. ایضاً

297. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ۲، ص ۲۳

298. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۱۲، کتاب المزارعۃ

299. ایضاً ص ۳۱۶

300. ایضاً،ص۳۱۳،صحیح مسلم،باب کتاب المساقاۃ والمزارعۃ

301. ایضاً

302. النظام الشترا کی،ص۲۲

303. ایضاً،ص۲۳

304. ایضاً،ص۲۳

305. ابنِ حزم ابومحمد بن احمد،المحلی ۱۳۲۸

306. ایضاً

307. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی،سنن ابنِ ماجہ،باب الاجارہ ۱۷۸،المکتبۃ الفاروقیہ،ملتان،پاکستان،۱۳۱۵ھ

308. ابویوسف،یعقوب بن ابراہیم،کتاب الخراج،ص۸۶

309. احمد بن حنبل الشیبانی،الامام،مسندِ احمد،ج۱،ص۴۳۷

310. ابنِ عساکر،ابوالقاسم علی بن الحسین،تاریخ ابنِ عساکر،ج۱،ص۱۰۶-۱۱۱

311. ایضاً،ج۱،ص۱۰۶-۱۱۱

312. احمد بن حنبل الشیبانی،الامام،مسندِ احمد،ج۴،ص۷۵

313. ابنِ عساکر،ابوالقاسم علی بن الحسین،تاریخ ابنِ عساکر،ج۱،ص۱۰۶-۱۱۱

314. محمد قطب،اسلام اور جدید ذہن کے شبہات،اردو ترجمہ سلیم کیانی الشبہات حول الاسلام،ص۱۱۸،الحراب،لاہور،پاکستان

باب سوم

زرعی نظام میں پانی کی اہمیت اور اسلام میں آبپاشی

فصل اول: پانی کی ذاتی ملکیت کی منصوبہ بندی

پانی کی ذاتی ملکیت کی مشروعیت کے اسباب

ذاتی پانی میں تصرف کا حق اور اس کے اصول

ذاتی ضرورت سے زائد پانی کا حکم

پانی کو ذاتی ملکیت میں بدلنے کے لئے حکومت کا عمل دخل

فصل دوم پانی بحیثیت مال مشترکہ اور اس کے احکام

پانی بحیثیت مال مشترکہ

مشترکہ پانی سے انتفاع کا طریقہ

مشترکہ پانی کی تقسیم

مشترکہ پانی میں حکومت کا عمل دخل

فصل سوم آبپاشی اور اسکے احکام

آبپاشی کی تعریف اور اس کی ضرورت واہمیت

آبپاشی کے ذرائع

آبپاشی کا طریقہ کار

آبپاشی کی منصوبہ بندی اور اقدامات

عام دریاؤں اور نہروں سے حقِ آبپاشی

کنوؤں، تالابوں، چشموں اور برتنوں کے پانی میں حق آبپاشی

حق آبپاشی کی فروخت، اجارۃ، ھبہ، صدقہ، وصیت اور میراث

فصل چہارم: پانی کی تقسیم کے تنازعات اور انکے فیصلوں کے اصول

حق آبپاشی کی تقدیم وتاخیر کا تنازعہ اور اسکا حل

حق مجری اور سیل کا تنازعہ اور اسکا حل

بندسے پانی کی تقسیم کا مسئلہ

فصل اول

پانی کی ذاتی ملکیت کی منصوبہ بندی

پانی کی ذاتی ملکیت کی مشروعیت کے اسباب

ذاتی پانی میں تصرف کا حق اور اس کے اصول

ذاتی ضرورت سے زائد پانی کا حکم

پانی کو ذاتی ملکیت میں بدلنے کے لئے حکومت کا عمل دخل

پانی کی ذاتی ملکیت کی منصوبہ بندی

پانی کی ذاتی ملکیت کی مشروعیت کے اسباب:

اسلامی تعلیمات کے مطابق پانی مشترکہ ملکیت ہے کیونکہ یہ ضرورت عامہ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا گیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کائنات میں زندگی اور پانی کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ہر جاندار چیز کا انحصار پانی پر ہے۔اور وہ پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔پانی ہر شے کی ضرورت ہے۔اس لئے اسے انفرادی ملکیت قرار نہیں دیا جاسکتا۔اللہ تعالیٰ نے پانی کی پیدائش اور تقسیم کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔وہ لوگوں سے پوچھتا ہے۔

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ O ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ O﴾

ترجمہ: ''اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں۔''(1)

یعنی یہ پانی نہ انسان نے نازل کیا ہے اور نہ ہی اس کے مالک انسان ہیں۔بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے جسے پوری انسانیت کے فائدے کے لئے عام قرار دیا ہے۔حضورﷺ نے بھی اس وجہ سے تمام مسلمانوں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ (2)

ایک اور حدیث میں المسلمون کی جگہ الناس فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی ضرورت عامہ کی بنیاد پر تمام انسانوں کے لئے مشترکہ قرار دیا ہے۔اور اس سے کسی نہیں روکا جائے گا۔البتہ بعض صورتوں میں پانی کی ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔(3) فقہاء نے کچھ اسباب بیان کیے ہیں جن کی بنیاد پر پانی کی ملکیت ثابت ہوسکتی ہے۔وہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ محنت اور اخراجات:

مشترکہ پانی کی ذاتی حیثیت بننے میں ایک سبب محنت اور خرچ ہے اگر مشترکہ پانی سے کوئی شخص نہر یا نالہ نکالے تو وہ اس پر صرف کردہ محنت اور خرچ کی بدولت اس کے پانی کا مالک بن جاتا ہے۔کیونکہ اگر کسی بڑے دریا سے نہر مشترکہ طور پر کھودی جائے یا کنواں کھودا جائے تو اس کے پانی میں وہ ان کی محنت اور خرچ کے مطابق حصہ دار ہوتے ہیں۔

ابن قدامہ نے اس حق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

فاذا تقرر هذا فكان النهر لجماعة فهو بينهم على حسب العمل و النفقة لأنه انما ملك بالعمارة و العمارة بالنفقة

ترجمہ: ''جب یہ ثابت ہو جائے اور نہر کسی جماعت کی ہو تو اس پر صرف کردہ محنت اور خرچ کے مطابق حصہ دار ہوگی اور ملکیت اسکی آبادکاری کی وجہ سے ہوگی اور آبادکاری اس پر خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔''(4)

نہر کھودنے میں جسمانی محنت بھی کرنی ہوتی ہے اور اخراجات بھی۔ یا تو بعض نے محنت کی ہوگی رقم خرچ نہیں کی ہوگی دوسرے لوگوں نے صرف رقم خرچ کی ہوگی محنت نہیں کی ہوگی۔ اور بعض نے دونوں کام کیے ہوں گے لہٰذا ان کو ان کی محنت اور اخراجات کے مطابق حصہ ملے گا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مشترکہ اشیاء کی ملکیت میں حقوق ملکیت کا تناسب محنت اخراجات میں حصے کی نسبت سے طے ہوتا ہے۔

۲۔ قبضہ:

محنت اور خرچ کے علاوہ قبضے سے بھی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً کسی پانی کی اصل نامعلوم ہو اور وہ ایک فرد یا جماعت کے قبضے میں ہو تو اس پانی پر مشترکہ پانی کا حکم لاگو نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ اس فرد یا جماعت کی ملکیت ہوگا۔ نھایۃ المحتاج میں یہ اصول ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔(5)

جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اسباب ملکیت میں سے ایک سبب قبضہ بھی ہے اور جس کسی کا قبضہ پہلے سے ثابت ہو جائے وہ اس پانی کا مالک ہوگا اور اسے ہی حقوق ملکیت اصل ہوں گے۔

۳۔ انتقال و حرز:

جس کسی نے مشترکہ پانی میں سے برتن، حوض، تالاب، یا زمین کے ایک گڑھے میں لے لیا، اسے حرز میں رکھا اور اس کی نگرانی کی تو وہ اس کی ملکیت ہے۔(6)

اور اس پانی کی مثال ایسی ہے جیسا کہ غیر مملوکہ علاقے سے لکڑی اور گھاس کاٹ کر گھر لانے یا شکار کھیلنے سے کوئی شخص مالک بن جاتا ہے۔

ذاتی پانی میں تصرف کا حق اور اس کے اصول:

اسلام کی رو سے ذاتی پانی میں تصرف کرتے وقت یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ انسان اس کا مختار کل نہیں ہے کیونکہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾

ترجمہ: ''اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے۔''(7)

اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔

﴿وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾

ترجمہ: ''اور (ایمان لاکر) جس مال میں تم کو اس نے قائم مقام کیا ہے اس میں سے اس (اس کی راہ) میں خرچ کرو۔''(8)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات اللہ کے لئے ہے اور ہر انسان کو اپنا نائب بنا کر محدود تصرف کا اختیار دیا ہے ان حدود و قیود کی تفصیل پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

جہاں تک پانی کی ملکیت میں تصرف کا حق ہے تو اس کے لئے کچھ اصول ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ ضرر (نقصان):

مشترکہ پانی سے ذاتی ملکیت بناتے وقت یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس سے دوسرے عام لوگوں کو نقصان نہ ہو کیونکہ حکم ہے ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) حضور ﷺ نے ایک دوسرے کو نقصان نہ دینے کا حکم فرمایا ہے۔(9) مثلاً اگر کوئی شخص بڑے دریا سے نہر نکال کر اپنی زمین میں لے جانا چاہتا ہے تو اگر اس سے دریا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اسے ایسا نہ کرنے دیا جائے گا اور اسے نہر نکالنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔(10)

۲۔ ضرورت:

کنویں، حوض، تالاب اور نہر میں مندرجہ بالا شرط کے ساتھ ذاتی ملکیت جائز ہے لیکن اس ذاتی پانی سے بھی دوسرے عام آدمیوں کو ضرورت اور اضطرار کے وقت انتفاع کا حق حاصل ہے۔ دوسرے لوگ اپنی پیاس بجھانے اور جانوروں کو ضرورت کے وقت کسی دوسرے کے ذاتی کنویں، حوض، تالاب اور نہر سے پانی پلا سکتے ہیں اور انہیں روکنا ناجائز ہے۔ البتہ نزدیک اگر دوسری جگہ کوئی غیر مملوکہ پانی موجود ہو تو انہیں کہا جائے گا کہ وہاں جا کر پانی لے لیں کیونکہ ان کی ضرورت وہاں سے پوری ہو سکتی ہے، اور تکلیف بھی نہیں پہنچتی۔(11) لیکن اگر دوسری جگہ پانی نہ ہو اور کسی کو اپنی جان چلی جانے کا اندیشہ ہو اور پانی کا مالک اسے روکے تو اس شخص کو پانی کے مالک کے ساتھ اسلحہ سمیت

لڑنے کا حق ہے۔یہاں تک کہ وہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے پانی لے۔(12)حضورﷺ نے پیاسے کو پانی پلانے کی ترغیب دلائی ہے۔اور فرمایا ہے۔

((وَمَنْ سَقٰی مُسْلِمًا شَرْبَۃً مِنْ مَاءٍ حَیْثُ یُوجَدُ الْمَاءُ فَکَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَۃً وَمَنْ سَقٰی مُسْلِمًا شَرْبَۃً مِنْ مَاءٍ حَیْثُ لَا یُوجَدُ الْمَاءُ فَکَاَنَّمَا اَحْیَاہ))

ترجمہ: ''جس نے مسلمان کو پانی ایسی جگہ پلایا جہاں پانی موجود ہوتو گویا کہ اس نے ایک غلام آزاد کیااور جس نے ایسی جگہ کسی مسلمان کو پانی پلایا جہاں پانی موجود نہ ہوتو گویا کہ اس نے اسے زندہ کیا۔''(13)

اگر کسی نے غیر مملوکہ زمین (موات) میں کنواں کھودا ہوتو اس کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ کسی کو پینے سے روکے کیونکہ موات مشترکہ ہوتا ہے۔اوراس کی کھدائی سے مشترکہ ملکیت کا احیاء ہوا جس سے پینے کی حد تک شرکت جاری رہتی ہے اوراگر کسی نے ایسے پیاسے کو منع کیا جس کو جان چلی جانے کا اندیشہ ہو۔تو اسے اسلحے کے ساتھ لڑ کر پانی لینے کا حق ہے(14) کیونکہ اس حق کے روکنے سے پانی کے مالک نے اس کی جان تلف کرنے کا قصد کیا۔ جہاں تک وضو اور کپڑے دھونے کا حق ہے تو اس کے لئے بھی وہ پانی لے سکتے ہیں۔(15)

لیکن برتنوں میں محفوظ پانی سے اگر کوئی روکے تو اس کے ساتھ اسلحہ لے کر لڑنا ناجائز ہے۔

فاما اذا کان الماء محرز ا فی اناء فلیس للذی یخاف الهلاك من العطش ان یقاتل صاحب الماء علی المنع ولکن یاخذ منه فیقاتله علی ذلك بغیر سلاح

ترجمہ: ''جہاں تک برتنوں میں محفوظ پانی ہے تو اس شخص کے لئے جسے پیاس کی وجہ سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو اسلحہ لے کر مالک کے ساتھ لڑنا ناجائز ہے بلکہ پانی لینے کے لئے بغیر اسلحہ لڑ سکتا ہے۔''(16)

ذاتی ضرورت سے زائد پانی کا حکم:

حضورﷺ نے ذاتی ضرورت سے زیادہ پانی پر ذاتی ملکیت کا حق جتلانے سے منع فرمایا۔آپﷺ نے فرمایا ہے

((لَا یَمْنَعُ اَحَدُ کُمْ فَضْلَ مَاءٍ لِیَمْنَعَ بِهِ الْکَلَا))

ترجمہ: ''آپ میں سے کوئی ضرورت سے زائد پانی نہ روکے تا کہ اس کے ذریعے سے

گھاس روکا جائے۔"(17)

اسی طرح آپ ﷺ کا ایک فرمان یہ بھی ہے۔

((لَا يَمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ وَلَا يُمْنَعُ نَقْعُ الْبِئْرِ))

ترجمہ: "ضرورت سے زائد پانی نہیں روکا جائے گا اور نہ کنویں میں جمع ہونے والے پانی کو روکا جائے گا۔"(18)

ان احادیث کی روشنی میں مالک کو اس میں سے صرف اپنی ضرورت بھر مقدار لے لینا ہی زیب دیتا ہے یعنی اپنے پینے کے لیے، اپنے مویشیوں کو پلانے کے لئے اور اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لئے جو مقدار کافی ہو اس کے بعد جو پانی باقی رہتا ہے اس سے دوسروں کو روکنا اس کے لئے جائز نہیں ہے یہ وہ پانی ہے جس کے روکنے سے منع کیا گیا ہے جو سدا نکلتے رہنے والا اور جاری ہو مثلاً ایسے چشموں اور کنوؤں کا پانی جن کے سوتے ہوتے ہیں۔ ابوعبید القاسم نے اپنی کتاب 'کتاب الاموال' میں لکھا ہے۔

هذا الماء الذى جاء فيه النهى فى منع فضله و بيعه انما هو ما كان من المياه الاعداد التى ذكرنا ها مثل ماء العيون والابار التى لها مادة

ترجمہ: "یہ وہ پانی ہے جس کے زائد پانی کو روکنے اور بیچنے سے منع کیا گیا ہے جو 'المیاہ الاعداد' میں سے ہو جس کا ذکر ہم نے کیا۔ مثلاً ان چشموں اور کنوؤں کا پانی جن کا منبع ہو۔"(19)

لیکن جس پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے اور برتنوں یا مشکوں وغیرہ میں ڈال دیا جائے تو اس میں محنت شامل ہو جاتی اور اس کا حکم بدل جاتا ہے۔

فاذا استقى الماء من موضعة حتى يصير فى الآنية والأوعية فحكمه غير هذا

ترجمہ: "پس جب پانی اس کی اپنی جگہ سے لے کر برتنوں میں ڈالا جائے تو اس کا حکم دوسرا ہوتا ہے۔"(20)

لہٰذا ایسا پانی اگر زائد بھی تو اسے روکنا سوائے پینے کے جائز ہے۔

پانی کو ذاتی ملکیت میں بدلنے کے لئے حکومت کا عمل دخل:

پانی میں ذاتی ملکیت، اس میں تصرف کا حق اور حق کی بنیاد بیان کرنے کے بعد یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ کیا عام پانی کو ذاتی ملکیت میں بدلنے میں حکومت عمل دخل کر سکتی ہے۔

بنیادی طور پر پانی ان اشیاء میں سے ہے جن کو اسلام نے اپنے نظام میں ہمیشہ کے لئے عام فائدہ کے لئے مباح قرار دیا ہے اور اس لئے اپنے مقام وقوع میں وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بنتی ہیں بلکہ ہر فرد کو اس سے یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کا حق ہے اور ان میں سے وہ اسی مقدار کا مالک سمجھا جاتا ہے جس قدر اس نے اپنی ضرورت کے لئے حاصل کرلیا ہے اور جس نے بھی پہل کیا وہ زیادہ حق دار ہے۔

مولانا حفظ الرحمن سوہاروی نے زیر زمین کانوں کے متعلق اپنی کتاب 'اسلام کا اقتصادی نظام' میں لکھا ہے

> کہ یہ دراصل مفاد عام کے لئے ہیں اور قدرت نے اپنی عطا و بخشش کو عام انسانوں کی مشترک فلاح کے لئے پیدا کیا ہے۔لہذا اصل کے اعتبار سے ان کو خلافت کی اصطلاحی ملکیت میں ہونا چاہیے۔اور عوام کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے خلیفہ اور اس کی مجلس شوریٰ عوام کی جانب سے مفاد عام کے لئے ان میں تصرف کے مجاز ہیں۔اور اسلام ان کے متعلق کسی فرد یا مخصوص جماعت کی ایسی ملکیت یا اجارہ داری کو پسند نہیں کرتا جس کی بدولت یہ مفاد عام کے خلاف متعلقہ افراد کے مذموم سرمایہ داری کا آلہ کار بن سکیں۔(21)

یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ بھی موات میں کنواں کھودنے کے لئے امام/حکومت کی اجازت شرط قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں۔(22) اور پانی کی حیثیت چونکہ زیر زمین کانوں جیسی ہے تو اگر ایسی صورتحال ہے کہ کوئی شخص وسائل کی بدولت اتنا پانی ذاتی ملکیت میں بدلتا ہے جس سے دوسرے لوگ متاثر ہوتے ہیں یا بیک وقت زیادہ افراد لینا چاہیں اور وہ ممکن نہ ہو یا اس قسم کا کوئی اور جھگڑا ہو تو حکومت کے لئے جائز ہے کہ وہ مداخلت کرکے پانی کو صحیح طریقے سے استفادہ کرنے میں رہنمائی کرے۔اسماعیل البدوی نے اموال میں حکومت کی مداخلت میں لکھا ہے۔

> یجوز للدولة ان تتدخل فی توجیه استثمار الاموال و حسن استعمالها ولها ان تنزعها من ید المهمل و المفسد
>
> ترجمہ: ''حکومت کے لئے جائز ہے کہ وہ اموال کو نفع پر لگانے اور اس کے اچھے استعمال میں مداخلت کرے اور اسے بے کار اور مفسد ہاتھوں سے نکالے۔''(23)

رفیق یونس مصری نے لکھا ہے۔

> عمل الدولة ان تمنع التعدی والضرر و ان تصلح بین المنتفعین عند الخصومة او التشاجر او النزاع و یجوز للدولة ان تتدخل فی تنظیم الانتفاع بالمرافق
>
> ترجمہ: ''اور حکومت کا کام ہے کہ وہ ظلم اور نقصان کو روکے اور جھگڑے اور نزاع کی

صورت میں نفع لینے والوں کے درمیان صلح کرے اور حکومت کے لئے جائز ہے
کہ وہ فراق کی تنظیم میں بھی مداخلت کرے۔"(24)

﴿یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوا اَطِیْعُو اللّٰہ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُولَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو لوگ
اہلِ حکومت ہیں ان کی بھی۔"(25)

فصل دوم

پانی بحیثیت مال مشترکہ اور اس کے احکام

پانی بحیثیت مال مشترکہ
مشترکہ پانی سے انتفاع کا طریقہ
مشترکہ پانی کی تقسیم
مشترکہ پانی میں حکومت کا عمل دخل

پانی بحیثیت مال مشترکہ اور اس کے احکام

پانی بحیثیت مال مشترکہ:

اسلامی تعلیمات کا اصل اصول یہ ہے کہ جو چیز بنیادی ضرورت کا درجہ رکھتی ہے اسے مال مشترکہ قرار دیا گیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ پانی بھی چونکہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے تو کیا یہ بھی مال مشترکہ ہے؟

فقہا کی مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی ملکیت کی دو صورتیں ہیں۔

۱) مشترکہ ملکیت ۲) ذاتی ملکیت

مشترکہ ملکیت وہ ملکیت ہے جو دو یا دو سے زیادہ افراد کیلئے، اسباب ملکیت میں سے ایک سبب کی بنیاد پر مختص ہو۔ مثلاً خرید، ھبہ، وصیت، میراث یا اختلاط مال وغیرہ۔(26)

جہاں تک پانی کی ملکیت کا تعلق ہے تو وہ عام طور پر کسی کی ملکیت نہیں ہے۔(27) اس کے نزول کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی۔ اللہ تعالیٰ یہ واضح فرماتا ہے کہ پانی اللہ کا نازل کردہ ہے لہٰذا یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ حضور ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں پانی کو تمام مسلمانوں بلکہ انسانوں کے لئے مشترکہ قرار دیا ہے۔ (28)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ واضح ہے کہ پانی مشترکہ ملکیت ہے اور اس میں تمام لوگ برابر کے شریک ہیں اور جس کسی نے بھی اس کی طرف پہل کی وہ زیادہ حق دار ہے۔

لہٰذا مشترکہ پانی میں سے جب چاہے اور جتنا چاہے استعمال میں لاسکتا ہے۔ اسے مباح کا نام بھی دیا گیا ہے کیونکہ اسے مشترکہ قرار دے کر حضور ﷺ نے اسے تمام لوگوں کے لئے مباح کیا ہے۔

((فاول ما اباحه رسول الله للناس كافة و جعلهم فيه اسوة وهو الماء والكلا والنار))

ترجمہ: "پس سب سے پہلے جس کو رسول اللہ نے تمام لوگوں کے لئے مباح قرار دیا اور لوگوں کو اس میں برابر مستحق ٹھہرایا وہ پانی، گھاس اور آگ ہے۔"(29)

چونکہ حضور ﷺ نے تین اشیاء (پانی، چارہ، آگ) میں اباحت کے طریقے سے شرکتِ عامۃ قرار دیا ہے۔ لہٰذا کسی کو جائز نہیں کہ دوسرے کو روکے۔ علامہ سرخسیؒ نے اسے ذیل کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

ان صاحب الشرع عليه الصلاة والسلام اثبت بين الناس فى هذه الاشياء الثلاثة شركة عامة بطريق الاباحة فلا ينبغى لأحد أن يمنع احداً مما جعله الشرع حقا له

ترجمہ: ''کہ حضورﷺ نے ان تین اشیاء کولوگوں کے درمیان اباحت کے طریقے سے مشترک ٹھہرایا ہے پس کسی کو یہ جائز نہیں کہ کوئی کسی کوایسی چیز سے روکے جسے اللہ تعالٰی نے اس کا حق ٹھہرایا ہے۔''(30)

مشترکہ پانی وہ ہے جوکسی کی ذاتی ملکیت میں نہ بدلا گیا ہو۔لہٰذا مشترکہ پانی مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔زمین کے نیچے جاری پانی، ۲۔عام کنویں جو عام فائدے کے لئے کھودے گئے ہوں نہ کہ کسی خاص شخص کے ذاتی مقصد کے لئے، ۳۔سمندراور بڑے دریا مثلاً نیل فرات وغیرہ۔ (31)

پانی کومشترکہ ملکیت قرار دینے کے ساتھ ساتھ اسلام نے اس سے انتفاع کا طریقہ بھی بتایا ہے۔لہٰذا اگلی فصل میں اس پر بحث کی جاتی ہے۔

مشترکہ پانی سے انتفاع کا طریقہ اور اسکی تقسیم:

مشترکہ پانی کی حیثیت اوراس کی اقسام بیان کرنے کے بعد اس سے انتفاع کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے فقہا نے ایک بنیادی اور اصولی شرط رکھی ہے کہ مشترکہ پانی کو استعمال کرتے وقت مصلحتِ عامۃ کونقصان نہ پہنچے۔اور اگر نقصان پہنچتا ہے تو اسے یہ حق استعمال نہیں کرنا چاہیے۔شرح المجلۃ میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

یجوز لکل واحد الانتفاع بالمباح لکنه یشترط ان لا یضرا عامة

ترجمہ: ''ہر فرد کے لئے مباح سے فائدہ لینا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ عام لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔''(32)

اگراس انتفاع سے دوسرے لوگوں یا دریا کونقصان ہوتو اسے روکا جائے گا۔

فکان الناس فیها کلهم علی السواء فکان کل واحد بسبیل من الانتفاع لکن بشریطة عدم الضرر بالنهر فلکل واحد من المسلمین منعه لما بینا انه حق لعامة المسلمین و اباحة التصرف فی حقهم مشروطة انتفاء الضرر

ترجمہ: ''پس اس میں تمام لوگ برابر کے شریک ہیں اور ہر ایک کوانتفاع کا حق ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دریا کونقصان نہ ہو۔اور اگرایسا ہوتو ہر شخص اس کواسے روکنے کا حق ہے کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا حق ہے اوراس میں تصرف کی اباحت عدم الضرر سے مشروط ہے۔''(33)

اسلام نے انتفاع کا طریقہ بتانے کے ساتھ پانی کی تقسیم کے اصول بھی دیئے ہیں کیونکہ بعض اوقات دوسرے تمام لوگوں کو یا دریا کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن آپس میں پانی کے استعمال پر جھگڑے اور نزاع کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ ایسے اصول ہیں جن پر حضورﷺ کی بعثت کے وقت لوگ عمل پیرا تھے تو حضورﷺ نے انہیں جاری رہنے دیا اور آج تک اس پر بغیر کسی اختلاف کے عمل جاری ہے۔ (34)

چونکہ مشترکہ پانی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اس لئے اس کے قواعد بھی اس کی مناسبت سے بیان کرنا ضروری ہے۔

اگر دریا چھوٹا ہو اور اس سے زمین کی سیرابی اس وقت تک ممکن نہ ہو جب تک اسے بند کے ذریعے روکا نہ جائے تو اس صورت میں اگر زمین ہموار ہو تو جو کوئی نہر کے شروع (بالائی حصے) میں ہو وہ سیرابی شروع کرے اور پانی کو اس وقت تک روکے رکھے جب تک اس کی زمین میں ٹخنوں تک پانی نہ پہنچ جائے۔ پھر اس کے بعد والے کو باری دے۔ یہاں تک کہ ساری زمینیں سیراب ہو جائیں۔

إن كان نهرا صغيرا لا يمكن سقي الارض منه إلا أن يحبسه، فإن كانت الأرض متساوية بدأ في أول النهر فيحبس الماء حتى يسقي أرضه، الى ان يبلغ الماء إلى الكعب ثم يرسله إلى من يليه و على هذا ان تنتهي الأرض

ترجمہ: ''اگر دریا چھوٹا ہو اور اس سے سیرابی اس وقت تک ممکن نہ ہو جب تک اسے روک نہ لیا جائے تو اگر زمین ہموار ہو تو نہر کے بالائی حصے والا آبپاشی شروع کرے اور پانی اس وقت تک روکے جبکہ اس کی زمین سیراب ہو جائے اور اس میں پانی ٹخنے تک پہنچ جائے پھر دوسرے کے لئے چھوڑے اور اسی طرح سے تمام اراضی سیراب ہو جائیں۔'' (35)

جس کی بنیاد حضورﷺ کی وہ حدیث ہے جو آپﷺ نے ایک فیصلہ کرتے ہوئے حضرت زبیرؓ سے فرمایا۔

((اسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمَاءُ إِلَى الْجَدْرِ))

ترجمہ: ''سیراب کرتی کہ پانی دیوار کی جڑ تک پہنچے اور یہ مقدار ٹخنوں تک تھی۔'' (36)

آپﷺ کا پہلا فرمان امر بالمعروف تھا جب کہ دوسرا حضرت زبیرؓ کا پورا حق تھا۔ (37)

اسی طرح یحییٰؒ، مالکؒ سے جو کہ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا حوالہ دیتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے مہروز اور مذینب کی نہروں کے متعلق فرمایا۔

((يُمْسَكُ حَتّٰى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلُ الْاَعْلٰى عَلَى الْاَسْفَلِ))

ترجمہ: ''اوپر والا ٹخنوں تک پانی روکے پھر اسے نیچے والے کے لئے چھوڑ دے۔''(38)

جمہور فقہاء کے نزدیک یہی حکم ہے جو اوپر بیان کیا گیا جب کہ ماوردی نے کہا ہے کہ یہ ہر زمان و مکان کے لئے عام نہیں بلکہ ضرورت کے اعتبار سے مختلف ہے (39) اور اگر زمین میں اونچ نیچ ہو تو اسے علیحدہ علیحدہ پانی دیا جائے یعنی گہری زمین سیراب کرکے پانی بند کیا جائے پھر اونچی زمین سیراب کی جائے۔

فإن كان في الأرض ارتفاع و انخفاض أفرد كل طرف بسقي

ترجمہ: ''اگر زمین میں اونچ نیچ ہو تو زمین کے ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ سیراب کیا جائے۔''(40)

اگر اوپر والے سے نیچے آنے والے یا بعد میں آنے والوں کے لئے پانی نہ بچے تو باقی کے لئے کچھ نہیں۔ ابن قدامہ نے اسے ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فإن لم يفضل عن الأول شيي أو عن الثاني أو عمن يليهم فلا شيئ للباقين لأ نه ليس لهم الا ما فضل فهم كا لعصبة في الميراث وهذا قول فقهاء المدينة و مالك و شافعي ولا نعلم فيه مخالفا

ترجمہ: ''پس اگر پہلے یا اس کے بعد آنے والوں سے پانی نہ بچے تو آخر میں رہنے والوں کے لئے کچھ نہیں کیونکہ ان کے لئے اوپر والوں سے زائد پانی کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ مدینہ کے فقہاء مالک اور شافعی کا قول ہے اور اس کی مخالفت ہمیں معلوم نہیں ہوئی۔''(41)

اگر دو یا دو سے زیادہ اشخاص کا نہر سے فاصلہ برابر ہو تو اگر ممکن ہو تو آپس میں زمین کی مقدار کے مطابق پانی تقسیم کریں اور اگر تقسیم ممکن نہ ہو تو قرعہ اندازی کریں۔ اگر پانی کم ہو اور صرف ایک کے لئے کافی ہوتا ہے تو پہلے قرعہ جیتنے والا اپنے حق کے مطابق زمین سیراب کرے اور پھر دوسرے کے لئے چھوڑ دے تمام پانی استعمال نہ کرے۔ کیونکہ دوسرا اس پانی میں برابر کا حق دار ہے قرعہ صرف باری لینے کیلئے ہے۔(42)

اگر کسی جماعت کے درمیان کوئی چشمہ یا نہر اس شرط پر مشترک ہو کہ وہ برابر خرچ کریں گے تو وہ پانی میں برابر کے حقدار ہوں گے اور ایک جتنا استفادہ کریں گے اور اگر ایک دوسرے سے زیادہ پیسہ خرچ کریں گے تو وہ اپنے خرچ کردہ رقم کے مطابق استفادہ کریں گے۔(43)

مشترکہ پانی میں حکومت کا عمل دخل:

مشترکہ پانی کی تقسیم کے اصول بیان کرنے کے بعد یہ مسئلہ حل کرنا ضروری ہے کہ اگر لوگ اس کی تقسیم پر خود اتفاق نہیں کر سکتے یا اس پانی کے استعمال سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو حکومت کا کیا عمل دخل ہوگا۔

چونکہ مشترکہ پانی نہ تو کسی فرد کی ملکیت ہوتا ہے اور نہ ہی حکومت کا بلکہ اسے عام ملکیت کہا جاتا ہے اس میں تمام لوگ شریک ہوتے ہیں جس کی نہ تو فروخت جائز ہے اور نہ ھبہ کیونکہ یہ مفاد عامہ کے لئے وقف ہوتا ہے۔**(44)**

لیکن اگر اس پانی سے فائدہ اٹھانے میں کسی کو نقصان ہو تو اس حد تک ذاتی مفاد کا خیال رکھا جائے گا کہ مفاد عامہ کو قربان نہ کرنا پڑے اور اگر شخصی اور اجتماعی مفاد باہم متصادم ہیں تو اس صورت میں اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے گی اور ہر شخص کے ذاتی مفاد کا ایک حد تک خیال رکھا جاتا ہے کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ۔

یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام

ترجمہ: ''عام نقصان سے بچنے کے لئے ذاتی نقصان کو برداشت کیا جاتا ہے۔''(45)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مفادات اور نقصانات کی نگرانی کون کرے گا؟ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عدل وانصاف قائم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔''**(46)**

ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا﴾

ترجمہ: ''جب کسی کے بارے میں بات کرو تو انصاف سے کام لو۔''**(47)**

عدل وانصاف ایک حد تک تو محکوم لوگ قائم کر سکتے ہیں لیکن جب معاملہ ان کی حدود سے نکلے تو حکومت کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔

ابن جماعۃ نے حکومت پر عوام کے حقوق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فیجب علی من حکمه اللّٰہ تعالیٰ فی عبادہ و ملکه شیئا من بلادہ ان یجعل العدل اصل اعتمادہ و قاعدۃ استنادہ، لما فیه من مصالح العباد و عمارۃ البلاد

ترجمہ: ''پس جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں حاکم بنایا اور اپنے ملک میں سے کسی چیز کا مالک بنایا اس پر لازم ہے کہ انصاف قائم کرے جس میں بندوں کی مصلحت ہو اور ملک کی آبادکاری ہو۔''(48)

چونکہ عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ہر چیز کا مناسب و معقول استعمال ہو اس لئے حاکم کو چاہیے کہ وہ اس مشترکہ پانی کے مناسب استعمال کی نگرانی کرے اور خلاف ورزی کرنے والے کو روکے۔

اسی طرح اگر پانی کے استعمال پر کوئی نزاع اور جھگڑا ہے تو حکومت فیصلہ کر کے ظالم کو روکے اور مظلوم کو اس کا حق دے۔امام بدرالدین ابن جماعۃ نے عوام کے حقوق کے بارے میں اپنی کتاب تحریر الاحکام میں لکھا ہے۔

الحق الرابع: فصل القضايا والأحكام بتقليد الولاة و الحكام لقطع المنازعات بين الخصوم، و كف المظالم عن المظلوم

ترجمہ: ''چوتھا حق ولی اور حکام کی تقرری سے جھگڑے ختم کرنے کے لئے فیصلے کرنا اور ظالم کو مظلوم پر ظلم سے روکنا ہے۔''(49)

لہٰذا نتیجہ یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ حالات و مقامات کے لحاظ سے اس بات کو حکومت ہی بہتر سمجھ سکتی ہے کہ کونسی صورت اختیار کرنے میں حقوق کی پامالی نہ ہوگی اور ہر شخص کو بقدر کفایت پانی مل جائے گا۔اس لیے پانی کی تقسیم اور حاجت و مقدار وغیرہ کے تعین کا معاملہ وہی طے کر سکتی ہے۔

فصل سوم

آبپاشی اوراسکے احکام

آبپاشی کی تعریف اوراس کی ضرورت واہمیت

آبپاشی کے ذرائع

آبپاشی کاطریقہ کار

آبپاشی کی منصوبہ بندی اوراقدامات

عام دریاؤں اورنہروں سے حق آبپاشی

کنوؤں،تالابوں،چشموں اوربرتنوں کے پانی میں حقِ آبپاشی

حق آبپاشی کی فروخت،اجارہ،ھبہ،صدقہ،وصیت اورمیراث

آبپاشی اور اسکے احکام

آبپاشی کی تعریف اور اس کی ضرورت و اہمیت:

اس فصل میں پانی کے استعمال یعنی آبپاشی پر بحث ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے آبپاشی کی تعریف بیان کی جائے۔

آبپاشی کی تعریف:

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں آبپاشی کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

Irrigation is the artificial application of water to land.

ترجمہ: ''آبپاشی، زمین کو مصنوعی طریقے سے پانی دینے کو کہتے ہیں۔کرنل ڈبلیو ایم نے اپنی کتاب 'آبپاشی' میں بھی اس قسم کی تعریف کی ہے۔''(50)

زرعی زمین کو مصنوعی طریقے سے سیراب کرنے کا عمل آبپاشی کہلاتا ہے۔(51)

ان تعریفوں کی روشنی میں آبپاشی وہ عمل ہے جس کے ذریعے سے زرعی زمین کو پانی دیا جائے۔لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ محنت کرکے پانی کنوؤں،نہروں،تالابوں اور مشینی کنوؤں سے زمین تک لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔کیا اس کے بغیر چارہ نہیں؟اس سوال کا جواب آئندہ سطور میں آئے گا۔

آبپاشی کی ضرورت و اہمیت:

آبپاشی کے بغیر کوئی پودا اور فصل نہیں اگ سکتی۔ کیونکہ پودے اپنی خوراک ضیائی تالیف Photosynthesis کے عمل سے تیار کرتے ہیں۔جس کے لئے وہ ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ اور زمین سے پانی اور نمکیات لیتے ہیں۔پھر سورج کی روشنی کی موجودگی میں سبز مادے (Chlorophyl) کی مدد سے خوراک تیار کرتے ہیں۔(52)

قرآن مجید میں بھی آبپاشی کو فصل پیدا کرنے کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ﴾

ترجمہ: ''کیاانھوں نےنہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں پھراس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے انکے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور یہ خودبھی کھاتے ہیں''(53)

درج بالا سائنسی اور قرآنی بیانات سے ظاہرہوتا ہے کہ کسی زمین سے فصل نکالنے کے لئے آبپاشی بہت ضروری ہے۔آبپاشی کی تعریف اوراس کی اہمیت بیان کرنے کے بعدآبپاشی کی منصوبہ بندی کی طرف آتے ہیں کہ وہ کیاہوتی ہے؟اوراسلام میں اس کا کیاتصور ہے؟

آبپاشی کےذرائع:

عرب ملک میں پہاڑوں کا جال ہے،جابجابے آب وگیاہ صحراء ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے وادی غیرذی زرع کے نام سے پکاراہے حقیقی دریا کاوجودنہیں ہے۔عموماًپہاڑوں کے چشموں،وادیوں کے نالابوں، وادیوں سے نکلے ہوئے نالوں اورمیدانوں کے کنوؤں پرگزرہے۔**(54)** البتہ فتوحات کے بعدحضرت عمرؓ نے ان مفتوحہ علاقوں میں نہریں جاری کیں اوربندباندھنے،تالاب تیارکرانے،پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبےنکالنےاوراس قسم کے کاموں کاایک بڑامحکمہ قائم کیا۔**(55)**

درج بالاذرائع میں سےبعض کامختصراًذکرکیاجاتا ہے۔

۱۔ وادیاں اوران کے نالے

۲۔ شراج(نالیاں)مسحاۃ(پھاوڑوں)کااستعمال

۳۔ چشمے

۴۔ ڈیم

۵۔ کنویں

آبپاشی کاطریقہ کار:

آبپاشی کی منصوبہ بندی کے بعدوہ طریقہ بیان کرناضروری ہےجس کےتحت آبپاشی کی جاتی ہےیعنی اس کے باری،ایام اوراوقات کس بنیادپرمقررکیےجاتے ہیں۔

باری مقررکرنے کاجواز:

شریعت میں باری مقررکرنے کاجوازاس وقت سےموجودہےجب صالح علیہ السلام کی اونٹنی اورعام لوگوں

کے درمیان عام لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے باری مقرر کر دی تھی ۔اور فرمایا

﴿هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾

ترجمہ: ’’یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری۔‘‘(56)

یہ باری اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور وہاں کے لوگوں کے درمیان مقرر فرمائی تھی یعنی پانی پینے کے لئے ایک باری اس اونٹنی کی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری یعنی تمہارے مویشیوں کی ہے ۔(57)

اس سلسلے میں کوئی ترجیحی سلوک کرنا یا تفریق کرنا جائز نہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ﴾

ترجمہ: ’’اور انکو آ گاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر باری والے کو اپنی باری پر آنا چاہیے۔‘‘(58)

قسمۃ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ایک دن قوم کے لئے ہے اور ایک دن اونٹنی کے لئے ۔ ہر فریق اپنے اپنے نمبر پر پانی پینے آئے گا۔ اونٹنی کی باری ہوگی تو وہ پانی پر آ موجود ہوگی اور قوم والوں کی باری کا دن ہوگا تو وہ آ موجود ہوں گے ۔احتضر اور حضر دونوں ہم معنی ہیں ۔اس کا مطلب مجاہد نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اونٹنی پانی پر سے چلی جائے گی تو وہ لوگ پانی پر آ موجود ہوں گے اور اونٹنی پانی پر آ جائے گی تو وہی لوگ دودھ کے لئے آ موجود ہوں گے ۔(59) الغرض باری مقرر کرنے کا تصور پہلے زمانے سے چلتا آ رہا ہے اور اسلام نے اسے برقرار رکھا ہے۔

باری مقرر کرنے کا طریقہ کار:

باری مقرر کرنے کا جواز بیان کرنے کے بعد اسلام میں باری مقرر کرنے کا طریقہ کار بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اسلامی احکامات یہ ہیں کہ مشترکہ پانی میں سے اپنے حقوق کے مطابق دن اور رات یا اس سے کم یا زیادہ وقت متعلقہ افراد کو دیا جائے جس میں وہ اپنا حق سیرابی استعمال کرے ۔اگر وہ دن کو تقسیم کرنا چاہے تو ایک کے لئے سورج طلوع ہونے سے لے کر زوال تک اور دوسرے کے لئے زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت دیا جائے ۔اگر وہ گھنٹوں کے حساب سے تقسیم کرنا چاہیں تو اس کے مطابق اوقات دیے جائیں جسے علامہ ابن قدامہ نے

ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اور اگر مشترکہ نہر کا پانی باری مقرر کرنے سے تقسیم کرنے پر راضی ہوئے تو وہ جائز ہے۔اور ان میں سے ہر ایک کا حق معلوم ہو مثلاً ہر ایک کے لئے ایک دن رات یا اس سے زیادہ یا کم حصہ مقرر کریں۔اور اگر ان کو تقسیم کیا اور ایک شخص کے لئے طلوع شمس سے زوال تک اور دوسرے کو زوال سے غروب آفتاب تک وقت مقرر کریں تو وہ بھی جائز ہے۔یا گھنٹے تقسیم کرنا چاہیں اور ان کا طریقہ کار طے کرنا ممکن ہو مثلاً پانی میں سوراخ دار برتن رکھا جائے اور اس میں نشانات ہوں کہ اس میں اس علامت تک پانی پہنچ جائے تو ایک گھنٹہ ہو جائے گا اور جب دوسری نشانی تک پہنچ جائے تو دو گھنٹے ہو جائیں۔یا سورج سے گھنٹوں کا تعین کیا جائے یا رات کو چاند کی منزلوں سے اور اسی طرح دوسری چیزوں سے۔(60)

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشترکہ نہر میں سے جاری پانی کو نہر ہی میں تقسیم کیا جائے اور ایک ہی وقت میں مختلف حصہ داروں کو اپنا اپنا حصہ دیا جائے۔

اس کے لیے ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں طریقہ کار یوں بیان کیا ہے۔

نہر کے منہ کو لکڑی کے تختے سے اس طرح بند کیا جائے کہ تختہ نہر کے دونوں کناروں تک پہنچ سکے پھر اس میں ان کے حصوں کے مطابق پانی داخل ہو خواہ وہ پانچواں حصہ ہو یا دسواں اور وہ اپنی زمین تک اپنی باری لے جائیں۔(61)

آبپاشی کی منصوبہ بندی اور اقدامات:

کسی بھی منظم کام کے لئے سوچنا اور اس کے لئے طریقہ کار طے کرنا ہوتا ہے جسے منصوبہ بندی کا نام دیا جاتا ہے۔اسی طرح آبپاشی کے لئے عملی اقدامات کرنے سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ پانی کے ذرائع کیا ہیں اور انہیں کس طرح سے بروئے کار لاکر زرعی زمین کی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے؟ اس عمل کو منصوبہ بندی کہا جاتا ہے۔

منصوبہ بندی کے مختلف علماء نے مندرجہ ذیل طریقوں سے تعریف کی ہے۔

1) Planning is the exercise of intelligence to deal with facts and Situation as they are and find a way to solve problems. (Jawahar Lal Nehru)

ترجمہ: ''منصوبہ بندی حقائق اور حالات کو طے کرنے کے لئے ذہانت کا استعمال ہے جیسے کہ وہ ہیں اور مسائل کے حل کا راستہ تلاش کرنا ہے۔''**(62)**

2) If we could first know where we are, and whither we are tending, we could judge what to do and how to do. (Abraham Lincoln)

ترجمہ: "اگر ہم پہلے جان سکیں کہ ہم کہاں ہیں، کہاں جانے کی طرف مائل ہیں تو ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا کیا جائے اور کیسے کیا جائے؟"(63)

3) To Plan is to act with a purpose or choose and choice is the essence of economic activity. (Prof. Robbins)

ترجمہ: "منصوبہ بندی کسی خاص مقصد کے لئے عمل کا نام ہے۔یا معاشی کارکردگی کا نچوڑ بہتر چناؤ اور انتخاب ہے۔"(64)

ان تعریفات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ منصوبہ بندی سے مراد یہ ہے کہ وسائل، ذرائع اور اپنی ضروریات کا جائزہ لے کر ان مسائل کا حل تیار کیا جائے۔چنانچہ آبپاشی کی منصوبہ بندی کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ یہ دیکھا جائے کہ موجودہ وسائل کیا ہیں؟ زرعی زمین کتنی ہے جس کو پانی دینا ہے؟ پھر ان دونوں چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے غور وفکر کیا جائے کہ کس طریقے سے ان وسائل کو بروئے کار لایا جائے کہ زرعی زمین کی آبپاشی کی ضروریات پوری ہو جائیں۔لہٰذا آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ عہد اسلام میں یا اس سے پہلے (جو عہد اسلام میں برقرار رہے) پانی کے کیا ذرائع تھے؟ جن کو مدنظر رکھتے ہوئے آبپاشی کی ضرورت حل کرنے پر غور کیا گیا اور پھر احکامات صادر کیے گئے۔

پانی کے وسائل سے ہر شخص اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے جتنا پانی لینا چاہے وہ لے سکتا ہے۔یہی اسلام میں آبپاشی کی ایک مستقل منصوبہ بندی ہے۔کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

((اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ الْمَاءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ وَ ثَمَنُهُ حَرَامٌ))

ترجمہ: "مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔پانی، چارہ اور آگ اور اس کی قیمت حرام ہے۔"(65)

بلکہ ایک حدیث میں 'الناس' آیا ہے کہ تمام لوگ مسلمان اور کافر سارے شریک ہیں جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ تو پانی میں تمام لوگ برابر کے شریک ہیں اور جس کسی کو جتنی ضرورت ہو وہ اس میں سے لے سکتا ہے لیکن ضرورت سے زیادہ پانی روکنا اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فالتو پانی کو روکنے سے منع فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ((لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ۔۔۔))

ترجمہ: "فالتو پانی کو نہیں روکا جائے گا۔"(66)

اسی طرح اس کی فروخت بھی جائز نہیں سوائے برتن اور مشک کے پانی جس کا روکنا اور فروخت کرنا جائز ہے۔فروخت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ))

ترجمہ: ''فالتو پانی فروخت نہیں کیا جائے گا۔''(67)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فالتو پانی سے کیا مراد ہے تو اس کی وضاحت ابو عبید نے اپنی 'کتاب الاموال' میں کی ہے کہ پینے، جانوروں کو پلانے اور فصل سیراب کرنے کے بعد زائد پانی فالتو ہے۔ (68)

یہ مستقل منصوبہ بندی آپ ﷺ نے اس لیے کی کہ یہ ایک عام ضرورت ہے اور اس پر زندگی کا دارومدار ہے اور اسی کے بارے آپ ﷺ کے انصاری اور حضرت زبیرؓ اور وادی مہروز، مذینب کے پانی کے متعلق فیصلے بیان ہو چکے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب مزید علاقے فتح ہو کر اسلامی دائرہ حکومت میں داخل ہو گئے تو پانی کی ضروریات اور مسائل بھی بڑھ گئے جن کے حل کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل محکمہ آبپاشی قائم کیا۔ (69) اس محکمے کا کام یہی ہوتا تھا کہ پانی کے متعلق مشکلات و مسائل و ضروریات پر غور و فکر کر کے وسائل کی روشنی میں ان کا حل تلاش کیا جائے جس کے بعد حضرت عمرؓ احکام صادر فرماتے۔

دریاؤں اور نہروں سے حق آبپاشی:

اس فصل میں مختلف ذرائع سے آبپاشی کے حقوق بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً عام دریاؤں اور نہروں سے، ذاتی نہروں سے کنوؤں تالابوں اور چشموں سے اور برتنوں سے۔ تو آیئے سب سے پہلے عام دریاؤں اور نہروں سے حق آبپاشی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عام (غیر مملوکہ) دریاؤں اور نہروں سے ہر شخص کو اپنی زمین سیراب کرنے کا حق ہے۔

وہ دریا سے نہر یا عام نہر سے چھوٹی نہر کھود کر اس میں سے اپنی زمین سیراب کرنے کے لئے پانی لے سکتا ہے۔ بشرطیکہ عام لوگوں کو نقصان نہ ہو۔ شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

لکل واحد أن یسقی اراضیه من الأنهار غیر مملوکة وله ان یشق جدو لا یسقی الارض و یُنشاء الطاحون ولکن یشترط أن لا یضر بالعامة فإذا فاض الماء و أضر الناس او قطع الماء بالکلیة او منع سیر الفلك فإنه یمنع

ترجمہ: ''ہر شخص غیر مملوکہ نہروں سے اپنی زمینیں سیراب کر سکتا ہے اور وہاں سے سیرابی کے لئے نہر سے کھالیاں نکال سکتا ہے اور اس پر چکی بھی لگا سکتا ہے بشرطیکہ عام لوگوں کو نقصان نہ ہو اور اگر پانی زیادہ باہر نکلے اور لوگوں کو نقصان پہنچائے پانی کا بہاؤ منقطع ہو یا کشتیوں کا چلنا بند ہو تو یہ کرنا ممنوع ہے۔''(70)

مثلاً سیحون، دجلہ اور فرات وغیرہ کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے اور اس کے پانی سے آبپاشی کرنا کسی کا ذاتی

حق نہیں بلکہ وہ عام انسانوں کا حق ہے۔علامہ الکاسانی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

إن ماء الأنهار العامة كمثل السيحون و دجلة والفرات و نحوها فلا ملك لأحد فيها ولا في رقبة النهر ولذاليس لأحد حق خاص فيها ولا فی الشرب بل هو حق لعامة المسلمين، فلكل واحدأن ينتفع بهذه الأنهار بالشفة والسقى و شق النهر منها إلى أرضه

ترجمہ: ''بے شک عام دریاؤں اور نہروں مثلاً سیحون، دجلہ اور فرات وغیرہ کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے نہ بذات خود دریا میں کسی کا ذاتی حق ہے اور نہ ہی اس سے آبپاشی میں، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کا حق ہے پس ہر شخص ان دریاؤں سے پینے اور آبپاشی کا فائدہ لے سکتا ہے اور اس سے اپنی زمین تک نہر بنا سکتا ہے۔''(71)

ایسے ہی پانی کے بارے میں ابن قدامہ نے لکھا ہے۔

ولكل واحد ان يسقى منها ماشاء متى شاء و كيف شاء

ترجمہ: ''اور ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اس (پانی) سے جتنا چاہے جب چاہے اور جیسے چاہے آبپاشی کرے۔''(72)

لیکن اس حق کے استعمال سے اگر عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے تو اسے روکا جائے گا کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ الضرر يزال۔(73)

ذاتی نہروں سے حق آبپاشی:

اصولی طور پر پانی مباح ہونے کی وجہ سے اسلام میں ذاتی نہروں سے استفادہ کرنے کے لئے خاص احکام ہیں وہ یہ کہ کسی کو نہر کے مالک کی اجازت کے بغیر آبپاشی کا حق حاصل نہیں ہے اور مالک کو حق ہے کہ دوسرے شخص کو اپنی نہر سے آبپاشی کرنے سے روکے لیکن اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جانوروں اور انسانوں کو پینے سے روکے۔

ليس لصاحب النهر أن يمنع من الشفة و هو شرب الناس والدواب وله أن يمنع من سقى الزرع والأشجار لأن فيه حقا خاصا

ترجمہ: ''نہر کے مالک کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں یا جانوروں کو پینے سے روکے البتہ فصل اور درختوں کو سیراب کرنے سے روک سکتا ہے کیونکہ اس میں اس کا ذاتی حق ہوتا ہے۔''(74)

شرح مجلۃ الاحکام میں یہ حکم یوں بیان کیا گیا ہے۔

الأنهارالمملوكة يعنى المياه الداخلة فى المجارى المملوكة حق شربها لأ صحابها وللعامة فيها حق [شرب الناس بأنفسهم] فقط

ترجمہ: ''ذاتی نہروں یعنی ذاتی نہروں میں داخل شدہ پانی میں مالکوں کے لئے حق آبپاشی ہےاورعام لوگوں کے لئےصرف پینے کا حق ہے۔''(75)

کیونکہ پانی اصل میں تمام لوگوں کا مشترکہ ہوتا ہے۔اورعرف (رواج) کے لحاظ سے لوگوں،جانوروں اور انسانوں کو پینے سے منع نہیں کرتے ہیں۔اورفقہی قاعدہ بھی ہے کہ عرف کی حیثیت حکم کی ہوتی ہے۔ العادة محكمة (76)

لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں کہ ذاتی نہر سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اپنی زمین سیراب کرے۔چاہے باعث نقصان ہو یا نہ ہو اور مجبور ہو یا نہ ہو۔اسی پر مذاہب اربع کا اتفاق ہے۔**(77)** لیکن اگر زمین یا فصل اس کی اجازت کے بغیر سیراب بھی کرے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ہاں اگر وہ بار بار ایسا کرتا ہے تو حکومت وقت اسے قید یا کوئی اور سزا دے سکتی ہے۔

ولكن لا ضمان عليه ان سقى أرضه، أوزرعه، من غير إذن و ان اخذ مرة بعد مرة يؤدبه السلطان بالحبس أو الضرب ان رأى ذلك۔

ترجمہ: ''لیکن اگر وہ کسی کی اجازت کے بغیر زمین یا فصل کو سیراب کرے تو اس پر تاوان نہیں اوراگر بار بار لیتا ہے تو بادشاہ اگر مناسب سمجھے اسے قید یا مارنے کی سزا دے۔''(78)

چونکہ بار بار لینے سے مالک کی دل آزاری ہو کر وہ جھگڑے پر آ سکتا ہے لہٰذا اس سے قبل کہ وہ کوئی اقدام کرے حکومت کو چاہیے کہ وہ مداخلت کر کے اسے سزا دے۔

لیکن اگر کوئی شخص یا جانور پیاس کی حالت میں ہو اور پانی کا مالک اسے پینے یا جانور کو پلانے سے منع کرتا ہے تو اور پانی نہ ہونے کی صورت میں اسے اسلحہ کے زور پر لڑتے ہوئے اتنا پانی لینے کا حق ہے کہ وہ اس سے اپنے آپ یا جانور کو ہلاکت سے بچا سکے۔

کنوؤں،چشموں اور برتنوں کے پانی سے حق آبپاشی:

کنوؤں، تالابوں اور چشموں کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ عام ملکیت نہیں ہے چاہے وہ غیر مملوکہ زمین میں ہو یا مملوکہ زمین میں لیکن مالک کا ان کے پانی میں خاص حق ہوتا ہے ہاں البتہ اگر اسے برتن میں ڈال کر محفوظ کرے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے جس میں کسی دوسرے شخص کا حق نہیں۔لہٰذا مذکورہ اشیاء کے پانی سے کسی کو پینے یا

جانور کو پلانے سے نہیں روک سکتا۔ جہاں تک فصلوں اور درختوں کی سیرابی کا تعلق ہے تو مالک کو یہ حق ہے کہ وہ دوسرے شخص کو فصل کی سیرابی سے روکے کیونکہ دوسرے کو اس کے کنویں، تالاب اور چشمے سے آبپاشی کا حق نہیں ہے۔

الماء الذی یکون فی الحیاض والآبار والعیون فلیس بمملوك لصاحبه بل هو مباح فی نفسه سواء کان فی أرض مباحة أو مملوکة لکن له حق خاص فیه لأن الماء فی الاصل خلق مباحا ـــ ولیس له ان یمنع الناس من الشفة وهو شرب الناس بانفسهم وسقی دوابهم منه لأنه مباح لهم

ترجمہ: "وہ پانی جو تالابوں، کنوؤں اور چشموں میں ہوتا ہے تو وہ کسی کی ملکیت نہیں بلکہ وہ بنفسہ مباح (غیر مملوکہ) ہے چاہے وہ کسی کی ذاتی زمین میں ہو یا غیر مملوکہ میں۔ لیکن اس پانی میں اس کا خاص حق ہوتا ہے کیونکہ پانی اصل میں مباح پیدا کیا گیا ہے۔۔۔اور اسے لوگوں کو خود پینے یا جانوروں کو پلانے سے روکنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ ان کے لئے مباح ہے۔"(79)

کنواں، تالاب اور چشمہ کا ذاتی زمین میں ہونے کی صورت میں مالک زمین دوسرے شخص کو اس میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے۔ بشرطیکہ زیادہ مجبوری نہ ہو۔ یعنی وہاں قریب اور پانی موجود ہو کیونکہ اس کی زمین میں داخل ہونے سے بلاضرورت اسے نقصان ہوتا ہے۔ ہاں اگر ضرورت ہو یا پیاس کی شدت سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو اور قریب اور پانی نہ ہو تو مالک کو کہا جائے کہ یا تو زمین میں داخل ہونے کی اجازت دے یا خود وہاں سے پینے کے لئے پانی دے تو اگر اجازت نہیں دی اور پانی بھی نہیں دیا تو پھر اسے اسلحہ لے کر لڑتے ہوئے پانی بقدر ضرورت لینے کا حق ہے۔

إذا کان ذلك فی أرض مملوکة فلصاحبها ان یمنعهم عن الدخول فی ارضه اذا لم یضطروا إلیه بأن وجدوا غیره لأن الدخول اضرار به من غیر ضرورة. فله أن یدفع الضرر عن نفسه و إن لم یجدوا غیره و اضطروا وخافوا الهلاك یقال له إما أن تأذن بالدخول وإما أن تعطی بنفسك فإن لم یعطهم و منعهم من الدخول، لهم ان یقاتلوا بالسلاح لیا خذوا قدر مایندفع به الهلاك عنهم

ترجمہ: "اگر یہ مملوکہ زمین میں ہیں تو مالک زمین کو حق ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو اپنی زمین میں داخل ہونے سے روکے جب زیادہ مجبوری کی حالت نہ ہو یعنی انہیں اس کے علاوہ پانی مل سکتا ہے۔ کیونکہ زمین میں داخل ہونے سے اسے بلا

ضرورت نقصان دینا ہےتو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ سے نقصان
ہٹائے۔اوراگرانہیں اس کےعلاوہ پانی نہیں ملتا ہےاوروہ مجبور ہیں اور ہلاکت کا
خوف ہےتو مالک زمین سے کہا جائے کہ یا تو داخل ہونے کی اجازت دویا خود
پانی دو۔اس پراگر وہ پانی نہ دےاورداخل ہونے سے بھی روکےتو وہ لوگ اسلحہ
لےکرلڑتے ہوئے ہلاکت سے بچنے کے لئے پانی لے سکتے ہیں۔"(80)

برتنوں کے پانی میں حق آبپاشی:

برتنوں کا پانی ان کے مالک کی ملکیت ہوتا ہےاس میں کسی شخص کا حق نہیں ہوتا ہے کیونکہ اگر پانی اصل میں مباح (غیرمملوکہ) ہےلیکن مباح چیز بھی قبضے سے ملکیت بنتی ہےلہٰذااس کی فروخت بھی دوسری اشیاء کی طرح جائز ہے۔کسی کے لئے جائزنہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر پانی لے یا پیئےاوراگرکسی کو پیاس کی وجہ سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہےاورمالک سے پانی مانگے اوروہ نہ دے کیونکہ اس کے پاس فالتو پانی نہیں ہےتو اس کے لیے مالک کے ساتھ لڑنا جائزنہیں کیونکہ یہ دوسرے کی ہلاکت کے ذریعے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا ہے۔جو کہ جائزنہیں اور اگراس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ پانی موجودہوتو پیاسے کوپانی لینے کے لئے اسلحہ لیےبغیرلڑنا جائز ہے۔

الماء الذی یکون فی الآوانی والظروف فلم یحل لأحد أن یاخذ منه فیشرب من غیر إذنه ولو خاف الهلاك علی نفسه من العطش فسأله فمنعه فان لم یکن عنده فضل الماء فلیس له ان یقاتله اصلا لأن هذا دفع الهلاك عن نفسه باهلاك غیره وهذا لا یجوز وان کان عنده فضل ماء عن حاجته فلممنوع ان یقاتله لیا خذ منه الفضل لکن بما دون السلاح

ترجمہ: "برتنوں میں محفوظ پانی میں سے لینا کسی شخص کے لئے مالک کی اجازت کےبغیر لینا جائزنہیں ہےاوراگر پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہواور وہ منع کرے کیونکہ اس کے پاس زائد پانی نہیں ہےتو اس کے لئے مالک کے ساتھ لڑنا جائز نہیں ہےلیکن اگراس کے پاس ضرورت سے زائد پانی ہےتو اس کے ساتھ پانی لینے کے لئےلڑنا جائز ہےلیکن اسلحہ کےبغیر۔"(81)

لہٰذا نتیجہ یہی ہوا کہ عام حالت میں اس قسم کے پانی میں سے کسی کوآبپاشی،خود پینےاورجانوروں کو پلانے کا حق نہیں ہےلیکن اشدضرورت اورمجبوری کی حالات میں خود پینےیا جانورکو پلانے کا حق ہے۔

حق آبپاشی کی فروخت، اجارۃ، ھبہ، وصیت اور میراث:

مختلف قسم کے پانی میں آبپاشی کے حقوق کی وضاحت کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ اس حق کی فروخت، اجارہ، ھبہ، وصیت اور میراث کے کیا احکام ہیں۔تو آیئے سب سے پہلے حق آبپاشی کی فروخت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۔ حق آبپاشی کی فروخت:

احناف کے نزدیک صرف حق آبپاشی کی فروخت جائز نہیں۔کیونکہ یہ حق ہے اور حقوق کی علیحدہ طور پر خرید و فروخت نہیں کی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ یا تو اس میں لاعلمی یا (عذر) ہوتا ہے اور یا مال متقوم نہیں۔صاحب ھدایۃ نے حق آبپاشی کی فروخت، ھبۃ، صدقہ اور وصیت کے بارے میں یوں بیان کیا ہے۔

لا تجوز هذه العقود اما للجهالة أو للغرر أو لأنه ليس بمال متقوم

ترجمہ: ''حق آبپاشی کی فروخت جائز یا تو جہالت کی بنا پر یا اس میں دھوکہ کہ بنا پر یا اسلئے کہ یہ ایسا مال ہے جسکی قیمت لگائی جاسکے۔'' (82)

لا يجوز بيعه منفردا ـــ ولو باع الارض مع الشرب جاز تبعا للارض

ترجمہ: ''اس کا بیع انفرادی طور پر جائز نہیں ـــ اور اگر زمین کو حق آبپاشی سمیت فروخت کیا تو جائز ہے۔'' (83)

زمین کی فروخت کے ساتھ آبپاشی کا حق شامل نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ وہ زمین حق آبپاشی سمیت فروخت کرتا ہے یا ایسا اور جملہ کہے جو اس پر دلالت کرے مثلاً یہ کہے کہ میں نے زمین بمع حقوق یا اس کے ساتھ تھوڑا بہت جو کچھ ہے بیچ دی اور اگر یہ ذکر نہیں کیا تو حق آبپاشی شامل نہیں ہوگا۔

ولا يدخل الشرب في بيع الارض الا بالتسمية صريحاً او بذكر ما يدل عليه

ترجمہ: ''اور زمین کی فروخت میں حق آبپاشی اس وقت تک شامل نہیں جب تک واضح طور پر اس کا نام نہ لیا جائے یا ایسا ذکر نہ کیا جائے جو اس پر دلالت کرے۔'' (84)

۲۔ حق آبپاشی کا اجارۃ:

فروخت کی طرح حق آبپاشی کا اجارۃ بھی علیحدہ طور پر جائز نہیں ہے۔لیکن زمین کے اجارۃ کے ساتھ حق آبپاشی کا اجارۃ جائز ہے۔لیکن اگر زمین کے اجارۃ کے ساتھ حق آبپاشی کا ذکر نہیں کیا پھر بھی وہ شامل ہوگا کیونکہ اجارۃ عوض پر منافع کی تملیک ہے اور زمین سے انتفاع حق آبپاشی کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا زمین کے اجارۃ کے ساتھ ہی حق آبپاشی دلالۃ شامل ہوجاتا ہے۔

ولذا لا تجوز اجارته مفردا، لان الحقوق لا تحتمل الاجارة على الانفراد كما لا تحتمل البيع ولو استاجر الارض مع الشرب جاز تبعا للارض ۔۔۔ ولو استاجر ارضا ولم يذكر الشرب والمسيل اصلا فالقياس ان لا يكون الشرب والمسيل كما في البيع و في الاستحسان كا ناله و يدخلان تحت اجارة الارض من غير تسمية نصالو جودها دلالة لان الاجارة تمليك المنفعة بعوض ولا يمكن الانتفاع بالارض بدون الشرب فيصير الشرب مذكورا بذكر الارض دلالة بخلاف البيع

ترجمہ: "اوراسی طرح انفرادی طور پر اس کا اجارۃ جائز نہیں ہے کیونکہ حقوق میں بیع جیسے اجارۃ بھی انفرادی طور پر نہیں ہوسکتا ہے ۔اوراگر زمین کا اجارۃ حق آبپاشی سمیت کیا تو جائز ہے ۔اوراگر زمین کا اجارہ حق آبپاشی اور مسیل کا نام لیے بغیر کیا تو حق آبپاشی اور مسیل قیاساً شامل نہیں ہوں گے لیکن استحساناً زمین کے اجارۃ میں شامل ہوں گے کیونکہ اجارۃ منفعت کے عوض پر تملیک ہے اور حق آبپاشی کے بغیر نفع لینا ناممکن ہے پس یہ صرف زمین کے اجارۃ کے ساتھ دلالۃ شامل ہوتا ہے۔"(85)

۳۔ حق آبپاشی کا ھبہ اور صدقہ:

حق آبپاشی کا ھبہ اور صدقہ جائز نہیں ہے ۔کیونکہ یہ بھی درج بالا عقود جیسے تملیک ہے اور تملیک حقوق مفردہ میں نہیں ہوسکتی ۔

ولذا لا تجوز هبة، والتصدق به لأن كل واحد منها تمليك والحقوق المفرده لا تحتمل التمليك

ترجمہ: "اوراسی طرح اس کا ھبۃ اور صدقۃ بھی جائز نہیں کیونکہ ان دونوں میں تملیک ہے اور حقوق مفردہ میں تملیک نہیں ہوتی ہے۔"(86)

۴۔ حق آبپاشی کی وصیت:

حق آبپاشی کی وصیت کرنے والے (موصی) کی وفات کے بعد وصیت کے تہائی حصے پر عمل کیا جائے گا۔

لو اوصى لرجل ان يسقي ارضه مدة معلومة من شربه جازت الوصية تعتبر من الثلث

ترجمہ: "اگر کسی نے دوسرے شخص کے لئے وصیت کی کہ اس کے حق آبپاشی میں سے اس کی زمین سیراب کی جائے تو وصیت جائز ہے اور اس پر اس کے تہائی حصے میں

تعمیل ہوگی۔"(87)

اگر چہ یہ بھی تملیک ہے لیکن یہ تملیک موصی کی وفات کے بعد ہے تو اس کی حیثیت میراث جیسی ہو جاتی ہے۔(88)
لیکن اگر وہ شخص جس کے لئے وصیت کی جائے فوت ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

و ان مات الذی له الوصیة بطلت و صیة فی الشرب

ترجمہ: "اور اگر وہ شخص جس کے لئے وصیت کی جائے وفات پا جائے تو حق آبپاشی میں اس کے لئے وصیت باطل ہو جائے گی۔"(89)

۵۔ حق آبپاشی کی میراث:

ابھی یہ بات واضح ہوگئی کہ وصیت پر (موصی) وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وصیت کردہ حق آبپاشی میں سے ایک تہائی پر عمل کیا جائے گا اور موصی لہ کی وفات کے ساتھ ساتھ وصیت باطل ہو جائے گی تا کہ موصی لہ کے ورثاء کی میراث نہ بن جائے اور موصی کے اپنے ورثاء متاثر نہ ہو جائیں۔اور حق آبپاشی کے دعویٰ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے استحساناً قبول کیا جائے گا اور جب وہ گواہ لائے تو اس کے حق میں فیصلہ بھی کیا جائے کیونکہ یہ ایک مرغوب حق ہے اور اس سے فائدہ بھی لیا جاتا ہے اور میراث اور وصیت میں انسان کا اس میں زمین سے علیحدہ طور پر استحقاق بھی بنتا ہے۔

لأن الشرب مرغوب فيه و منتفع به و قد يكون الاستحقاق فيه للإنسان منفرداً من الارض بالميراث و الوصية

ترجمہ: "کیونکہ حق آبپاشی ایک پسندیدہ حق ہے اور اس سے فائدہ لیا جاتا ہے اور اس میں میراث اور وصیت کے ذریعے انسان کا انفرادی طور پر استحقاق بھی بنتا ہے۔"(90)

لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق آبپاشی کی فروخت وغیرہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بیع المجہول ہے۔ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

﴿أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهُۥ يَنَابِيعَ فِى الْأَرْضِ﴾ (91)

وہ کہتے ہیں کہ اس میں غرر ہے اور یہ معلوم نہیں کہ آسمان سے نازل ہونے والا پانی آسمان میں بھی موجود ہے کہ نہیں پس یہ باطل طریقے سے مال کھانے کے برابر ہے۔اس کے علاوہ یہ دور کے خروق و منافس سے چشمے،نہر اور کنویں میں آتا ہے جو کہ مالک کی ملک میں نہیں ہوتے ہیں۔

لیکن علامہ ظفر احمد عثمانی نے اعلاء السنن میں جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ (92)

تو اس آیت کی رو سے میسرہ کی بیع بھی باطل ہونا چاہیے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ اس کا رزق آسمان میں ہے یا نہیں لیکن ابنِ حزم اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ بیع السلم بھی باطل ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے جواز پر بھی اجماع ہو چکا ہے اسی طرح باغ کی بیع بھی باطل ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بعض پھل پک چکے ہوتے ہیں بعض نہیں لیکن وہاں پر ایک دانے کی پکائی کا دوسروں پر اطلاق ہوتا ہے۔

تو پانی کے متعلق یہ دلیل کیوں نہیں اپنائی جاتی کہ جاری پانی کا آنے والے پانی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ کیونکہ امور تمام اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور صرف ظاہری اسباب ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ لہٰذا اس وقت نہر وغیرہ میں پانی بظاہر جاری رہتا ہے تو باقی آنے والا پانی اس پر قیاس کیا جائے گا اور اس سے کوئی غرر نہیں ہے۔ (93) اس ساری بحث سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ احناف کے نزدیک چونکہ حق آبپاشی حقوق میں سے ہے اور انفرادی طور پر حقوق کی تملیک نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا حق آبپاشی کی ضرورت، اجارۃ، ھبۃ اور صدقہ جائز نہیں ہے کیونکہ ان عقود میں بھی تملیک کا عنصر ہے۔ جہاں تک وصیت کا تعلق ہے تو اس پر موصی کی وفات کے بعد اس کے ایک تہائی حصے پر عمل کیا جائے گا لیکن موصی لہ کی وفات پر وہ وصیت باطل ہو جائے گی اسی طرح حق آبپاشی مالک کی وفات کے بعد قابل میراث بھی ہے۔ ظاہریہ کے نزدیک اس کے بیع میں غرر ہے لہٰذا اس کا بیع ناجائز ہے۔ جبکہ علامہ ظفر احمد عثمانی کے نزدیک جائز ہے۔

فصل چہارم

پانی کی تقسیم کے تنازعات اور ان کے فیصلوں کے اصول

حق آبپاشی کی تقدیم و تاخیر کا تنازعہ اور اس کا حل

حق مجری اور مسیل کا تنازعہ اور اسکا حال

بند سے پانی کی تقسیم کا مسئلہ

پانی کی تقسیم کے تنازعات اوران کے فیصلوں کے اصول

حق آبپاشی کی تقدیم وتاخیر کا تنازعہ اوراس کا حل:

اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ پہلے بالائی زمین والے کا حق ہے کہ وہ اپنی زمین سیراب کرے کیونکہ پہلے وہیں سے پانی آتا ہی اوروہ زمین اس کے قریب ہوتی ہے۔ پھر زیریں زمین والے کے لئے چھوڑ دے اوراس ترتیب سے باری باری سیراب کریں۔اس قسم کا تنازعہ حضورﷺ کے زمانے میں وادی مہروز اورمذینت کے پانی کے متعلق پیش ہوا تھا اورآپﷺ نے فرمایا۔

((یُمْسَكُ حَتَّى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلُ الْأَعْلَى عَلَى الْأَسْفَلِ))

ترجمہ: ''پانی کوروکا جائے یہاں تک کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے پھر بالائی زمین والا نیچے والے کے لئے چھوڑ دے۔''(94)

یعنی بالائی زمین والااس وقت تک اپنی زمین سیراب کرنے کا مستحق ہے کہ اس کی زمین میں پانی اتنا کھڑا ہوجائے کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔

اسی طرح آپﷺ نے ایک انصاری اورحضرت زبیرؓ کے درمیان پانی کا تنازعہ دیوار کی جڑ تک پانی روکنے کا فیصلہ فرمایا۔ **(95)** اسی طرح ایک اورموقع پر کھجوروں کی سیرابی کا فیصلہ کرتے ہوئے آپﷺ نے اوپر والے کو پہلے سیرابی کا حق دیا اورٹخنوں تک پانی روکنے کے لئے فرمایا۔ **(96)**

توسیرابی کا حق پہلے بالائی زمین والے کا بنتا ہے پھر نیچے والا اوراگر بالائی زمین والے سیرابی کرتے ہوئے پانی ختم بھی ہوجائے تو نیچے والوں کا کوئی حق نہیں ہے۔

فان لم يفضل من الأول أو عمن يليه شيئ فلا شيئ للباقي

ترجمہ: ''پس اگر پہلے یااس کے بعد والے سے کچھ نہیں بچا تو باقی کے لئے کوئی حق نہیں۔''(97)

لیکن شافعیہ کے نزدیک یہ ترتیب اس حالت میں ہے جب نہر سے شروع میں آبپاشی ایک وقت میں ہوئی ہو یا یہ نا معلوم ہو کہ سب سے پہلے کس نے اس پانی کو اپنی زمین کی سیرابی کے لئے استعمال کیا ہے لیکن جب یہ ترتیب معلوم ہو تو پہلے وہی سیراب کرے گا جس نے شروع میں سب سے پہلے اس پانی کو استعمال کیا ہو پھر اس کے دوسرے نمبر پر اوراسی ترتیب سے سیرابی کریں گے،اورنہر کے قریب ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

اوراگر نہر سے فاصلہ بھی برابر ہو اور یہ ترتیب بھی نا معلوم ہو تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔ نہایۃ المحتاج میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے۔

هذا كله احيوا معا او جهل الحال۔ أما لو كان الأسفل أسبق احياء فهو المقدم بل له منع من اراد احياء اقرب منه الى النهر و سقيه منه عند الضيق ـــ ولا عبرة حينئذ بالقرب من النهر۔ و علم من ذلك ان مرادهم بالأعلى المحيى قبل الثاني و هكذا لا الا قرب الى النهر ـــ ولو استوت ارضون فى القرب و جهل المحيى أو لا أقرع للتقدم

ترجمہ: ''یہ سارا اس وقت ہے جب انہوں نے ایک وقت میں سب سے پہلے آبپاشی کی ہو یا یہ نا معلوم ہو۔لیکن اگر زیریں زمین والا بھی اس پانی سے آبپاشی کرنے والا ہو تو وہ پہلے سیرابی کرے گا۔ بلکہ وہ پانی کی کمی کی صورت میں دوسرے کو منع بھی کر سکتا ہے کہ وہ سیرابی نہ کرے۔۔۔تو یہاں نہر کے نزدیک ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مطلب اعلی سے پہلے آبپاشی کرنے والے ہے نہ کہ نہر کے قریب والا۔۔۔۔اور اگر فاصلہ برابر رہا اور پہلا آبپاشی کرنے والا بھی نا معلوم ہو تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔'' (98)

لیکن مقدار کے لحاظ سے حضور ﷺ کا یہ فیصلہ ہر علاقے، ہر فصل اور ہر زمانے کے لئے نہیں۔ بلکہ ضرورت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے اختلاف کی پانچ صورتیں الماوردی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں یوں بیان فرمائی ہیں۔

وقد يختلف من خمسة اوجه، احدها باختلاف الارضين فمنها ما يرتوى باليسير و منها مالا يرتوى إلا لكثير والثالث باختلاف الصيف والشتاء والرابع باختلافها فى وقت الزرع و قبله، والخامس باختلاف حال الماء فى بقاء و انقطاعه

ترجمہ: ''یہ اختلاف پانچ وجوہات سے ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ زمین مختلف ہو کیونکہ بعض زمین کم پانی لیتی ہے اور بعض زیادہ۔دوسرا یہ کہ فصل مختلف ہو کیونکہ بعض فصل کو زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض کو کم اور تیسرا یہ کہ گرمی اور سردی میں پانی کی مختلف مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔چوتھا یہ کہ سیرابی فصل کے وقت ہو رہی ہے

یا اس سے پہلے اور پانچواں یہ کہ پانی کی حالت کیا ہے۔ دائمی ہے یا وقتی۔"(99)

مجری کا لغوی معنی:

مجری 'جری' 'یجری' 'جریا' سے ہے جو کہ اسم ظرف ہے جس کا معنی ہے وہ جگہ جس میں پانی بہتا ہو اور حق مجری اس جگہ پر حق کو کہتے ہیں جس میں پانی بہتا ہو۔(100)

حق مجری کا اصطلاحی معنی:

اگر چہ فقہ کی قدیم کتابوں میں حق مجری کی اصطلاحی تعریف نہیں دی گئی ہے لیکن وہاں پر درج نصوص سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ اس جگہ پر حق کو کہتے ہیں جس میں قابل استعمال یعنی پینے اور آبپاشی کے قابل پانی بہتا ہو۔(101) استاد علی الخفیف نے اس کی یوں تعریف کی ہے۔

هو حق اجراء الماء المستحق شربا و امراره فی ارض الی اخری

ترجمہ: "وہ آبپاشی کے پانی کے بہاؤ اور ایک زمین میں دوسری زمین تک گزرنے کا حق ہے۔"(102)

مسیل کا لغوی معنی:

مسیل 'سال' 'یسیل' سے ہے یہ وہ جگہ ہے جس میں پانی بہتا ہو اور حق مسیل اس جگہ پر حق ہے جس میں پانی بہتا ہو۔(103)

حق مسیل کا اصطلاحی معنی:

حق مجری کی طرح اس کی بھی فقہ کی قدیم کتابوں میں باقاعدہ تعریف نہیں دی گئی ہے لیکن اس کا استعمال اس جگہ پر حق کے لئے ہوا ہے جس میں زمین یا گھر یا کارخانے سے زائد پانی بہتا ہو۔(104)

ان تعریفات کی بنیاد پر مجری اور مسیل میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر آبپاشی اور آبنوشی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور موخر الذکر مسیل 'نکاس کیلئے۔

معنی کی وضاحات کے بعد یہاں دوسرے شخص کی زمین پر حق مجری کے متعلق اسلامی احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

اگر کسی شخص کی دوسرے شخص کی زمین میں پہلے سے جاری نہر ہو اور زمین کا مالک چاہے کہ وہ نہر وہاں سے نہ گزرے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ نہر کو روکے۔ کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔

امام ابو یوسف نے اپنی کتاب 'الخراج' میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لو أن رجلا له نهر في أرض يجرى فاراد رب الأرض أن لا يجرى النهر في ارضه فليس له ذٰلك اذ كان جاريا فيها جعلته على حاله جاريا فيها كما هو لا نه في يديه على ذلك و ان لم يكن في يديه ولم لكن جاريا سالته البينة ان هذا النهر له، فان جاء ببينة قضيت له به و ان لم يكن له البينة على اصل النهر و جاء ببينة على انه قد كان مجريا في هذا النهر يسوق الماء فيه الى ارضه حتى يسقها اجزت له، ذلك و كان له النهر و حريمه و من جانبيه لكريه فإذا أراد أن يعالج نهره لكريه و يصلحه، فمنعه صاحب الارض لم يكن منعة من ذلك

ترجمہ: "اگر کسی شخص کو دوسرے شخص کی زمین میں پہلے سے جاری نہر ہے اور زمین کے مالک نے چاہا کہ وہ نہر نہیں گزرنے دیتا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ اسے اسی حالت پر جاری رکھی جائے گی کیونکہ یہ اس کے قبضے میں ہے اور اگر اس وقت قبضے میں نہ ہو تو نہر والے سے گواہی طلب کی جائے گی کہ وہ نہر اس کی ہے۔ اگر وہ گواہی لائے تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر یہ گواہی نہ لائے کہ اصل میں نہر اس کی ہے بلکہ یہ گواہی لائے کہ وہ اس نہر سے اپنی زمین تک پانی لاتا تھا پھر بھی نہر اس کی ہوگی اور دونوں جانب حریم بھی۔ اور جب وہ اپنی نہر کی مرمت یا صفائی وغیرہ کرنا چاہے تو مالک زمین کو اسے روکنے کا حق نہیں ہے۔"(105)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ قدیم چیزوں کو اسی حال پر باقی رکھا جائے گا۔ بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

تترك الأشياء على وجهها القديم الذى كانت عليه لأن الشيئ القديم يبقى على حاله ولا يتغير إلا أن يقوم الدليل على خلافه أما القديم المخالف للشرع فلا اعتبار له

ترجمہ: "اشیاء کو اپنی پرانی حالت پر چھوڑا جاتا ہے کیونکہ پرانی چیز اپنی حالت پر باقی رہتی ہے اور اس وقت تک نہیں بدلتی جب تک اس کے برعکس کوئی دلیل نہ ہو جہاں تک اس پرانی چیز کا تعلق ہے جو خلاف شریعت ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔"(106)

لہٰذا حق مجری کو اپنی قدیم حالت پر بحال رکھا جاتا ہے لیکن اگر پہلے سے کسی کی نہر نہیں ہے بلکہ اب دوسرے

شخص کی زمین میں گزارنا چاہتا ہے تو بعض علما (امام احمد بن حنبل اور امام مالک کی ایک رائے کے) مطابق زمین کے مالک کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زمین میں سے پانی گزرنے دے کیونکہ ساتھ والے شخص کو اس کی ضرورت ہے اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے اسے نقصان کا اندیشہ ہے۔(107) ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ضحاک بن خلیفہ اور محمد بن سلمہ کے درمیان تنازعہ فیصلہ کرتے وقت حکم دیا تھا کہ اسے محمد بن سلمہ کی زمین میں سے نہر گزرنے دی جائے۔(108) اس کے علاوہ حضور ﷺ نے ایک دوسرے کو نقصان دینے سے منع فرمایا ہے اور فقہی قاعدہ بھی ہے۔(109)

بعض فقہاء (ابو حنیفہ، امام مالک کی دوسری روایت) کے مطابق دوسرے شخص کی زمین میں سے اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر نہر گزارنا جائز نہیں ہے بلکہ اسے منع کرنے کا حق ہے اور اگر اس کے عمل سے زمین کو نقصان ہوا تو وہ اس نقصان کا تاوان ادا کرے گا۔**(110)**

ولو أن رجلا احتفر بئرا أو نهرا أوقناة في ارض لرجل بغير إذنه فله أن يمنعه من ذلك و أن ياخذه بطم ما احدث من الحفر في ارضه فإن كان ذلك أضربأرضه ضمن قيمة الفساد و هو مانقص من أرضه بالحفر

ترجمہ: ''اور اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں، نہر یا نالہ کھودا تو وہ اسے منع کر سکتا ہے اور کھدائی سے جو نقصان ہوا وہ بھی لے سکتا ہے اور اگر زمین کو کوئی نقصان پہنچا تو اس کا بھی وہی ذمہ دار ہوگا''(111)

اگر کسی شخص کی اپنی زمین میں ذاتی نہر ہو جس سے وہ اپنی زمین سیراب کرتا ہے اور اس نہر میں سے پانی بہہ کر دوسرے پڑوسی کی زمین میں جا کر اسے نقصان پہنچائے تو نہر کا مالک نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنی ملکیت میں تصرف کر رہا تھا۔لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ نہر کے مالک نے دوسرے شخص کی زمین کو نقصان پہنچانے کی نیت سے پانی کھولا ہے تو اسے اس نقصان سے روک دیا جائے گا۔**(112)**

الماوردی نے اسے یوں بیان کیا ہے۔

فلو سقي رجل أرضه او فجرها فسال من مائها إلى أرض جاره فغرقهالم يضمن لانه تصرف في ملكه مباح، فان اجتمع في ذلك الماء سمك كان الثاني أحق بصيده من الأول لأنه في ملكه

ترجمہ: ''اگر کوئی شخص اپنی زمین کو سیراب کرے اور پانی بہہ کر ہمسائے کی زمین کو غرق کر دے تو یہ ضامن نہیں کیونکہ اپنی ملکیت میں مباح تصرف کر رہا تھا۔اگر اس غرق

شدہ زمین میں مچھلیاں پیدا ہو جائیں تو شکار کا حق دوسرے شخص کو ہے کیونکہ یہ اس کی ملکیت میں ہیں۔"(113)

بند سے پانی کی تقسیم کا مسئلہ:

اسلامی تعلیمات کے مطابق بند میں مختلف ذرائع سے پانی جمع کرنا اور اس سے ضرورت کے مطابق نہریں نکال کر مختلف علاقوں تک پہنچانا جائز ہے۔ یہ اصول قرآن مجید میں بیان کیے گئے سدمآ رب سے اخذ کیا جاتا ہے جس کی تفصیل تو آبپاشی کے باب میں گزر چکی ہے۔ لیکن یہاں صرف اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی کہ اس بند سے (ڈیم) سے پانی کس طریقے سے تقسیم کیا جاتا تھا۔

یہ بند ملک یمن کے دارالحکومت 'صنعا' سے تین منزل کے فاصلے پر واقع شہر 'مآرب' میں اس طرز پر تعمیر کیا گیا تھا کہ وہاں پر دو پہاڑوں کے درمیان پانی جمع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں وادیوں اور بارش کے نالوں کا پانی بھی جمع ہوتا تھا۔ اس بند میں اوپر نیچے پانی نکالنے کے لئے تین دروازے رکھے گئے تھے۔ جن میں سے پہلے اوپر کا دروازہ کھول کر پانی لیا جاتا تھا۔ وہ ختم ہونے کے بعد دوسرے دروازے سے اور اس کے بعد تیسرے دروازے کو کھول کر وہاں سے پانی لیا جاتا تھا۔ **(114)**

بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر بارہ نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہنچائی گئی تھیں اور ان نہروں میں یکساں پانی چلتا اور شہر کی ضرورت میں کام آتا تھا۔ اس پانی سے سیراب ہونے والے شہر کے دائیں بائیں اطراف پر دو پہاڑوں کے کناروں پر واقع باغات کو قرآن مجید نے 'جنتان' یعنی دو باغ سے تعبیر کیا ہے۔ **(115)**

لہٰذا اس بند (ڈیم) کی تعمیر اور اس سے پانی کی تقسیم کے طریقہ کار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے بارش، وادیوں اور نالوں میں برف پگھلنے سے آنے والا پانی جمع کرنا جائز ہے۔ جہاں سے علاقوں کی ضروریات کے مطابق نہریں بنا کر پانی لیا جائے۔ یا حکومت وقت مختلف علاقوں کی ضرورت کو دیکھ کر وہاں تک نہروں کے ذریعے پانی پہنچائے۔ لیکن اگر پانی کم ہو اور ضرورت زیادہ ہو تو جو علاقے بند کے نزدیک ہوں وہاں تک پہلے نہر پہنچائی جائے اور دور والے علاقے کو بعد میں۔ جس پر حضور ﷺ کے فیصلے دلالت کرتے ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

باب سوم

1. سورۃ واقعہ، آیات ۶۸-۶۹
2. ابوعبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ج ۲، کتاب الرھون، ص ۸۲۶، دار الکتب العدثیۃ، دار الفکر، بیروت، لبنان
3. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ۲۳، ص ۱۶۴، دار المعرفۃ قاہرہ، مصر، ۱۳۶۴ھ۔
4. ابوعبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ، المغنی، ج ۵، ص ۵۸۶، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، سعودی عرب ۱۳۵۴ھ۔
5. شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ، نھایۃ المحتاج الی شرح المحتاج فی الفقہ علی مذھب الامام الشافعی، ج ۵، ص ۳۴۹، المکتبۃ الاسلامیہ لعاجہا ریاض الشیخ، ریاض، سعودی عرب۔
6. ابوزکریا یحییٰ بن اشرف النووی، مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، ج ۲، ص ۳۵۱، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، مصر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۸۵ء
7. سورۃ المائدہ، آیت ۱۷
8. سورۃ الحدید، آیت ۷
9. امام مالک بن انس، المؤطا ج ۲ ص ۷۴۴، رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والفتاء والدعوۃ والارشاد سعودی عرب، ۱۹۸۲ء
10. ابویوسف یعقوب بن ابراھیم، کتاب الخراج، ص ۱۰۵، بولاق، ۱۳۰۲ء
11. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ۲۳ ص ۱۶۵
12. ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۱۰۵
13. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ج ۲، کتاب الرھون، ص ۸۲۷
14. برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، ج ۴ ص ۱۰۴، مکتبۃ شرکۃ علمیہ، ملتان، پاکستان
15. ایضاً
16. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ۲۳ ص ۱۶۶
17. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ج ۲، کتاب الرھون، ص ۸۲۸
18. ایضاً
19. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال ص ۳۸۰، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، قاہرہ، مصر، ۱۳۵۳ھ
20. ایضاً ص ۳۸۱
21. مولانا حفظ الرحمن سیوھاروی، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۸۵، ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۴ء

22. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ۲۳، ص ۱۶۱

23. اسماعیل البدوی، دعائم الحکم فی شریعۃ الاسلامیۃ والنظم الدستوریہ المعاصرۃ، ص ۳۳۱، دار الفکر العربی، بیروت، لبنان ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰

24. رفیق یونس مصری دکتور، اصول الاقتصاد الاسلامی، ص ۴۳، دار القلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق، شام، ۱۴۰۹ھ

25. سورۃ النساء، آیت ۵۹

26. سلیم رستم بن باز اللبانی، شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ، ص ۵۹۷، المطبعۃ الادبیۃ، بیروت، لبنان ۱۹۲۳ء

27. ایضاً، باب ۲، ص ۲۷

28. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابن ماجہ، ج ۲، کتاب الرھون، ص ۸۲۶

29. مولانا ظفر احمد عثمانی، التھانوی، اعلاء السنن، ج ۱۴، ص ۱۶۱، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، پاکستان

30. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ۲۳، ص ۱۶۹

31. سلیم رستم بن باز اللبانی، شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ، ص ۶۷۶-۶۷۷

32. ایضاً، ص ۶۸۱

33. الکاسانی علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی، بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۱۹۲، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء

34. السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل، المبسوط، ج ۲۳، ص ۱۶۱

35. ابواسحٰق ابراھیم بن علی بن یوسف الفروزآبادی، الشیرازی، المھذب، ج ۱، ص ۳۲۸

36. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۸، کتاب المساقاۃ، ص ۷۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء

37. ایضاً

38. امام مالک بن انس، المؤطا، ج ۲، کتاب الاقضیۃ، ص ۴۴۷

39. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۸۱، ولایات الدینیۃ مصر، ۱۲۹۸ھ/۱۹۸۳ء

40. ابوزکریا یحییٰ بن اشرف النووی، مغنی المحتاج، ج ۲، ص ۳۷۴،

41. ابوعبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج ۵، ص ۵۸۳، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، سعودی عرب ۱۳۵۴ھ

42. منصور بن یونس بن ادریس، کشاف القناع عن متن الاقناع، ج ۴، ص ۱۹۸، مکتبۃ النصر الحدیثیہ، ریاض، سعودی عرب ۱۰۴۶ھ

43. ایضاً

44. رفیق یونس مصری دکتور، اصول الاقتصاد الاسلامی، ص ۴۳

45. احمد الحجی الکروی، المدخل الفقہی، ص ۴۷

46. سورۃ النحل، آیت ۹۰

47. سورۃ الانعام، آیت ۱۵۲

48. امام بدرالدین بن جماعۃ تحریر الاحکام فی تدبیر اہلِ اسلام، ص ۵۹ قطر، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء

49. ایضاً

50, Irrigation Encyclopaedia Porifunica London Vol/9, P.899

51. کرنل ڈبلیو ایم ایس سی آئی ۔ ای ۔ آر ۔ ای آبپاشی ص ۱ عثمانیہ یونیورسٹی پریس، حیدرآباد دکن، انڈیا

52. William T Keeton, Biological Science 14th Edition, P.196

53. سورۃ السجدہ، آیت ۲۷

54. سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۷۱، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۷۵ء

55. علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، ج ۲، ص ۳۲۷، مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ، کراچی، پاکستان

56. سورۃ الشعراء، آیت ۱۵۵

57. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۶، ص ۵۳۹، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان ۱۹۹۰ء

58. سورۃ قمر، آیت ۲۸

59. علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی تفسیر مظہری، ج ۱۱، ص ۲۰۹، دارالاشاعت، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۱ء

60. ابوعبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج ۵، ص ۵۸۸-۵۸۹

61. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۸۱-۱۸۲

62. Michael P. Todara, Economic Development in the Third World, 4th Edition P.503

63. ایضاً

64. M. Saeed Nasir, Syed Kamal Haider, Economics of Pakistan P.220

65. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ج ۲ کتاب الرھون، ص ۸۲۶

66. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، ج ۹ ص ۲۳۰، وفاقی وزارتِ تعلیم، اسلام آباد، پاکستان ۱۹۸۵ء

67. ایضاً، ص ۲۳۰

68. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۳۷۸

69. مولانا شبلی نعمانی، الفاروق، ج ۲، ص ۳۲۷

70. سلیم رستم باز اللبانی، شرح مجلّۃ الاحکام العدلیۃ، ص ۶۸۳، المطبعۃ الادبیۃ، بیروت، لبنان ۱۹۲۳ء

71. الکاسانی علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی ،بدائع الصنائع ،ج٦ص١٩٢،ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی ،پاکستان ١٣٢٨ھ/١٩١٠ء

72. ابوعبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ ،المغنی ،ج ۵ ،ص ۵۸۳

73. سلیم رستم باز اللبانی ،شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ ،ص ٢٩

الکاسانی ،علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی ،بدائع الصنائع ،ج ٦ ص ١٩٢

74. ایضاً ،ج ٦ ،ص ١٨٩

75. سلیم رستم باز اللبانی ،شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ ،ص ٦٨٤

76. ایضاً

77. الکاسانی ،علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی ،بدائع الصنائع ،ج ٦ ص ١٨٩ ،نیز المغنی ،ج ۵ ،ص ۵۸۹

78. سلیم رستم باز اللبانی ،شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ ،ص ٦٨٤

79. الکاسانی ، علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الحنفی ، بدائع الصنائع ، ج ٦ ،ص ١٨٨-١٨٩ ۔ نیز الأحکام السلطانیۃ ،
ص ١٨٢-١٨٣

80. ایضاً ،ج ٦ ،ص ١٨٩ ،نیز الأحکام السلطانیۃ ،ص ١٨٤

81. الکاسانی ،علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی ،بدائع الصنائع ،ج ٦ ص ١٨٨ ۔نیز المبسوط ،ج ٢٣ ،ص ١٦٦

سلیم رستم باز اللبانی ،شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ ،ص ٢٩

82. برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی ،الھدایۃ ،ج ٤ ،ص ١٠٧

83. الکاسانی ،علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی ،بدائع الصنائع ،ج ٦ ص ١٨٩

84. ایضاً

85. ایضاً

86. ایضاً

87. ایضاً ،نیز المبسوط ،ج ٢٣ ،ص ١٨۵

88. ایضاً ،ج ٦ ،ص ١٩٠

89. السرخسی ،ابوبکر محمد بن احمد بن سہیل ،المبسوط ،ج ٢٣ ،ص ١٨۵

90. ایضاً ،ص ١٨٦

91. سورۃ الزمر ،آیت ٢١

92. سورۃ الذاریات ،آیت ٢٢

93. مولانا ظفر احمد عثمانی التھانوی ،اعلاء السنن ،ج ١٤ ،ص ١٦٤

94. امام مالک بن انس، المؤطا، ج ۲، کتاب الاقضیۃ، ص ۷۴۴

95. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابن ماجہ، ج ۲، کتاب الرھون، ص ۸۲۹

96. ایضاً، ج ۲، کتاب الرھون، ص ۸۳۰

97. منصور بن یونس، کشاف الصناع عن متن الامتناع، ج ۴، ص ۱۹۸

98. شمس الدین محمد بن ابوالعباس، نہایۃ المحتاج الی شرح المنھاج، ج ۵، ص ۳۵۰۔ نیز الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۸۴

99. ایضاً، ج ۵، ص ۳۵۰۔ نیز الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۸۱

100. ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۴، ص ۱۴۱، دارصادر، بیروت، لبنان ۱۴۰۵ھ

101. ابوعبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج ۴، ص ۵۴۷

102. شیخ علی الخفیف، الملکیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ج ۱، ص ۱۵۰

103. ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۱، ص ۳۵۱

104. الکاسانی، علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الحنفی، بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۳۶۵۔ نیز مغنی المحتاج ج ۲ ص ۱۹۱

105. ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۱۰۸

106. سلیم رستم باز اللبنانی، شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ، ص ۶۷۱

107. حافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن رجب، القواعد فی الفقہ الاسلامی، ص ۲۱۳، مطبعہ مکتبہ الکلیات الازھریہ، مصر ۱۳۹۲ھ

108. امام مالک بن انس، المؤطا، ج ۳، ص ۲۰۹

109. ایضاً، ج ۲، کتاب الاقضیۃ، ص ۷۴۵

110. سلیم رستم باز اللبنانی، شرح مجلّہ الاحکام العدلیۃ، ص ۲۹

111. ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص ۱۰۸

112. ایضاً، ص ۱۰۷

113. ایضاً۔ نیز الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۸۱

114. ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع الاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۲۸۵، دارالکاتب العربی، لبنان، بیروت ۱۹۶۷ء

115. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۷، ص ۲۸۱

باب چہارم

پاکستان میں مروج زرعی نظام اور اسکے اثرات

فصل اول: **برصغیر کے زرعی نظام کا پس منظر**

عہد سلاطین کا زرعی نظام

عہدِ مغلیہ کا زرعی نظام

انگریزی دور کا زرعی نظام

برصغیر کی اراضی

فصل دوم: **پاکستان میں مروج زرعی نظام**

پاکستان میں زرعی نظام کی مختلف صورتیں

پاکستان میں بڑی زمینداریاں

پاکستان میں نافذ ہونے والی زرعی اصلاحات

قانونِ مزارعین اور رھاریوں میں زمین کی تقسیم

زرعی ٹاسک فورس کی سفارشات

فصل سوم: **پاکستان کے زرعی نظام کے اثرات**

1۔ معاشرتی اثرات

2۔ سیاسی اثرات

3۔ معاشی اثرات

فصل چہارم: پاکستان کے زرعی نظام میں پانی کی تقسیم کا مسئلہ

دریا

ڈیم

بیراج

تجزیہ

فصل اول

برصغیر کے زرعی نظام کا پس منظر

عہد سلاطین کا زرعی نظام

عہدِ مغلیہ کا زرعی نظام

انگریزی دور کا زرعی نظام

برصغیر کی اراضی

برصغیر کے زرعی نظام کا پس منظر

عہد سلاطین کا زرعی نظام:

ہندوستان میں سب سے پہلی اسلامی حکومت ولید بن عبدالملک (705ء -715ء) کے عہد میں محمد بن قاسم نے 712ء میں صوبہ سندھ کو فتح کر کے قائم کی اور یہاں اسلامی قوانین واحکام جاری کئے[1] جبکہ ہندوستان کے باقی صوبوں میں فتوحات کا سلسلہ تین سو سال بعد سلطان محمود غزنوی سے شروع ہوا جس نے بہت سے علاقے فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کر لئے پھر محمد غوری نے برصغیر پاک وہند میں غوری خاندان کی بنیاد رکھی۔

اس دور میں زمین یا زمینداری کے متعلق بہت کم مواد ملتا ہے تاہم اس عہد میں زمینداری نظام کا جائزہ لینے کے لیے ہم دیکھیں گے کہ یہاں ملکیت زمین کا کیا اصول کارفرما تھا اور زمیندار کی کیا حیثیت تھی نیز اہم بات یہ کہ مالیہ یا مالگذاری کس شرح سے وصول کیا جاتا تھا؟

ملکیت زمین کی مختلف صورتیں:

ماخذ وقرائن سے اس دور میں ملکیت زمین کی ذیل کی صورتیں واضح ہوتی ہیں۔

اقطاع: مذکورہ اسلامی حکومت کے دور میں قدیم زمینداری کی جو صورت زیادہ وضاحت طلب اور ہمارے موضوع کے زیادہ قریب ہے وہ اقطاع کی ہے۔ جو اراضی بوجوہ حکومت کے قبضہ میں ہوتی یا جو بے آباد ہوتی وہ اراضی مسلم حکمرانوں نے مختلف لوگوں کو عطا کر دیں اراضی کی یہ بخشش اقطاع کہلاتی ہے اور وہ شخص جنہیں یہ اقطاع عطا کئے جاتے اقطاع دار کہلاتے۔

سلاطین اپنے اپنے دور میں لوگوں کو اقطاع زمین سے نوازتے رہے ہیں مثلاً علاؤ الدین ہندوستان کا حکمران ہوا تو اس نے کڑہ اور اودھ کا علاقہ جس پر وہ عہد جلالی میں مامور تھا علماء الملک کو بطور جاگیر عطا فرمایا اور ضیاء برنی کے باپ موبد الملک کو برن کا علاقہ جاگیر میں دے دیا۔[2]

خالصہ زمینیں:

یہ زمینیں انفرادی طور پر کسی کی ملکیت نہیں تھیں یہ خالصہ (شاہی) کہلاتی تھیں اور یہ براہ راست حکومت کی ملکیت وانتظام میں تھیں اور غالباً ان کا انتظام عاملوں کے سپرد ہوتا تھا اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مرکزی حکومت مختلف ملکی کاموں میں صرف کرتی تھی۔

باجگذار اراضی کے مالکان:

اس عہد میں کچھ اراضی باج وخراج یا لگان کی شرط پر سابقہ مالکان کے پاس رہتی تھی ان کے مالک وہ راجے یا زمیندار تھے جنہوں نے مسلم فاتحین سے اطاعت کا اظہار کیا ہوتا تھا انہیں اپنے علاقے میں مکمل خودمختاری حاصل ہوتی اور یہ حکومت کو اس کے عوض باج وخراج ادا کرتے تھے خاندان غلاماں کے عہد حکومت میں بڑے بڑے راجاؤں سے حکومتیں چھن گئیں مگر ''ان بڑے راجاؤں کے ماتحت جو چھوٹے چھوٹے رانا اور رائے ضلعوں اور پرگنوں پر حکمران تھے ان کو بدستور ادائے خراج کے اقتدار پر قائم رکھا گیا۔''(3)

انہیں اپنے علاقوں میں کاشتکاروں پر مکمل اثر و نفوذ حاصل تھا۔ بعض دفعہ یہ لوگ بغاوت کر کے خراج کی رقم روک لیتے تھے یہ مرکز کی طرف سے وضع کردہ اصلاحات اور پالیسیوں کے دائرہ کار میں نہیں آتے تھے مقامی لوگ اپنے راجہ یا زمیندار کے علاوہ کسی با اختیار ادارہ کو نہیں مانتے تھے یہ مفاہمت صرف مرکزی حکومت اور راجہ کے درمیان ہوتی تھی۔

مالگزاری کی شرح:

سلطان قطب الدین ایبک کے زمانہ سے پہلے پیداوار کا پانچواں حصہ بطور لگان لیا جاتا تھا اس نے اسے خلاف شریعت قرار دیتے ہوئے شرعی اصولوں کے مطابق دسواں حصہ سرکاری لگان کے طور پر وصول کرنے کا حکم دیا۔ یہ نظام یونہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ سلطان علاؤالدین خلجی نے اس میں بنیادی تبدیلیاں کیں لگان کی شرح کل پیداوار کا نصف یعنی پچاس فیصد مقرر کیا یہ واجبات کبھی نقد اور کبھی جنس کی صورت میں وصول کیے جاتے۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے مالگزاری کے نظام کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ اس نے امراء، علماء اور افسران سے وہ تمام زمینیں چھین لیں جو انہیں ملک انعام، پنشن یا وقف کے طور پر انہیں دی تھیں ان کو شاہی اراضی میں شامل کر لیا اور افسران کو تنخواہیں جاگیروں کی بجائے نقد دینے کا سلسلہ شروع کیا۔

> منجملہ دیگر انتظامات جدید کے انہوں نے فوج کی تنخواہیں بصورت جاگیر دینے کے قاعدہ کو منسوخ کر کے نقد تنخواہوں کا قانون جاری کیا۔ نیز یہ تغیر بھی کر ڈالا کہ مالکان اراضی سے جو نقد خراج (لگان) کے غلہ کا ایک مقررہ حصہ مالکان اراضی سے وصول ہونے لگا اس غلہ کے بٹوارے کے لیے تحصیلدار اور پٹواری مقرر کئے۔(4)

علاؤالدین خلجی کی لائی ہوئی تبدیلیوں کے علاوہ اس دور میں زرعی نظام میں کسی بڑی تبدیلی کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ علاؤالدین اور اس کے مشیروں کا خیال تھا کہ سردار اور دیہی سردار اس وقت تک بغاوت کرتے رہیں گے جب

تک ان کے پاس بغاوت کے وسائل موجود ہوں گے۔ چنانچہ اس نے بغاوت کے خاتمہ کیلئے زرعی نظام میں وہ تبدیلیاں کیں کہ ''مطالبہ مالگزاری کا معیار بغیر کسی تخفیفوں یا منہائیوں کے پیداوار کا نصف مقرر کیا۔''

سرداروں کی بالائی رقوم ختم کر دی گئیں جس کے نتیجہ میں ان کے زیر قبضہ تمام زمینوں کا پوری شرح سے تشخیص کیا جانا قرار پایا۔ طریقہ تشخیص بذریعہ پیائش اور مطالبات کا شمار معیاری پیداوار کی بنیاد قرار پایا۔'' کاشت پر تشخیص کے علاوہ ایک چراگاہی محصول عائد کیا۔''(5)

علاء الدین کا قائم کیا ہوا نظام اس کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ غیاث الدین تغلق نے مساحت کے طریقہ کو ترک کر کے حکم حاصل کا طریقہ اختیار کیا مالگذاری کی تشخیص کیلئے اس میں تجربہ کار لوگ کھڑی فصل کی قیمت کا اندازہ لگا کر حکومت کا حصہ مقرر کر لیتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس دور میں زمینداری کی جو مختلف صورتیں رائج تھیں ان میں اقطاع داری کے ساتھ ساتھ قدیم زمینداریاں یا جاگیریں بھی چلی آتی تھیں جنہیں مسلم حکمرانوں نے ضرورت زمانہ کے تحت برقرار رہنے دیا تھا۔ مالگذاری یا لگان کی شرح میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ بعض حکمران اس میں نرمی کے قائل تھے اور بعض سختی کے۔

عہد سلاطین اور عہد مغلیہ کا درمیانی دور:

فیروز شاہ کی وفات کے ساتھ ہی سلطنت دھلی کی شان وشوکت اور استحکام کا خاتمہ ہو گیا تیمور کے حملہ نے ان کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ 1414ء میں خضر خان دھلی کا فرمانروا بنا اس نے سادات خاندان کی بنیاد ڈالی ان سے امن قائم نہ ہو سکا تو افغان نے قوت پکڑ لی اور لودھی خاندان صاحب اقتدار رہا۔ بہلول لودھی اور سکندر لودھی تو فوجی مہمات میں مصروف رہے اور ابراہیم لودھی بھی کوئی نیا کام نہ کر سکا اس دور کے زمینداری نظام کے متعلق مورلینڈ لکھتا ہے۔

> جاگیرداری اس عہد کا ایک اہم ترین زرعی ادارہ تھا اس نے اب وہ شکل اختیار کر لی تھی جس سے ہم عہد مغلیہ میں مانوس ہیں یعنی جاگیردار پر محض وفاداری اور ذاتی خدمات کی پابندی نہ تھی۔ بلکہ شاہی ضروریات کے لیے جاگیر کی آمدنی سے اسے فوج کا ایک دستہ بھی رکھنا ہوتا تھا۔ بمقابلہ فیروز کے عہد کے جاگیروں کی تعداد اب کم لیکن انفرادی طور پر ان کا رقبہ زیادہ ہو گیا اس خاندان کے بانی بہلول نے بظاہر اپنی بادشاہت کی بنیاد قطعی طور پر اسی ادارہ پر رکھی تھی یہ جاگیروں کی پیشکش ہی تھی جس نے اس کی اصل طاقت کے سرچشمہ یعنی افغانی سرداروں کو ہندوستان آنے کی طرف متوجہ کیا۔(6)

عہد مغلیہ کا زرعی نظام:

مغلیہ دور حکومت میں تمام زمین خدا کی ملکیت قرار دی جاتی تھی جو ریاست کی تحویل میں تھی۔ زمیندار محض ایک نمائندہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بادشاہ جسے چاہتا کوئی علاقہ الاٹ کر دیتا اور جب چاہتا واپس لے لیتا۔ بادشاہ سلامت کسی سے خوش ہوئے تو لاہور، اودھ اور ملتان کی جاگیر عنایت کر دی ناراض ہوئے تو بنگال بھیج دیا یا گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ کسان زمین پر کام کرتا تھا لیکن اس کے اوپر کوئی مالک نہ تھا۔ بادشاہ کی طرف سے منصبدار الاٹی ہوتا جو مقررہ مالیہ وصول کر کے اس کا کچھ حصہ بادشاہ کو بھیجتا تھا اور کچھ بادشاہ کی طرف سے دیئے ہوئے فرائض کی ادائیگی کیلئے اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ اس زمانہ میں مزروعہ زمین کم ہوتی اور جنگل کا رقبہ زیادہ تھا اس لیے کاشتکاروں کیلئے زمین کی کمی نہ تھی بلکہ ایک مقررہ معاوضہ ادا کرنے کے وعدہ پر کوئی کاشتکار جتنی زمین چاہتا لے سکتا تھا۔

This is rarely refused, but almost granted, beacuse here not one 10th part of land is cultivated. (7)

ساری زمین پر ملکیت کا حق بادشاہ استعمال کرتا تھا اس لیے وہ مطلق العنان تھا۔

مغلیہ عہد حکومت میں زمینداروں کی اقسام:

ابتداءً یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ زمینداری کے مفہوم میں وہ سب لوگ آتے ہیں جو مختلف شرائط کے تحت اراضی کے مالک تھے وہ لوگ جن کے پاس موروثی زمینداری یا علاقہ اس شرط پر تھا کہ وہ ایک مقررہ رقم بطور پیشکش ادا کریں ایسے لوگ بھی اس میں شامل تھے جو اپنی موروثی زمینداری کی کوئی پیشکش ادا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے پاس زمین بطور عطیہ تھی جو شہنشاہ کی خدمت گزاری کے عوض تنخواہ کی جگہ ادا کی جاتی تھی گویا منصب کا درجہ رکھتی تھی۔ بعض شاہی فرمان میں یہ حوالہ بھی ہوتا کہ فلاں آدمی فلاں علاقہ کا زمیندار مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ حقوق موروثی نہ ہوں گے زمینداری کی اصطلاح اس شخص کیلئے بھی استعمال ہوتی تھی جس کو اراضی پر بعض حقوق حاصل ہوتے تھے ان حقوق و مفادات میں مال واجب یا مالگذاری بھی شامل تھی جو مفصل تخمینہ کی بنیاد پر مقرر کی جاتی تھی۔ زمینداروں کے زمرہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو تعلقہ دار کہلاتے تھے۔ یعنی مختلف زمینداریاں مختلف شرائط پر حاصل تھیں اس دور میں مروج زمینداری کی مختلف صورتیں کچھ یوں تھیں۔

منصبداری نظام:

سلطنت مغلیہ کے نظم و نسق کی بنیاد منصب داری نظام پر تھی۔ منصب دار وہ امراء ہوتے تھے جن کو خاندانی مرتبہ کی وجہ سے یا اعلیٰ کارگزاریوں کے عوض صوبوں اور ضلعوں کا انتظام سونپا جاتا تھا۔ ان منصبداروں کو بڑی

جاگیریں عطا کی جاتی تھیں لیکن ملک کی تمام زمین چونکہ بادشاہ کی ملکیت ہوتی تھی اس لیے چھوٹے بڑے کسی منصب دار کو زمین پر کسی قسم کا حق ملکیت نہیں ہوتا تھا۔منصب داری کا یہ نظام اکبر نے رائج کیا تھا اور زیادہ تر منصب دار ایرانی یا ترک تھے۔

شاہی خاندان کے افراد اور وزراء سے لے کر صوبوں کے ناظم اور ان کے ماتحت عملہ سب کے سب منصب دار ہوتے تھے۔منصب داروں کے مرتبہ کا تعین اسی مناسبت سے ہوتا تھا اور اسی حساب سے ان کو سرکاری خدمات کی بجا آوری کیلئے نقد تنخواہوں کے عوض جاگیریں دے دی جاتیں گویا وہ فوجی بھی ہوتے تھے، نواب بھی اور سول انتظامیہ کے رکن بھی۔عطا ہونے والے منصب عموماً دوھرے ہوتے تھے یعنی ذات وسوار۔ اول الذکر خاص طور پر ذاتی تنخواہ کو ظاہر کرتا اور آخرالذکر سے اس فوج کا تعین ہوتا جس کی کفالت کا عہدہ دار ذمہ دار ہوا کرتا تھا۔مغلیہ تاریخ میں ان منصبداروں کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔مثلاً

قندھار کا حاکم مرزا رستم ہندوستان اور قلعہ کی چابی پیش کی تو بادشاہ نے اس کو اس وقت کا سب سے بڑا منصب پانچ ہزاری عطا کیا ملتان کی حکومت بھی اس کے سپرد کر دی۔(8)

عہد شاہجہانی کے مہابت خان کے متعلق لکھا ہے کہ ''خان خاں سپہ سالار مہابت خان کے خطاب اور سات ہزاری اور سات ہزار سوار سہ اسپہ اور دو اسپہ کا منصب ملا۔''(9) شہزادوں کے منصب کے متعلق بھی ہے کہ ''شہزادہ اورنگ زیب اور شجاع دونوں بیس ہزاری پندرہ ہزار سواروں کے منصب پر مامور تھے۔''(10)

ان منصبداروں کے تقرر، ترقی وتنزل اور موقوفی کے تمامتر اختیارات صرف شہنشاہ کو حاصل تھے۔جاگیریں تھوڑی مدت بعد تبدیل کر دی جاتی تھیں ایسا بہت کم ہوتا کہ کوئی بھی شخص کسی مخصوص جاگیر پر تین یا چار سال سے زیادہ قابض رہ سکے۔''اس طریقہ کی بنیاد اکبر نے ختکہ خاندان کے عہدہ داروں کو پنجاب کی جاگیر سے ہٹا کر ڈالی۔''(11)

بادشاہ جب چاہتا جاگیر واپس لے لیتا بعض اوقات تو سال دو سال بھی گزرنے نہ پاتے اور جاگیریں ایک سے لے کر دوسرے کے حوالہ کر دی جاتیں۔اس ماحول میں منصب داروں کو کیا پڑی تھی کہ وہ اپنی جاگیروں کی صلاح وترقی کی فکر کرتے اور اپنی آمدنی کو نفع بخش کاموں میں لگائے۔''سہوان کی جاگیر 43 سالوں میں سترہ بار تبدیل ہوئی۔''(12)

اس لیے ایسا شخص جو اپنے منصب پر تقرری یا کسی بڑے منصب پر ترقی کی تاریخ ہی سے اپنی جاگیر پر قابض ہوتا تو وہ بہت خوش قسمت تصور کیا جاتا تھا۔منصب داری کا حق موروثی نہ تھا بلکہ منصب دار کی وفات کے بعد اس کے تمام حقوق مشاہدے، خطابات، اعزازات اور جاگیریں ختم ہو جائیں اور اس کے بچوں کو از سر نو اپنی معاشی زندگی کا آغاز کرنا پڑتا۔''مملکت مغلیہ میں زمیندار کی وراثت کا عدم قانون تھا۔''(13)

منصب دار کی وفات، تبادلہ یا برطرفی کی صورت میں جاگیر ریاست کو منتقل ہو جاتی۔

پیشکش زمیندار:

وہ زمیندار جو پیشکش یا نذرانہ ادا کرتے تھے ان کو پیشکش، مقرری اور غیر عملی کی اصطلاحوں سے یاد کیا گیا ہے۔" (14) پیشکشی زمیندار کی تین قسمیں تھیں

۱۔ پوری سرکار کے زمیندار

۲۔ پورے پرگنے یا مواضعات کے زمیندار جن کو رسمی زمیندار کہا جاتا تھا۔

۳۔ چھوٹے زمیندار جن کے پاس محض چند گاؤں ہوتے تھے ایک پرگنہ کے پیشکش زمیندار مرتبہ میں سرکار کے زمیندار کے برابر سمجھے جاتے تھے۔لیکن سرکاری کنٹرول ان پر سرکاری زمینداروں کی نسبت زیادہ ہوتا تھا۔

سرکاری زمیندار خودمختار حیثیت رکھتے تھے اور مغلیہ حکومت ان علاقوں کی علمداری میں کوئی مداخلت نہ کرتی تھی لیکن پرگنہ کے زمیندار جو رسمی زمیندار کہلاتے تھے ان کا معاملہ ایسا نہ تھا بلکہ ان کی زمینداری پر تھوڑا سا کنٹرول حکومت کا رہتا تھا۔چھوٹے زمیندار بالکل ہی فوج کی عملداری میں ہوتے تھے۔اور ان کی زمینداری اس علاقہ کے اندر ہوتی تھی جو فوجدار کے احاطہ اختیار میں آتا تھا۔پیشکش زمیندار کی وفات کے بعد نئے امیدوار کی درخواست پر غور کیا جاتا اگر وہ مناسب پیشکش ادا کرنے پر آمادہ نظر آیا۔تو اس کی درخواست کی سفارش ہوتی تھی اور منظور کر لی جاتی تھی۔

تعلقہ دار

تعلقہ دار بھی زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے البتہ مملکت کے مختلف حصوں میں تعلقہ اور تعلقہ داروں کی اصطلاحیں ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال کی جاتی تھیں۔

> تعلقہ سے مراد وہ انتظامی حلقہ تھا جو حکام کی طرف سے بنا دیا گیا ہو۔کہیں تازہ خریدی ہوئی زمینداری اور کہیں ایسی اراضی مراد تھی جس پر کسی دوسرے زمینداروں کی طرف سے مختار و مجاز بنا دیا گیا ہو بنگال میں تعلقہ کی تعریف چھوٹی زمینداری کی گئی ہے اور تعلقہ دار کو چھوٹا زمیندار بنایا گیا ہے علاوہ ازیں تعلقہ دار کو مستاجر کے برابر بھی کہا گیا ہے کیونکہ وہ مستقل اور متعین حقوق نہیں رکھتا تھا۔(15)

مختصراً تعلقہ دار کسی تعلقہ پر قابض شخص کو کہتے تھے اور تعلقہ ایسی زمین یا علاقہ تھا جس پر کسی حق کا دعوی کیا جائے۔تعلقہ دار اس پورے علاقہ کا زمیندار نہ ہوتا بلکہ وہ صرف ایک جزو کا زمیندار اور باقی کا محض ایک درمیانی واسطہ ہوتا تھا۔

ان کے علاوہ بھی ملکیت زمین کی چند صورتیں اس دور میں ہمیں ملتی ہیں ۔ایسی زمینیں جن پر جاگیر ہی کی طرح قبضہ ہوتا تھا مگر اس کے مقابل کوئی منصب یا ذمہ داری عائد نہ ہوتی ۔انعام کہلاتی تھیں ایسے علاقے جو ابھی تک جاگیر میں نہ دیئے گئے ہوں مگر دیئے جانے والے ہوں پائی باقی کی اصطلاح سے موسوم تھے اور خالصہ ان زمینوں اور محاصل پر مشتمل ہوا کرتا جو سرکاری خزانہ کے لیے مخصوص تھیں۔

مالگذاری:

عہد مغلیہ میں زمیندار سے زمین کی مالگذاری جس پر وہ زمیندارانہ حقوق کا دعویدار ہوتا تھا طلب کی جاتی تھی اگر زمیندار مالگذاری جمع اور ادا کرنے سے قاصر ہوتا تو اسے برطرف کر کے اس کی جگہ کوئی دوسرا زمیندار مقرر کر دیا جاتا تھا۔اس دور میں زمیندار دوہری حیثیت کا مالک تھا ایک تو زمین کے مالک ہونے کی اور دوسری مالگذاری جمع کرنے کے لیے سرکاری اہلکار کی جیسا کہ نعمان احمد صدیقی لکھتے ہیں۔''مغلوں کے دور میں زمیندار کو دوہری حیثیت حاصل تھی وہ زمین کا مالک بھی تھا اور نیم سرکاری مرتبہ بھی رکھتا تھا اس لیے بعض اوقات اس کو اہلکار بھی کہتے تھے۔''(16)

مغلوں کے نظام مالگذاری کے متعلق ہندوستانی معاشیات کے مبادی میں ہے کہ ''مغلوں نے ہندووں کے قدیم طریقہ مالگذاری میں کوئی بنیادی تغیرات نہیں کئے بلکہ صرف ان کے طریقہ کو قاعدہ کے تحت کر دیا اور مالگذاری کا باقاعدہ حساب کتاب جاری کیا۔''(17)

مغلیہ دور میں بندوبست مالگذاری کے تین مرحلے سامنے آتے ہیں جن میں سے اہم ترین راجہ ٹوڈرمل کا بندوبست ہے۔''شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں راجہ ٹوڈرمل کے ذریعے 1582ء میں مغلوں کا پہلا بندوبست مالگذاری عمل میں آیا''(18) یہ بندوبست ابتداء دس سال کی مدت کے لیے کیا گیا لیکن یہ چھہتر سال رہا تشخیص مالگذار زمین کی پیداوار کے تناسب پر مبنی تھی ۔مغلوں کا دوسرا بندوبست شہنشاہ اورنگ زیب کے سال جلوس 1658ء میں شاہ شجاع یا سلطان شجاع صوبہ دار بنگال نے کیا جو مالگذاری میں 987162 روپے پیشی کا باعث ہوا۔(19) مغلوں کا تیسرا بندوبست مرشد قلی خاں صوبیدار نے جسے 1722 میں عروج حاصل ہوا بنگال میں کیا۔اس بندوبست میں ایک اہم اصلاح نظم و نسق مضمر تھی ۔(20)

جہاں تک مالگذاری کی شرح کا تعلق ہے شروع شروع میں تو پیداوار کی من مانی شرحیں معین کی گئیں کو بعد میں ان کا تعین زیادہ حقیقی یعنی مختلف علاقوں میں مختلف شرحوں کے اصولوں پر ہوا بالآخر ان شرحوں کو علیحدہ علیحدہ ہر علاقہ کی پیداوار کی اوسط پر مرتب کیا گیا۔

کشمیر میں حکومت کو معلوم ہوا کہ سرکاری مطالبہ گو کہ کاغذ پر تو پیداوار کا صرف ایک تہائی ہے

> مگر درحقیقت وصول دوتہائی کے مطابق ہے لہذا اکبر نے اسے گھٹا کرایک نصف کردیا صوبہ ٹھٹھہ میں پیداوار کا ایک تہائی وصول کرتے تھے ریگستانی علاقوں میں وصولی پیداوار کا محض ایک بٹہ سات ایک بٹہ آٹھ ہوتی تھی ۔(21)

مالگذاری کی ادائیگی عموماً نقدلگان کیصورت میں ہوتی تھی جب مالگزاری جنس کی صورت میں وصول کی جاتی تو بعض اوقات اسے فروخت کرکے اس کی قیمت نقدوصول کرلی جاتی تھی ۔کشمیر میں غلہ بٹائی کے نسق کا ایک مخصوص طریقہ رائج تھا۔''زمین کی مالگذاری کو چاول کے خربار (گدھے کی بوجھ) کی مقدار میں معین کرلیا جاتا اور کبھی یہ نقد وصول نہ کی جاتی تھی۔''(22)

بنگال میں کسان عام طور پر لگان نقدادا کرتے تھے اور غلہ بٹائی کا رواج بہت شاذ تھا۔وصولی خواہ نقدی کیصورت میں ہو یا جنس کی صورت میں ہمیشہ فصل کاٹنے کے وقت کی جاتی تھی ۔ مالگذاری عموماً خزانہ میں عامل یا محصل مالگذاری کی معرفت جمع ہوتی اور اکبر کے دور میں کسان کی براہ راست ادائیگی کی بہت حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اورانہیں یہ بھی حق حاصل تھا کہ وہ اپنی ادائیگیوں کی باضابطہ رسید حاصل کریں ۔لیکن شاہان مغلیہ کے تنزل کے زمانہ میں مالگذاری کے طریقہ اور مدت کاشت میں ایک اہم تبدیلی آئی کہ مالگذاری وصول کرنے کا اختیار ٹھیکیداروں کودے دیا گیا۔

> اس طریق کے تحت مالگذاری کا متاجر حکومت کووصول کردہ رقم کا 9/10 حصہ ادا کرتا تھا اور باقی اپنے مختانے کےطور پر رکھلیا کرتا تھا لیکن بعد کے زمانہ میں انحطاط کا ایک اوردور رونما ہوا جبکہ کسی پرگنہ یا ضلع کی مالگذاری وصول کرنے کا حق نیلام کے ذریعہ سب سے بڑی بولی بولنے والوں کودیا جانے لگا۔(23)

رفتہ رفتہ ان ٹھیکیداروں نے اپنی حالت مستحکم کرکے زمین پر موروثی حقوق حاصل کر لیے اس عملدرآمد کے تحت ٹھیکیدار اصلی کاشتکار پر بڑا ظلم ڈھالتے تھے ۔

انگریزی دور کا زرعی نظام:

انگریزوں سے پہلے پایا جانے والا جاگیرداری نظام بہت مختلف تھا جاگیردار اراضی کے مالک نہیں ہوتے تھے بلکہ ان سے ملنے والی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے اور معاوضہ میں حکومت کے لیے مقررہ حد تک فوج مہیا کرتے تھے ۔ جاگیرداروں کوفوج کی تعداد کے لحاظ سے انتظامی اخراجات پورے کرنے کیلئے جاگیریں دی جاتی تھیں۔ انگریزوں نے یہ نظام ختم کردیا اور فوج کو براہ راست مرکزی حکومت کی تحویل میں دے دیا جوان کی تنخواہ کی ادائیگی

کرتی تھی ۔اور زمینوں کو اپنے پسندیدہ لوگوں کی ملکیت میں دے دیا۔ایس ایس تھارن اس بارے میں لکھتے ہیں۔''ہماری (انگریزی) حکومت کے قیام سے پہلے لوگوں کے پاس تصور حقوق جائیداد کے مطابق زمین کے مالکانہ حقوق نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔''(24)

انگریز نے برصغیر پاک وہند میں ساری پامالی اور بربادی کی اساس زمینی نظام پر رکھی اور اس پر عمل یوں کیا کہ زمین کو حکومت کی ملکیت سے نکال کر ذاتی ملکیت میں دے دیا نیز مالگذاری کے پرانے نظام میں تبدیلیاں کیں۔انگریز حکومت نے اپنے دور میں زمینداری سے متعلق کچھ بل بھی پاس کئے اور قانون بنائے مثلاً قانون (ترمیم ثانی) ایکٹ انتقال اراضی پنجاب بتاریخ 16 جولائی 1938ء منظور ہوا اس قانون سے بے نامی سودے ناجائز قرار دیئے گئے۔

> قانون دفعہ ۱۳۔الف کی رو سے جب کوئی بیع، تبادلہ، ہبہ، وصیت، پٹہ، مستاجری کسی زراعت پیشہ قوم کے فرد کی طرف سے زراعت پیشہ قوم کے کسی اور فرد کے حق میں ہو لیکن اس سودے کا نتیجہ یہ ہو کہ فائدہ کسی غیر زراعت پیشہ قوم کا فرد اٹھائے تو یہ انتقال جملہ اغراض کے لیے ناجائز ہوگا۔

ناجائز طور پر منتقل شدہ اراضی پر منتقل کنندہ کو قبضہ دلانے کا اختیار ڈپٹی کمشنر کو دیا گیا ہے۔''بے دخل شخص کو معاوضہ مل سکتا ہے اگر دوران قبضہ میں اس نے اصلاحات کی ہیں معاوضہ کی رقم اصل سودے کے زربدل کی مالیت سے زیادہ نہ ہوگی۔''(25)

قانون واگذاری اراضیات مرھونہ:

اس بل کی رو سے اصل مالک کی درخواست پر 8 جون 1901ء سے پہلے کی ہر ایک گروی شدہ زمین کلکٹر صاحب مالک کو واپس کردیں گے۔شرائط یہ ہوں گی۔

۱۔ اگر قبضہ کے دوران میں گروی دار اصل رقم سے دوگنا یا اس سے زیادہ فائدہ اٹھا چکا ہے تو زمین اس مالک کو بلا کسی مزید معاوضہ کے مل جائے گی۔

۲۔ اگر قبضہ کے دوران میں اٹھایا ہوا نفع اصل زررہن کے دوگنے سے کم ہوگا تو مالک کو ذیل کی شرح سے معاوضہ دینا پڑے گا۔

الف۔ اگر قبضہ 30 سال سے زیادہ مگر چالیس سال سے زیادہ نہ ہو تو اس معاملہ زمین سے جو گروی کے وقت گروی شدہ زمین پر لگا ہوا ہو زیادہ سے زیادہ تیس گنی رقم۔

ب۔ اگر قبضہ چالیس سال سے زیادہ مگر پچاس سال سے زیادہ کا نہ ہوتو اس معاملہ زمین سے جوگروی کے وقت گروی شدہ زمین پر لگاہوا ہوزیادہ سے زیادہ پندرہ گنی رقم۔

ج۔ اگر پچاس سال سے زیادہ کا قبضہ ہوتو اس معاملہ زمین سے جوگروی کے وقت گروی شدہ زمین پر لگاہوا ہوزیادہ سے زیادہ پانچ گنی رقم۔(26)

اس قانون کے تحت رہن رکھنے والوں کو فائدہ پہنچا کیونکہ انہیں آٹھ جون 1901ء سے پہلے کی گروی شدہ زمین بلا معاوضہ واپس مل گئی۔

انگریز حکومت نے ساہوکاروں کی رجسٹری کا قانون بھی بنایا جس کے متعلق برج نرائن لکھتے ہیں۔

ہر ایک شخص کو جو ساھوکارہ کرنا چاہتا ہے اپنا نام رجسٹر ساھوکاراں میں درج کرنا ہوگا۔ رجسٹری کی فیس پانچ روپے نام رجسٹر کرانے پر ساھوکار کو لائسنس لینا ہوگا اور یہ لائسنس ہر سال بدلوانا پڑے گا لائسنس کی فیس حکومت مقرر کرے گی اگر کوئی ساھوکار نام رجسٹر نہ کرائے یا لائسنس نہ لے تو عدالت اس کے دعوے خارج کردے گی۔(27)

زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ ساھوکار بے پڑھے لکھے غریب اور بے بس کسانوں کو بری طرح لوٹتے ہیں۔حکومت نے قانون رجسٹری ساھوکاراں کے ذریعہ چالاک ساھوکاروں کی چالاکی کی روک تھام کی۔
ایک اور بل قانون (ترمیم سوم) ایکٹ انتقال اراضی پنجاب زمیندار ساھوکاروں سے تعلق رکھتا ہے اس بل کا مطلب یہ ہے کہ۔" آئندہ کسی زراعت پیشہ قوم سے تعلق رکھنے والا ساھوکار اپنے قرضہ کے بدلے میں کسی زراعت پیشہ قوم کی زمین نہ خرید سکے گا نہ بیس سال سے زیادہ عرصہ کیلئے گروی لے سکے گا۔"(28)

اس بل کی خلاف ورزی کو ناممکن بنانے کے لیے چند اقدامات کئے گئے۔مثلاً جو پابندی ساھوکار پر لگائی وہی پابندی ساھوکار کے دادا، اولاد میں جتنے مرد ہیں اوران مردوں کی بیویوں پر لگائی گئی اس طرح بیچنے والے پر پابندی لگائی گئی تاکہ ساھوکار اپنے کسی نزدیکی رشتہ دار کے نام سے زمین اپنی اسامی سے نہ لینے پائے۔
اس قانون کی دفعہ۱۳ الف میں لکھا ہے کہ" دوامی انتقال نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ مقروض کی طرف سے کل قرضہ ادا یا بے باق نہ کر دیا جائے اور ایسی ادائیگی اور بیباقی کو تین سال کا عرصہ نہ گزر جائے اس صورت میں قارض نے مقروض کی زمین نہیں خریدی کیونکہ نہ قارض قارض رہا نہ مقروض مقروض۔"(29)

اس بل کا مقصد یہ تھا کہ کسی زراعت پیشہ قوم سے تعلق رکھنے والا ساھوکار بھی اپنے قرضے کے بدلے میں کسی زراعت پیشہ قوم کے کسی شخص کی زمین نہ خرید سکے۔

مالگزاری:

اگست 1765 ء میں مغل شہنشاہ کو چھبیس لاکھ روپے سالانہ رقم ادا کرنے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام ''دیوانی'' کی منظوری گویا برطانوی انتظام مالگزاری کی ابتداء ہے۔(30)

مغلوں کے عہد سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ زمینیں ٹھیکیداروں کو دی جاتیں جو مال گزاری وصول کرکے ایک معین حصہ حکومت کو دینے کے ذمہ دار ہوتے یہ ٹھیکیدار قانوناً زمین کے مالک نہ ہوتے جبکہ مغلوں کے آخر دور میں یہ لوگ مستقل قابض ہوگئے اور جب کمپنی کے خزانے پر نا قابل برداشت بوجھ پڑا تو اس نے زمینیں نیلام کرنا شروع کر دیں۔باری اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

> کلائیو نے بنگال کی دیوانی حاصل کرنے کے بعد زرلگان کا وہی طریقہ رکھا جو مغلوں کے عہد میں جاری تھا اور وارن ہیسٹنگز نے زمین کو کمپنی کی ملکیت قرار دیتے ہوئے پہلے پانچ پانچ سال اور پھر سال بسال نیلام کے ذریعہ ٹھیکوں پر دینے کا طریقہ رائج کیا۔(31)

لیکن کمپنی اس بندوبست سے مطمئن نہ تھی اور اس طرز کو آمدنی کا ایک سبب سمجھتی تھی اس لیے جب لارڈ کارنوالسس گورنر جنرل بن کر آیا تو اس نے بنگال میں دوامی بندوبست جاری کیا جس کی رو سے اراضی پر زمینداروں کے مالکان حقوق تسلیم کرکے مالگذاری کی ایک مستقل شرح مقرر کردی گئی۔''1973ء میں وزارت انگلستان کی منظوری سے بنگال، بہار، اڑیسہ کی زمینوں پر قابض زمینداروں کے حقوق ملکیت تسلیم کر لئے اور ہمیشہ کے لیے لگان کی ایک شرح مقرر ہوگئی۔''(32)

اس بندوبست کے نتائج خوش آئند نہ تھے اس کی تباہ کاریوں نے پورے صوبہ کی معیشت کو تہس نہس کرکے رکھ دیا۔زمیندار مالگذاری کے بارگراں کو ادا کرنے سے قاصر تھے اور کاشتکاروں پر سختی کیا کرتے تھے۔کاشتکاروں کے حقوق کے تحفظ اور زمینداروں کے مظالم سے ان کو محفوظ رکھنے کیلئے 1859ء اور 1885ء میں ضروری قوانین کا نفاذ ناگریز ہوگیا اضافہ لگان اور بے دخلی کے قواعد مقرر کئے گئے دوامی بندوبست کی ابتدائی پالیسی جو 1795ء میں بنارس اور شمالی مدارس کے بعض حصوں میں رائج ہو چکی تھی۔1820ء میں ترک کردی گئی۔

بندوبست دوامی کے رائج ہوتے ہی حکومت کو فصلوں کی تباہی اور زرخیزی سے کوئی واسطہ نہ رہا حکومت کو صرف مقررہ لگان وصول کرنے کی فکر ہوتی تھی اس بندوبست نے زمینداروں کو زمینوں کا مالک بنادیا اور یہی بڑے بڑے زمیندار 1857ء میں حکومت کے کام آئے۔اس بندوبست کی خرابیوں کے باعث وقتاً فوقتاً اسے منسوخ کرنے کا مشورہ دیا جاتا رہا۔1940ء میں لینڈ ریونیو کمیشن نے سفارش کی کہ''دوامی بندوبست منسوخ کیا جائے

اوو راس کی جگہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس کے تحت درمیانی واسطے حذف ہو جائیں ۔"(33)

لیکن اس بندو بست کو منسوخ نہ کیا گیا کیونکہ یہ سراسر سیاسی مصلحت پر مبنی تھا اس نظام نے اجتماعی زندگی کو کچل کر رکھ دیا گاؤں کی زندگی ختم ہو گئی اور دیہاتی آبادی نا قابل بیان مصائب میں مبتلا ہو گئی ۔

بندو بست دوامی کے لیے ہندوستان میں دو اور قسم کے بندو بست بھی ہوئے

محال داری بندو بست:

قطعہ زمین اشخاص کے تحت ہوتا ہے جیسا کہ صوبہ متحدہ پنجاب میں ہے صوبہ متوسط مالگذاروں کو اس طریقہ میں شامل کیا جاتا ہے ۔فطری حیثیت سے مالگذاری ہر کاشتکار سے منفرد وصول نہیں کی جاتی بلکہ گاؤں کے مشترکہ پٹہ داروں سے جو مشترکہ اور منفرد طور پر ادائی کے ذمہ دار ہیں وصول کی جاتی ہے ۔

رعیت داری بندو بست:

ہر شخص منفرداً زمین کا مالک ہوتا ہے جیسا کہ مدراس ، بمبئی اور برار میں ہے ۔(34)

علاوہ ازیں انگریزوں نے اراضی اور جائیداد نیلام کرنے کا قانون نافذ شرح سود کو آزاد چھوڑ کر زراعت پر زبردست ٹیکس عائد کئے اس قلیل جماعت کو جسے مہاجن یا بنیا کہا جاتا ہے انگریزی عملداری میں خوب بڑھنے پھولنے کا موقع ملا ٹھیکہ کے ذریعہ بہت بڑی بڑی جائیدادوں پر قابض ہوئے پھر دوامی بندو بست کے تحت مالک بن گئے ۔کسانوں کے لیے دوہری مصیبت تھی کہ مطالبہ زر پورا نہ ہوتا تھا تو بنیوں کے کارندے مکانوں کو لوٹ کر آگ لگا دیتے تھے اور نئے ٹھیکیداروں کو زمیندار یا جاگیر دار کہا جاتا تھا اس پر یہ غضب ہوا کہ صنعت و حرفت کو تباہ و برباد کر کے کلیتاً زرعی ملک بنانے کی ایک خاص پالیسی وضع کی گئی ۔

مختصراً انگریز حکومت نے جو بندو بست نافذ کئے اس کے مقاصد یہ تھے ۔

۱۔ دو ہزار سال سے ملکیت ارضی کا جو نظام موجود تھا اسے اپنے نظریات ملکیت کے مطابق تبدیل کر دیا اور اراضی نجی ملکیت میں دے دی ورنہ برصغیر میں نجی ملکیت کا تصور تک نہ تھا ۔

۲۔ نجی ملکیت کا قانون کسی اصول کا پابند نہ تھا بلکہ ان کے مفادات و مصلحتوں پر مبنی تھا انہوں نے قابضان اراضی سے متعلق حقدار یا غاصب کی تحقیق نہ کی مالیہ کی وصولی کو سامنے رکھ کر جو بھی قابض تھا اس کا قبضہ تسلیم کر کے حقوق ملکیت دے دیئے گئے ۔

۳۔ انہوں نے جن ترجیحی بنیادوں پر زمین ملکیت میں دی ان میں اصل مقصد اپنی حکومت کو مستحکم کرنا تھا حق اور

ناحق کی بجائے سیاسی مفادات کو سامنے رکھا گیا۔

انگریزی عہد کی اراضی:

انگریزی عہد میں اراضی ہند کی ملکیت کے سلسلے میں چند چیزیں بلا اختیار حسب ذیل ہیں انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کے وقت مالکان اراضی کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھا۔ اور یہ مالکان اراضی زمیندار کہلاتے ہیں۔(35) دوسری جگہ لکھا ہے۔

> عہد انگریزی میں سابق مالکان اراضی بدستور اپنی زمینوں کے مالک قرار دیئے گئے۔ ذمہ دار انگریزوں کے اقرار اوران کے نافذ کردہ قوانین سب اس پر شاہد ہیں کہ آج تک زمیندار کو تمام مالکان تصرفات بیع وشراء، ہبہ و وقف وغیرہ حاصل ہیں اور انتقال کے بعد اس کی املاک منقولہ کی طرح زمین بھی اس کے وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔(36)

مزید آگے لکھا ہے۔

> جو لوگ اصل سے زمیندار یعنی مالک زمین نہیں بلکہ ٹھیکدار تھے پھر کسی کے زمانہ میں تغلب کر کے مالک زمین زمیندار بن بیٹھے۔ پھر کسی وجہ سے انگریزی حکومت نے بھی ان کو مالک تسلیم کرلیا۔ تو ابتدا تغلب کرنے والے اپنے ظلم وتعدی کی وجہ سے اگرچہ مجرم و گناہگار ہیں۔ لیکن اول فتح میں حکومت انگریزی کی اس تسلیم سے ملکیت ان کی ثابت ہوگئی۔ اس کے بعد جن لوگوں کو یہ زمینیں وراثت میں ملیں یا ان لوگوں سے خرید کر پہنچیں وہ ہی ان اراضی کے شرعی مالک قرار دیئے جائیں گے۔(37)

انگریزی عہد میں بھی انگریزوں نے مالکان اراضی کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھا جو کہ مذکورہ حوالوں سے سمجھ میں آتا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسئلہ اراضی کے سلسلہ میں کوئی دور بھی ہو۔ خواہ عہد رسالت ﷺ و فاروقیؓ ہو یا بعد کے ادوار میں سے کوئی دور ہو۔ اراضی کے مالکان کو ان کی ملکیت پر بحال رکھا گیا ہے۔ اسلامی دور میں اراضی کے خراج سے اور انگریزی دور میں مالیہ سے آمدن میں اضافہ کرکے ملازمین کی تنخواہیں اور دیگر ضروریات کو پورا کرنا اور رفاہی امور کو سرانجام دینا حکومتوں نے اپنا اپنا فرض سمجھ کر پورا کیا۔ تاکہ کسی بھی جگہ دوسروں کو مشکل پیش نہ آئے۔

چودہ اگست 1947ء کو جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت تک ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو لگ بھگ دوسو سال ہو چکے تھے۔ اس لیے اراضی کی ملکیت میں سابقہ حالت ہی برقرار رہی۔

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم مصالحت ومعاہدات کے ذریعہ ہوئی جبراًوقہراًنہیں اور یہ معاہدہ تین جون 1947ء کو متفقہ دستاویز قرار پایا۔ پاکستان ایک ایسے معاہدہ پر مبنی ہے جس میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر پاکستان و ہندوستان کی دونوں مملکتوں میں بسنے والی اقلیتوں کے جان، مال، آبرو اور شہری حقوق کی مکمل حفاظت کی ضمانت دی اور مساویانہ سلوک کا معاہدہ کیا۔اس لیےبھی اس سابقہ حالت کو برقرار رکھنا ضروری تھا۔

فقہی بحث:

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی اراضی کی جس پر انگریز نے جبری تسلط کے تحت قبضہ جمالیا تھا،اور جسے وہ بعد میں اپنے منظور نظر لوگوں کوان کی وفاداریوں کے صلے میں مرحمت کرگیا تھا۔کیا حیثیت ہے اس پر گفتگو کرنے سے قبل مسلمانوں کے پاس غیر مسلموں کی اراضی آنے کے پس منظر پر بحث کرنا مناسب ہوگا۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جو اموال حاصل ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔

۱۔ جنگ و جہاد کے حاصل کیے ہوں جن کا اصطلاحی نام مال غنیمت ہے۔

۲۔ وہ اموال جو کسی صلح نامے سے حاصل کیے ہوئے ہوں انہیں اصطلاح میں مال فے کیا جاتا ہے۔

اس تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں جو جائیداد از قسم زمین وغیرہ غیر مسلم چھوڑ گئے ہیں وہ کسی جنگ کے ذریعہ تو ان سے حاصل نہیں کی گئی لہذا اس کا شمار پہلی قسم کے بجائے دوسری قسم یعنی مال فے کے تحت ہوگا اور یہ مال غیر منقولہ اراضی بیت المال میں شامل ہوگی اور اراضی بیت المال میں اسلامی حکومت کو بہت سے اختیارات حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان تمام کو یا ان میں سے بعض کو مستحقین اور اہل حاجت میں تقسیم کر دے یا ان لوگوں کو دے دے جن کی خدمات، اسلامی جہاد، تعلیم اور تبلیغ وغیرہ میں مصروف ہیں۔(38)

انگریزوں کی عطا کردہ اراضی:

اس زمین کا حکم جو تقسیم ہند کے بعد غیر مسلم لاوارث چھوڑ گئے تھے اور جسے حکومت پاکستان نے خصوصی اختیارات کے تحت مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے۔لیکن اس سلسلہ میں قابل غور اس زمین کی ملکیت ہے جو کہ انگریزوں نے اپنے وفاداروں، میں بانٹی تھیں اور وہ لوگ جو کہ تقسیم ہند سے پہلے ہی لاکھوں ایکڑ اراضی کے مالک تھے اور اب بھی بڑی بڑی جاگیروں کے مالک ہیں، یہاں پھر دو مسئلے قابل توجہ ہیں۔

اولاً: یہ کہ آیا یہاں مسلمانوں کا قبضہ جائز تھا یا نہیں

ثانیاً: یہ کہ یہاں انگریزوں نے جو تسلط قائم کیا۔اس کی کیا حقیقت ہے۔پہلے مسئلے کے متعلق مولانا جلال الدین فرماتے ہیں۔

ملک ہند ابتدأ مسلمانوں نے بزور قوت غلبہ حاصل کرنے کے بعد فتح کیا تھا۔اس کو تقریباپانچ سو سال گذر چکے ہیں اس لیے ہم کو کوئی معلوم نہیں کہ اس وقت کونسا مقام آباد تھا اور کونسا غیر آباد تھا۔پھر جس کے قبضہ میں اسلامی حکومت سے پہلے زمینیں تھیں وہ مر چکے ہیں اور اس کے بعد بے شمار حوادث پیش آئے جن میں رعیت کا بیشتر حصہ ھلاک ہوگیا اور جو باقی بچے وہ نامعلوم مقامات پر منتشر ہو گئے اور مشرق ومغرب وشمال وجنوب چلے گئے ۔اسلامی لشکر کے غلبہ، تسلط، اقتدار، قحط اور وبا کے سبب سختیاں برداشت کرتے رہتے اور مصائب جھیلتے جھیلتے بیشتر عوام کے فوت ہو جانے کی وجہ سے بقیہ لوگ کبھی کسی شہر میں رہے اور کبھی گاؤں میں جا کر رہے ان مذکورہ امور کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ یہ نہ صرف خبر مشہور ومتواتر بلکہ مشاہدہ سے بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے ۔اس لیے یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ یہ زمینیں عامۃ المسلمین کے لیے آزاد ہو گئیں ۔

دراصل ان اراضیات کے مالک کا کوئی پتہ اور علم نہیں یا پھر یہ متروکہ ولاوارث ہیں جو غنیمت کے حقداروں میں تقسیم نہیں ہوئی ہیں اس لیے یہ بیت المال کی ملکیت بن کر عامۃ المسلمین کے لیے وقف ہو جائیں گے ایسی صورت میں اگر امام ان اراضیات کے کسی جزو کو بطور ملک کسی مستحق کو دیتا ہے اور وہ اس زمین پر اس کے حکم سے کاشتکاری کرتا ہے اس کو کسی مفید کام میں لانا چاہتا ہے تو

> بلا اختلاف امام کی دی ہوئی وہ زمین اس کی ملک ہو جائے گی جب کہ عطا کی گئی اور اس زمین کا خراج بھی امام کی اجازت بخشش کی وجہ سے اس کی جائز رقم بن جائے گا اور اس زمین کی حیثیت جاگیر کی ہو جائے گی جس سے بیع اور اس سے استفادہ کی تمام صورتیں جائز قرار دے دی جائیں گی ۔(39)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نامور فقیہہ شیخ جلال الدین تھانیسری مسلمان حکومتوں کو عطا کردہ جاگیروں کی ملکیت کو درست قرار دیتے ہیں وہ عطیات سلطانی کو ملک معطی الیھم قرار دیتے ہیں ۔ بلکہ ان کے رسالہ کی وجہ تصنیف ہی یہ ہے کہ اس دور کے چند علماء نے فتوی دے دیا تھا کہ ایسی اراضی کی ملکیت جائز نہیں ہے ۔

اس مسئلے میں شافعی مسلک اس سے بھی واضح ہے امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی حاکم یا والی جس کو پورے اختیارات حاصل ہیں یا قاضیوں میں سے کوئی قاضی کسی عالم کے فتوی کے مطابق اپنا حکم صادر کر دے تو وہ عمل متفق علیہ قرار دیا جائے گا ۔(40)

لہذا اگر امام نے اس قسم کی اراضی کسی شخص کو شافعی کے قول کے مطابق دی تو وہ متفق علیہ عمل میں شمار ہوگا اراضی اس شخص کی ملکیت میں آجائے گی اور امام کی اجازت سے خراج بھی اس شخص کو معاف ہوگا ۔

غیر مسلموں کی عطا کردہ اراضی کا فقہی حکم:

اس تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان حکومتوں کے دور میں ہندوستان کی اراضی کی جو تقسیم ہوئی۔اور یہ اراضی جن خاندانوں اور جن لوگوں کو عطا کی گئی تھیں ان پر ان کی ملکیت جائز،قانونی اور درست تھی۔

پھر چونکہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ انگریز کا یہاں قبضہ غاصبانہ اور ناجائز تھا۔اس لیے تمام علما نے اس کے خلاف جہاد کا فتوی جاری کیا اور بلا مبالغہ ہزاروں علما اور لاکھوں مسلمانوں نے انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کر کے جام شہادت نوش کیا لہذا انگریز نے اپنی حکومت کے عبوری دور میں انتظامی معاملات کے سوا جو اقدامات کیےوہ سب ناجائز اور غیر قانونی تھے۔اور ان کی شریعت میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ:

۱۔ انگریز نے جن مسلمان خاندانوں کی جاگیریں ضبط کیں ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد انہیں ان کی اراضی دوبارہ عطا کی جائے۔

۲۔ انگریز نے مسلمانوں سے غداری اور اپنی ذات سے وفاداری کے مسئلے میں جن خاندانوں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں ان کی عطا کردہ یہ تمام جاگیریں منسوخ اور کالعدم قرار دی جائیں۔

اور ان تمام اراضی کو بہبود عامہ کے تحت سرکاری ملکیت قرار دیا جائے لیکن بعض علماء نے نہ صرف خلاف قیاس انگریز کے اس ظالمانہ قبضے کو درست قرار دیا بلکہ ان کی اس عطا بخشش کو بھی درست قرار دیا۔(41)

برصغیر کی اراضی:

حضرت عمرؓ کے فیصلے کی روشنی میں مشترکہ پاک وہند کی اراضی کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

> جو بلا عنوۃ (جبراً) جنگ کر کے فتح کئے گئے ان کی اراضی مملوکے میں بھی صرف اور زمینیں جو مفتوح راجہ کی ملک اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو تو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا۔باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار و بدستور رکھ کر خراج شرع مقرر کر دیا۔(42)

حضرت عمرؓ نے بھی عراق میں شاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی مملوکہ اراضی کو بیت المال کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھ کر خراج مقرر کر دیا۔جیسا کہ عام اراضی عراق،شام اور مصر کے ساتھ کیا گیا تھا۔مشترکہ پاکستان وہندوستان میں سب سے پہلے صوبہ سندھ فتح ہوا تھا اس کے متعلق لکھا ہے۔

> پورے سندھ کی اراضی مملوکہ پر باشندگان ملک کا قبضہ مالکانہ باقی رکھا گیا۔صرف وہ شاہی مقبوضات جو راجاؤں کی املاک خاص تھیں۔اور جنگ وجہاد کر کے ان کو عنوۃ فتح کیا گیا تو یہ زمینیں اور غیر مملوکہ اراضی کی جملہ اقسام ارضی بیت المال میں داخل کی گئیں۔انہی اراضی

میں سے محمد بن قاسم نے بعض اسلامی خدمات کرنے والوں کو جاگیریں عطا کیں۔ اور مساجد وغیرہ تعمیر کرائیں۔(43)

بلاذری نے لکھا ہے۔

واختط محمد للمسلمین بھاد وبنی مسجد و انزلھا اربعۃ آلاف

ترجمہ: ''محمد بن قاسم نے مسلمانوں کیلئے اس (دیبل) کی نشاندہی کی اور وہاں مسجد بنائی اور وہاں چار ہزار مسلمان اترے۔''(44)

اس سے قبل اس بات کا ذکر ہے کہ اس شہر کو جبراً فتح کیا۔ اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں محمد بن قاسم کا یہ فیصلہ جناب عمر بن الخطابؓ کے فیصلے کی روشنی میں تھا۔ زمین خراجی اس وقت تک رہتی ہے جبکہ ان پر مالکان کا قبضہ مالکانہ برقرار رکھا جائے کیونکہ اگر ان کا مالکانہ قبضہ ہٹایا جائے تو اس کی صرف دوصورتیں ہیں یا تو مجاہدین میں تقسیم ہو یا ان اراضی کو بیت المال کی ملک قرار دیا جائے۔ مگر صوبہ سندھ کی اراضی پر مالکان کا قبضہ مالکانہ برقرار رکھا گیا۔ اور ان پر خراج مقرر کیا گیا۔ جیسا کہ صراحت کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ایک اور جگہ لکھا ہے۔

پورے ملک سندھ کی اراضی مملوکہ پر ہندو مالکان اراضی کا مالکانہ قبضہ بدستور قائم رکھا گیا۔ خواہ وہ شہر صلحاً فتح ہوئے یا عنوۃً وقہراً۔ اسلامی حکومت نے قبضہ یا تو ان زمینوں پر کیا جو غیر مملوک تھیں یا ان زمینوں پر جو شاہی مقبوضات تھیں اور یا وہ زمینیں جو اراضی بیت المال میں شامل ہوئیں جن کے مالک لاوارث ہو گئے یا مفقود ہو گئے۔ اور ان کے کسی وارث کا پتہ نہ چلا۔(45)

صوبہ سندھ کے بعد بقیہ ہندوستان پر مسلمان قابض رہے۔ ۹۰ھ میں فتح سندھ کی تکمیل ہوئی باقی ممالک ہند کی فتوحات کا سلسلہ تقریباً تین سو سال کے بعد ۳۹۱ھ میں سلطان محمود غزنویؒ کے ہاتھوں شروع ہوا پھر ان کی اولاد میں جاری رہا۔ شہاب الدین غوری کی فتوحات اور انتظام ملکی کا وہی دستور رہا جو سلطان غزنی کے عہد سے چلا آتا تھا کہ ممالک مفتوحہ کے راجاؤں کو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھ کر عہد اطاعت وخراج گذاری لے لیا اور خود غزنی کے دارالسلطنت میں رہے۔ یہ تمام تر تفصیلات ابن الاثیر نے اپنی کتاب میں تحریر کی ہیں۔ جیسا کہ لکھا ہے۔

ثم انہ مَنّ علیہ وردہ إلی ولایتہ وقرر علیہ ما لا تحملہ الیہ کل سنۃ

ترجمہ: ''پھر اس (سلطان) نے اس (راجہ) پر احسان کیا اور اس کو اس کی ریاست پر لوٹا دیا اور اس کے ذمہ ایک رقم بطور خراج مقرر کر دی جو سالانہ خزانہ شاہی میں جمع ہوا کرے۔''(46)

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان بلاد ہندوستان کی اراضی مملوکہ سے ان کے مالکان سابق کو کہیں بھی بے دخل کر دیا گیا ہو، منقول نہیں ہے۔ جیسا کہ سلطان شہاب الدین نے ۵۹۰ھ میں قطب الدین ایبک کی قیادت میں لشکر کی روانگی اور فتح کا ذکر لکھا ہے۔

قطب الدین نے اس کو (نہروالہ، جس کا نام آجکل پٹن ہے) قہراً فتح کیا اور اس کا راجہ وہاں سے بھاگ گیا۔ مگر باہر جا کر اس نے اپنے حمایتی راجاؤں کی اعانت سے پھر ایک جماعت اور لشکر جمع کر لیا۔ سلطان شہاب الدین نے محسوس کیا اس صوبہ کی حفاظت اس کے بغیر ناممکن کہ وہ خود یہاں قیام کرے اور یہاں کے باشندوں کو یہاں سے نکال دے بظاہر یہ کام مشکل تھا۔ کیونکہ یہ شہر بلاد ہند میں سب سے بڑا تھا اور بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔ اس لئے سلطان نے اس کے راجہ سے اس پر صلح کر لی کہ بالفعل بھی کچھ مال دیں اور ہمیشہ خراج ادا کرتے رہیں اور اپنے لشکر یہاں سے ہٹالئے اور ملک اسی راجہ کے سپرد کر دیا۔ اسی واقعہ میں اس کی بھی تصریح ہے کہ ملک قہراً فتح کرنے کی صورت میں سلطان کو جو یہ اختیار شرعاً حاصل تھا کہ پورے شہر کی اراضی سے اس کے باشندوں کے بے دخل کر کے ان کو غانمین میں تقسیم یا اراضی بیت المال قرار دے دے اس کو مشکل سمجھ کر کوئی اقدام ہیں کیا بلکہ زمین اور ملک کو راجہ کے سپرد کیا اور خراج سالانہ اس سے مقرر کر لیا۔(47)

مفتی محمد شفیعؒ نے برصغیر کی اراضی پر تفصیلا بحث کرنے کے بعد اس کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔ ''اتنی بات پر تمام علماء اسلام کا اتحاد ہے کہ ہندوستان کی اراضی اپنے اقسام و احکام میں مثل اراضی شام، عراق اور مصر کے ہیں، کہ غانمین میں تقسیم نہیں کی گئی۔''(48)

فصل دوم

پاکستان میں مروج زرعی نظام

پاکستان میں زرعی نظام کی مختلف صورتیں

پاکستان میں بڑی زمینداریاں

پاکستان میں نافذ ہونے والی زرعی اصلاحات

قانونِ مزارعین اور رھاریوں میں زمین کی تقسیم

زرعی ٹاسک فورس کی سفارشات

پاکستان میں مروج زرعی نظام

اراضی پاکستان (بعد از تقسیم):

تقسیم ہند کے بعد بناء پاکستان کن حالات میں ہوئی اور معاشرے کے حالات کیا تھے اور پاکستان کن کن مشکلات سے دوچار رہوا یہ تفصیلات دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ وجود پاکستان کے وقت کیا معاہدہ ہوا اس کے متعلق کہ اراضی کے بارے میں کیا کچھ کیا گیا لکھا ہے۔

> پاکستان کا وجود ایک ایسے معاہدے پر مبنی ہے جس میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر پاکستان و ہندوستان کی دونوں مملکتوں میں بسنے والی اقلیتوں کے لئے جان، مال آبرو اور شہری حقوق کی مکمل حفاظت کی ضمانت دی ہے اور مساویانہ سلوک کا معاہدہ کیا ہے۔(49)

اس معاہدے میں عام باشندگان ملک کی اراضی کے بارے میں کیا کچھ طے ہوا تھا اس سلسلہ میں لکھا ہے۔

> اس معاہدہ کی رو سے پاکستان بننے کے بعد ہر شخص اپنے اپنے اموال منقولہ وغیر منقولہ کا بدستور سابق مالک ومتصرف رہا۔ ملک کی تقسیم سے نہ کسی مسلم یا غیر مسلم کی املاک متاثر ہوئیں اور نہ رہن بیع وغیرہ کے معاہدات باہمی اندرون پاکستان پر اس کا کوئی اثر پڑا۔ بلکہ انگریزی عہد میں جو شخص جس چیز کا مالک یا اس پر کسی معاہدے کی حیثیت سے متصرف تھا وہ ملک اور معاہدات بدستور سابق قائم رہے۔(50)

اراضی پاکستان میں عشر و خراج کے عنوان کے تحت مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے ''اس ملک کو محمد بن قاسم نے کہیں عنوۃً اور کہیں صلحاً فتح کیا ہے اور دونوں صورتوں میں مالکان زمین کی ملکیت کو برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر فرمایا ہے۔'' (51)

اسی طرح زمینوں کے خراج اور ان کی ملکیت بحال رہنے کے اعلان کے تحت لکھا ہے۔ ''مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مالگزاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہیگا۔ وغیرہ۔''(52)

پاکستان کو اراضی تقسیم سے قبل اور بعد کے احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار سے جہاد کر کے ہند کو دارالسلام اور اسلامی حکومت بنانے کا کام سب سے پہلے علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں مکمل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد خود مسلمانوں کی باہمی آویزش اور خانہ جنگیاں رہیں جس کا مسئلہ اراضی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح متحدہ ہندوستان میں مغل

خاندان کی حکومت کے زمانہ میں جبکہ طوائف الملو کی کی بجائے اسلامی حکومت پھر قائم ہوئی اس وقت بھی کوئی نئی فتوحات نہ تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کی اراضی جس میں مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہے اور خراج ادا کرتے رہے۔

اراضی پاکستان کے بارے میں امیر المومنین حضرت عمرؓ کے آخری فیصلے کے مطابق باشندگان وطن کو بدستور اپنی زمینوں پر قائم رکھا اور مجاہدین میں اراضی کو تقسیم نہیں کیا گیا۔

پاکستان میں زرعی نظام کی مختلف صورتیں:

پاکستان کا نظام اراضی صدیوں سے چلا آرہا ہے اس میں تغیرات زمانہ سے انقلابات آئے رہے مگر مجموعی طور پر اس کی حالت میں کوئی خاص فرق نہ آیا آج تک کم وبیش پاکستان کا زمینداری نظام درج ذیل قسموں کا رہا ہے۔

ا۔ نجی زرعی نظام:

اس نظام کے تحت اراضی کی بڑی بڑی جائیدادیں جن کے مالک انفرادی زمیندار ہیں گاؤں کی آبادی زیادہ تر ان مزارعین پر مشتمل ہوتی ہے جو اراضی کو کاشت کرتے ہیں۔(53)

اس نظام میں زمیندار کلی طور پر بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالک ہوتے ہیں وہ اراضی کا مالیہ ادا کرتے ہیں۔خود کاشت نہیں کرتے بلکہ مزارعین کو کاشت کے لیے ملازم رکھتے ہیں اور بسا اوقات اپنی زمینیں مزارعوں اور ھاریوں کو پٹہ پر دے دیتے ہیں فصل کٹنے پر اپنا طے شدہ حصہ وصول کر لیتے ہیں۔

زمینداری کا یہ نظام برصغیر کا سب سے پرانا نظام ہے جس کی ابتداء 1793ء میں لارڈ کارنوالس نے مشرقی بنگال میں دوامی بندوبست رائج کر کے کی تھی۔قیام پاکستان کے وقت یہ نظام ہمیں ورثہ میں ملا۔یہ نظام تقریبا سارے پاکستان میں رائج ہے۔اس میں زمیندار اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور ترقی میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا اور مزارعین کو محکوم سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ خودکاشتکاری نظام:

اس سے مراد وہ زمیندار ہیں جو نسبتاً چھوٹے رقبوں کے مالک ہیں جن کو وہ اپنے افراد خاندان یا اجیر کارکنوں کی مدد سے کاشت کرتے ہیں یہ مالکان اراضی علی العموم دیہاتی برادریوں کی شکل میں آباد ہیں۔(54)

۳۔ رعیت داری نظام:

اس نظام کے ماتحت اراضی براہ راست حکومت سے بنیاد مزارعت پر حاصل کی جاتی ہے لیکن عملاً اس

کا استقلال پوری طرح محفوظ ہوتا ہے قابض کاشتکار کو آزادی حاصل ہے کہ جس اراضی کو چاہے چھوڑ دے اور مالگذاری ادا کرنے کی ذمہ داری سے بچ جائے ذخیلکار کو موروثی اور انتقالی حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ عملاً مالک ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نظام صوبہ سندھ میں رائج ہے۔(55)

۴۔ محل واڑی نظام:

اس نظام کے تحت حکومت پورے گاؤں کو ایک وحدت قرار دے کر گاؤں کے تمام لوگوں پر بحیثیت مجموعی لگان عائد کر دیتی ہے جس کی ادائیگی انفرادی یا اجتماعی طور پر پورے گاؤں پر عائد ہوتی ہے۔ اس نظام میں نمبردار کی وساطت سے حکومت کو مالیہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس نظام کو بھائی چارہ نظام بھی کہتے ہیں۔ یہ نظام صوبہ پنجاب اور خیبر پختونخواہ کے اکثر علاقوں میں رائج ہے۔(56)

پاکستان میں بڑی زمینداریاں:

سارے پاکستان میں ملکیت زمین کے حالات یکساں نہیں ہیں بلکہ ہر صوبہ کے حالات میں فرق ہے۔

پنجاب:

پنجاب میں حالات قدرے مختلف ہیں یہاں جاگیرداری صوبائی عصبیت کی گود میں پروان چڑھی۔ مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے چھوٹے بڑے زمینداروں نے علاقے الاٹ کروا لیے ہیں کافی زمینوں پر مقامی لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے اور یہ سب مال مفت دل بے رحم کے مقولے پر کاربند ہو کر پیداوار بڑھانے اور مزارعین کی حالت بہتر بنانے کے قائل نہیں۔(57)

پنجاب میں بھی اگرچہ ملتان، ڈیرہ غازی اور بہاولپور وغیرہ میں بڑی زمینداریاں موجود ہیں مگر دوسرے صوبوں کی نسبت ایسا کم ہے اور زیادہ یہاں چھوٹی زمینداری پروان چڑھی ہے اس لیے کسان مطمئن اور خوش حال نظر آتے ہیں۔ ان کے دیہات اور ان دیہاتوں میں نمایاں فرق ہے۔ جہاں پر جاگیرداروں اور وڈیروں کے مزارع رہتے ہیں۔ محمود مرزا لکھتے ہیں

> وسطی پنجاب کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ علاقہ عرصہ دراز سے گنجان آباد رہا ہے زراعت بڑھتی ہوئی آبادی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس علاقہ میں بہت عرصہ پہلے فیوڈل سسٹم ختم ہو چکا تھا اور اراضی کی ملکیتیں محض چھوٹے پیمانے پر قائم ہو چکی تھیں۔(58)

سندھ:

سندھ میں ابھی تک بڑی زمینداری موجود ہے جس کے باعث صوبوں کے دیہی اور شہری حالات میں واضح معاشرتی اور اقتصادی تفریق موجود ہے صوبوں کے مابین کشمکش کا بڑا سبب بھی یہی زمینداری نظام رہا ہے۔ ''سندھ کے پورے رقبہ کا اسی فیصد حصہ قلیل التعداد جاگیرداروں کے قبضہ میں ہے۔''(59)

ان کی اراضی کو مزارعین کاشت کرتے ہیں جو ھاری کہلاتے ہیں اور ملکیت زمین کے بارے میں ان کی یہ حالت ہے کہ ''سندھ میں پچیس لاکھ ھاری ہیں جن کے پاس ایک ایکڑ زمین بھی نہیں ہے۔''(60)

خیبر پختونخواہ:

صوبہ خیبر پختونخواہ میں زمین کے مسائل کی نوعیت سندھ اور پنجاب سے جدا ہے انیس فاطمہ کے بقول

> یہاں ابھی تک انگریزوں کے زمانہ کے قوانین کا نفاذ ہے جس کی رو سے وہاں کا مزروعہ علاقہ انہوں نے چند لوگوں کو ان خدمات کے عوض دیا تھا جنہوں نے 1857 کی جنگ آزادی کی جدوجہد میں دیسیوں کے خلاف انجام دیں تھیں۔ یہ لوگ بالعموم انعام دار کہلاتے ہیں ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی زمینوں پر بھی زیادہ تر انہی لوگوں کا قبضہ ہے۔(61)

سرسبز و شاداب علاقے خالی پڑے ہوئے ہیں لیکن یہ انعام دار کسی کو اس پر بسنے اور کاشت کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مسلم لیگ کی مجلس اصلاحات اراضی کا بیان ہے کہ۔ ''خیبر پختونخواہ کی پچیس لاکھ ایکڑ مزروعہ اراضی میں سے بارہ لاکھ ایکڑ بڑے مالکوں کے قبضہ میں ہے جو کل اراضی کا **48** فیصدی حصہ ہے۔''(62)

بلوچستان:

بلوچستان کے حالات ملک کے دوسرے حصوں کے مقابلہ میں بڑی حد تک نیم جاگیردارانہ نظام سے مشابہ ہیں کیونکہ آبادی کی ساخت قبائلی ہے۔ ''پورے صوبہ میں جاگیرداری نظام اپنی بھرپور شدتوں اور ہولناکیوں کے ساتھ موجود ہے۔ سارے مزروعہ علاقوں پر چند قبائلی سرداروں کا قبضہ ہے جن سے وہ اور ان کے اقرباء فائدہ اٹھا رہے ہیں۔''(63)

پلاننگ بورڈ اپنی رپورٹ مرتب کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''اپنے سرداروں کی نگرانی اور تسلط کے ماتحت ہیں کوئی قبیلہ اس امر کا روادار نہیں کہ باہر کا کوئی آدمی اس کے علاقہ میں اراضی پر قابض ہو۔''(64)

پاکستان میں بڑی بڑی زمینداریاں کیسے وجود میں آئیں:

یہ صورت حال تو وسیع زرعی املاک کو وسیع تر کرنے میں پیش آتی ہے لیکن یہ مسئلہ بہر حال موجود ہے کہ اولاً زرعی اراضی کے اتنے بڑے بڑے ہزاروں ایکڑ پر مشتمل رقبہ جات انفرادی ملکیت میں کیسے ہیں۔ اس سلسلہ میں بیع کے اصول کے تحت حاصل شدہ زمین پر تو کوئی بحث نہیں اور اس زمانہ کے حالات میں ایسا ممکن بھی تھا کیونکہ وسیع اراضی غیر آباد ہوتی تھی نیز قیمت بھی نہایت کم ہوتی اس لیے اگر لوگوں نے اونے پونے داموں خرید لیں وہ بہر صورت ان کی جائز ملکیت تصور ہوں گی۔ اصل مسئلہ تو ان زمینوں اور زمینداروں کا ہے جو ان لوگوں نے اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہب لوگوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دینے کے صلہ میں حاصل کیں۔ ہمارے ملک کی اکثر بڑی زمینداریاں و جاگیریں اس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں یہ انہیں عوام دشمنی، وطن فروشی کے عوض عطا ہوئیں۔ عوام کو ایک پسماندہ نو آبادیاتی نظام کی زنجیروں میں جکڑنے اور اس نظام کو عوامی غصہ کے پر شور طوفانوں سے محفوظ رکھنے کیلئے انگریزوں کو ایک مضبوط اور وفادار طبقہ کی حمایت درکار تھی۔ چنانچہ انہون نے وطن فروش، غدار، نوابوں، راجوں، مہاراجوں، افسروں، پیروں، سجادہ نشینوں مذہب کے ٹھیکیدار علماء سوء کو اور اپنے وفاداروں کو بڑی بڑی جاگیریں دے کر انہیں اپنی حکومت اور نو آبادیاتی نظام کا ستون بنایا۔ عقیل عباسی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> اپنی قومی غیرت بیچ کر انگریزی حکومت کے لیے خدمات انجام دیں فوجیں بھرتی کرائیں مجاہدین آزادی کو کچلنے میں ان کا ساتھ دیا محبان وطن کی پھانسیوں میں مدومعاون ثابت ہوئے اور ان کارناموں کے بدلہ میں انہون نے بڑی بڑی جاگیریں پائیں انعام واکرام سے سرفراز ہوئے۔(65)

انگریز اس سرزمین پر قدم رکھتے ہیں تو ہمارے علماء کرام بھی دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں ایک طبقہ انہیں کافر، دجال قرار دے کر علم جہاد بلند کرتا اور دوسرا طبقہ ان کی خدمت وخوشامد کو اپنا شعار بنالیتا ہے اور جاگیرداری نظام اور انگریزی حکومت کے حق میں فتوے دیتا ہے۔ پہلے طبقہ کو اپنے عقائد کی سزا بھگتنی پڑی ان راہنماؤں کو توپوں کے منہ سے باندھ کر اڑا دیا گیا جبکہ دوسرا طبقہ فائدہ میں رہا اس نے دین فروشی کے عوض بڑی جاگیریں، زمینیں اور جائیدادیں انعام میں پائیں۔

موجودہ پیروں اور پیرزادوں کی جاگیریں بھی اس طرح ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں انہوں نے جنرل ڈائر کے قتل عام پر خاموشی اختیار کی سر مائیکل ایڈوائر کو سپاسنامہ پیش کیا۔ 1857 کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی فتح کی دعائیں مانگیں شاہ جارج کو ظل اللہ کہا اور مسلمان سپاہیوں کو ترکوں کے سامنے لڑائی کے لیے پیش

کیا یہی وہ مشائخ اور پیر زادے ہیں جن کے ساتھ ایک طرف لاکھوں عقیدت مند ہیں اور دوسری طرف ھزاروں ایکڑ اراضی۔

> مشائخ کا اثر ورسوخ قبائلی سرداروں سے بھی زیادہ ہے ایک طرف ان کی بڑی بڑی گدیاں ہیں جن کے ساتھ ہزاروں ایکڑ اراضی ہے اس کے علاوہ عقیدت مندوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جو بعض حالات میں ہندوستان تک پھیلا ہوا ہے۔(66)

خلاصہ کلام یہ کہ پاکستان میں پائی جانے والی اکثر و بیشتر بڑی زمینداریاں انگریزوں کی عنایت خسروانہ ہے اور ملک وقوم سے غداری کا صلہ ہے۔ لاہور کے ایک بڑے جاگیردار تحریک پاکستان کے مجاہد اور بائیں بازو نظریات کے رہنما میاں افتخار الدین کی جرات قابل داد ہے جنھوں نے پارلیمنٹ میں کشادہ پیشانی سے تسلیم کیا تھا کہ۔ ''اس کی زمینداریاں اس کے اباؤ اجداد کی غداریوں کا معاوضہ ہے۔''(67)

پاکستان میں نافذ ہونے والے زرعی اصلاحات:

اصلاحات اراضی کا مسئلہ ان ضروری مسائل میں سے تھا جس کی طرف حصول آزادی کے بعد سب سے پہلے توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ لیکن افسوس ایسا کوئی اقدام نہ کیا گیا جس سے جاگیرداری وزمینداری نظام کی اصلاح ہوتی یا زمین کی منصفانہ تقسیم عمل میں آتی اگر چہ زرعی اصلاحات کے نام سے متعدد مرتبہ اس نظام کی اصلاح کا دعوی کیا گیا لیکن سب بے سود رہا کیونکہ اصلاحات نافذ کرنے والے مخلص نہ تھے وہ اپنے خلاف قانون پر کیسے عمل درآمد ہونے دیتے۔ ذیل میں ان اصلاحات اور ان کے نتائج کا مختصر اجائزہ لیا جاتا ہے۔

زرعی اصلاحات: 1950ء:

قیام پاکستان کے بعد زرعی اصلاحات کا مسئلہ پہلی بار 1949 میں سنجیدگی سے زیر غور آیا۔ فروری 1949 کو مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقدہ کراچی میں ایک قرارداد کے ذریعے ورکنگ کمیٹی سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ موجودہ فرسودہ اور نقصان دہ زمینداری نظام کو بدلنے پر غور کرے اور صوبائی مسلم لیگیوں کے مشورہ سے اسلامی اصولوں کی روشنی میں زرعی اصلاحات کا خاکہ تیار کرے تاکہ معاشرتی تفریق اور تضادات کو ختم کیا جاسکے۔ اس قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد کے ذریعہ صدر کو زرعی اصلاحات کیلئے کمیٹی بنانے کا اختیار دے دیا اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ۔ ''پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور یہاں مزارعین کی معاشی، تعلیمی اور سماجی حالت ناگفتہ بہ ہے کمیٹی ایسے قوانین تجویز کرے جن سے مزارعین کی حالت بہتر بنائی جاسکے۔''(68)

اپریل 1949ء کو صدر مسلم لیگ نے اس مقصد کے لیے ایک زرعی کمیٹی بنائی جس کا کنوینر میاں ممتاز

دولتانہ کو نامزد کیا گیا کمیٹی نے زرعی مسائل کا جائزہ لینے کے بعد جولائی 1949 کو صدر پاکستان مسلم لیگ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی اور درج ذیل سفارشات اس مسئلہ کے حل کیلئے پیش کیں۔

۱۔ جاگیروں اور انعامات کو فی الفور منسوخ کر دیا جائے اور اس کے لیے کوئی معاوضہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ جاگیریں حکومت برطانیہ کا عطیہ ہیں۔آزادی کو ہمارے دامن سے یہ داغ دھو دینا چاہیے۔

۲۔ حکومت برطانیہ کی خدمات کے صلہ میں عطا کردہ اراضی فوراً بحق سرکار ضبط کر لی جائے۔

۳۔ قابضین مزارعین زمینداروں کو سالانہ لگان ادا کرتے ہیں ایسی اراضی مزارعین کو دے دی جائیں۔

۴۔ موجودہ صورت حال کے مطابق زمیندار جب بھی چاہے مزارع کو نکال سکتا ہے ایسے قوانین بنائے جائیں گے کہ زمیندار پندرہ سال سے قبل مزارع کو بے دخل نہ کر سکے۔

۵۔ کوئی زمیندار بھی خود کاشت کیلئے پچیس ایکڑ سے زیادہ اراضی نہیں رکھ سکے گا۔

۶۔ زمیندار مزارع سے حکومت کے لگان کے علاوہ کوئی اور فیس یا خدمات نہیں لے گا۔

۷۔ فصل کا 2/5 زمیندار کا اور باقی مزارع لگان پانی کا خرچہ وغیرہ زمیندار ادا کرے گا۔

۸۔ مزارعین کیلئے بھی وہ مراعات ہونی چاہیں جو مزدوروں کیلئے ہوتی ہیں۔مثلاً یہ کہ زمیندار اپنے مزارعوں کے لیے رہائشی کوارٹر تعمیر کرے ہفتہ میں 56 گھنٹے سے زیادہ کام نہ لے۔

۹۔ زمینداروں اور مزارعین کے اشتراک سے بے روزگاری الاؤنس اور پنشن کا انتظام کیا جائے۔

۱۰۔ کاشتکاروں اور مزارعین کیلئے صحت اور تعلیمی سہولیات کا انتظام کیا جائے۔

۱۱۔ 150 ایکڑ نہری زمین اور 450 ایکڑ بارانی زمین سے زیادہ اراضی زمینداروں سے بحق سرکار ضبط کر لی جائے ایسی اراضی کے حصول کیلئے حکومت تحقیق کمیٹی بنائے زمینداروں سے حاصل کی ہوئی اراضی مزارعین کی کواپریٹو سوسائٹیوں کو دی جائیں۔(69)

کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں بار بار کہا تھا کہ زرعی اصلاحات کے نفاذ کیلئے اس سے بہتر موقع پھر کبھی نہیں آئے گا اور زرعی اصلاحات سے کنارہ کشی عوام سے دھوکہ کے مترادف ہوگی لیکن اس کے باوجود حکومت پاکستان نے ان اصلاحات کے نفاذ کا کوئی پروگرام تشکیل نہ دیا۔یہ تجاویز و اصلاحات قانونی شکل نہ پا سکی محض سرکاری فائلوں کی زینت بنی رہیں اور ان پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ان کو قانونی شکل نہ دینے کی وجہ بااثر زمینداروں اور جاگیرداروں کا سیاسی دباؤ تھا۔علاوہ ازیں اس پر کچھ اعتراضات پر بھی وارد ہوئے۔مثلاً

۱۔ زمین کی مقرر کردہ حد ملکیت بہت زیادہ ہے۔

۲۔ ان سفارشات سے مزارع تابع مرضی کو متوقع فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ غریب ہے اور بااثر زمینداروں سے اپنا حق حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔

۳۔ معاوضہ کی ادائیگی کی رقم بہت زیادہ ہے۔

۴۔ عارضی مزارعین کی مشکلات برقرار رہیں گی۔

یہ سفارشات اگرچہ قانونی شکل تو نہ پا سکیں لیکن فائدہ ضرور رہا کہ پاکستان کے مختلف صوبوں نے زرعی نظام کی خرابیوں کو ختم کرنے کیلئے اپنے طور پر قوانین وضع کر کے نافذ کئے۔ ہماری رپورٹ میں ہے کہ

> مسلم لیگ کی حکومت زرعی اصلاحات کی قرارداد کے سلسلہ میں قطعی طور پر مخلص نہیں تھی اس پر جاگیرداروں کی جو جماعت ہونے کا الزام تھا اس کے لیڈروں اور حکمرانوں کے فیصلے اور رویے خود اس الزام کا ٹھوس ثبوت مہیا کر رہے تھے۔(70)

مشرقی پاکستان میں ان زرعی اصلاحات پر ایک سال بعد ہی عمل درآمد شروع ہو گیا مشرقی پاکستان نے حصول مزارعت ایکٹ منظور کیا جس میں زمینداری نظام کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا۔ ملکیت اراضی کی زیادہ سے زیادہ حد 33 ایکڑ مقرر کی گئی۔ مشرقی پاکستان میں زرعی اراضی کے بیشتر مالکان ہندو تھے جن کے قبضہ و تصرف میں 75% فیصد رقبہ تھا۔ اس لیے زرعی اصلاحات سے زیادہ تر یہی طبقہ متاثر ہوا جبکہ مغربی پاکستان میں اس پر قانون سازی نہ ہو سکی اس لیے یہ اصلاحات غیر موثر ہو گئیں اور زمینداری نظام جوں کا توں قائم رہا لیکن اتنا ضرور رہا کہ آئندہ اس ضمن میں آگے قدم بڑھانے کا لیے راستہ صاف ہو گیا۔

پلاننگ بورڈ کی اصلاحات اراضی 1960 - 1955ء:

1950 کی اصلاحات کے بعد پلاننگ بورڈ کی اصلاحات اراضی سے متعلقہ سفارشات سامنے آتی ہیں اس بورڈ نے یہ سفارشات پہلے پنج سالہ منصوبہ (1955-1960) میں پیش کیں خیال تھا کہ ان کو درخور اعتنا سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ چھ سال کے عرصہ میں علاوہ کثیر مصارف کے جن بہترین دماغوں نے پورے نظام اراضی کا جائزہ لے کر اصلاح احوال کے لیے تجاویز پیش کیں ان کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

رپورٹ کے آغاز میں ان تجاویز کے مقاصد بتائے گئے کہ۔

> دخلیکاری قبضوں اور جاگیروں کو منسوخ کر دیا جائے (جاگیریں وہ اراضی تھیں جو خدمات عامہ کے بدلہ میں دی گئی تھیں اور محصولات سے آزاد تھیں) خود اختیار مزارعین کے میعاد قبضہ کو تحفظ مہیا کیا جائے۔ مزارعین کے ذمہ واجب الادا لگان میں تخفیف کی جائے۔ مالکان

> اراضی مزارعین سے جو خلاف قانون واجبات وصول کر رہے تھے ان کو منسوخ کر دیا جائے۔ انفرادی مالکان اراضی کی ملکیت کو ختم کیا جائے۔ اور انہیں معاوضہ ادا کرنے کا انتظام کیا جائے جو اراضی آزاد ہو وہ کاشتکاروں میں تقسیم کر دی جائے۔(71)

اس بورڈ نے تجاویز مرتب کرتے وقت پاکستان کے زمینداری نظام کا تفصیلا جائزہ لیا اور پاکستان سے مشابہ حالات رکھنے والے ملکوں مثلاً جاپان، مصر وغیرہ میں ہونے والی اصلاحات کو سامنے رکھا۔ پیش کردہ تجاویز پر عملدرآمد کے لیے لائحہ عمل بھی واضح کیا لیکن یہ سفارشات بھی مسلم لیگ زرعی اصلاحات کمیٹی کی سفارشات کی مانند فائلوں کی زینت بنی رہیں اور مفاد پرستوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث ان پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ ان تجاویز و سفارشات کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ زمیندار کو ایک سو پچاس ایکڑ آبپاش تین سو ایکڑ چاہی یا چار سو پچاس ایکڑ بارانی زمین اپنی ملکیت میں رکھنے کا مجاز ہونا چاہیے۔

۲۔ خود کاشت رقبہ کی زیادہ سے زیادہ حد پچیس ایکڑ نہری پچاس ایکڑ چاہی یا پچھتر ایکڑ بارانی زمین ہونی چاہیے۔

۳۔ زمینداروں سے مقررہ حد سے زائد زمین معاوضہ دے کر حکومت کو اپنی تحویل میں لے لینی چاہیے اور مستحق دعویداروں اور کاشتکاروں میں تقسیم کر دینی چاہیے۔

۴۔ کاشتکاروں کو زمین کے مکمل مالکانہ حقوق حاصل ہونے چاہیے۔

۵۔ مزارعین کے حقوق کا تحفظ ہونا چاہیے۔

۶۔ اراضی کو بڑے مالکوں سے واپس لینے اور تقسیم کرنے کا کام پانچ سال کے اندر مکمل ہونا چاہیے۔

زرعی اصلاحات 1959ء:

ان اصلاحات کے لیے صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ایوب خان نے اکتیس اکتوبر 1958 کو ایک کمیشن مقرر کیا اس کمیشن کے صدر گورنر اختر حسین بنائے گئے۔ اس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ زرعی اراضی کی ملکیت اور مزارعت سے متعلق تمام مسائل کا تجزیہ کرے اور پیداوار کی افزائش، معاشرتی عدل وانصاف اور کاشتکاروں کے حالت بہتر بنانے کیلئے سفارشات پیش کرے۔

اس کمیشن نے بیس جنوری 1959 کو اپنی سفارشات پیش کر دیں صدارتی کابینہ نے اس پر غور و خوض کے بعد منظور کر لیا۔ صدارتی کابینہ کے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے صدر مملکت نے سات فروری 1959 کو مغربی پاکستان اصلاحات اراضی ریگولیشن (مارشل لا ریگولیشن نمبر 64 جاری کیا اس کا نفاذ فوری طور پر عمل میں لایا گیا۔

ذیل میں مارشل لاء حکومت کی اصلاحات اراضی کے اہم نکات درج ہیں۔

۱۔ کسی شخص کی ملکیت میں پانچ سوا یکڑ نہری اور ایک ھزار ایکڑ بارانی سے زیادہ زمین نہیں رہ سکتی باالفاظ دیگر کسی کا رقبہ 36,000 پروڈیوس انڈکس یونٹ سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔

۲۔ مالکان اراضی کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی زمین میں سے 36000 پیداواری اشاری اکائیوں کے برابر زمین منتخب کرلیں۔البتہ یہ ضروری ہوگا کہ ہر منتخب کردہ قطعہ حیدرآباد اور خیرپور ڈویژن میں 64 ایکڑ اور دیگر ڈویژنوں میں پچاس ایکڑ سے کم نہ ہو۔

۳۔ اس رقبہ کے علاوہ ایک شخص مزید ایک سو پچاس ایکڑ زمین باغات کی شکل میں اپنی ملکیت میں رکھ سکتا ہے۔ مزید براں ایک شخص اس رقبہ زمین کے علاوہ مزید 18,000 پیداواری اکائیاں اپنے وارث یا وارثوں کے نام اور مزید چھ ہزار پیداواری اکائیاں اپنی زیر کفالت مستورات کے نام منتقل کرسکتا ہے۔ساتھ ہی مزید رقبہ زمین مویشیوں کی رہائش و پرورش کیلئے اپنی ملکیت میں رکھ سکتا ہے۔(72)

۴۔ اس کے بعد زمینداروں کے پاس جتنی زمین بچے گی وہ سب کی سب بحق سرکار حاصل کرلی جائے گی۔

۵۔ حاصل کردہ زمین کا معاوضہ زمینداروں کو حسب ذیل شرح سے دیا جائے گا۔

☆ پہلی 18,000 پیداواری اکائیوں کیلئے بحساب پانچ روپے فی اکائی۔

☆ اگلی 34,000 اکائیوں کیلئے بحساب چار روپے فی اکائی۔

☆ اگلی 36,000 پیداواری اکائیوں کے لیے تین روپے فی اکائی۔

☆ باقی کے لیے بحساب ایک روپیہ فی اکائی۔

۶۔ زمینداروں کو ان سے حاصل کردہ زمین کی قیمت بذریعہ وراثتی بانڈز ادا کی جائے گی جو ورثہ کو منتقل کیے جا سکیں گے۔لیکن کسی کے ذریعہ یا بینکوں سے قابل بیع وشراء نہ ہوں گے۔یہ بانڈز پچیس سال کے عرصہ میں زرنقد کی صورت اختیار کریں گے اور اس عرصہ کے دوران چار فیصد سالانہ شرح سود ادا کیا جائے گا۔(73)

۷۔ حاصل شدہ زمینیں سب سے پہلے مناسب شرائط پر ان مزارعین کے سامنے برائے فروخت پیش کی جائیں گی جو انہیں اس وقت کاشت کررہے ہیں اور ایسی اراضی جو مذکورہ مزارعین کو فروخت نہ ہو سکے۔وہ دیگر مستحق اشخاص کے ہاتھ فروخت کردی جائیں گی۔(74)

۸۔ تمام قسم کی جاگیریں منسوخ کردی جائیں گی اور ان کے عوض جاگیرداروں کو کوئی معاوضہ نہ دیا جائے گا۔

۹۔ زمین کی فروخت سے حاصل شدہ رقم سے ایک الگ فنڈ قائم کیا جائے گا جو حسب ذیل مقاصد کیلئے

صرف ہوگا۔

☆ جن زمینداروں سے حکومت زائد زمین خریدے گی انہیں اس زمین کا معاوضہ دینے کیلئے۔

☆ دیرینہ قرضہ جات چکانے کیلئے۔

☆ حاصل شدہ زمینوں کی ترقی و اصلاح کیلئے

☆ اصلاحات اراضی کیلئے سارے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مزارعین کے حقوق کا تحفظ کرنے کیلئے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی گئیں۔

۱۰۔ موروثی مزارعین کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لیے منظور شدہ قوانین کو سختی سے نافذ کیا جائے گا اور کسی مزارع کو اس وقت تک بے دخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ مالیہ عدالت میں یہ ثابت نہ ہو جائے کہ

☆ اس نے زمین کا لگان ادا نہیں کیا یا ادا کرنے سے انکار کر رہا ہے۔

☆ زمین کو غیر طے شدہ مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

☆ زمین کو کاشت کرنے سے قاصر رہا بلا معقول وجہ کے

☆ اپنے مزروعہ کو پٹہ پر دے دیا ہے۔

☆ کسی مزارع کو خود کاشت علاقہ سے بے دخل نہیں کیا جائے گا۔

۱۲۔ جب کوئی مزارع زمیندار کی زمین کے کسی حصہ کو کاشت کر رہا ہے تو اسے لگان سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔

۱۳۔ اگر کسی وجہ سے مزارع کو بے دخل کیا جاتا ہے تو اسے اپنی بوئی فصل کاٹ کر اس میں سے اپنا حصہ لینے کی اجازت ہوگی۔

۱۴۔ زمینداروں کو مزارعین سے بیگار اور کوئی فیس لینے یا لگان سے زیادہ پیسہ وصول کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۵۔ اور اگر کوئی ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو اسے کم از کم سات سال قید با مشقت کی سزا دی جاسکے گی۔

۱۶۔ غیر مزروعہ زمینوں کے لئے یہ اصلاحات نافذ ہوئیں کہ جو زمین دو سال بغیر کاشت کئے پڑی رہیں ان کے مالکان کو نوٹس دیا جائے گا کہ وہ انہیں زیر کاشت لے آئیں اگر وہ دی ہوئی مہلت کے اندر اندر ایسا نہ کریں تو وہ زمینیں بحق کمیشن حاصل کر لی جائیں گی۔

مذکورہ بالا اصلاحات کے علاوہ بہت سی دیگر اصلاحات مثلاً زمینوں کی ذیلی تقسیم کا انداز پیداوار کی مناسب تقسیم ناجائز دھاندلیوں کی ممانعت وغیرہ نافذ کی گئیں۔

ان اصلاحات کے نفاذ کے وقت بڑے بلند بانگ دعوے کئے گئے مثلاًیہ کہ پاکستان کی زرعی اقتصادیات کو بحالت موجودہ جوخطرات درپیش ہیں رفع ہو جائیں گے ۔جمہوری نظام کوزمینداری کے جاگیردارانہ نظام کے باعث جومشکلات درپیش ہیں ان کا تدارک ہوگا مزارع کو بلاوجہ بے دخل نہیں کیاجائے گا صدر مملکت نے فرمایا۔

بڑے زمینداروں کی جاگیروں کے رقبے گھٹائے جاچکے ہیں زمینداری کے سیاسی رسوخ کا طلسم ٹوٹ چکا ہے ۔آئندہ سفید پوش طبقہ ملک کی قیادت سنبھالے گا بڑے بڑے زمیندا روں کو جمہور کی رائے اور قومی مفادات کے سامنے جھکنا پڑے گا اہل سیاست کا راج ختم ہو چکا۔اب جمہوریت کا راج قائم ہوگا۔(75)

اس بارے میں مزید فرمایا کہ

جووزارتیں اپنی زرعی جاگیروں کے بل بوتے پر جوڑتو ڑکر کے اقتدار کی مالک بن جاتی تھیں اب وہ مسند اقتدار پر پاؤں نہ جما سکیں گی آئندہ قیادت کا معیار ملکیتی اراضی کا رقبہ نہ ہوگا بلکہ دیکھنا ہوگا کہ انسانیت کے معیار سے کسی کا اخلاق کہاں تک بلند ہے غربت اور تمول کے تانے بانے سے بنی جانے والی استبدادی مسند اقتدار اب ہمیشہ کیلئے الٹی جا چکی ہے ۔(76)

ان اصلاحات کی رو سے سرکاری اعدادو شمار کے مطابق 1007822 ایکڑ زمین بڑے زمینداروں سے چھنی گئی اور 183408 افرد کو فائدہ پہنچا۔(77)

لیکن کیاواقعی یہ اصلاحات ملک وقوم کے لیے خوش حالی کا پیغام لائیں اقتصادی نظام میں کوئی انقلاب برپا ہوا سیاسی نظام میں تبدیلی پیدا ہوئی ؟بڑی جاگیروں و زمینداروں کا خاتمہ ہوگیا ؟

بلکہ ہمارا پورے کا پورا نظام خواہ سیاسی ہو یا معاشی اپنی پہلی ہی نہج پر قائم ہے ۔کیونکہ یہ اصلاحات صحیح معنوں میں نافذ ہی نہ کی گئی تھیں بقول جناب جسٹس غلام علی صاحب ''زرعی اصلاحت 1959ء برائے نام تھیں پہلے کی طرح ہی جاگیردار قائم ودائم رہے ان اصلاحات کو آئین کے ذریعہ تحفظ دیا گیا''۔

ان اصلاحات کی پہلی خامی جو سامنے آتی ہے وہ حد ملکیت کی وسعت سے متعلق ہے۔اول تو ان اصلاحات میں مقرر کی جانے والی ملکیت کی حد بہت زیادہ تھی دوسرا باغات'وارثوں کے نام منتقل کرنے کی رعایت زیر کفالت مستورات کے نام منتقل کی اجازت اور شکارگاہوں ار مویشیوں کی پرورش کے لیے زمین رکھنے کی جو اجازت دی گئی اس نے عملی طور پر ان اصلاحات سے بچالیا اور جو تھوڑی بہت اراضی چھوڑنی پڑی وہ بھی اپنے اپنوں اور رزیر دستوں کے نام انتقالات کروا کران سے اپنے لیے مختار نامہ لے لئے اور یوں عملاً زمین پر کام کرنے والے ہاری کو

زائد از تحدید زمین کا بہت ہی کم حصہ ملا۔

علاوہ ازیں جو زمین حاصل کی گئی اس کا ھاریوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا ھاریوں کے لیے جو زمین کی نیلامی میں حصہ لینے کی کھلی اجازت نہ تھی اس کے لیے شرائط عائد کی گئیں مثلاً ایک شرط سرٹیفیکیٹ سے متعلق تھی اس کا اجراء زمیندار کی تصدیق پر مختار کار کرتا تھا اس کو خسرہ گرداوری کہا جاتا زمیندار کو کیا پڑی تھی کہ وہ ہاریوں کو زمین کا مالک بنا نے کے لیے خسرہ گرداوری جاری کرتا۔

دوسری شرط ہاریوں کے لیے یہ تھی کہ جس علاقہ کی زمین نیلام ہو رہی ہوتی اس علاقہ کے دو زمیندار امین مقرر ہوتے تھے حکومت کے مقرر کردہ کسی بھی امین نے کبھی بھی کسی ہاری کو تسلیم نہیں کیا وہ زمیندار اپنے خاص جان پہچان کے ہاریوں کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتے تھے۔

ان شرائط کو پورا کئے بغیر زمین نہ ملتی اور نتیجتاً زمین کے آرزومند ہاری کو دفتر سے دھکے دے کر نکال دیا جاتا۔

اب حکومت کی دو عملی دیکھیں کہ جو سرکاری زمینیں زمینداروں نے حاصل کیں انہیں تو وہ کسی وقت بھی فروخت کر سکتے تھے مگر ہاریوں کے لیے یہ پابندی لگا دی گئی وہ 24 سال تک ہماری حاصل کردہ اراضی فروخت نہیں کر سکتے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اس زمین پر قرض بھی حاصل نہیں کر سکتے پھر ھاریوں کی زمینوں پر اتنے واجبات بنا دیئے گئے کہ وہ پچیس تیس سال قبل حاصل کی گئی زمینوں کی سرکاری قیمت ادا نہ کر سکے۔

الغرض ان اصلاحات کے نفاذ کے وقت جن نتائج کے حصول کا دعوی کیا گیا تھا وہ قطعاً پورے نہ ہوئے۔ صرف اتنا ہوا کہ پہلی دفعہ سرکاری طور پر زرعی اراضی کی حد ملکیت مقرر کی گئی اگر چہ وہ حد بھی برائے نام تھی اور رہی سہی کسر جاگیرداروں اور زمینداروں نے اپنی طاقت کے بل پر ان کو ناکام کر کے پوری کر دی۔ندائے کسان میں ہے کہ

> اکثر بڑے زمینداروں نے اپنا سارا رقبہ کسی نہ کسی طرح اپنے قبضہ میں لیا اگر کسی کا رقبہ پھر بھی بچ رہا تو انہوں نے عملہ مال یعنی تحصیلدار اور نائب تحصیلدار کے ساتھ مل کر اپنے چھوٹے بچوں اور کئی صورتوں میں اپنے دوستوں اور جاننے والوں کے نام منتقل کرا دیا اپنے متعدد مز ارعین کے نام الاٹ کروالیا اور بسا اوقات اسے اپنے بچوں وغیرہ کے نام خرید بھی لیا۔(78)

زرعی اصلاحات 1972ء:

پاکستان پیپلز پارٹی دسمبر 1971ء میں برسر اقتدار آئی اور اس نے اپنے منشور 1970ء میں زمین کی ملکیت کے مسئلہ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی۔

> مغربی پاکستان میں بڑی بڑی جاگیروں کے مالک ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں ان کو

کوں کو نہ صرف اپنی دولت کے بل بوتے پر اپنے مزارعوں اور آس پاس کے علاقہ کے مزا
رعوں پر اپنے اثر کی وجہ سے بڑی طاقت حاصل ہے اور وہ فی الحال بڑی سیاسی طاقت ہیں ۔(79)

لہٰذا منشور میں بنیادی سیاسی پروگرام درج ذیل الفاظ میں پیش کیا گیا ۔

جاگیرداروں کا زور توڑنے کے لئے بڑی بڑی جاگیروں کے حصے بخرے کرنا ایک قومی ضرورت ہے جو عملی اقدامات کے ذریعہ پوری کی جائے گی زمین کی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کرنا ان میں سے ایک اقدام ہے۔(80)

لہٰذا پیپلز پارٹی کی حکومت نے اپنی پہلی اصلاحات یکم مارچ 1972ء کو نافذ کی تھیں ان اصلاحات کے اہم نکات یہ ہیں ۔

۱۔ اراضی کی حد ملکیت 150 ایکڑ نہری اور تین سو ایکڑ بارانی ہوگی یا 12000 پیداواری ہوگی ۔

۲۔ جن کے پاس 20 دسمبر 1971ء یا اس سے قبل ایک ٹریکٹر تھا یا ایک ٹیوب ویل نصب تھا اسے مزید 2000 پیداواری یونٹ رکھنے کی اجازت ہوگی ۔

۳۔ مذکورہ حد سے زائد اراضی حکومت زمینداروں سے بلا معاوضہ لے گی اور بے زمین کسانوں اور کاشتکاروں میں یا جن کے پاس گزارہ اراضی سے کم زمین ہے مفت تقسیم کرے گی ۔ 1959ء اصلاحات کے تحت دی جانے والی اراضی کی قیمت قسطوں میں وصول کی جا رہی ہے اس کی باقیماندہ اقساط بھی معاف کر دی جائیں گی ۔

۴۔ زرعی اصلاحات کے تحت کسی شخص کو اصطبل یا مویشی فارموں کے نام پر مقررہ حد سے زائد اراضی رکھنے کی اجازت نہ ہوگی ۔

۵۔ جو سرکاری اراضی با اثر لوگوں کو دی گئی ہے وہ بغیر معاوضہ کے ضبط کرلی جائے گی اور کسانوں میں مفت تقسیم ہوگی ۔

۶۔ سرکاری افسروں کو جو اراضی عرصہ ملازمت میں الاٹ کی گئی ہے اس میں سے صرف انہیں 100 ایکڑ رکھنے کی اجازت ہوگی باقی تمام اراضی بلا معاوضہ لے لی جائے گی البتہ اس فیصلہ کا اطلاق مسلح افواج سے وابستہ افراد پر نہ ہوگا۔

۷۔ فوجی افسران نے بارڈر ایریا پر الاٹ ہونے والی اراضی کا اندرونی علاقہ میں جو تبادلہ کرایا ہے اس کے تحت حاصل کردہ اراضی ضبط کرلی جائے گی ۔

۸۔ سرکاری اراضی کے نیلام کا طریقہ بند کیا جائے گا اور آئندہ یہ آسان اقساط میں فروخت ہوگی۔

۹۔ کسی کاشتکار کو صرف اس صورت میں بے دخل کیا جائے گا جبکہ وہ حکومت کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق بٹائی دینے سے انکار کردے یا اراضی پر کاشت نہ کرسکے۔

۱۰۔ مالیہ اور تمام ٹیکس زمیندار دیں گے۔

۱۱۔ اراضی بٹائی پر ہونے کی صورت میں بیج زمیندار فراہم کریں گے اور کاشت کی باقی لاگت زمیندار اور مزارع برابر ادا کریں گے۔

۱۲۔ زمین کی فروخت کے سلسلہ میں خرید کا پہلا حق مزارع کو ہوگا۔

۱۳۔ زمینداروں کو مزارعین سے زائد رقم یا بیگار یا خدمت لینے کی اجازت نہ ہوگی ان اصلاحات کے نفاذ کے وقت بھٹو نے اپنی تقریر میں کہا۔

> 'ہم وطنو' مزارعو' ہاریو آج کی رات تمھاری رات ہے میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے وہ ظالمانہ اور غیر منصفانہ زرعی نظام بدل دینے کا فیصلہ کرلیا ہے جس کو تم صدیوں سے خاموشی کے ساتھ برداشت کر رہے تھے آج کا دن عہد آفرین دن ہے کیونکہ ہم نے ایک ضرب سے وہ لوگ جڑ سے اکھاڑ پھینکے ہیں جس نے ارض حسین کا چہرہ صدیوں سے مسخ کر رکھا تھا ہم نے اپنے بچوں اور آپ کے بچوں کے لیے ایک جرأت آزما دنیا کا دروازہ کھول دیا ہے یہ تاریخ میں کوئی شعبدہ بازی نہیں ہے بلکہ اس سے ہماری کتاب آزادی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے ہماری زنجیریں کٹ رہی ہیں آؤ ہم سب مل کر جشن منائیں۔(81)

مسٹر بھٹو نے اس بارے میں مزید کہا۔

> ہم اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ چند جاگیردار ساری زمین پر قابض رہیں یہ (اصلاحات) غیر منصفانہ جاگیرداری نظام کو موثر طور پر ختم کردیں گے میں یہ بات زور دے کر دہراتا ہوں کہ عوام کا خون چوسنے والوں اور ان کے دشمنوں (جاگیرداروں) کو معاف نہیں کیا جائے گا مارشل لاء اپنی پوری طاقت کے ساتھ ان عوام دشمنوں سے نمٹ لے گا آپ کی حکومت کسانوں کی حمایت اور ان اصلاحات کے منصفانہ حصول کے لئے نہ صرف پنجاب اور سندھ کے وسیع میدانوں میں عملدرآمد کروائے بلکہ بلوچستان اور صوبہ سرحد کی دشوار گزار پہاڑوں میں بھی اس پر عمل کرائے گی۔(82)

ان اصلاحات سے قطعاً وہ نتائج حاصل نہ ہوئے جن کے حصول کا دعوی بڑے زور و شور سے کیا گیا تھا ان

اصلاحات پر عملدرآمد کا جائزہ لینے کے لیے ایک خصوصی کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ

> سیاسی وجود کی بنا پر ان اصلاحات پر عملدرآمد اتنی سست رفتاری سے کیا گیا تا کہ یہ بالکل غیر موثر ثابت ہوں ان اصلاحات کو نافذ کرنے میں خامیاں رہ گئیں اور با اثر زمینداروں نے جان بوجھ کر قانون کی خلاف ورزی کی ان میں سے اکثر زمیندار یا تو حکمران پارٹی سے تعلق رکھتے تھے یا انہیں برسر اقتدار لوگوں کی حمایت حاصل تھی۔(83)

ان اصلاحات کے ذریعہ حاصل ہونے والی اراضی کو اعداد و شمار میں یوں ظاہر کیا گیا۔

کل حاصل شدہ اراضی 74011 ہیکٹر

کتنے لوگوں میں تقسیم ہوئی 14271 افراد (84)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قبضہ میں لی جانے والی زمین بتائے جانے والے اعداد کی نسبت بہت کم ہے۔ مالکان زمین نے قانون سے بچنے کے لئے کئی تدابیر کیں مثلاً زائد زمین بلا کسی پس و پیش کے حکومت کے حوالہ کر دی اور بعد ازاں جعلسازی سے دوبارہ اپنے ہی عزیزوں دوستوں یا نوکروں کے نام الاٹ کروالی اور اس مقصد کے لیے غلط طور پر انہیں اپنا مزارع ظاہر کیا اس طرح اس زمین پر ان کا قبضہ بھی رہا وہ اس پر کاشت ہونے والی فصلیں بھی لیتے رہے اور بعض مقامات پر تو اراضی کو دوبارہ ایسے مزارعوں کے نام پر الاٹ کروایا گیا جن کا دنیا میں کوئی وجود ہی نہ تھا۔

قانون کی شقوں سے بچنے کے لئے بعض مالکان اراضی نے اپنے گوشوارے داخل کرتے وقت اپنی زائد اراضی کو مقررہ تاریخ سے پہلے کی تاریخ میں ورثاء کو تحفہ کے طور پر دی گئی ظاہر کر کے یا فرض لین دین ظاہر کر کے ریونیو ریکارڈ میں غلط اندراجات کرانے کی کوشش کی۔

> جاگیردار اور وڈیرے گھبرائے اس طرح دھڑا دھڑ زمینیں فروخت ہونے لگیں اس طرح اپنے خاندان کے افراد بیٹے بچوں بھتیجوں اور بیویوں میں اراضی تقسیم کی گئی جس وڈیرے کے کنبے کے افراد زیادہ نہ تھے اور اراضی وسیع و عریض تھی اس نے اپنے نوکروں اور مزارعوں کو ملکیت دے دی اور پھر سے اسے رجسٹری کے ذریعہ ننانوے سال پٹے پر رھن یا قبضہ اراضی واپس لے لی اگر کاغذات مال میں ملکیت منتقل ہو گئی مگر مزارع یا نوکر کی چار پشتوں کو تو اس اراضی کی عملی ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔(85)

اول تو زمینداروں نے اصلاحات سے قبل ہی بہت پہلے کی تاریخوں میں زمین اپنے پوتوں، نواسوں اور ایسے ناموں پر منتقل کروالی جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے اور جب زرعی اصلاحات آئیں تو انہیں بہت کم رقبہ چھوڑنا پڑا اور جو چھوڑا گیا وہ بھی ایسا نہ تھا کہ کوئی مزارع اسے کاشت کر سکتا۔

اس کے علاوہ مذکورہ اصلاحات کے نفاذ سے مزارعین کی بے دخلیوں میں کمی ہونے کی بجائے غیر قانونی بے دخلیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔مثلاً ''جبکہ سندھ میں اس مدت میں یہ تعداد 24 سے بڑھ کر 367 تک جا پہنچی۔ بلوچستان میں 1973ء میں غیر قانونی بے دخلیوں کی تعداد 36 تھی جو 1977ء میں 349 ہو گی''۔(86)

ان اصلاحات سے دیگر اصلاحات کی نسبت چندفوائد بھی حاصل ہوئے ہیں مثلاً 'مالیہ' آبیانہ اور بیج زمیندار کے ذمہ لگایا گیا،مزارع کو حق شفعہ حاصل ہوا اور مزارع کو بے دخل کرنے کے لیے عدالتی کاروائی کا بوجھ زمیندار پر آپڑا۔

> دیر،سوات اور چترال کی سابقہ ریاستوں سے زمین کے تنازعات طے کر دیئے جس کی وجہ سے کوئی 40000 خاندانوں کو وہ زمین دوبارہ دے دی گئی جس پر انہیں حکمران خاندانوں اور دوسرے زمینداروں نے نکال دیا تھانیز ان کو مکمل مالکانہ حقوق دیئے گئے ہیں۔(87)

پٹ فیڈر کے علاقہ کی پانچ لاکھ ایکڑ سے زیادہ سرکاری اراضی کو اس پر کاشت کرنے والے کسانوں میں مفت تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔(88)

اس لیے ان اصلاحات کو مکمل طور پر لاحاصل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کے ذریعہ پہلی دفعہ لامحدود کو محدود کیا گیا۔

موازنہ:

1959ء میں حد ملکیت 36000 پیداواری یونٹ تھی۔مزید براں باغات'اصطبل مویشی فارم اور شکار گاہوں کے نام پر زمینداروں کو وسیع قطعات اراضی رکھنے کی اجازت تھی جبکہ 1972ء کی اصلاحات میں اس کی نسبت حد ملکیت انتہائی کم کر دی گئی۔

- ☆ مزارعین کو 1972ء کی اصلاحت میں مالیہ' آبیانہ اور دوسرے ٹیکسوں کی رعایت دی گئی جو اس سے قبل نہ تھی۔
- ☆ مزارعین کو حق شفعہ دیا گیا ہے۔
- ☆ سرکاری زمینوں کو سابقہ حکومتوں کے برعکس نیلام نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ نیلامی میں قدرتی طور پر وہی زمینیں خریدتے تھے جن کے پاس دولت تھی اب یہ زمینیں آسان اقساط پر مزارعوں اور کاشتکاروں کو دی جانے لگیں۔
- ☆ 1972ء کے تحت حاصل شدہ زمینوں کا کوئی معاوضہ نہ دیا گیا اور بے زمین یا گزارہ الاونس سے کم زمین رکھنے والوں میں بلا قیمت تقسیم کی گئیں۔
- ☆ 1972ء کی اصلاحات بحیثیت مجموعی 1959ء کی اصلاحات سے بہتر تھیں لیکن اس میں حد ملکیت فرد کی

بجائے خاندان رکھنے سے اس کی افادیت کم ہوگی۔

زرعی اصلاحات 1977ء:

پیپلز پارٹی کی حکومت نے جنوری 1977ء کو دوبارہ اصلاحات اراضی نافذ کیں ان اصلاحات کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ انفرادی حق ملکیت اراضی ڈیڑھ سوا یکڑ آبپاشی اور تین سو ایکڑ غیر آبپاشی اراضی سے مزید گھٹا کر سو ایکڑ اور دوسو ایکڑ غیر آبپاشی کر دی گئی اس کی بنیاد پیداواری اشاریہ یونٹ متعین کی گئی۔

۲۔ حکومت اس حد سے زائد زمین اپنی تحویل میں لے کر مالکان زمین کو اس کا معاوضہ 30 روپے فی یونٹ کے حساب سے ادا کرے گی یہ معاوضہ سودی بانڈز کی شکل میں دیا جائے گا۔ان بانڈز کو دس سال کی مدت کے بعد بھنایا جائے گا۔

۳۔ سرکاری تحویل میں لی ہوئی فاضل اراضی بے زمین کسانوں اور ایسے کاشتکاروں میں مفت تقسیم کر دی جائے گی جن کے پاس گزارہ اراضی سے کم زمین ہے۔

۴۔ مالیہ اراضی کے نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ زرعی انکم ٹیکس کا نظام نافذ کیا جائے گا 25 ایکڑ نہری اور 50 ایکڑ بارانی اراضی کے مالکان زرعی انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے ان مالکان اراضی کو صرف آبیانہ ادا کرنا ہوگا۔

قیام پاکستان سے اب تک تین مرتبہ اصلاحات نافذ ہو چکی ہیں لیکن ان سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری نہ ہوئیں ان کے غیر موثر ہونے کے کئی اسباب ہیں مثلاً

۱۔ زرعی اصلاحات سے جس طبقہ پر زد پڑتی تھی انہیں پہلے ہی پتہ چل گیا تھا یہ تو ایم پی اے ایم این اے اور وزیر صاحب اقتدار تھے۔انہیں جب علم ہوا کہ زرعی اصلاحت چند ماہ بعد ہونے والی ہیں تو انہوں نے اپنے مفادات کے لیے پیشگی بندوبست کر لیا جو زمینیں قابل کاشت تھیں یا جن سے ذرا بھی پیداوار ہو سکتی تھی ان کو اپنے بھائیوں، بھتیجوں، چچازاد بھائیوں، بیٹوں، پوتوں اور فرضی بیٹوں کے نام منتقل کر دیا اور ان زمینوں سے دستبردار ہو گئے جن کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ آئندہ پچاس برسوں میں بھی آباد نہ ہو سکیں گے اور یہ زمینیں بھی انہوں نے ہاریوں کی بجائے اپنے منشیوں کمداروں اور ذاتی ملازموں کو دیں اور ان سے بھی وہ یونہی دست بردار نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے ان زمینوں کا کروڑوں کے حساب سے معاوضہ وصول کیا۔

۲۔ ہماری نوکر شاھی نے بھی اس بارے میں اپنا کردار ادا کیا مثلاً زرعی اصلاحات سے حاصل شدہ زمینوں کے

متعلق اگر کل متعلقہ ڈگری میں نیلام ہونا ہے تو آج کے اخبار میں نیلام کے بارے میں خبر یا اشتہار شائع ہو گا جس میں بتایا جائے گا کہ متعلقہ ڈگری کے فلاں فلاں گاؤں میں نیلام ہوگا آج کا اخبار کسی نے دیکھا کسی نے نہ دیکھا اس لیے نیلام میں حصہ لینے والے لوگ بروقت نہ پہنچ پاتے جو لوگ بیوروکریسی سے ملے ہوتے انہیں علم ہوتا کہ کب اور کہاں نیلامی ہو رہی وہ پہنچتے اور زمینیں حاصل کر لیتے۔

حکمران طبقہ اور جاگیرداروں نے سازش اور ہیرا پھیری سے زرعی اصلاحات کو ناکام بنا دیا سرکاری افسران بھی حکمران طبقہ کے جاگیرداروں کے طفیلی ہیں اس لیے ان کی ملی بھگت سے زرعی اصلاحات ناکام ہوئیں۔

زرعی اصلاحات ہمارے ملک میں نیم دلانہ بلکہ بددلی اور بے ایمانی سے نافذ کی گئیں۔(89)

قانون مزارعین:

پاکستان میں زرعی اصلاحات کے علاوہ وقتاً فوقتاً قوانین مزارعین کا نفاذ بھی ہوتا رہا ہے۔صوبہ پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں 1950ء تک قوانین 1887ء کا دور دورہ رہا ہے جس کا اطلاق صرف ذخیلکاری مزارعین پر ہوتا تھا اس قانون کی رو سے عارضی مزارعین کی کوئی حفاظت نہ ہوتی تھی ٹیننسی لاز انکوائری کمیٹی نے سفارش کی کہ عارضی ملا زمین کسی حفاظت وصیانت کی بجائے ذخیلکاری مزارعت موقوف کردی جائے چنانچہ 1887ء کے قانون میں ترمیم کرکے 1950 اور 1952ء کے قوانین مزارعین نافذ کئے گئے۔

پنجاب:

صوبہ پنجاب میں 1950ء اور 1952ء میں مندرجہ ذیل قوانین نافذ کئے گئے۔

ا۔ پنجاب لگان داری (ترمیمی) قانون 1950ء:

دفعہ 113:

کوئی مالک اراضی کسی صورت میں محصول کا' دیہی محصول یا دیگر چندے یا زرواجب یا کسی شخصی بیگار کا اس واجب الادالگان کے علاوہ جو مزارع نے اپنے مالک اراضی کی زمین رکھنے کے باعث دینا ہے۔مزارع پر واجب نہ ہوگا۔

دفعہ 116:

ا۔ اگر دفعہ 113 میں مذکورامور مالک زمین اپنے مزارع سے کرائے یا

۲۔ مزارع سے اپنی طرف سے فراہم کردہ بیج سے زائد کوئی چیز وصول کرے جو یقیناً مہیا کردہ بیج سے زیادہ ہو یا

۳۔ مزارع کو جبراً یا قانونی احکام کے خلاف بے دخل کرے یا

۴۔ اگر کوئی مزارع کسی اراضی کو چھوڑنے سے انکارے کرے یا نہ چھوڑے اس قسم کی متابعت میں جو کسی مجاز عہدیدار نے صادر کیا ہو۔وہ ایسے جرم کا مرتکب ہوگا جس کی سزا کسی بھی قسم کی قید ہوسکتی ہے جو ایک سال تک کے لیے ہوسکتی ہے یا سزائے جرمانہ یا دونوں۔

۲۔ پنجاب لگان داری (ترمیمی) ایکٹ 1952ء:

اس قانون کے تحت درج ذیل دفعات کا اضافہ کیا گیا۔دفعہ 114 کے تحت مزارعین کو زمینوں کا مالک بنا دیا گیا۔

دفعہ 114:

کوئی مقرر دار جو مذکورہ آرڈی نینس کے نفاذ کے وقت اراضی مذکورہ پر بحیثیت مقرر دار قابض ہو مندرجہ ذیل طریقوں سے مالک بن جائے گا۔

۱۔ ایسی تمام مذکورہ اراضی کا جو اس کے قبضہ میں ہوگا کوئی معاوضہ دیئے بغیر بشرطیکہ وہ مالیہ اور فی الوقت واجب الادا ءواجبات کے علاوہ کوئی مزید لگان نہ دیتا ہو۔

۲۔ وہ اراضی جو اس کے قبضہ میں ہو اور اس کا لگان پیداوار کی شکل میں ادا کرتا ہو۔

۳۔ زمیندار کو لگان کی نقد ادائیگی ایسے نرخوں پر اور اتنی مدت کے اندر جن کی تصریح حکومت کے قواعد میں کی جائے گی۔

دفعہ 115:

۱۔ کوئی شخص جو 100 ایکڑ اراضی کا مالک ہو زائد 50 ایکڑ اراضی قابل کاشت خود کاشت کے لیے نہ رکھ سکے گا۔

۲۔ اگر خود کاشت کے لیے 50 ایکڑ سے زائد رقبہ اس کے پاس ہے تو اس ایکٹ کے نفاذ کی تاریخ کے تین ماہ کے اندر (فوجی ہو تو چھ ماہ) زائد رقبہ مزارعین کو ان شرائط پر جن کے تحت قانون اجازت دے لگان پر دے دے۔

دفعہ 60:

مزارع کی وفات پر حق ذخیلکاری اس کے نامزد وارث اور اگر نامزد نہ ہو تو اس کے بڑے بیٹے کو منتقل ہو جائے گا۔

دفعہ 15:

زمین کی پیداوار میں مزارع کا حصہ 60% اور زمیندار کا 40% ہو گا مالیہ اراضی کی ادائیگی کے لیے دونوں اسی تناسب سے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۔ قانون مزارعین برائے تحفظ و بحالی پنجاب 1952ء:

اس قانون کے تحت مزارعین کی بے دخلی پر سخت پابندیاں عائد کر دی گئیں۔

دفعہ 39:

۱۔ مزارع نے زمین کو اس طرح استعمال کیا ہو کہ وہ ان اغراض کی نہ رہی ہو جس کے لئے حاصل کی گئی۔

۲۔ زمین کاشت نہ کرے۔

۳۔ زمیندار خود اپنی زمین کاشت کرنے کا ارادہ رکھے۔

علاوہ ازیں جن مزارعین کو ان قوانین کے نفاذ سے قبل بے دخل کر دیا گیا تھا انہیں دوبارہ بحال کر دیا گیا۔

۴۔ (خاتمہ جاگیر ایکٹ 1952ء پنجاب):

اس کے تحت تمام جاگیریں منسوخ کر دی گئیں فوجی خدمات کے صلہ میں حاصل ہونے والی مذہبی اور خیراتی اداروں کے لیے وقف جاگیریں اس ایکٹ سے مستثنٰی قرار دی گئیں۔

مذکورہ بالا قوانین کے تحت صوبہ پنجاب میں جو زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں ان سے وابستہ توقعات پوری نہ ہو سکیں غریب مزارعین اپنی کمزوری کے سبب اپنے حقوق زمینداروں سے پوری طرح حاصل نہ کر سکے۔ زمیندار اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر مزارعین کو غلط اور بے بنیاد الزامات لگا کر خود کاشت رعایت کی آڑ لے کر اور چراگاہ اور باغ لگانے کے بہانے بے دخل کرتے رہے جس سے مالک اور مزارع کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی مزارع محسوس کرتا تھا کہ مالک وہ خود ہی ہے۔ چنانچہ مالک اراضی کو وہ لگان بھی ادا کرنے کا روادار نہ تھا جو کہ جائز طور پر واجب الادا تھا دوسری طرف مالک اراضی کو یہ احساس تھا کہ وہ اپنی اراضی میں مالکانہ حقوق سے عملاً بے دخل کر دیا گیا ہے۔

یعنی عملاً ان قوانین کا نفاذ نہ ہو سکا بہت سے ایسے مقدمات کی اطلاع ملیں کہ مختلف الزامات رکھ کر کسانوں کو بے دخل کر دیا گیا۔ پیداوار وصول کر کے رسید نہ دی یا اناج کھیتوں سے نہ اٹھانے دیا اور مقدمہ دائر کر دیا حکومت نے بٹائی میں 40% حصہ مقرر کیا لیکن زمیندار و جاگیردار کھلے بندوں 50% وصول کر رہے تھے۔

سندھ:

(سندھ لگان داری ایکٹ 1950ء):

صوبہ سندھ میں زرعی نظام کی خرابیوں کو ختم کرنے کے لیے سندھ لگان داری ایکٹ 1950ء نافذ کیا گیا تھا
س کی اہم دفعات یہ تھیں۔

ا۔ زرعی پیداوار کی تقسیم کے لیے بٹائی سسٹم رائج کیا گیا بٹائی میں زمیندار کا حصہ مقرر کیا گیا۔

۲۔ ہاریوں سے بیگار اور غیر قانونی وصولیوں کو منسوخ قرار دیا گیا۔

۳۔ موروثی ہاریوں کو لگان داری کے دائمی حقوق دے دئے گئے۔

۴۔ سندھ میں کرائے داری ٹیننسی ایکٹ نمبر XX کے ذریعہ اس عمل کو غیر قانونی قرار دیا گیا کہ اگر کوئی سندھی کسان تسلسل سے چار برس یا کم از کم تین برس تک اپنے جاگیردار کی زمین کاشت کرتا ہے تو اسے بے دخل کر دیا جائے۔

اس ایکٹ کے پاس ہونے کے بعد بے شمار بے دخلیاں ہوئیں تو اس قانون میں ترمیم کر کے 1952ء کا ایکٹ نافذ کیا گیا جس کے تحت ٹریبونل کے حکم کے بغیر ھاریوں کی بے دخلی کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔
صوبہ پنجاب کی طرح سندھ کے لگانداری قوانین بھی زمینداری نظام کی برائیوں کا پورے طور پر سدباب کرنے سے قاصر رہے۔وڈیرے اور جاگیردار حیلہ بہانے اور ہتھکنڈے سے کسان کو بے دخل کرتے رہی۔سندھ کے ایک سابق وزیر نے بتایا کہ "زمیندار مزارع کو ایک خاص قطعہ اراضی دو سال سے زیادہ کاشت کرنے کی اجازت نہیں دیتا تاکہ وہ مستقل حقوق مزارع حاصل نہ کرلیں"۔(90)

سرحد:

صوبہ خیبر پختونخواہ میں بھی لگان داری سے متعلق ایک قانون 1950ء میں منظور کیا گیا 1952ء میں اس میں ترمیم ہوئی۔ان قوانین کے تحت موروثی قانون ختم کر کے مزارعین کو حق ملکیت دیا گیا۔مزارع تابع اراضی کو تین سال تک کاشت کرنے کا حق دیا گیا ان کی بے دخلی صرف اسی صورت میں دی گئی جب وہ معاہدہ کے مطابق زمین کاشت نہ کریں یا اس طرح کاشت کریں کہ زمین آئندہ کاشت کے قابل نہ رہے یا لگان دینے سے قاصر رہیں۔شرح لگان میں اضافہ پر پابندی عائد کر دی گئی۔مزید براں یکم مارچ 1949ء اور تحفظ بحالی لگان داری قانون مجریہ 1952ء درمیانی مدت کے دوران بے دخل ہونے والے مزارعین کو یہ رعایت دی گئی کہ وہ اپنی لگان داری کی

بحالی کے لیے متعلقہ حکام سے رجوع کر سکتے ہیں۔

مذکورہ قوانین سے مزارعین کو کسی حد تک فائدہ ضرور پہنچا لیکن ان سے مطلوبہ نتائج بر آمد نہ ہو سکے۔

ھاریوں میں زمین کی تقسیم 1993ء:

فروری 1993ء کے اوائل میں سابق وزیر اعظم نواز شریف نے ھاریوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے زمین مالکانہ حقوق پر ان کو عطا کرنی شروع کی انہوں نے سندھ میں شاہ بندر سے لے کر کشمور کے علاقہ میں دریائے سندھ کے کنارے کچے کے علاقہ کی لاکھوں ایکڑ اراضی غریب ھاریوں میں تقسیم کرنے کا آغاز کیا۔ ''دادو کے علاقہ تلتی میں 128 ھاریوں کو کچے کی اراضی کے مالکانہ حقوق دیئے یہ زمین مرحلہ وار 16 ایکڑ فی خاندان کے حساب سے ھاریوں میں تقسیم کی گئی''۔(91)

سندھ کی طرح پنجاب میں سرکاری رقبہ 32 لاکھ ایکڑ بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ تھا اور ملک بھر میں 87 لاکھ ایکڑ سے زائد سرکاری اراضی بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کا پروگرام دیا جا رہا تھا کہ اس دوران حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ منصوبہ ادھورا رہ گیا۔

زرعی ٹاسک فورس کی سفارشات:

زرعی ٹاسک فورس کا قیام نومبر 1993ء کو عمل میں آیا اس کے چیئر مین شاہ محمود قریشی ہیں اس کے کل 19 ممبران چیئر مین، ارکان اسمبلی اور ماہرین زراعت پر مشتمل ہے۔

اس فورس کے اہم مقاصد یہ ہیں۔

ا۔ زرعی دولت ٹیکس اور زرعی انکم ٹیکس کے نفاذ کا جائزہ لینا

۲۔ زرعی پیداوار بڑھانے کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنا، عشر کا جائزہ لینا اور دیہی آبادی کی بہبود اس فورس کے قیام کا بنیادی مقصد دیہی آبادی کے مسائل حل کرنا تھا چنانچہ اس کے لیے اہم سفارشات مرتب کی گئیں۔ زمین کی ملکیت اور زرعی ڈھانچہ کے بارے میں تین اہم سفارشات کی گئیں۔

i۔ STERUCTURAL REFORMS A LAND TENVRE SYSTEM

☆ ملکیت کی مستقل دستاویز جاری کی جائے گی اگلے چار سالوں میں پٹواری کی جگہ کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ ہو گا۔

☆ مارشل لاء ریگولیشن 115 نے زمین کے مختصر ترین یونٹ کے حوالہ سے پابندی لگا دی تھی ساڑھے بارہ ایکڑ سے کم اراضی کی فروخت پر پابندی تھی اب بنیادی تبدیلیاں کر کے قدرتی استعمال اراضی کا بندوبست کیا جائے گا۔

☆ ملک میں 800 پیداواری یونٹ کی حد ملکیت ختم کرکے جدید طرز پر کھیتی باڑی کرنے کے لیے بڑی بڑی کارپوریٹ باڈیز بنائی جائیں گی کارپوریٹ سیکٹر پبلک اور پرائیویٹ لمیٹڈ بھی ہوگا۔اس سے سارے ٹیکس واجب الاداء ہوں گے۔(92)

ii۔ قرض (Credit):

☆ اب زرعی قرضوں کا تناسب 5% ہے اسے تین گنا یعنی 15% ہونا چاہئے۔

☆ چھوٹے کسانوں کو ایکڑ کی بنیاد پر قرض دیا جاتا ہے۔جبکہ قرض فصل کی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔

☆ ہر کسان کو دو سالوں میں متعلقہ ریونیو ڈویژن کی طرف سے پاس بک جاری کی جائے گی۔

☆ کسان بینک کے متعلق غور کیا جائے گا جو کسان علاقوں میں بچتوں کو جمع کرکے وہیں قرض دیا کرے گا۔

☆ کاروباری طبقہ کی کریڈٹ لسٹ کی طرح زرعی شعبہ کی بھی کریڈٹ لسٹ مقرر کی جائے گی"۔(93)

iii۔ TAXATION:

☆ زرعی ٹیکس صرف قابل کاشت زمین پر دینا ہوگا۔

☆ 4000 پیداواری یونٹ تک کا مالک کاشتکار اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا 4000 سے 6000 پیداواری یونٹ پر 2 روپے فی یونٹ اور 6000 سے 8000 پیداواری یونٹ پر 3 روپے فی یونٹ ٹیکس تجویز کیا گیا ہے۔

☆ کاشتکار اگر عشر دے رہا ہے تو انکم ٹیکس نہیں دے گا جتنا عشر ادا کیا گیا ہے وہ رقم انکم ٹیکس سے مستثنیٰ کی جائے گی۔

☆ زرعی املاک کی تشخیص دوسری املاک سے الگ کی جائے گی اور تشخیص کے لیے ایک پیداواری یونٹ انڈکس کی قیمت دو سو روپے مقرر کی جائے"۔(94)

تبصرہ:

زرعی ٹاسک فورس بڑے زمینداروں اور وڈیروں پر مشتمل ہے۔اس میں چھوٹے کاشتکاروں کو کوئی نمائندگی نہیں دی گئی ہے اس ملک میں ہمیشہ پالیسی سازی بڑا زمیندار کرتا ہے اور چھوٹے کسان کا نام لے کر فائدہ اٹھاتا ہے اب کی بار بھی انہیں بڑے زمینداروں'نوابوں کے بیٹوں اور وڈیروں کو اس فورس میں جگہ دی گئی ہے۔اس لیے اس کی تمام سفارشات اسی تصور پر مبنی ہیں کہ صرف بڑا زمیندار ہی بہتر پیداوار دے سکتا ہے اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا گیا ہے کہ ملک میں 91% کاشتکار 25 ایکڑ سے بھی کم رقبہ کے مالک ہیں اور اگر زرعی پالیساں ان کی

ضرورت و مشکلات کو مدنظر رکھ کر مرتب نہ کی جائیں گی تو ملک کی زراعت کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ اس فورس کی اہم سفارشات کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ کارپوریٹ باڈیز:

ٹاسک فورس کی اہم سفارش کمرشلائزیشن آف اگریکلچر کے نام سے بڑی کارپوریٹ باڈیز کا قیام ہے۔ جو زمین کی بنیاد پر قائم ہوں گی ان پر مشینی کاشت کی جائے گی۔

یہ تجویز اس غلط مفروضہ کی بنا پر پیش کی گئی ہے کہ چھوٹے کاشتکار جدید کاشتکاری کے لیے نا اہل ہیں حالانکہ پاکستان سمیت دنیا کے اکثر ممالک کے سروے بتلاتے ہیں کہ چھوٹے کاشتکاروں کی اوسط پیداوار فی ایکڑ بڑے کاشتکاروں کی فی ایکڑ اوسط پیداوار سے کم نہیں ہے اور اگر پیداواری لوازم مہیا کئے جائیں تو وہ بڑے کاشتکاروں سے بہتر پیداوار حاصل کرسکتے ہیں۔

کارپوریٹ باڈیز کے قیام کا اصل مقصد اب تک کی بری بھلی زرعی اصلاحات کے تحت ملکیت زمین پر عائد ہونے والی پابندیاں ختم کرنا ہے۔ محمود مرزا کے بقول

> یوں معلوم ہوتا ہے کہ ٹاسک فورس نے متعلقہ قوانین کے نفاذ کے ممکنہ خطرہ سے (کہ صحیح جانچ پڑتال پر زائد زمین چھن جائے گی) گلوخلاصی کے لیے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اگر زمیندار کمرشل فارمنگ یا کارپوریٹ فارمنگ کی شکل اختیار کرے گا تو اس پر 1977ء کے قانون (پیداواری یونٹ 8000) کی حد کا اطلاق نہ ہوگا۔(95)

کارپوریٹ باڈیز کے تحت ہر شخص جتنی چاہے گا زمین اپنے پاس رکھ سکے گا اس پر حد بندی کے قانون کا اطلاق نہ ہوگا اور یہی مقصد اس سفارش کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ذریعہ ملک کے چھوٹے کاشتکاروں کی رہی سہی زمینداری بھی ہتھیالی جائیں گی۔ زرعی اراضیات پر چند خاندان قابض ہو جائیں گے۔ غربت کے ہاتھوں لاچار چھوٹے کاشتکار اپنی زمینیں بڑے کاشتکاروں کو بیچ کر ان کے مزارع بننے پر مجبور ہو جائیں گے جس سے ملک کا جاگیردارانہ نظام اور مضبوط اور مستحکم ہوگا۔

یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ جو مزارعین اور کاشتکار اس عمل میں کھیت بدر ہوں گے وہ کہاں جائیں گے شہروں میں بے روزگاری کا مسئلہ پہلے ہی بڑا گھمبیر ہے بے کار دیہی نوجوانوں نے بھی شہروں کا رخ کرلیا تو جو صورت حال ہوگی وہ معاملات سدھارنے کی بجائے مزید پیچیدگیاں پیدا کرے گی۔

2۔ کسان بینک کا قیام :

اس سلسلہ میں 24 اگست 1994ء کو وزیر اعظم پاکستان بے نظیر بھٹو صاحبہ نے پہلے بینک کا افتتاح فیصل آباد میں کیا ہے یہ بینک 12,1/2 ایکڑ تک کے زمینداروں کو 25 ہزار روپے تک آسان اقساط پر قرضے دے گا۔
اگر چہ یہ سکیم بہت مفید ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس سکیم پر اس طرح عملدرآمد کیا جائے کہ بڑے زمیندار چھوٹے کسانوں کے نام پر قرضے حاصل کرکے ہڑپ نہ کر جائیں۔

3۔ زرعی ٹیکس کا نفاذ:

زمینداری قانون کے مطابق حد ملکیت 8000 پیداواری یونٹ کے برابر ہے ٹاسک فورس نے تجویز کیا ہے کہ زرعی اراضی پر پیداواری یونٹ کے حساب سے انکم ٹیکس ادا کیا جائے بنیادی 4000 پیداواری یونٹ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اس سے اوپر 2000 پیداواری یونٹ پر 3 روپے فی یونٹ کے حساب سے 6000 روپے ٹیکس عائد ہوگا اس طرح بڑے بڑے زمیندار سے کل وصولی 10000 روپے سالانہ ہوگی۔
مذکورہ بالا ٹیکس ریٹ کے مطابق ملک بھر کے تمام زمینداروں سے کل نقد 5/12 کروڑ روپیہ سالانہ وصول ہوگا۔(96) خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

4۔ دولت ٹیکس:

ٹاسک فورس نے ویلتھ ٹیکس کے لیے ایک پیداواری یونٹ کی قیمت 200 روپے مقرر کی ہے اس تجویز کے مطابق 8000 پیداواری یونٹ کے مالک زمیندار کی زرعی اراضی کی کل ملکیت 16 لاکھ روپے ہوگی 10 لاکھ روپے کی معافی تو قانون میں ہر شخص کے لیے موجود ہے علاوہ ازیں ایک لاکھ کی خصوصی رعایت زرعی اراضی کے لیے مختص ہے بقایا پانچ لاکھ کی مالیت پر نصف فیصدی کے حساب سے صرف اڑھائی ہزار روپے سالانہ دولت ٹیکس وصول ہوگا۔
گویا کہ اگر زرعی اصلاحات سے بدستور گریز کیا گیا تو پاکستان کا بڑے سے بڑا زمیندار انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس دونوں مدوں میں کل 12,1/2 ہزار روپے ادا کرے گا گویا بڑے زمیندار ٹیکس کی مد میں ایک ہزار روپے ماھانہ پیش کرنے کے عوض قوم کا سیاسی و معاشی مقدر طے کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنے کا عزم لے کر آئے ہیں۔

ٹاسک فورس کہتا ہے:

ٹیکس لے لو اور زرعی اصلاحات کا قانون منسوخ کردو۔
یہ ہے مختصراً ان سفارشات کا جائزہ جنہیں حکومت انقلابی قدم کہہ رہی ہے۔

فصل سوم

پاکستان کے زرعی نظام کے اثرات

1۔ معاشرتی اثرات

2۔ سیاسی اثرات

3۔ معاشی اثرات

پاکستان کے زرعی نظام کے اثرات

پاکستان کا زمینداری نظام جو کہ دوسرے لفظوں میں جاگیرداری نظام ہے۔ہماری بہت سی قومی وملی برائیوں کا اہم سبب ہے۔جاگیرداری نظام جہاں بھی رائج ہو وہاں معاشرتی اور معاشی پسماندگی عوام کا مقدر بن جاتی ہے۔

پاکستان کو آزاد ہوئے 47 برس ہوئے مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں آج بھی قبائل رسم و رواج اور اقدار کا بول بالا ہے۔ہم آج بھی ان فرسودہ اور انسان دشمن روایات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔پاکستان کا 5% زمیندار و جاگیردار طبقہ اسمبلیوں کی 95% نشستوں پر قابض ہے جس کی بنا پر ملک کا ہر قانون جمہور کی بجائے جاگیرداروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے بنتا ہے۔مہنگائی' بیروزگاری اور بیماری کی مار جمہور کھاتے ہیں۔پھر ٹیکس دیتا ہے تو غریب اور درمیانہ طبقہ لیکن فائدہ اٹھاتا ہے تو جاگیردار و زمیندار جو ہر طرح کے ٹیکس سے آزاد ہے۔

اس لیے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک کا موجودہ زمینداری نظام ایک صحت مند معاشرتی' معاشی اور سیاسی ماحول کی تشکیل میں سدراہ بنا ہوا ہے ہمارے ہاں ملکیت کا مفہوم زمیندار کو یہ حق دیتا ہے کہ ''خود کھیلو اور کسی کو نہ کھیلنے دو''

جو کہ سراسر خلاف اسلام ہے۔اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارے یہاں زمین کا بندوبست نہایت ناقص اور غیر منصفانہ ہے۔زمینداری نظام اس قدر خرابیوں کی آماجگاہ بن چکا ہے کہ ہماری پوری معاشرت' معشیت اور سیاست اور زہر سے متاثر ہو رہی ہے۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ ہمارے ملک میں زمینداری یا جاگیرداری نظام کن کن خرابیوں اور برائیوں کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ معاشرتی اثرات:

ہمارا زمینداری نظام معاشرہ سے چمٹی ہوئی وہ جونکیں ہیں جو اس کا خون مسلسل چوس رہی ہیں' معاشرہ میں افراط وتفریط کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔معاشرہ دو حصوں میں بٹ چکا ہے۔اس نظام نے ملکی امن وامان کی صورت حال کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا ہے۔جرائم میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا رجا رہا ہے۔اس ساری معاشرتی تباہی و بربادی کا باعث یہی زمینداری و جاگیرداری نظام ہے۔

ا۔ طبقاتی تقسیم:

موجودہ زمینداری سے زراعت اور زرعی معشیت سے تعلق رکھنے والے لوگ دو مختلف طبقات میں منقسم ہو گئے

ہیں۔ایک طبقہ جاگیردار اور زمیندار کہلاتا ہے اور دوسرا مزارعین و کاشتکار اول الذکر طبقہ کو کسی نہ کسی جائز و ناجائز طریقہ سے زرعی زمینوں سے متعلق حق ملکیت حاصل ہوتا ہے۔لیکن وہ اپنی مملوکہ زمینوں کو خود کاشت نہیں کر رہا ہوتا بلکہ دوسروں سے بٹائی اور مزارعت پر کاشت کرواتا ہے یا پیداوار کے ایک حصہ کی بجائے کاشتکار سے بطور کرایہ نقد رقم وصول کرتا ہے اور ثانی الذکر طبقہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو اپنی زیر کاشت اراضی کے مالک نہیں ہوتے لیکن زراعت و کاشتکاری کی جملہ مشقتیں و صعوبتیں وہی برداشت کرتے ہیں اور انکی عوض پیداوار کا ایک معمولی حصہ پاتے ہیں۔

گویا اس ''زمینداری نظام'' کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس نے عوام کو دو گروہوں (زمیندار و کاشتکار) میں تقسیم کر دیا ہے۔جن میں ایک گروہ کو حقوق ملکیت کی بنا پر دوسرے گروہ پر فوقیت و برتری کا دعویدار ہے اور ملک کے تمام سیاسی و سماجی اور معاشی حقوق پر غاصب بن کر قابض ہے جبکہ دوسرا طبقہ ان کے سامنے غلاموں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہے ایک مصنف کے بقول ''ہاری اور زمیندار انسانیت کی دو انتہائی قسمیں ہیں ایک کا تعلق بے چارگی اور محرومی کی انتہا ہے اور دوسرے کا تعلق عیش و آرام کی انتہا ہے''۔(97)

ان طبقات کے ماحول، رہن سہن اور آرام و آسائش میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ملک دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔''ایک وہ ہیں جو موجودہ صورت حال میں مزے میں ہیں جن کی دولت اثر، عہدوں اور عشرت کدوں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔دوسرے وہ ہیں جن کی محنت کا پھل لوٹا جا رہا ہے۔''(98)

اس زمینداری نظام نے صرف مالکان اراضی اور کاشتکاروں پر مشتمل دو طبقات کو ہی وجود نہیں بخشا بلکہ مجموعی طور پر معاشرہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ایک اپر کلاس سوسائٹی جو اپنی بود و باش، رہن سہن، رسم و رواج اور طور طریقوں سے بالکل ایک مختلف مخلوق ہے۔اس طبقہ کے روح رواں یہی زمیندار ہیں اور دوسرا طبقہ کمتر حیثیت کے مالک لوگوں کا ہے جنہیں کسی طرح بھی قابل التفات نہیں سمجھا جاتا حالانکہ ان پر آبادی کا کثیر حصہ مشتمل ہے۔انیس فاطمہ اس تقسیم کو واضح کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

> ہر سال نئے ماڈل کی موٹریں خریدنا، قیمتی کوٹھیاں بنانا، امریکہ اور فرانس کی تفریح گاہوں میں جشن منانا، کوٹھیاں ان کے مخصوص مشاغل ہیں لیکن اس دولت کے پیدا کرنے والے بھوک اور افلاس سے تنگ اپنے گھاس پھونس کے جھونپڑوں میں دبے پڑے ہیں اور اپنے آپ کو بار زمین سمجھ کر شہر کا رخ کرتے ہیں وہ بھی بحال پریشان ہر قدم پر جھجکتے شرماتے سہمے ہوئے جیسے خود اپنے وجود سے ڈر رہے ہوں۔(99)

اسلام نے طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ کو ختم کر کے اخوت، ہمدردی اور مساوات کے اصولوں پر مبنی جس خوبصو

رت معاشرہ کو تشکیل دیا تھا۔اس جاگیرداری و زمینداری نظام کی بدولت نہ صرف اس کا احیاء ہوا ہے بلکہ اس کو فروغ اور ترقی بھی ملی ہے اور یہ مرض آئے دن روز افزوں ہے۔ یہ سب اس نظام کا اثر ہے کہ آج انفرادی اہلیت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں البتہ حسب نسب اور ذات برادری کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ناموں کے ساتھ لگے ذات برادری کے دم چھلے خان، چوہدری، ملک وغیرہ ہماری اس ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ زمیندارانہ ذہنیت ہاتھ سے محنت اور پڑھنے لکھنے کو کمتر درجہ کا کام تصور کرتی ہے ہاتھ سے کام کرنے والا ان کے نزدیک کسی کمین اور پڑھنے لکھنے والا منشی یا ماسٹر ہوتا ہے۔ معاشرہ میں اس طبقاتی تفریق اور دونوں گروہوں کی باہمی چپقلش نے محبت اور باہمی تعاون کی بجائے نفرت، حقارت اور عدم تعاون کے جذبوں نے معاشرہ کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔

اس طبقہ نے تعلیم کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ملک میں قائم ہونے والے تعلیمی ادارے دو قسم کے ہیں ایک امراء اور خوش حال طبقہ کے لیے اور دوسرے پسماندہ طبقات کے لیے انگلش میڈیم سکولوں کی اہمیت اسی پس منظر میں ہے کہ غریب اور دیہاتی طبقات کے بچوں کو گھٹیا تعلیم اور اردو میڈیم کے ذریعہ مقابلہ کے میدان سے نکال باہر کیا جائے۔ یہ انتہائی ظلم ہے۔ قوم میں افتراق پیدا کیا جا رہا ہے۔ جو آئندہ چل کر کوٹہ سسٹم کا مطالبہ اور خوفناک انقلاب کی صورت اختیار کرے گا۔

۲۔ مزارع کی معاشرتی حالت:

کسان یا مزارع کی معاشرتی حالت کو حسب ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

i۔ غلامی:

اللہ تعالی نے ہر انسان کو آزاد پیدا کرتا ہے مگر دنیا کے ظالم جاگیردار و زمیندار اپنے مزارعوں کو پیدا ہوتے ہی اپنا غلام سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔

دیہاتوں میں عملاً وڈیروں، جاگیرداروں اور سرداروں کی عمل داری یا دوسرے الفاظ میں حکومت ہوتی ہے مزارعین، اہل حرفہ اور کھیت مزدور اپنے بیوی بچوں سمیت ان کے محکوم اور غلام ہوتے ہیں درحقیقت یہ لوگ سچ مچ کے دور غلامی میں رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر سندھ کے ہاریوں کی صورت حال یہ ہے کہ

> سندھ کے ہاری نے ایک طویل عرصہ قرون وسطی کے ایک غلام کی زندگی بسر کی ہے اب ہر وقت ڈاکوؤں، وڈیروں اور علاقہ کی پولیس کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور اس کی زندگی بقا کے ایک کڑے امتحان کے سوا کچھ بھی نہیں۔(100)

وڈیرے اپنے علاقہ کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیزیں سمجھتے ہیں اور ان کی مجال نہیں کہ وڈیروں کے

سامنے ان کی اجازت کے بغیر بات کر سکیں۔ قانون زمیندار کو پورا حق دیتا ہے کہ جن زمینوں پر اس کا قبضہ ہے اپنی مرضی کر کے کسانوں سے جو چاہے سلوک کرے وہ لاکھوں آدمی جن کے پاس زمین یا دوسری جائیداد نہیں طفیلی ہوتے تھے وہ کسی خوشی کے لیے نہیں بلکہ مجبوری کے لیے کام کرتے ہیں ان حالات میں زمیندار وقت کا بادشاہ بن جاتا ہے ہاری کو اپنی مرضی کے اصول وضوابط بتاتا ہے۔

ii۔ بیگار:

بیگار کے کام دینا بھی مزارع کی قسمت کا حصہ ہے زمینداری کسی وقت بھی ہاری سے کنویں سے پانی نکالنے اپنا مکان بنانے یا اس قسم کی کوئی دوسری بیگار لے سکتا ہے۔ رحمت اللہ طارق بیگار کے متعلق لکھتے ہیں۔

> بیگار کی لعنت ہمارے زمیندار طبقہ میں اس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ رفتہ رفتہ مفت کام لینے کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے ہیں پاؤں دبوانا ہو یا جسم مالش کروانا ہو حقہ بھروانا ہو خواہ گھر کا تمام کام کاج کروانا صرف غریب کسان ہی کے واجبات میں یہ ڈیوٹی شامل ہے۔ بلکہ اس کی بہو، بیٹیاں اور بیوی پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ خلوت ہو خواہ جلوت زمیندار کی خدمت گزاری سے انکار کی مجال نہیں کر سکتیں۔(101)

iii۔ بےبسی اور لاچاری:

زمیندار کے سامنے مزارع بالکل بے بس ہوتا ہے اگر وہ اپنی پیداوار ایک نکھے زمیندار کو نہ دے جس کا نام سرکاری کاغذوں میں بطور مالک لکھا ہوتا ہے تو اسے سزا ملتی ہے ذلیل وخوار کیا جاتا ہے اس کی عزت وآبرو لوٹی جاتی ہے۔ ہاری جو کئی نسلوں کے لیے زمین کاشت کرتا ہے اسے اس بات کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کب تک اس زمین پر ٹھہر سکے گا۔ ڈر اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے' قید کا خوف' زندگی' زمین یا بیوی کا خوف ہو سکتا ہے کہ زمیندار اس سے ناراض ہو جائے اور اسے نکال باہر کرے اور اسے پکی فصل چھوڑ کے ڈھور ڈنگر لٹا کے اور مار کھا کے جانا پڑے یہ بھی ممکن ہے کہ پولیس اس چوری کے الزام میں، ڈکیتی، قتل کے کیس میں یا دفعہ 110 میں اندر کر دے اس کی نظر میں دوسرے کئی ہاریوں کا انجام بھی ہوتا ہے جو کسی زمیندار کے غضب کا شکار ہوئے اور تنگ وتاریک دم گھٹنے والی جیل میں بند کئے گئے اور قید خانہ کے عذاب کئی سال جھیلتے رہے۔ ''ہاری زمیندار کے عذاب کو دوزخ کے عذاب سے بھی زیادہ غضب ناک سمجھتا ہے کیونکہ اس کی نظر کے سامنے زمیندار کے غنڈے حرکت میں آ چکے ہوتے ہیں کسی قسم کی نافرمانی زمیندار کو ناراض کر سکتی ہے''۔(102)

iv۔ پاؤں چھونا:

کسی زمیندار کا سامنا کرتے وقت ہاری کا رویہ بے بس نوکر جیسا ہوتا ہے کسی کے لیے بھی یہ نظام ایسا نہیں کہ ہاری آ کر زمیندار کے پاؤں کو ہاتھ لگائے اس کا مقصد دراصل صرف یہ بتاتا ہے کہ ہاری ایک نیچ مخلوق ہے جو زمیندار کے آگے جھکتی ہے اور اس کے رحم وکرم پر رہتی ہے ہاری زمیندار کے پاؤں چھوتا ہے تو اس کے ذہن میں مالک کل ہوتا ہے کیونکہ ساری زمین کا مالک زمیندار ہوتا ہے جو اسے بھوکا مار سکتا ہے اور بعض حالات میں اس کی جان بھی لے سکتا ہے۔(103)

اس کے دماغ میں زمیندار کا اتنا خوف ہوتا ہے کہ اس کی غیر حاضری میں بھی اس کے خلاف نہیں بولتا۔

v۔ جہالت:

ہمارے معاشرہ میں مزارع، ہاری، کاشتکار کو سوچ سمجھ کر نا خواندہ رکھا جاتا ہے اسے تعلیم و تنظیم سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے وڈیرے کے اپنے بچے تو یورپ میں پڑھیں گے مگر خود اس کے گاؤں میں پرائمری سکول تک نہ ہوگا۔

وڈیرے اس اندیشہ کے پیش نظر کہ ان کی محکومی کا شکار کسان کہیں اپنے بنیادی یا انسانی حقوق سے آگاہی حاصل نہ کر لیں انہیں ان پڑھ اور نا خواندہ رکھتے ہیں اور وہاں سکول نہیں کھولتے تاکہ کہیں مزارعوں کے بچے پڑھ لکھ کر اپنا حق مانگنے کا شعور حاصل نہ کر لیں جاگیردار چونکہ اپنی زمینوں پر کام نہیں کر سکتا اسے صرف اپنی سہل پسندی، آرام طلب اور پر عیش وعشرت زندگی میں مزید رعایات کی تلاش ہوتی ہے اس لیے اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ

> اس کے حلقہ رعیت میں کاشتکار زیور تعلیم سے آراستہ نہ ہوسکیں بلکہ وہ اس کے دست نگر رہیں کیونکہ اس کے خیال میں تعلیم بغاوت کے جراثیم پیدا کرتی ہے اور تعلیم حاصل کرنے والی آبادی ان کی ناجائز اور ظالمانہ روش کے ساتھ کبھی سمجھوتہ نہ کر سکے گی۔(104)

اس لیے زمینداروں کی یہ کوشش معاشرہ میں جہالت کو فروغ دینے میں انتہائی بھیانک کردار ادا کرتی ہے۔ محمد خان جونیجو کے دور میں سکولوں کی خوبصورت عمارتیں بنیں مگر وہ وڈیروں کی اوطاقیں اور مہمان خانے کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں اسی دور میں گرلز سکولوں کے لیے عمارتیں بنا دی گئیں مگر وڈیروں نے ان عمارتوں کو منہدم کروا دیا۔

ھاری کتنے ہی مضبوط ارادے کا کیوں نہ ہو مقدمہ جیتنے کی توقع نہیں رکھتا بلکہ اسے اپنی زمین چھن جانے کا ڈر ہوتا ہے جو کہ اس کی زندگی ہے قانون سے مدد لینا مشکلات میں پھنستے جانا ہے یہ اس کے لئے مہنگا اور دکھی تجربہ ہوتا ہے۔ اگر ایک دفعہ کوشش کر بھی چکا ہو تو دوسری دفعہ یہ غلطی نہیں دھرائے گا جب بھی وہ ظالموں کے ہتھے چڑھے تو قانون اس کی مدد نہیں کر سکتا اس لئے وقت کے ساتھ ساتھ ایسے بہت سے قانون جو کاشت کاروں کو تحفظ دینے کے

لئے بنائے گئے سرد خانے میں چلے گئے۔

الغرض ہمارے کاشتکار کا یہ عالم ہے کہ کہنہ رسوم کی زنجیر پاؤں میں سر پر قرض کا بار، کپڑوں میں پیوند، جسم پر گرد کی تہہ، محنت کرتے چلے جاتے ہیں اور ثمرہ زمیندار کو دیتے چلے جاتے ہیں تا کہ اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پل جائے۔علم وفن سے بیگانہ روحانی اور اخلاقی ترقی سے بے نیاز کیوں نہ ہو آخر اس کی زندگی پشت ہا پشت سے محنت اور حسرت کا ایک ہی چکر ہو رہی ہے۔

> ان کے سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق کا کوئی تصور نہیں صرف ایک ہی مقصد کے لئے جیتے ہیں یعنی غذا جس کے ذریعہ جسم وروح کا تعلق قائم رہتا ہے زندگی کی کسی دلچسپی میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں کیونکہ زندگی کی بنیادی ضروریات بھی ابھی تک انہیں دستیاب نہیں ہوئیں۔(105)

vi۔ حقوق مساوات کی نفی:

الغرض ہمارے ملک کا زمینداری جاگیرداری نظام اپنے مزارعوں اور ہاریوں کے حقوق مساوات اسلامی کی عملاً نفی کرتا ہے اس نظام معاشرت میں جاگیردار اور زمیندار کو اعلیٰ معاشرتی اور سماجی حقوق حاصل ہوتے ہیں جبکہ اس کے غریب مزارع کو اس کے مقابلے میں کسی قسم کے معاشرتی یا سماجی حقوق نہیں ہوتے اس کے برعکس۔ جاگیرداری سسٹم میں تمام حقوق۔معاشرت کو غصب اور سلب کرنے کا ذریعہ ہے، جس کے منفی اثرات ہماری قومی تاریخ، تہذیب، ثقافت کا المیہ ہیں۔

۳۔ زمیندار کی معاشرتی حیثیت:

زمیندار کون ہیں؟:

کسانوں سے بٹائی لینے والے اور ان کا استحصال کرنے والے مالکان امراء کہلاتے ہیں۔ وہی حکومت کا نظام چلاتے ہیں اور اشراف کہلاتے ہیں۔(106)

زمیندار ایک چھوٹی سلطنت کا شاہی جاگیردار ہے اس کے پاس نوکروں کی فوج ہوتی ہے اچھے اچھے گھوڑے، گائیں اور بھینسیں ہوتی ہیں بہت سا اسلحہ ہوتا ہے۔ ہر سال شکار پر لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے۔ دکھاوے کا شوقین ہوتا ہے، قیمتیں گاڑیاں رکھنے اور عیش وعشرت پر خوب خرچ کرنے کا مشتاق ہے۔ وہ پرانے وقتوں کے بادشاہوں کی طرح رہتا ہے۔

یہ وہ طبقہ ہے انصاف جس کی مٹھی میں بند ہوتا ہے روپے سے وفاداریاں خریدتا ہے ۔طاقت کے زور پر من مانیاں کرتا ہے ۔ دولت پر ایک مخصوص طبقہ کی گرفت سے استحصال کا دور شروع ہو جاتا ہے ۔محنت کی کمائی پر عیش پرستوں کا قبضہ ہو جاتا ہے غربت چوراہوں پر دندناتی پھرتی ہے ۔ضمیر مردہ ہوجاتے ہیں حوا کی بیٹیوں کی سرعام تذلیل ہوتی ہے قانون کی دھجیاں سرعام اڑائی جاتی ہیں چوہدریوں کے آوارہ بیٹے مزارعوں کی عزت کوگلیوں میں روندتے پھرتے ہیں غریب کی عزت خاک میں مل جاتی ہے اور یہ جاگیرداروں وزمینداروں کا شوق کہلاتا ہے ۔

اس زمینداری و جاگیرداری کے حامل معاشرہ میں عورت کی پامالی کا یہ عالم ہے ''بعض جاگیرداراور بڑے زمیندار نے اس فعل قبیح کو جاگیردارانہ ثقافت کا ایک حصہ بنا رکھا ہے ۔''(107)

ہمارے مزارع اور ھاری جانتے ہیں کہ فلاں راجہ، فلاں چوہدری، فلاں مالک اور پیرزادہ وڈیرہ، خان، سرادر بدکرداراور بداخلاق ہے لوگوں کی عزتوں سے کھیلتا ہے لیکن اس کے باوجود معاشی لحاظ سے مجبور ہیں کہ اسی کو ووٹ دیں اور اپنا لیڈر بنائیں ۔

گویا تکریم آدم کے بلند نصب العین کو پامال کرنے میں زمیندار ید طولی رکھتا ہے ۔

زمینداری و جاگیرداری نظام میں خاندانی تعلقات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اسی لئے ہمارے معاشرے میں اقرباء پروری کی لعنت کا دوردورہ ہے ۔زمینداری اقتدار پر کھا جائے تو یہ وہ معاشرتی برائی نہیں بلکہ فرض ہے کہ ہرکوئی اپنے وفادار بھائی کی سب سے پہلے مدد کرے ۔اس طرح دوست نوازی بھی اس سوسائٹی میں کوئی معاشرتی برائی نہیں ہرکسی کا فرض ہے کہ اپنے دوستوں اور پالتوغنڈوں کی سب سے پہلے مدد کرے ۔

جانشینی زمینداری نظام کا بنیادی اصول ہوتا ہے اس لئے تو جب کوئی رکن اسمبلی مرجاتا ہے تو بہت سے لوگوں کی یہ پختہ رائے ہوتی ہے کہ مرحوم کے بھائی یا بیٹے کو پارٹی ٹکٹ حق کے طور پر ملنا چاہیے ۔

زمینداری و جاگیرداری نظام کے تحت دوستوں کا ہونا اور دوستیاں پالنا ضروری ہوتا ہے ۔

جاگیرداری ذہن کسی کو بھی حقوق دینے پر تیار نہیں ہوتا عورت کوحقوق دینا تو دور کی بات ان کے حقوق کوتسلیم بھی نہیں کیا جاتا ان کے ہاں بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے ۔بیوی سے مشورہ نہ لینے اور اسے جوتی کے نیچے رکھنے کے مشورے دیئے جاتے ہیں اور حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ انہیں جائیداد سے حصہ نہ دیا جائے ۔اس مقصد کے لئے متعدد نفسیاتی حربے استعمال کئے جاتے ہیں اولاتو بہن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھائیوں کی ''محبت'' میں خود ہی اپنے حق سے دست بردار ہو جائے ہماری روایتی جاگیرداری معاشروں میں عورتوں کی شادیاں محض اس لئے نہیں کی جاتیں کہ اس طرح جائیداد کا ایک حصہ دوسرے خاندان کی ملکیت میں چلا جائے گا ۔ملک کے بعض حصوں

میں عورتوں کی شادیاں قرآن پاک سے کردی جاتی ہیں۔

ہمارے ملک میں رائج نظام زمینداری کی بدترین ومکروہ صورت کی وجہ سے چند ہزار خاندان ایسے وجود میں آچکے ہیں جن پر قرآنی اصطلاح میں ''مترفین'' کا اطلاق کیا جاسکتا ہے جو سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 16 اور 27 کے مطابق فسق وفجور اور اسراف وتبذیر میں اپنا روایتی کردار ''باحسن وجوہ'' ادا کر رہے ہیں۔

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَـآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾

ترجمہ: ''اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو فواحش پر مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اس پر عذاب کا حکم ثابت ہوگیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔'' (108)

دوسری آیت مبارکہ ہے

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾

ترجمہ: ''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔'' (109)

ان زمینداروں کا اپنا ایک الگ کلچر ہوتا ہے جس سے ہٹنا ان کے لئے ممکن نہیں۔ان کی اعلیٰ تعلیم اگرچہ معاشرتی معقول اقدار اور انسانیت کی شائستہ ارتقاء سے وابستہ اصولوں پر مبنی ہوتی ہے لیکن یہ لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ندائے کسان میں ہے کہ ''آکسفورڈ' ھارورڈ' بارکلے اور سوربون کی تعلیم بھی اگر یہ لوگ حاصل کرلیں تو اس کا اثر اپنے فیوڈل مزاج پر نہیں ہونے دیتے۔فیوڈل معاشرت اور اس کے سماجی سٹرکچر پر ان کا ایمان اعلیٰ تعلیم کے بعد کچھ زیادہ ہی مستحکم ہو جاتا ہے''

اور بھی جان پڑ گئی دیدہ امتیاز میں (110)

مغربی دنیا کی تعلیم ومعاشرت سیکھنے کے بعد واپس آتے ہیں تو ان کے جاگیردارانہ وقبائلی مزاج اور اطوار کچھ اور نکھر آتے ہیں۔ بدیسی رنگ وروغن کی آمیزش سے کچھ زیادہ ہی تمتما اٹھتے ہیں کہ دیکھنے والوں کے لئے بارعب ہو جاتے ہیں۔

بیرون ملک سے آنے والے مبصرین۔صحافی۔تذکرہ نگار وغیرہ بھی پاکستان آکر انہیں قبائلی سرداروں اور جاگیرداروں میں گھرے رہتے ہیں ان کے ساتھ شکار کھیلتے ہیں ان کی شام کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں۔وہ ان

کی میزبانی کا لطف اٹھا کر اپنے ملک واپس جا کر اپنی تحریروں میں اس کا ذکر رنگین اور دلچسپ انداز میں کرتے ہیں اور اس طبقہ کی سیاسی اور سماجی حیثیت کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ان زمینداروں و جاگیرداروں کی اپنی معاشرت اور کلچر ہے جس میں کوئی دوسرا دخل انداز نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے "ایک روایتی اشرافیہ" تشکیل دی ہے اور اپنی نوع کی جینٹری تخلیق کی ہے۔(111)

ہر زمیندار اور جاگیردار نے اپنی جاگیروں میں بہت سے غنڈے اور بدمعاش قسم کے لوگ پالے ہوتے ہیں یہ لوگ خوشنودی آقا کے لئے ہر کام کرنے کے تیار ہوتے ہیں۔ زمیندار ان غنڈوں کے ذریعہ اپنے "نافرمان" لوگوں کی زندگی اجیرن کر ڈالتے ہیں۔ان کی اس غنڈہ گردی اور جرم کی پشت پناہی یہ زمیندار کرتے ہیں اسی لئے مختلف جرائم کے ساتھ آبروریزی کے اکثر واقعات دیہاتوں میں ان جاگیرداروں، زمینداروں اور وڈیروں کی سرپرستی میں ہوتے ہیں۔ مثلاً "سندھ میں ایک دیہات میں چھ مسلح افراد نے دو خواتین کو اجتماعی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔مجرموں کے متعلق پتہ چلا ہے کہ وہ ایک جاگیردار کے پالتو غنڈے تھے۔"(112) جاگیردار کو تو ہر حال میں اپنی انا کی تسکین مطلوب ہوتی ہے اور مظلوم کاشتکار یہ سامان پیدا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مخالف زمیندار کے خلاف جھوٹے مقدمات بنوانا بھی اسے پسند ہے بعض دفعہ کسی ھاری کو جھوٹا گواہ بنا دیا جاتا ہے اور بعض اوقات مخالف زمیندار کے خلاف اغوا اور زنا بالجبر کا مقدمہ بنا دیا جاتا ہے۔ عدالتیں اور عدالتی مشینری ان کے لئے ایک کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ھاری اس کھیل کا سامان ہوتا ہے۔

بیوروکریٹس چونکہ عملاً وڈیروں، زمینداروں اور اراکین اسمبلی کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے وہ ان کی سفارشوں کو ماننے اور غلط کاموں پر مجبور ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی سرکش اور بدعنوان ہو جاتے ہیں۔ان کی بدعنوانیوں کے نتیجہ میں ملک کے تقریباً تمام اداروں میں رشوت لینے اور دینے کی وبا پھیلی ہے اور اس کی جڑیں اس طرح معاشرہ میں گڑی ہیں کہ جب تک موجودہ زمینداری و جاگیرداری نظام کا استیصال نہیں ہوتا ان کی بیخ کنی ممکن نہیں۔

> ان سب کا سرپرست زمیندار ہی ہوتا ہے جس کی بڑی بڑی جائیدادیں ہوتی ہیں اور جو حکومت سے سہولتیں حاصل کرتا ہے ان کے لئے چور اور ڈاکو ظاہراً معزز نظر آتے ہیں اور سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی پولیس ان کو پناہ دیتی ہے اسکے بدلہ میں پولیس کو خاص رقم بھی دی جاتی ہے۔(113)

قانون اور عدالت سے بچنے کے لئے ناجائز آمدنی کا بڑا حصہ افسروں کو رشوت دینے پر صرف کرتا ہے۔ وہ افسر جو انصاف اور ایمانداری پر قائم رہے زمیندار کو اچھا نہیں لگتا کیونکہ وہ ظلم اور لاقانونیت کا ساتھ نہیں دیتا اور اس

''جرم'' کی پاداش میں اس کی کردارکشی کی جاتی ہے اور اسے فوراً تبدیل کروادیا جاتا ہے۔ زمیندار کو اپنے لمبے ہاتھوں اور جرم کی سرپرستی پر فخر ہوتا ہے اور فخر سے بتاتا ہے کہ وہ کسی افسر کو تبدیل کروا سکتا ہے۔ کسی کو ترقی دلوا سکتا ہے اور ترقی رکوا بھی سکتا ہے غرض کہ ہر لحاظ سے افسران کو بددیانت کرتا ہے اور ان سے غیر قانونی کام کرواتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمینداروں کی زمینوں میں لوگوں پر ظلم کیا جاتا ہے لیکن کوئی پوچھ نہیں سکتا جرائم پھیلتے ہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ مجرموں کی پشت پناہی کی جاتی ہے لیکن کسی کو روکنے کی جرات نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی زمینداری میں بادشاہ ہے، ہر کسی سے جیسا چاہے گا ویسا سلوک کرے گا۔ ''وڈیرے بڑی بڑی جاگیروں کے مالک ہیں سرکاری حکام سے گہرے روابط رکھتے ہیں اپنے علاقہ پر ہیبت قائم رکھنے کے لئے بالعموم قاتلوں اور بدمعاش لوگوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔''(114)

مختصراً ہمارے ملک میں دیگر مالیاتی اداروں کی لوٹ کھسوٹ کے قطع نظر مجموعی نسبت اور تناسب کے اعتبار سے تا حال پاکستانی معاشرہ میں سرمایہ دارانہ طرز استحصال کے مقابلہ میں زمیندارانہ ظلم و جور اور جاگیردارانہ زراعت اور مزارعت کے ''طریق واردات'' سے ہونے والے جبر و استحصال کی مقدار بہت زیادہ ہے لہذا یہاں کسی سماجی انصاف تک کا تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک زمینداری و جاگیرداری کے موجودہ نظام کو ختم کر کے ایک بالکل نئے اور منصفانہ بندوبست اراضی کی صورت پیدا نہ کی جائے اس لئے جب تک یہ نظام موجود ہے ستر پچھتر فیصد انسان جاگیرداروں، وڈیروں اور بڑے زمینداروں اور قبائل سرداروں کے زیر نگین ہیں دستور مملکت میں درج حقوق شہریت بے معنی ہیں۔

2۔ سیاسی اثرات:

پاکستان ایک اسلامی جمہوری ملک ہے جس کا سیاسی نظام عوامی انتخاب پر مبنی جمہوری نظام ہے لیکن کیا واقعی پاکستان میں جمہوریت ہے؟ جمہوریت کیا ہے؟

Democracy is Government of the people, by the people, for the people.

لیکن پاکستان میں پائی جانے والی جمہوریت نہ تو عوام کی ہے نہ عوام پر مشتمل ہے اور نہ عوام کے لئے بنی ہے بلکہ پاکستان کی جمہوریت اس طبقہ کے مفادات کے تحفظ کا ذریعہ ہے جسے زمیندار، جاگیردار یا Orestocracy کہا جاتا ہے۔

درحقیقت سیاسی نظام خواہ کسی بھی ملک کا ہو وہ ہمیشہ معاشی نظام کے تابع ہوتا ہے پیداواری ذرائع کی ملکیت محنت کشوں کے پاس ہے تو جمہوریت عوامی ہوگی اور اگر پیداواری ذرائع کی ملکیت سرمایہ داروں اور

جاگیرداروں کے پاس ہوگی تو جمہوریت بھی سرمایہ دارانہ وجاگیردارانہ ہوگی اگر معاشی نظام نیم سرمایہ دارانہ اور نیم جاگیردارانہ ہے تو جمہوریت بھی نیم دروں اور نیم بروں ہوگی۔

1947ء سے 1994ء (آج تک) پاکستان سیاسی تجربات کی بھٹی بنا رہا ہے جمہوریت، مارشل لاء، کنٹرولڈ جمہوریت، جماعتی انتخاب، غیر جماعتی انتخاب غرض کون سا ایسا نظام ہے جو ہم نے نہیں اپنایا مگر کسی بھی سیاسی تجربہ سے ہمیں صحیح اور صحت مند سیاسی قیادت مہیا نہیں ہوئی ہے۔لوگ آتے جاتے رہے لیکن قیادت میں تسلسل اور استحکام پیدا نہ ہوسکا اور نہ قیادت میں داخلی اور بیرونی چیلنجوں سے عہدہ برا ہونے کی سکت پیدا ہوسکی۔ حالانکہ قیام پاکستان کے وقت یہاں کے لوگوں میں جوش، جذبۂ ایثار و قربانی جیسی صفات کی کمی نہ تھی جو کہ ایک زندہ قوم کے لئے درکار ہوتی ہیں۔تحریک خلافت سے تحریک پاکستان تک ہر مرحلہ پر جاگیردار طبقہ کے مقابلہ میں عوام اور متوسط طبقہ کے نمائندہ افراد سیاست پر چھائے رہے لیکن جب پاکستان بن گیا تو وہ سب زمیندار و جاگیردار، خان، سردار جو عوام یا متوسط طبقہ کے ہاتھوں پٹ گئے تھے بساط سیاست پر نہ صرف نظر آنے لگے بلکہ روز بروز ان کا اقتدار اور اختیار بڑھتا گیا اور بڑھتا چلا جارہا ہے۔

موجودہ زمینداری نظام کے سیاسی اثرات کو ذیل کے عنوانات سے واضح کیا جاتا ہے

i۔ جمہوریت کی ناکامی:

قیام پاکستان کو 47 برس کا عرصہ بیت چلا ہے اس دوران تقریباً کئی سال ہم نے مارشل لاء کے تحت گزارے اور باقی کئی سال لولی لنگڑی جمہوریت رہی جب اس کے مقابل ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں جمہوریت کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اس کی وجہ وہاں جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہے قیادت اہل لوگوں کے ہاتھوں میں آئی۔سرداریاں ختم ہوگئیں اور اچھے لوگ سامنے آرہے ہیں۔

پاکستان کا ہر چھوٹا بڑا لیڈر سیاسی کارکن اور باشعور شہری جمہوریت کا کلمہ پڑھتا ہے لیکن جمہوریت اس ملک میں جڑ نہیں پکڑتی۔یہ حقیقت ہے کہ جب تک ہمارے ملک سے زمینداری اور ہماری سیاست سے جاگیرداروں، زمینداروں کو نکال کر باہر نہیں کیا جاتا پاکستان میں جمہوریت جڑ نہیں پکڑ سکتی۔اگر معاشی اور معاشرتی نظام سیاسی نظام سے میل نہ کھاتا ہو تو طاقتور نظام کمزور کو کھا جائے گا۔چنانچہ ہمارے ہاں جاگیرداری نظام جمہوری نظام کو بار بار کھا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں نظام باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

جاگیردار اور زمین دار طبقہ قیام پاکستان سے اب تک کبھی بھی جمہوریت کا وفادار نہیں رہا ہے کیونکہ اس کا مقصد حکومت چلانا نہیں بلکہ اپنی زمینوں سے وصولیاں کرنا ہے۔یہی وہ طرز عمل ہے جو کہ قیام پاکستان سے قبل بھی

بقول انگریزوں کا تھا۔وائسرائے لارڈویول نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ ’’جاگیردار طبقہ نے انگریزوں کے لئے کچھ بھی نہیں کیا یہ ہماری حمایت اسی لئے کرتے تھے کہ ہم نے امن برقرار رکھا تھا تا کہ ان کو ہماری حفاظت میں اپنی زمینوں سے وصولیاں کرنے میں آسانیاں ہوں۔‘‘(115)

یہی زمیندار و جاگیردار خاندان ہی پاکستان کے سیاسی حال اور مستقبل کے مالک ہیں۔آئین ساز اسمبلیوں میں اکثریت رکھتے ہیں پارلیمانی جمہوریت کو ناکام بنانے اور سیاسی نظام میں رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں جب ان کو اپنا مفاد خطرہ میں نظر آتا ہے تو مارشل لاء نافذ ہو جاتا ہے۔حکومتوں کا یکے بعد دیگرے خاتمہ اور مارشل لاء کا نفاذ معمول بن گیا ہے۔’’یہی بڑے جاگیردار فوج کے معاون ہیں انہی کے کندھوں پر سوار ہو کر فوج مارشل لاء لگاتی اور چلاتی رہی ہے یہی لوگ فوج کی نگرانی میں بننے والی سیاسی جماعتوں اور حکومتوں کے بڑے بڑے منصوبوں کو سنبھالتے چلے آرہے ہیں۔‘‘(116)

ملکی سیاست ان کی زر خرید لونڈی بن کر رہ گئی ہے بالفاظ دیگر سیاست نے اس محدود طبقہ کے مشاغل‘فٹ بال اور روالی بال کے کھیل کی سی صورت اختیار کر لی ہے۔یہی لوگ ذاتی مفادات کی خاطر طرح طرح کی پارٹیاں تبدیل کرتے ہیں انتخاب جیتنے اور پھر حزب اقتدار کے ساتھ شامل ہونے کو ہر پینترا بدلنے کو تیار رہتے ہیں۔انہیں کسی اصول یا نظریہ سے دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ ان کا قبلہ برسر اقتدار طبقہ ہوتا ہے۔ہمارا معاشرہ جس کی اقدار جاگیرداری رنگ میں رنگی جا چکی ہے یہاں پر جمہوریت کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا جب تک قیادت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا اس معاشرہ میں جمہوریت کی دل کشی ایک فریب ہے۔

i۔ اقتدار پر قبضہ:

پاکستانی سیاست پر ہمیشہ سے جاگیرداروں وزمینداروں کا قبضہ رہا ہے۔اسمبلیوں میں ان کی نشستیں‘ جائیداد کی طرح محفوظ ہوتی ہیں۔وڈیرے‘جاگیردار اور زمیندار چونکہ اپنے علاقوں کے آمر ہوتے ہیں اس لئے وہاں صرف وہی الیکشن لڑتے ہیں کامیاب ہو کر وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں جاتے ہیں۔اپنی مرضی سے وزارتیں بناتے ہیں اور دیہاتوں کے علاوہ شہروں پر بھی حکومت کرتے ہیں۔

اسی نظام کے تحت الیکشن۔ممبری۔کرسی۔صدارت کا پورا سلسلہ صرف ایک سرمایہ دار خاندان کے علاوہ کلیتاً جاگیرداروں‘وڈیروں اور قبائلی سرداروں کا میوزیکل چیئرز کا کھیل بنا ہوا ہے اور اس کے باوجود عوام کے ہاتھوں میں ووٹ، نام کی ایک شے موجود ہے فی الاصل ان کی حیثیت وہی ہے جو میر کے اس شعر میں بیان ہوئی ہے

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی

جو چاہیں جو آپ کرے ہم کو عبث بدنام کیا

ایک غریب فرد ایسے معاشرہ میں جاگیردار کے علاوہ کسی دوسرے کو کیونکر ووٹ دے سکتا ہے جہاں ضروریات کی کفالت کے جملہ وسائل ایک زمیندار و جاگیردار کے ہاتھ میں جہاں غریب کاشت کار کے لاؤ لشکر کو تخریب یا ہنگامہ کا ایندھن تو بنایا جا سکتا ہے کسی ترقیاتی و فائدہ بخش پراجیکٹ کی سربراہی نہیں دی جا سکتی۔

سیاست پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ جاگیردار خاندان ہر حکومت میں ایک آدھ وزارت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی اقتدار کی غلام گردشوں میں نہ بھی پہنچ سکے تو یہ ایک طرح سے اقتدار میں ہی رہتے ہیں کیونکہ ان خاندانوں کی رشتہ داریاں ملک میں اس طرح پھیلی ہوتی ہیں کہ بالآخران کے ڈانڈے حزب اقتدار سے جا ملتے ہیں۔

پاکستان کی تقریباً سب جماعتوں پر سوائے چند ایک کے جاگیرداروں وزمینداروں کا قبضہ ہے چونکہ ان کی کسی کے ساتھ کمٹ منٹ نہیں ہوتی اس لئے ان کے لئے کچھ مشکل نہیں ہوتا کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے نظریات بدل لیں اور کبھی سوشلسٹ ہو جائیں کبھی سیکولر اور کبھی مذہبی اور اسلام کے دلدادہ۔ اس لئے پاکستان میں اب یہ کوئی تعجب کی بات نہیں رہی کہ وہ ایک ہی شخص ایک وقت میں شوشلسٹ تھا وہی شخص کچھ مہینوں بعد بنیاد پرست بن گیا اور اس پر مذہب کی خوبیاں اچانک واضح ہو گئی۔ سیاسی موقع پرستی ان کی وہ اہم خصوصیت ہے جس پر یہ سب فخر کرتے ہیں۔ اس زمیندارانہ و جاگیردارانہ طبقہ کی یہ تاریخ رہی ہے کہ انھوں نے کبھی بھی کسی مشن کی خاطر کسی کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کے پس منظر میں ہمیشہ ان کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے اس لئے

> وہ جب بھی کسی جماعت کا رکن بنتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ انہیں جماعت کے اغراض ومقاصد یا اس کے منشور سے اتفاق ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ اس جماعت کے ذریعہ وہ اپنی حیثیت کو مضبوط کر سکتے تھے یا برقرار رکھ سکتے تھے اور اگر دو جماعتیں برابر کی طاقتور ہوں اور ان کے اقتدار میں آنے کے مواقع بھی برابر ہوں تو اس صورت میں خاندان کے افراد مختلف جماعتوں میں شمولیت اختیار کر لیتے ہیں۔ (117)

سیاسی نظام میں جاگیرداری کے تسلط کی وجہ سے یہ جماعتیں ایسا کوئی منشور نہیں بناتیں جو ان کے مفادات کے خلاف ہو اور اکثر تو کوئی منشور سازی نہیں کرتیں کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ الیکشن جیتنے کے لئے منشور سے زیادہ جاگیردار کا اثر ورسوخ ضروری ہے۔ جاگیردار کا سیاست پر قبضہ اس صورت میں بھی قائم دائم رہتا ہے کہ وہ ہمیشہ حزب اقتدار کے ساتھ ہوتا ہے اس کی نفسیاتی مجبوری ہے کیونکہ اس میں ان کے اقتدار کی بقا بھی مضمر ہوتی ہے اپنے

علاقہ میں دھاک بیٹھانے اور مخصوص مفادات کی حفاظت کے لئے جاگیرداروں وزمینداروں کی حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس لئے وہ حکومت سے زیادہ اقتدار کے وفادار ہوتے ہیں اور حزب مخالف میں رہنا افورڈ نہیں کر سکتے چانچہ اگر پارٹی اقتدار سے نکل جائے تو ان کا کیا قصور انکی کی وفاداری کرسی سے ہوتی ہے۔(118)

حکومت ہر حال میں زمیندار و جاگیردار کی ہی رہتی ہے کیونکہ ووٹ لینا اور ان کی بنا پر اعلی عہدوں اور مناصب کے مفادات سمیٹنا صرف اور صرف اسی کا حصہ ہے کیونکہ وہ علاقہ کا جاگیردار ہے اور کاشتکار رعیت نسل در نسل ان کی زمینوں سے اپنا پیٹ پال رہی ہے۔زمیندار کا قبضہ اقتدار و سیاست پر اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ حکمران کوئی ہوں ان کی مرضی کے بغیر کوئی قانون پاس نہیں کر سکتے بیوروکریٹس بھی ان جاگیرداروں کے زیر اثر ہوتے ہیں پولیس بھی ان جاگیرداروں کے علاقوں میں وہی کچھ کرتی ہے جو وہ چاہتے ہیں۔حزب اقتدار کے علاوہ حزب اختلاف بھی انہی سرداروں، وڈیروں، نوابوں اور رؤسا پر مشتمل ہوتا ہے۔متوسط طبقہ صرف جدوجہد کرنے یا قربانیاں دینے کے موقع پر آگے بڑھا دیا جاتا ہے ورنہ اصل کھیل اس فیوڈل طبقہ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔

ان زمینداروں و جاگیرداروں کا قبضہ صرف سیاست پر نہیں ہوتا بلکہ پورے اقتدار پر ہوتا ہے اس وقت پاکستان میں اس طبقہ کے لوگ فوج، بیوروکریسی اور سیاسی جماعتوں میں ہیں کیونکہ اقتدار بھی انہی تین اداروں میں رہتا اس لئے ان کے لئے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوتا کون سی جماعت اقتدار میں ہے اور کس قسم کی حکومت ہے یعنی جمہوریت یا مارشل لاء۔پاکستان میں اس طبقہ کا اثر و رسوخ اقتدار میں اس لئے بھی زیادہ ہے کہ سندھ میں پیری مریدی کا سلسلہ پایا جاتا ہے پیروں کا اثر و نفوذ بھی قابل رشک رہا ہے کہ کم از کم پانچ سات گدیاں ایسی ہیں جن کے ساتھ لاکھوں عوام عقیدت کے رشتوں میں منسلک ہیں ان گدیوں کے جانشین اپنے پیروکاروں کی بہت بڑی تعداد کے سبب سیاست میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

الغرض سیاست کے اس اتار چڑھاؤ میں اپنی موقع پرستی دھوکہ دہی اور عوام سے غداریوں کے باوجود یہی زمیندار و جاگیردار سیاستدان آخر محبت وطن اور عوام کے مخلص نمائندے بن کر ابھرتے ہیں۔ان کے اصل کردار اور خدوخال کو نمایاں کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

iii۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی:

پاکستان 1971ء میں انہی جاگیرداروں وزمینداروں کی وجہ سے اپنا ایک بازو کھو بیٹھا۔مشرقی پاکستان میں 1950ء کی زرعی اصلاحات پر صرف ایک سال بعد ہی عملدرآمد شروع ہو گیا جس کے تحت ملکیت ارض اور قبضہ

کے نظام میں بہت سی ترقی پسندانہ اصطلاحات شامل کی گئیں اس قانون کی دفعات کے تحت کاشتکار مزارعین اور مملکت کے مابین لگان وصول کرنے والے مفادات موقوف ہو گئے اور آئندہ اس قسم کے مفادات کا دوبارہ سر اٹھانے کا سدباب کر دیا گیا اراضی کے قبضہ خاص کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کر دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سرداریاں ختم ہو گئیں اور سیاست میں ترقی پسند اور انقلابی طبقہ کے عمل دخل کا روز افزوں اضافہ ہوا یہ امر مغربی پاکستان کے حکمرانوں کیلئے پریشانی کا باعث تھا اس کے بعد وہ سیاسی اقتدار میں بنگالیوں کو اقتدار سے علیحدگی رکھنے کی تمامتر کوششوں میں لگے رہے بنگال مغربی پاکستان کے ان جاگیرداروں کے مفاد کے لئے خطرہ بن چکے تھے جو یہاں کی سیاست پر چھائے ہوئے تھے 1951ء اور 1955ء کے انتخابات میں بالترتیب % 80 اور 90% نشستیں پنجاب اور سندھ کے بڑے زمینداروں کے پاس تھیں۔

ایوب خان کے دور میں بہت سے سرکاری افسر بھی اب زمیندار بن چکے تھے اس لئے 1971ء کے انتخابات بنگالیوں کی 56% نشستوں کے باوجود اقتدار انہیں دینے کے لئے کوئی سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے ۔اس طویل المیہ کا اختتام مشرقی بنگال کی علیحدگی پر ہوا۔ جہاں مغربی بازو کے عوام کے لئے یہ صدمہ جانکاہ تھا وہیں یہاں کے جاگیردار حکمرانوں کے لئے طویل پریشانی سے مستقل نجات کی صورت تھی۔ اب وسیع اقتدار ان کے ہاتھ میں آچکا تھا ملکی سیاست کے ڈھانچے میں جو تضادات مشرقی اور مغربی صوبوں میں زمین کی ملکیت کے انداز میں فرق کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے ملک کی علیحدگی کی بنیاد پر ثابت ہوئے چونکہ مغربی صوبے کے جاگیردار اور نواب سیاسی اقتدار انہیں دینا چاہتے تھے اس لئے فوجی آمریت ان کے لئے

> مغربی پاکستان کی سیاست پر اکثر و بیشتر جاگیرداروں کا تسلط تھا جبکہ مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں کی بڑی تعداد وکلاء' اساتذہ اور ریٹائرڈ سرکاری ملازمین پر مشتمل تھی پاکستان کی دوسری دستور ساز اسمبلی میں مغربی پاکستان کے 40 اراکین میں سے 28 جاگیردار تھے جبکہ مشرقی پاکستان کی نمائندگی 20 وکلاء اور نو(9) ریٹائرڈ ملازم کر رہے تھے بنگال اراکین اسمبلی میں ایک بھی جاگیردار نہ تھا۔(119)

مختلف طبقوں کے نمائندوں کی حیثیت سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے رہنما متضاد نظریات اور عزائم کے حامل تھے اور ان کے لئے ایک دوسرے کے مسائل کی صحیح تفہیم ممکن نہ تھی۔

iv۔ اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں رکاوٹ:

ان زمینداروں ۔وڈیروں اور جاگیرداروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ ملک میں قرآن وسنت کے مطابق صلوٰۃ

وز کوۃ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کریں گے اور ان بنیادوں پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل نو اور تعمیر کریں گے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

کیونکہ ایسا کرنا ان کے لئے اپنی جاگیروں اراضی حویلیوں مال و متال سے دست بردار ہونے کے مترادف ہے علاوہ ازیں انہیں خود کما کر روزی کھانا پڑے گی۔ اپنے مزارعین مزدوروں اور عوام کی طرح رہنا سہنا ہوگا، کام کاج کرنا ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اپنی شان و شوکت، قوت و سطوت اور اقتدار و حکومت سے محروم ہونا پڑے گا۔ اسلامی معاشرہ کی تشکیل سے مراد ان کا اپنی موت کے پروانے پر دستخط کرنا ہونگے، ظاہر ہے وہ اپنی مرضی سے ہرگز ایسا نہ کریں گے۔

3۔ معاشی اثرات:

کسی بھی معاشرہ میں اگر معاشی عدل وقسط کا فقدان اور اقتصادی میدان میں ظلم واستحصال کی بھٹی گرم ہو اور انسان قرآن کی اصطلاح مترفین اور محرومین کے طبقات میں تقسیم ہو کر رہ جائے تو سماجی، سیاسی، اور ریاستی انصاف کے تمام دعوے باطل اور کھوکھلے قرار پاتے ہیں ملکی معیشت تباہ ہو جاتی ہے نچلے اور درمیانے طبقہ کے لئے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

i۔ مزارع کی معاشی حالت:

انسان کی حیثیت اس کائنات میں پائے جانے والے وسائل رزق کے امین کی ہے اور دھقان اس عالمگیر رزق رسانی کے ظاہری اسباب میں ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ دہقان کا معاشرتی مقام نہایت اعلی وارفع ہونا چاہیے کیونکہ وہ سینہ زمین کو چیر کر لعل و گوہر پیدا کرنے والی ذات ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں اسے بحیثیت انسان بھی مقام حاصل نہیں۔ دو وقت کھانے کے لئے روٹی اس کے پاس نہیں ہوتی۔ کچے گھروندے میں سر چھپائے بیٹھا رہتا ہے ایسے گھروندے جو کبھی بارشوں کی یلغار سے کبھی دریاؤں کی طغیانی سے اور کبھی آگ کے جان لیوا شعلوں سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے، جن کی عورتیں فیشن کی وجہ سے نہیں بلکہ چادر کی کمی کی وجہ سے عریانی کی حدود کو چھوتی ہیں جن کی اولادگلیوں کے آوارہ کتوں کے ساتھ کھیلنے پر مجبور ہے کیونکہ ان کے لئے کوئی سکول نہیں۔ مزارع کی معاشی تنگدستی کا یہ عالم ہے کہ اس کے لئے جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہے ساری زندگی جاگیردار کے لئے کماتا ہے اور نسل در نسل یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

مزارع کی کئی پشتیں زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاشت کرتے گزر چکیں ہیں وہ محنت ومشقت
سے چوٹی کا پسینہ ایڑھی تک بہاتا ہے اس کے اجداد نے بھی یہی کٹھن زندگی گزاری ہے لیکن

پھر بھی یہ زمین جس پر انھوں نے ساری زندگی کاشت کی ان کی ملکیت نہ بن سکی ۔(120)

مزارع و ہاری گارے سے بنی چھتوں والے گھروں میں رہتے ہیں اور کئی تو جانوروں کے بدلے جھونپڑے لیتے ہیں ان کی گھریلو استعمال کی چیزوں میں ایک دو چارپائیاں' کچھ مٹی کے برتن' پھٹے پرانے ٹاٹ اور کبھی کبھی لکڑی کا ایک صندوق شامل ہوتا ہے یہ ہے کل سرمایہ ان لوگوں کا جو اس زمین پر بسنے والوں کو ان کی ہر ضرورت کھیت سے پیدا کر کے مہیا کرتے ہیں اور خود ننگ و عار کی زندگی گزارتے ہیں۔

> ساری دولت کاشتکار اور مزدور پیدا کرتا ہے اور خود تا حیات خالی ہاتھ اور ننگے جسم پھرتا ہے گویا کہ اس کے مقدر میں یہی لکھا جا چکا ہے کہ وہ دوسروں کے لئے اپنی محنت شاقہ سے جنت ارضی بنایا کرے اور خود نانِ جویں کو بھی محتاج رہا کرے ۔(121)

زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی سال بھر کے لئے ناکافی ہونے کی وجہ سے ہاری کو ادھار لینا پڑتا ہے او رپھر نہ ختم ہونے والا قرض چکانے کے لئے اسے سارا سال مزدوری کرنا پڑتی ہے یہ مسئلہ حل کرتے ہوئے کئی کئی نسلیں گزر جاتی ہیں ۔قرض کا حساب زمیندار کا منشی رکھتا ہے جو عموماً بد دیانت ہوتا ہے اس لئے غلط اندراج کرنا جاتا ہے اور ہاری کو مجبوراً یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے ۔مزارع کے لئے اس صورت حال سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہوتی کیونکہ کوئی دوسرا زمیندار اسے قبول نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ''زمینداروں کے درمیان معائدہ ہوتا ہے کہ ایک مقروض ہاری کو کوئی دوسرا زمیندار اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ قرضہ نہ اتارے ۔'' (122)

پاکستان کے بعض مقامات پر تو ان ہاریوں کو اس قرض کی پاداش میں جو کہ وہ گھریلو اشیاء بیج' اناج ہل اور زرعی آلات وغیرہ خریدنے کے لئے لیتے ہیں انہیں غلاموں کی سی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے ۔مثلاً H ReP کی ایک ٹیم نے صوبہ سندھ میں چھان بین کے دوران بیان کیا ہے کہ

> بدین میں ٹنڈو باگو کے قریب کئی دیہاتوں میں کوھلی کھیت مزدور جو اپنے جاگیرداروں کے مقروض تھے راتوں کو زنجیریں پہنا کر کمروں میں میں تالا لگا کر بند کر دیئے جاتے تھے انہیں اپنے عزیزوں کے جنازوں اور مذہبی تہواروں پر بھی جانے کی آزادی نہیں تھی ۔ (123)

اس ٹیم نے مزید رپورٹ پیش کی کہ

> ضلع ملتان کے بعض حصوں میں زرعی مزدوروں کے قرض نے انہیں قرض خواہوں کے کھیتوں میں مزدوروں کی طرح کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے یہ مزدور اس قرض کی بجائے اپنے اور اپنے کنبوں کو پیش کر دیتے ہیں کیونکہ وہ اس قرض کو کسی اور طرح ادا نہیں کر سکتے ۔(124)

ان مقروض هاریوں ومزارعوں کوزندہ رکھنے کے لئے قلیل ترین ضروریات زمیندار مہیا کرتا ہے لیکن اس کی قیمت بھی ان کی قلیل مزدوری سے منہا کر لی جاتی ہے اور باقی مزدوری اس کے قرض کے حساب میں جمع ہوتی رہتی ہے چونکہ ان کی مضحکہ خیز مزدوری اس قرض کو چکانے کے لئے کافی نہیں ہوتی اس لئے بقایا سالہا سال تک چلتا رہتا ہے ایسے مزدوران معنوں میں غلام ہیں کہ وہ اپنے مالک کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک ان کا حساب صاف نہیں ہو جاتا کیونکہ مقروض ہونے کی صورت میں کوئی دوسرا زمیندار انہیں قبول نہیں کرتا۔

کاشتکاری ایسا پیشہ ہے جس میں پورا خاندان کام کرتا ہے گرمی، سردی، صبح شام، طوفان اندھیری غرض ہر موسم اور ہر حالت میں کام کرتا ہے اور اگر اس خاندان کی محنت کے معاوضہ کی تحقیق کریں تو معلوم ہوگا کہ پورے خاندان کی ماہانہ آمدنی ڈھائی تین سو سے زیادہ نہیں ہوتی۔ هاری کی کوئی پنشن تو مقرر نہیں ہے اگر بڑھاپے کا سہارا اولاد نہ ہو یا نافرماں ہو تو بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس زمین دار کی ناقابل کاشت زمین پر وہ محنت کرتا ہے راتوں کو جاگ کر سانپوں کے اوپر سے گزر کر کھیتوں کو پانی دیتا ہے جس زمین پر محنت کرتے ہوئے بیمار و لاغر ہو جاتا ہے اور بالاخر بوڑھا ہو کر جب کسی کام کے قابل نہیں ہوتا تو زمیندار بھی پلٹ کر اس کی طرف دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔

وسائل رزق چونکہ صرف جاگیردار کے قبضہ میں ہوتے ہیں اور کاشتکار کے پاس اپنی محنت کے سوا کوئی ذریعہ رزق نہیں ہوتا اور اس محنت کے سوا جو کچھ پیٹ کاٹ کر اس کے پاس بچتا ہے وہ انتہائی محدود ہوتا ہے کیونکہ

> جاگیردار کے حق ملکیت اور حق جاگیرداری کے نازونعم کے اخراجات مہیا کرنے کے بعد بہت تھوڑا بچتا ہے اس کے لئے۔ اسے اپنا معیار زندگی بلند کرنے اور اعلی معیار زندگی کے معیارات سے مستفید ہونے کے مواقع حاصل نہیں ہوتے۔(125)

ایک هاری یا مزارع کی اوسط زمین 16 تا 18 ایکڑ ہوتی ہے جس میں سے 8 ربیع اور 8 خریف کے لئے رکھتا ہے هاری پورا سال محنت کرتا ہے اور جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو پھر زمیندار نے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ هاری کو کتنا حصہ دیا جائے۔ فصل کا بڑا حصہ زمیندار خود رکھتا ہے اور اس بھوکے آدمی کے لئے مختصر حصہ جو اس کے بھوکے معدے کے لئے ناکافی ہوتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔ زبان قانون کے ذریعہ تو زمیندار و هاری کا حصہ برابر ہوتا ہے مگر سارے خرچے هاری کے حساب میں آجاتے ہیں (126) میں ابواب سب سے اہم ہے کوئی نیا لگان بھی زمیندار کیلئے مشکل نہیں کیونکہ اس کا ہر لفظ قانون ہے۔ ابواب کٹوانے کے بعد هاری کا حصہ اتنا مختصر رہ جاتا ہے کہ جو سال بھر کے لئے ناکافی ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کھیت سے کسان کو روزی نہ ملنے کی وجہ کوئی بھی ہو معاشرتی، اخلاقی، فنی، تکنیکی یا معاشی

قابل صد نفرین ہے جس پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

ہر معاشی ماحول اخلاق و کردار پر گہرا اثر ڈالتا ہے اگر معاشی ماحول ایسا ہے کہ آبادی کا بڑا حصہ اچھی غذا حاصل نہیں کر سکتا نہ تن ڈھانک سکے نہ کوئی ڈھب کا جھونپڑا میسر آ سکے تو وہ قوم کے اخلاق کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔روزی کا محتاج انسان اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اخلاق کی بڑی بڑی قدروں کو چند ٹکے کے عوض فروخت کر دے۔ جسے اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہو اسے یہ درس دینا کہ قرض لے کہ مکرنا نہیں چاہیے یا چوری نہیں کرنی چاہیے غیر متعلق نصیحت ہے۔

ھاری زرعی ماحول چونکہ معاشی انصاف سے دور کی بھی نسبت نہیں رکھتا اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ ہمارا اخلاقی معیار قرون اولی کی نسبت بہت پست ہے۔(127)

ii۔ زرعی ترقی کی راہ میں رکاوٹ:

''آج زمیندار زراعت میں نہ صرف کوئی تعمیری کردار ادا نہیں کر رہا بلکہ اس کا وجود زمین کی ترقی کے راستہ میں بڑا روگ بن گیا ہے۔''(128)

زرعی ترقی میں رکاوٹ کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے مالکان زمین مزارعین کو جو ان کی محنت کا صلہ اور سہولیات دیتے ہیں وہ اس قدر نا کافی ہوتی ہیں کہ اس کے لئے زمین کو دلجمعی سے کاشت کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا مثلاً کاشتکار کو اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ زمیندار کب تک اسے اپنی زمینوں پر کاشت کرنے دے گا کیونکہ زمیندار جب چاہے منٹوں میں کاشتکار کو زمین سے بے دخل کر سکتا ہے جس کو اس کی کئی نسلیں کاشت کرتی چلی آ رہی ہیں۔یہ عدم تحفظ کا احساس اس کے ذہن کو پراگندہ کر دیتا ہے اور وہ کاشتکاری میں پوری دلچسپی نہیں لیتا۔

کاشتکار کو اس کی محنت کا پورا پھل نہیں دیا جاتا بلکہ وہ تو دو وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھا سکتا جب اتنی مشقت اور محنت کے بعد پھل دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے گا تو وہ کاشت کی فکر نہیں کرتا اس میں کام کرنے کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے حالانکہ اگر محنت کو پورا صلہ ملنے کی امید ہو تو کام اور کارکردگی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

ھاری کا اچھے طریقوں کا کھوج نہ کرنا ،زمین کی تیاری میں دلچسپی نہ لینا، زمین میں ہل چلائے بغیر بیج بکھیر دینا، فالتو جڑی بوٹیاں اکھاڑنے کی کوشش نہ کرنا سب اس مخلوط نظام کی وجہ سے ہے۔زراعت کی آمدنی مجموعی طور پر زرخیز زمین کے باوجود کم اسی لئے ہوتی ہے اور زرعی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

ملک میں پایا جانے والا زمینداری نظام اس قسم کا ہے کہ ایک ایک فرد کے پاس لاکھوں ایکڑ اراضی ہے اتنی وسیع اراضی کو سنبھالنا اور اس کے کام کی نگرانی کرنا ایک فرد کے لئے ممکن نہیں اس کے علاوہ زمیندار کو چونکہ کوئی خاص

مالی پریشانی نہیں ہوتی اس لئے زمین بے کار پڑی رہتی ہے ان پر کاشت نہیں ہوتی جو کہ ملکی آمدنی میں کمی کا باعث بنتی ہے۔اس لئے عام طور پر پیداوار عموماً ان زمینداروں کی زیادہ ہوتی ہے جن کا رقبہ بڑے زمینداروں کی نسبت کم ہوتا ہے لیکن خیال رہے کہ چھوٹے رقبہ سے مراد فصل اور کاشت کے لئے ایک مقررہ حد تک رقبہ کا ہونا ہے یہ نہیں کہ جب تک چاہو اسے تقسیم کرتے جاؤ۔

اکثر زمیندار چونکہ اپنی زمینوں پر موجود نہیں رہتے اس لئے اس کی ترقی میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے ان کی رہائش شہروں اور قصبوں میں ہوتی ہے اور اراضی کا انتظام اپنے کارندوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیتے ہیں جن کو نہ مزارعین سے کوئی ہمدردی ہوتی ہے اور نہ اراضی کو بہتر بنانے سے کوئی سروکار وہ صرف رقم حاصل کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں جس کی وجہ سے کاشتکاری و زراعت کی ترقی کے لئے کوئی اقدامات نہیں کئے جاتے۔جاگیرداروں نے آج تک اپنے علاقہ میں کاشتکار کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی ادارہ قائم نہیں کیا ہے۔

iii۔ ارتکاز دولت:

ہمارے زمینداری نظام کی یہ خوبی ہے کہ دولت واقتدار ان میں جمع ہو جاتا ہے زمیندار گاؤں میں ''دیہہ خدا'' ہوتے ہیں جو لوگوں کے رزق کے (بزعم خود) مالک ہوتے ہیں۔انیس فاطمہ لکھتی ہیں۔''اس نظام نے چند لوگوں کو دیہہ خدا بنا کر مظلوموں کا خون چوسنے کے لئے مسلط کر دیا ہے۔''(129)

iv۔ شہروں کی طرف نقل مکانی:

> متذکرہ حالات اہل دیہہ کو جن کا ذریعہ معاش زیادہ تر زراعت ہے ایسے حالات سے دوچار کر دیتا ہے جو انہیں محنت مزدوری کے لئے شہروں کی طرف رخ کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور دوسری طرف ملازمت پیشہ اور تعلیم یافتہ شہریوں کو دیہات میں منتقل کرنے کا موجب ہوتے ہیں آبادکاری کا یہ ادل بدل جہاں اور مسائل رکھتا ہے وہاں ایک بڑا مسئلہ لوگوں کا مخصوص آبائی پیشہ ورانہ ماحول سے کٹ جانا اور اپنی روایات سے آزاد ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ اخلاقی انحطاط کی صورت میں رونما ہوتا ہے اصولاً پیشوں کی آزادی قائم رکھنے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے اس طرح کے ادل بدل کو پسند نہیں فرمایا۔(130)

v۔ زرعی سودی نظام:

سودکاری یا ساھوکاری کے جدید ادارے جو بینک کہلاتے ہیں زیادہ تر 18 یا 20 فیصد شرح حساب سے سود لیتے ہیں جب کہ چھوٹے بڑے زمیندار مزارعت یا بٹائی کے نام پر سو فیصد شرح کے حساب سے سود لیتے ہیں دلیل

یہ ہے کہ اپنے مزارعوں سے کل پیداوار کا نصف حصہ بٹائی کے نام پر وصول کرتے ہیں علاوہ بریں باقی نصف پیداوار کا وافر حصہ بھی سستے داموں خرید کر مہنگے داموں بیچ ڈالتے ہیں۔

کیا قرآن حکیم کی رو سے سود خوری اور سود کاری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ نہیں ہے۔ جاگیردار و زمینداران بندگان خدا کے دشمن ہوئے اور ستم یہ ہے کہ یہی معاشرتی سرطان ان پر پینتالیس سال سے براجمان ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس جاگیردارانہ اور زمیندارانہ ذہنیت نے زندگی کے ہر شعبہ کو بری طرح متاثر کیا ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں عدل و انصاف اور مساوات کا دور دورہ ہو زندگی کی ساری آسائشیں مراعات یافتہ طبقہ کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہیں دولت کے ارتکاز نے تمام آدمیوں سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا ہے۔ 47 سال بعد بھی عام آدمی کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور لوٹ کھسوٹ کا رجحان فروغ پذیر ہے ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کی ہوس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے ۔ بددیانتی، سمگلنگ، چوربازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، منشیات فروشی اور تمام اخلاقی و سماجی سیاسی برائیوں کی جڑ یہی زمینداری و جاگیرداری نظام ہے۔

فصل چہارم

پاکستان کے زرعی نظام میں پانی کی تقسیم کا مسئلہ

دریا

ڈیم

بیراج

تجزیہ

پاکستان کے زرعی نظام میں کی تقسیم کا مسئلہ

پانی کی تقسیم اور آبپاشی کے اسلامی احکام بیان کرنے کے بعد پاکستان میں پانی کی تقسیم اور اس سے آبپاشی کا جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ اس کا تجزیہ کر کے اسلامی احکامات کی روشنی میں تجاویز دی جاسکیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے اندر موجود یا باہر سے آنے والے دریا کون کون سے ہیں، کہاں سے آتے ہیں؟ کون کون سے علاقوں سے گزرتے ہیں، کہاں کہاں ان سے نہریں نکالی گئی ہیں اور کون کون سے ڈیم بیراج اور بند بنائے گئے ہیں۔

دریا:

دریائے سندھ:

یہ دریا تبت (چین) میں ہمالیہ سلسلے کے شمال میں واقع منسرور (Mansarwar) جھیل کے نزدیک اوسط سطح سمندر سے تقریباً ۱۸۰۰۰ فٹ کی بلندی پر 'سنگ کہد' (Singikahad) نامی چشمے سے وجود میں آکر پہلے سطح مرتفع پر سے گزر کر تیزی سے نیچے گرتا ہے پھر شمال مغرب کی جانب جا کر اس میں بے شمار گلیشیر ز کے نالوں کا پانی آجاتا ہے جو آگے دنیا کے سب سے بڑے پہاڑی سلسلے 'قراقرم' اور ہمالیہ کے درمیان گزرتا ہے پھر کشمیر میں یہ اقوام متحدہ کی جنگ بندی لائن (Cease fire line) کو پار کرتے ہوئے پاکستان میں بلتستان کے علاقے میں داخل ہوجاتا ہے جہاں سے وہ پاکستانی دریا بن جاتا ہے۔ دریائے سندھ کے بالائے حصے پر پاکستان کا پہلا شہر سکردو واقع ہے جہاں ۹۰۰۰ فٹ کی بلندی پر دریائے شیاک (Shyok) اس کے ساتھ مل جاتا ہے، جس کے تھوڑے فاصلے کے بعد دریائے شگار (Shigar) اسکے ساتھ مل جاتا ہے۔ سومیل مزید اسی سمت میں بہتے ہوئے نانگا پربت کے گرد چکر لگانے سے پہلے ۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر دریائے گلگت میں مل جاتا ہے۔ آگے جا کر تربیلا کے نزدیک دربند کے نیچے ۱۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر مانسہرہ ایبٹ آباد اور ہری پور کے علاقوں سے ایک چھوٹا دریا سیران (Siran) مل جاتا ہے۔ تربیلا کے قریب دریائے سندھ کوہ ہندوکش کے سلسلے سے علیحدہ ہوجاتا ہے جہاں پر آبپاشی اور بجلی پیدا کرنے کی غرض سے ایک بہت بڑا ڈیم تعمیر کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل ڈیم کی فصل میں آئے گی۔ تربیلا سے آگے مغرب کا سب سے بڑا معاون دریا 'دریائے کابل' آکر مل جاتا ہے۔ جس کے آبی ذرائع کوہ سفید، کوہ بابا اور ہندوکش کے پہاڑی سلسلے ہیں۔ اور روارسک کے نیچے اس کے ساتھ دریائے سوات مل جاتا ہے۔ اٹک سے پانچ میل نیچے ٹک اور مری (کے کچھ علاقوں) حسن ابدال اور راولپنڈی سے پانی لاتا ہوا ہارو (Harrow) نامی دریا مل جاتا ہے۔ آگے

پنجاب میں جناح (کالاباغ) بیراج سے سات میل اوپر دریائے سواں (Swan) مل جاتا ہے جو راولپنڈی، جہلم اور اٹک سے پانی لاکر گرتا ہے۔ جناح بیراج سے نیچے اس کے مشہور مغربی معاون دریا دریائے کرم، گومل اور ژوب آکر ملتے ہیں۔ سمندر تک آدھا راستہ رہ جانے پر تمام مشرقی معاون دریا بھی پنجند، جہلم، چناب، راوی، بیاس اور ستلج بھی مل جاتے ہیں۔(131)

دریائے جہلم:

یہ دریائے سندھ کا بڑا مشرقی معاون دریا ہے جو کہ جموں اور کشمیر کے صوبوں کو علیحدہ کرنے والے پیر پنجال کے مغربی علاقوں سے پانی لاتا ہے۔ یہ پیر پنجال کے شمال مغربی طرف پر ایک چشمے سے نکلتا ہے اور دریائے سندھ کے متوازی سمت میں بہتا ہے یہ وادی کشمیر کے سیلاب زمینوں اور وادی کے شمال پر گلیشیر سے پانی لاتا ہے۔ آگے یہ (Dal) اور بارہ مولا کے نزدیک ولر (Wular) کی جھیلوں میں سے بہتے ہوئے اسّی میل لمبی گھاٹی میں سے اوسطاً تینتیس فٹ کے ڈھلوان پر گزرتا ہے۔ مظفر آباد کے نزدیک ڈومیل کے مقام پر اس کے ساتھ اس کے بڑا معاون دریا کشان گنگا (نیلم) ملتا ہے جو کہ ناگا پربت کے مشرقی طرف واقع ہے اور برف اور گلیشیر سے ڈھکے ہوئے ہمالیہ کے سلسلے سے پانی لاتا ہے۔ ڈومیل سے نیچے اس کا دوسرا بڑا معاون 'کنہار' وادی کاغان سے پانی لاتا ہوا ملتا ہے۔ اس دریا کا ایک معاون جھیل 'سیف الملوک' میں سے گزرتا ہوا اس سے جاملتا ہے۔ ڈومیل سے منگلہ تک نوے میل کے فاصلے میں کانسی اور پونچھ کے دریا اس کے ساتھ ملتے ہیں۔ کانسی جہلم اور روالپنڈی سے اکثر مون سون کی بارشوں کا پانی لاتا ہے جبکہ پونچھ پیر پنجال کے جنوبی اطراف سے پانی لاتا ہوا منگلا سے ساتھ میل اوپر ٹانگروٹ (Tangrot) کے مقام پر جہلم سے مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور دریا خان نالہ، سکیتر، جبہ اور بہنا سیلاب کا پانی لاکر دریائے جہلم سے ملتے ہیں۔(132)

دریائے چناب:

اس کا آغاز بھارت کے صوبہ ہماچل پردیش (Himachal Pardesh) کے اضلاع کلو اور کانگرہ سے ہوتا ہے اس کے دو بڑے دریا چاندرہ اور بھاگا درہ برالکا (Baralka) کی مخالف طرف سے ۱۶۰۰۰ فٹ بلندی پر نکلتے ہیں۔ جو کہ جموں اور کشمیر ریاست میں ٹنڈی کے مقام پر تقریباً سطح سمندر سے ۹۰۹۰ فٹ کی بلندی پر آپ میں مل جاتے ہیں۔ یہ دریا ۴۰۰ میل تک پہاڑی علاقوں میں سے گزرنے کے بعد اختر (Akhtar) کے میدانوں میں کھل جاتا ہے آخر کار ضلع سیالکوٹ کے گاؤں دیاواڑہ (Diawara) کے نزدیک پاکستان میں داخل ہو جاتا

ہے۔صوبہ پنجاب کے سیلابی میدانوں میں ۳۴۹۸ میل کے فاصلے تک بہنے کے بعد ٹریمو (Trimu) کے مقام پر اس کے ساتھ دریائے جہلم مل جاتا ہے۔آپس میں ملکر آگے جاتے ہوئے راوی ان کے ساتھ مل جاتا ہے۔ستلج بھی پنجند سے اوپر مل جاتا ہے اور آخر کار پنجند سے چالیس میل نیچے مٹھن کوٹ (Mithankot) کے مقام پر دریائے سندھ سے جاملتا ہے۔(133)

دریائے راوی:

اس کا آغاز بنگال کے نشیبی علاقے سے ہوتا ہے اور دھانلا دار (Dhanladar) کے جنوبی نشیبی علاقے سے پانی لاتا ہے۔ بنگال سے نیچے دریائے راوی وادی چمبہ (Chamba) میں سے شمال مغربی سمت میں دھانلا دار (Dhanladar) کے سلسلے کے متوازی بہتا ہے اور ہمالیہ سے بیسیلی (Baseeli) کے مقام پر علیحدہ ہوتا ہے چونڈہ کے مقام پر یہ پٹھانکوٹ میں داخل ہوتا ہے اور بھارت اور جموں کشمیر میں تیئس میل تک سرحد بنالیتا ہے۔ضلع گورداسپور سے گزرتے ہوئے یہ سیالکوٹ کی تحصیل شکرگڑھ میں داخل ہوتا ہے۔شکرگڑھ میں داخل ہوتے ہی اس کے ساتھ دریائے اوجھ (Ujh) مل جاتا ہے یہ مدھوپور (madhopur) سے انتالیس میل نیچے ہے۔ایک دوسرا دریا بسنتر نالہ (Basantar) جسر کے پل سے تھوڑا اوپر ملتا ہے۔جبکہ دریائے بین (Bein) جسر کے پل سے نیچے مدھوپور (Madhopur) سے انسٹھ میل کے فاصلے پر ملتا ہے۔اس کے علاوہ دیغ (Degh) نالہ اور ہدیاڑہ (Hudiara) بھی اس کے ساتھ مل جاتے ہیں۔(134)

دریائے بیاس:

یہ پنجاب کے دریاؤں میں سب سے کم لمبائی رکھتا ہے جو کہ تقریباً ۲۴۷ میل ہے۔اٹھارویں صدی میں یہ ہرائیک (Harike) کے مقام پر ستلج سے ملا جبکہ بنیادی طور پر یہ پنجند اور چناب کو ملایا کرتا تھا۔(135)

دریائے ستلج:

یہ بھی دریائے سندھ کے منبع کے نزدیک مغربی تبت میں کیلاس (Kailas) پہاڑی سلسلے سے شروع ہوجاتا ہے۔یہ پنجال اور سوالک (Siwalik) کے پہاڑوں میں سے بہتا ہوا بھارتی پنجاب کے میدانوں میں داخل ہوتا ہے اس کی لمبائی تقریباً ۹۶۴ میل ہے اس کے معاون دریا سپاتی (Spati) گھمبر نالہ (Gambhar) سواں نالہ،سرسہ نالہ سفید بین (White Bein) سیاہ بین،دریائے بیاس اور روہی نالہ ہیں۔(136)

ڈیم:

ورسک ڈیم:

یہ ڈیم دریائے کابل پر پشاور کے شمال مغرب میں تقریباً انیس میل ورسک کے مقام پر ۱۹۶۰ء میں بنایا گیا ہے اس میں تقریباً ۱۱۲۵،۳۰۰ ایکڑ فٹ پانی (Live Storage) ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے اور مجموعی طور پر (Gross Storage) ۱۱۳۶،۰۰۰ ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے۔ ڈیم کی لمبائی ۴۶۰ فٹ اور اونچائی ۲۵۰ فٹ ہے۔اس کی سطح سمندر سے بلندی ۱۲۰۰ فٹ ہے۔اس کا سپل وے (Spillway) ۴۰ فٹ کے ۹ دروازوں پر مشتمل ہے۔آبپاشی کے سرنگ کی لمبائی ساڑھے تین میل اور قطر دس فٹ ہے جس میں پانچ سو کیوسک پانی گزرنے کی گنجائش ہے۔تالاب کی لمبائی ۲۶ میل ہے۔بجلی پیدا کرنے والے پانی کے سرنگ کا قطر ۳۹ فٹ ہے جس میں ۲۴۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کی گنجائش ہے اس میں بجلی کی چھ اکائیاں (Units) ہیں جو کہ ۴۰،۰۰۰ کلوواٹ بجلی پیدا کرتی ہے۔(137)

تربیلا ڈیم:

یہ دریائے سندھ پر تربیلا کے مقام پر بنایا گیا ہے اس کی تعمیر ۱۹۶۸ء میں شروع ہوئی اور جولائی ۱۹۷۴ء میں مکمل ہوئی یہ ۴۸۵ فٹ اونچا ہے جس میں مجموعی طور پر (Gross Storage) MAF پانی ذخیرہ ہوسکتا ہے اور (Live Storage) MAF ۹.۳ پانی ذخیرہ ہوسکتا ہے۔اس میں آبپاشی اور بجلی کے لے پانی کے دو دو راستے ہیں ہر سرنگ کا ۴۵ فٹ قطر اور ۲۴۰۰ فٹ لمبائی۔ایک پانچواں سرنگ بھی آبپاشی کے لئے بنایا گیا ہے۔ڈیم کے بائیں جانب دو (Spillway) ہیں ایک عام استعمال کے لئے اور دوسرا معاون سپل وے (Spillway)،اصل سپل وے کے ۵۰ فٹ چوڑی اور ۵۰ فٹ اونچے دروازے ہیں۔اس میں پانی کے اخراج کی ۶۵۰،۰۰۰ کیوسک گنجائش ہے جبکہ معاون سپل وے میں سے ۸۴۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کی گنجائش ہے۔(138)

خان پور ڈیم:

یہ صوبہ سرحد میں دریائے ہارو (Harrow) اور اس کے معاون نیلن کاس (nilankas) کے سنگم پر بنایا گیا ہے جو کہ ہری پور روڈ پر ٹیکسلا سے آٹھ میل شمال کی طرف واقع ہے اس کی تعمیر ۱۹۶۸ء میں شروع ہوکر ۱۹۸۳ء میں مکمل ہوئی۔یہ ڈیم ۱۶۷ فٹ اونچا ہے جس میں ۱۱۰۶،۰۰۰ ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے یہ ۱۱۰ کیوسک پانی صوبہ سرحد اور ۸۷ کیوسک پانی پنجاب کو آبپاشی کے لئے مہیا کرے گا جبکہ ۳۳ ملین گیلن اسلام آباد کو، ۲۹.۳۷

ملین گیلن راولپنڈی کواور ۵. ۲۸ ملین گیلن ٹیکسلا انڈسٹریل کمپلیکس کومہیا کرے گا۔(139)

ٹنڈاڈیم:

یہ ڈیم صوبہ سرحد میں کوہاٹ سے چارمیل مغرب کی طرف ۱۹۷۶ میں بنایا گیا ہے۔یہ ۱۱۵ فٹ اونچا، ۲۲۰۰ فٹ لمبا ہےاس کی چوٹی ۳۰ فٹ جبکہ تہہ ۸۱۵ فٹ چوڑی ہے اس میں ۸۰۰۰،۱۷ ایکڑ فٹ پانی جمع کرنے کی گنجائش ہے جوکہ سیلاب کے وقت کوہاٹ توئی (Toi) کا فالتو پانی اپنے اندرسمولیتا ہے۔درج بالا پانی میں سے ۶۴،۰۰۰ فٹ ایکڑ پانی آبپاشی کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہےاوراس پر ۱۴ دروازوں پر مشتمل ۴۸۴ فٹ لمبا بیراج بنایا گیا ہے جس میں سے ۸۰،۰۰۰ کیوسک پانی کے اخراج کی گنجائش ہے۔(140)

گومل زام پراجیکٹ:

یہ جنوبی وزیرستان میں سیلاب کا پانی جمع کرنے کے لئے بنانے کا منصوبہ تھا جو اگست ۱۹۶۳ میں شروع کیا گیا۔مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے اس کی تکمیل میں تاخیر ہوتی رہی۔آخرکار اپریل ۲۰۱۱ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔یہ ڈیم ۴۵۰ فٹ اونچا ہےاوراس میں ۱.۲۷ ملین ایکڑ فٹ پانی کی گنجائش ہے۔چارمیل لمبے سرنگ سے پانی جاکر بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوگا جوکہ آگے دوسرے ڈیم میں جمع ہوکر ۱۱۰۰،۰۰۰ ایکڑ زمین کی سیرابی کے لئے استعمال ہوگا۔(141)

منگلہ ڈیم:

یہ دریائے جہلم پر منگلہ کے مقام پر بنایا گیا ہے۔اس کی تعمیر ۱۹۶۰ء میں شروع ہوئی۔اس کی اونچائی ۳۳۰ فٹ اور چوٹی کی لمبائی ۱۱،۰۰۰ فٹ ہے۔سطح سمندر سے بلندی ۱۲۳۴ فٹ ہے اس میں مجموعی طور پر ۵.۵۵ (Gross Storage) ملین ایکڑ فٹ پانی ہوسکتا ہے۔Live Storage ۵۵.۴ ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ ہوسکتا ہے۔اس کے دائیں جانب دوسپل وے (Spillway) ہیں۔بڑا سپل وے عام حالات میں ۹۰۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزارسکتا ہےجس کے ۳۶ فٹ چوڑی اور ۴۰ فٹ اونچے نو دروازے ہیں دوسرا حادثاتی سپل وے بغیر Regulator کے ہے۔جس میں ۲۱۲،۰۰۰ کیوسک پانی گزرسکتا ہے۔بائیں جانب بجلی پیدا کرنے کے لئے پانی گزرنے کا سرنگ ہے۔جس کا پانی ۱۵،۰۰۰ فٹ لمبی، ۲۷ فٹ گہری اور ۱۰۰ فٹ چوڑی نہر میں لایا جاتا ہے جس میں ۴۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کی گنجائش ہے۔پانی کے تالاب کی لمبائی ۴۰ میل ہے جوکہ اصل دریا اور کاسنی کے علاوہ خاد، پونچھ تک بھی پھیلا ہوا ہے۔(142)

راول ڈیم:

اس ڈیم کی تعمیر کورنگ نالہ پر ۱۹۶۰ء میں شروع ہوکر ۱۹۶۱ء میں مکمل ہوئی جو کہ راولپنڈی سے ۹ میل دور ہے۔ یہ ۷۰۰ فٹ لمبا اور دریا کی تہہ سے ۱۰۰ فٹ اونچا ہے۔ اس میں ۴۷،۵۰۰ ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ ہوسکتا ہے۔ اس کے دائیں جانب پانی باہر لے جانے کے لئے راستے ہیں جن میں سے ۱۱۲ کیوسک شہری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جاتا ہے اور ۳۲ کیوسک آبپاشی کے لئے۔ اس کے علاوہ اور چھوٹے ڈیم مثلاً نیمل (Namel) ڈیم اور سملی ڈیم بھی پنجاب میں بنائے گئے ہیں۔(143)

حب ڈیم:

آبنوشی اور آبپاشی کا یہ منصوبہ جون ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوا جو کہ کراچی سے ۳۵ میل شمال کی طرف واقع ہے۔ اس میں ۸۵۷،۰۰۰ ایکڑ فٹ پانی Gross Storage کی گنجائش اور ۷۶۰،۰۰۰ ایکڑ فٹ Live Storage کی گنجائش ہے۔ اس کے دائیں جانب سپل سے ہے جس میں سے ۴۷۱،۵۰۰ کیوسک پانی کے اخراج کی گنجائش ہے اس سے ۲۰۰ کیوسک والی نہر کے ذریعے کراچی کو روزانہ ۸۹ ملین گیلن آبنوشی کے لئے اور ۱۱۰۰۰ ایکڑ زمین کی سیرابی کے لیے مہیا ہوتا ہے۔(144) اور روزانہ ۱۵ ملین گیلن آبنوشی کے لئے اور ۱۲۱،۰۰۰ ایکڑ زمین کی سیرابی کے لئے ضلع لسبیلہ کو مہیا ہوتا ہے اور اس کا سپل وے ۲۰۲۰ فٹ لمبا ہے جو کہ ۵۰۰،۰۰۰ کیوسک فٹ پانی فی سیکنڈ گزرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بلوچستان میں دوسرے چھوٹے ڈیم ولی تنگی، ناری بولان خوشدل خان اور سپین کاریز موجود ہیں۔(145)

مجوزہ کالاباغ ڈیم:

کالاباغ ڈیم کی تعمیر دریائے سندھ پر تربیلا سے ۱۱۸ میل نیچے اور جناح بیراج سے ۱۴ میل اوپر تجویز کی گئی ہے۔ شروع میں اس ڈیم کی اونچائی دریا کی تہہ سے ۲۶۵ فٹ، چوٹی کی چوڑائی ۵۰ فٹ اور لمبائی ۴۱۵۰ فٹ رکھی گئی ہے جس میں مجموعی طور پر (Gross Storage) ۹.۳۷۵ ملین ایکڑ فٹ تھی اور Live Storage ۷.۷۱ ملین ایکڑ فٹ تھی۔ اس کا تالاب ۲۱۸۹ مربع میل پر مشتمل ہوگا لیکن صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کے خدشات کی بنیاد پر اس میں تبدیلی لائی گئی اور اس کی اونچائی کم کرکے ۲۶۰ فٹ کرلی جس کے نتیجے میں Gross Storage کم ہو کر ۷.۹ ملین ایکڑ فٹ اور Live Storage ۶.۱ ملین ایکڑ فٹ ہوگی۔ ڈیم کے ساتھ ایک معاون ڈیم بھی ہوگا جس کی لمبائی ۴۹۰۰ فٹ اور اونچائی ۱۰۰ فٹ ہوگی۔

ڈیم کے دائیں جانب سیلابی پانی کے اخراج کے لئے دو سپل وے بنائے جائیں گے۔جن میں سے مجموعی طور پر ۲ ملین کیوسک پانی اخراج کی گنجائش ہوگی۔جبکہ معاون سپل وے میں سے پانی کے اخراج کی گنجائش ۱۴۰۰،۰۰۰ کیوسک ہوگی۔تالاب بھر جانے کی صورت میں پانی کے اخراج کے لئے ۵۰ فٹ چوڑی ۲۵ فٹ گہری ۳۳ موری ہوں گی۔اس کے بائیں جانب ایک پاور ہاؤس بھی بنایا جائے گا جس کے لئے ۳۶ فٹ قطر کے ۱۲ سرنگ ہوں گے جس کی پیداوار ۳۶۰۰ میگاواٹ بجلی ہوگی۔اس ڈیم کے لئے ۱۳۵،۰۰۰ ایکڑ زمین درکار ہوگی جو کہ ۱۲۷،۵۰۰ ایکڑ تو مستقل طور پر ڈیم کے نیچے آجائے گی۔اس زمین میں سے ۱۲۴،۵۰۰ ایکڑ پنجاب کی ہوگی جبکہ ۱۳۰۰۰ ایکڑ سرحد کی۔(146)

بیراج:

جناح بیراج:

یہ دریائے سندھ پر صوبہ پنجاب میں تربیلا سے ۱۳۲ میل نیچے ۱۹۴۶ء میں بنایا گیا۔جس میں ۹۵۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کا راستہ ہے اسے کالاباغ بیراج بھی کہتے ہیں۔(147)

چشمہ بیراج:

یہ صوبہ پنجاب میں دریائے سندھ پر جناح بیراج سے ۳۲ میل نیچے چشمہ نامی گاؤں کے قریب ۱۹۷۱ء میں بنایا گیا۔یہ ۳۵۳۶ فٹ لمبا ہے اور اس میں بھی ۹۵۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کا راستہ ہے اس کے ۵۲ دروازے ہیں۔۱۱ بند کے نیچے والے دروازے ہیں جو کہ ۶۰ فٹ چوڑے ہیں۔

تونسہ بیراج:

یہ سندھ پر صوبہ پنجاب میں تونسہ کے مقام پر ۱۹۵۹ء میں بنایا گیا۔اس میں ۷۵۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کا راستہ ہے۔(148)

مرالہ بیراج:

یہ بیراج دریائے چناب اور توی کے سنگم پر ۱۹۶۸ میں بنایا گیا۔جو کہ بالائی چناب کنال کو ۱۶،۵۰۰ کیوسک پانی مہیا کرتا ہے۔اصل میں یہ بیلو کی ہیڈورکس کو پانی مہیا کرنے والی نہر تھی۔اس کی لمبائی ۴۴۷۲.۵۵ فٹ اور چوڑائی ۶۰ فٹ ہے اس کے ۶۰ دروازوں میں سے ۱۱۰۰،۰۰۰ کیوسک پانی کے اخراج کی گنجائش ہے۔جمنی میں ۱۰ بند کے نیچے والی ہیں۔بالائی چناب نہر کو پانی دینے کے لئے ۴۰ فٹ چوڑے دروازے اور اتنی ہی چوڑائی والے ۸

دروازے مرالہ راوی کنال کو پانی دینے کے لئے ہیں ۔(149)

خانکی بیراج:

یہ بیراج ۱۸۸۹ میں تعمیر کیا گیا۔ یہ زیریں چناب کنال کو پانی دیتا ہے۔

قادرآباد بیراج:

یہ بیراج دریائے چناب پر خانکی بیراج سے ۲۰ میل نیچے بنایا گیا ہے۔ یہ ۳۳۷۳ فٹ لمبا ہے۔ یہ رسول قادر آباد لنک سے پانی وصول کرتا ہے۔اس میں ۶۰ فٹ چوڑی ۴۵ دروازے ہیں۔اس میں سے ۹۰۰،۰۰۰ کیوسک سیلابی پانی گزرنے کی گنجائش ہے جن میں سے ۵ بند کے نیچے والے دروازے ہیں۔(150)

رسول بیراج:

یہ دریائے جہلم پر منگلہ ڈیم سے ۴۵ میل نیچے رسول کے مقام پر ۱۹۶۸ء میں بنایا گیا۔ یہ ۳۲۰۹ فٹ لمبا ہے اور ۲۸۰۰ فٹ پانی کے گزرنے کے لئے راستہ ہے اس میں ۶۰ فٹ چوڑے ۴۲ دروازے ہیں جس میں سے ۸۵۰،۰۰۰ کیوسک پانی کا اخراج ہوسکتا ہے۔ بائیں جانب کی دو نہریں رسول قادر آباد لنک کو ۱۹۰۰۰ کیوسک پانی دیتا ہے۔(151)

سینڈھنی بیراج:

یہ بیراج ۱۲ ۷ فٹ چوڑا ہے جس میں ۱۵۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کے لئے ۶۰۰ فٹ کا راستہ ہے اس میں ۴۰ فٹ چوڑی ۱۵ دروازے ہیں۔جن میں سے چار بند کے نیچے ہیں۔ ۱۰ دروازے ۱۰۱۰۰ کیوسک پانی سیڈھنی میلسی لنک کنال کو اور ۴ دروازے ۴۰۰۵ کیوسک پانی سیڈھنی فیڈر کنال کو دینے کے لئے بنائے گئے ہیں۔(152)

ٹریموبیراج:

یہ دریائے جہلم اور چناب کے سنگم ٹریمو پر ۱۹۴۰ء میں بنایا گیا۔اس میں سے مجموعی اخراج کی گنجائش ۶۴۵،۰۰۰ کیوسک ہے یہ حویلی جوڑھ رنگ پور کنال اور ٹریموسیڈھنی جوڑ کو پانی دیتا ہے۔(153)

پنجند بیراج:

اس سے پنجند اور عباسیہ کی نہریں نکلتی ہیں۔اس کے علاوہ راوی پر بلوکی بیراج اور ستلج پر فروزپور، سلیمانکی اسلام اور میلسی بیراج بنائے گئے ہیں۔(154)

گدو بیراج:

یہ دریائے سندھ پر گدو کے مقام پر ۱۹۶۲ء میں بنایا گیا جس میں ۹۰۰،۰۰۰ کیوسک پانی کا اخراج ہوسکتا ہے۔(155)

سکھر بیراج:

یہ صوبہ سندھ میں سکھر کے مقام پر ۱۹۳۲ء میں بنایا گیا اس میں ۶۰ فٹ کے ۶۶ دروازے ہیں جن میں سے ۱۵۰۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزر سکتا ہے۔اس میں ۹۲۵۵.۷ ملین ایکڑ زمین کے لئے ۷ نہریں نکالی گئی ہیں۔(156)

کوٹری بیراج:

یہ بھی صوبہ سندھ میں دریائے سندھ پر ۱۹۵۵ء میں بنایا گیا ہے۔اس میں چار نہریں تقریباً ۳۳.۳ ملین ایکڑ زمین کی سیرابی کے لئے نکالی گئی ہیں اس میں سے ۹۰۰،۰۰۰ کیوسک پانی گزرنے کی گنجائش ہے۔(157)

دریائے کابل پر نہریں:

۱۔ لیفٹ بینک کنال:

یہ نہر ورسک پر ۱۹۶۲ء میں نکالی گئی ہے اس میں ۴۵ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔اس نہر کا Gross Commanded علاقہ ۱۱۳،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(158)

۲۔ رائٹ بینک کنال:

یہ نہر بھی ورسک پر ۱۹۶۲ء میں نکالی گئی ہے اس میں ۴۵۵ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔اس نہر کا Gross Commanded علاقہ ۱۱۲۵،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱۰۸،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۳۔ دریائے کابل:

یہ ۱۸۹۰ء سے زیر استعمال ہے جس میں ۴۵۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۹۲،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۷۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ خریف وربیع کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۶۸،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

اسی طرح وادی پشاور کا کل نہری پانی ۳۵۵۰ کیوسک ہے۔جس کا Gross Commanded علاقہ ۱۴۹۴،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۶۰۶،۰۰۰ ہے جبکہ مجموعی خریف وربیع کی

سیراب ہونے والی زمین ۱۵۸۴،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(159)

چشمہ رائٹ بینک کنال:

یہ دریائے سندھ سے چشمہ بیراج پر لی گئی ہے جو کہ ۱۹۷۹ء میں شروع ہو کر ۱۹۸۴ء میں تقریباً مکمل ہوئی۔ یہ دریائے سندھ کے دائیں کنارے اور کوہ سلیمان کے سلسلے کے درمیان علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان کو سیراب کرتی ہے۔(160)

شمالی زون–دریائے سندھ کا میدانی علاقہ:

دریائے جہلم کی نہریں:

۱۔ بالائی جہلم نہر:

یہ نہر منگلہ ڈیم سے ۱۹۱۵ء میں نکالی گئی ہے۔اس میں ۱۹۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۵۸،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۵۴۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵۳۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۲۔ زیریں جہلم:

یہ رسول ہیڈ ورکس سے ۱۹۰۱ء میں نکالی گئی ہے اس میں ۵۳۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۲،۲۰۲،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱،۴۹۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۱،۳۹۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

دریائے چناب کی نہریں:

۱۔ مرالہ راوی لنک:

یہ ۱۹۵۶ء میں مرالہ ہیڈ ورکس سے نکالی گئی ہے جس میں ۲۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱۷۹،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱۶۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۴۶،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۲۔ بالائی چناب:

یہ ۱۹۱۲ء میں مرالہ میں نکالی گئی ہے۔ جس میں ۴۱۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross

Commanded علاقہ ۱۱،۵۱۱،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱،۴۴۵،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۸۹۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(161)

۳۔ زیریں چناب:

یہ ۱۹۸۲ء میں خانکی ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے جس میں ۱۵۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۳۷۰۴۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۲۹۸۷۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۳۰۷۸۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۴۔ رنگ پور:

یہ ۱۹۳۹ء میں تریمو سے نکالی گئی ہے اس میں ۲۷۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۳۸۰،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۳۴۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۲۳۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۵۔ حویلی سیدھنی:

یہ ۱۹۳۹ء میں تریمو سے نکالی گئی ہے جس میں ۵۲۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۱۲۳،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱۰۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱،۰۸۵،۰۰۰ ا ایکڑ ہے۔(162)

دریائے راوی پر نہریں:

ا۔ مرکزی باری دواب Central Bari Doab

یہ ۱۸۵۹ء میں مندھو پور ہیڈ ورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۲۶۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷۰۴،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۶۴۲،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵۷۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۲۔ زیریں باری دواب:

یہ ۱۹۱۳ء میں بلوکی ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۷۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۸۲۲،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱،۴۶۰،۰۰۰

ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۱،۶۳۸،۰۰۰ یکڑ ہے۔

۳۔ سیدھنی:

یہ ۱۸۸۷ء میں سیدھنی سے نکالی گئی ہے اس میں ۴۵۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔ جبکہ باقی معلومات اوپر حویلی کے ساتھ شامل ہیں۔

دریائے ستلج کی نہریں:

۱۔ دیپالپور:

یہ ۱۹۲۸ء میں فیروز ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۶۱۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۰۴۳،۰۰۰ یکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۹۸۳،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵۷۷،۰۰۰ یکڑ ہے۔

۲۔ پاک پتن:

یہ ۱۹۲۷ء میں سلیمانکی سے نکالی گئی ہے جس میں ۶۶۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۳۹۶،۰۰۰ یکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱،۲۶۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۱،۰۶۰،۰۰۰ یکڑ ہے۔(163)

۳۔ فوردواہ:

یہ بھی ۱۹۲۷ء میں سلیمانکی سے نکالی گئی ہے۔ اس میں ۳۴۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۴۶۵،۰۰۰ یکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۳۶۵،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۲۶۰،۰۰۰ یکڑ ہے۔

۴۔ مشرقی صدیقیہ:

یہ ۱۹۲۶ء میں سلیمانکی سے نکالی گئی ہے اس میں ۴۹۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۱۳۴،۰۰۰ یکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۹۳۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۷۸۴،۰۰۰ یکڑ ہے۔

۵۔ میلسی:

یہ ۱۹۲۸ء میں اسلام ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۴۹۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷۵۱،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۶۸۸،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵۰۲،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۶۔ قائم پور:

یہ بھی ۱۹۲۷ء میں اسلام ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے جس میں ۶۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۴۵،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۴۲،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۲۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(164)

۷۔ بہاول:

یہ ۱۹۲۷ء میں اسلام ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۵۴۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷۹۱،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۶۴۸،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۴۷۶،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

دریائے پنجند پر نہریں:

۱۔ پنجند:

یہ ۱۹۲۹ء میں پنجند ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے جس میں ۹۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۵۰۵،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱،۳۳۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۱،۱۳۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۲۔ عباسیہ:

یہ بھی ۱۹۲۹ء میں پنجند سے نکالی گئی ہے اس میں ۱۱۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱۳۱،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱۱۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۸۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

دریائے سندھ پر دوسری نہریں:

۱۔ تھل:

یہ ۱۹۴۷ء میں جناح ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۱۰۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۸۵۵،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱،۴۷۳،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۷۴۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(165)

۲۔ پہاڑپور:

یہ ۱۹۰۹ء میں جناح ہیڈورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۵۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱۰۲،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱۰۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۶۵،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(166)

۳۔ ڈی جی خان:

یہ ۱۹۵۸ء میں تونسہ سے نکالی گئی ہے اس میں ۸۸۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷۳۰،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۷۲۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۳۷۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۴۔ مظفرگڑھ:

یہ ۱۹۵۸ء میں تونسہ سے نکالی گئی ہے اس میں ۷۳۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷۲۱،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۷۱۴،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۴۳۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

اسی طرح شمالی زون کا کل پانی ۱۱۰،۹۰۰ کیوسک ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۲۲،۲۹۵،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۱۹،۵۴۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵،۹۹۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

دریائے سندھ کا میدانی علاقہ-جنوبی زون:

۱۔ پاٹ Pat:

یہ نہر ۱۹۶۲ء میں پاٹ سے لی گئی ہے جس میں ۸۳۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷۶۶،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۷۱۲،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۲۔ صحرائی نہر:

یہ ۱۹۶۲ء میں پاٹ سے نکالی گئی ہے اس میں ۱۲۹۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۴۷۹،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۴۲۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۳۰۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۳۔ بیگاری سندھ:

یہ ۱۹۶۲ء میں گدو سے لی گئی ہے جو کہ ۱۵،۵۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش رکھتی ہے۔اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۹،۰۱۹،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۸۹۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۸۴۵،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۴۔ گھوٹکی:

یہ ۱۹۶۲ء میں گدو سے لی گئی ہے اس میں ۸۵۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے ۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۰۰۴،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۹۹۵،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۲۶۸،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

اس طرح اس علاقے کا کل پانی ۴۵۲۰۰ کیوسک ہے اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۳،۲۶۸،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۳،۰۱۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۶۱۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(167)

دریائے سندھ:

۱۔ شمال مغربی نہر:

یہ۱۹۳۲ء میں سکھر سے لی گئی ہے اس میں ۵۱۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے ۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۹۴۶،۰۰۰ یکڑاور Culturable Commanded علاقہ ۱۹۲۸،۰۰۰ یکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۹۶۷،۰۰۰ یکڑ ہے۔(168)

۲۔ رائس:

یہ۱۸۶۲ء میں سکھر سے نکالی گئی ہے اس میں ۱۰۲۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے ۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۵۳۷،۰۰۰ یکڑاور Culturable Commanded علاقہ ۱۵۲۰،۰۰۰ یکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵۷۰،۰۰۰ یکڑ ہے۔

۳۔ دادو:

یہ۱۹۳۲ء میں سکھر سے لی گئی ہے اس میں ۳۲۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے ۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۵۹۳،۰۰۰ یکڑاور Culturable Commanded علاقہ ۵۴۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۳۶۰،۰۰۰ یکڑ ہے۔

۴۔ خیرپورمغربی:

یہ۱۹۳۲ء میں سکھر سے لی گئی ہے اس میں ۱۹۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے ۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۳۲۳،۰۰۰ یکڑاور Culturable Commanded علاقہ ۱۳۰۴،۰۰۰ یکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۲۵۷،۰۰۰ یکڑ ہے۔

۵۔ روہڑی:

یہ۱۹۳۲ء میں سکھر سے لی گئی ہے اس میں ۱۱۲۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے ۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۲،۶۱۴،۰۰۰ یکڑاور Culturable Commanded علاقہ ۲،۶۰۴،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۸۵۵،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۶۔ خیرپور مشرقی:

یہ ۱۹۳۲ء میں سکھر سے لی گئی ہے اس میں ۲۷۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۵۳۱،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۳۳۵،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۳۳۴،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۷۔ مشرقی نارا:

یہ ۱۹۳۲ء میں سکھر سے لی گئی ہے اس میں ۱۳۴۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۲،۳۸۱،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۲،۲۳۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۱،۳۰۸،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

اس طرح اس علاقے کا کل پانی ۴۷،۷۰۰ کیوسک ہے۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷،۹۲۸،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۷،۴۷۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵،۳۰۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(169)

دریائے سندھ پر کوٹھڑی سے نہریں:

۱۔ پنیاری:

یہ ۱۹۵۵ء میں کوٹھڑی ہیڈ ورکس سے نکالی گئی ہے اس میں ۱۴۴۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۸۰۲،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۷۸۶،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۲۳۲،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۲۔ فلیلی (Fuleli):

یہ ۱۹۵۵ء میں کوٹھڑی سے نکالی گئی ہے اس میں ۱۳۸۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔ اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱،۰۶۵،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۹۲۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔جبکہ ربیع وخریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۴۵۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۳۔ لائنڈ (Lined) چینل:

یہ ۱۹۵۵ء میں کوٹھڑی سے نکالی گئی ہے اس میں ۴۱۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔اس کا Gross

Commanded علاقہ ۱۶۷۵،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۴۸۷،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۵۹،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

۴۔ کلری بغار (Kalri Baghar):

یہ ۱۹۵۵ء میں کوٹھڑی سے نکالی گئی ہے اس میں ۹۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے ۔اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۷۳۴،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۶۰۴،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۲،۸۰۶،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

اس طرح اس علاقے کا کل پانی ۴۱،۳۰۰ کیوسک ہے۔اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱۴،۴۶۸،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۲،۸۰۶،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۸۹۱،۰۰۰ ایکڑ ہے۔

پورے جنوبی زون کا کل پانی ۱۳۴،۲۰۰ کیوسک بنتا ہے۔اس کا Gross Commanded علاقہ ۱۱۴،۴۶۸،۰۰۰ ایکڑ اور Culturable Commanded علاقہ ۱۳،۳۰۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ جبکہ ربیع و خریف کی مجموعی سیراب ہونے والی زمین ۱۷،۶۱۴،۰۰۰ ایکڑ ہے۔(170)

لنک کینالز (Link Canals):

تقسیم ہند کے آٹھ مہینوں کے بعد بھارت نے مشرقی دریاؤں سے پاکستانی نہروں میں آنے والا پانی بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے آٹھ ملین ایکڑ زمین متاثر ہوگئی۔ بارہ سالہ طویل گفت و شنید کے بعد عالمی بینک کے زیر اہتمام ۱۹۶۰ء میں ایک معاہدہ طے پا گیا جسے Indus Water Treaty کہتے ہیں۔ جو سندھ اور اس کے پانچ دریاؤں کے پانی کی تقسیم کے بارے میں ہے۔اس معاہدے کے مطابق دریائے راوی، ستلج اور بیاس کا پانی بھارت اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکے گا جبکہ دریائے سندھ، چناب اور جہلم کا پانی پاکستان اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکے گا۔(171)

اس کے نتیجے میں درج بالا مشرقی دریاؤں پر منحصر نہروں کو پانی مہیا کرنے کے لئے متبادل انتظام یہ کیا گیا کہ لنک کینال بنائی جائیں جن کا کام تین مغربی دریاؤں (سندھ، جہلم اور چناب) کا پانی مشرقی دریاؤں پر منحصر نہروں کو منتقل کرنا ہو۔ان نہروں کے نام اور کچھ تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ٹریموسیڈھنی لنک:

اس کی لمبائی ۴۴ میل ہے جس میں ۱۱۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔ یہ حویلی نہر کے متوازی جاتے ہوئے سیڈھنی بیراج پر راوی میں گرتی ہے۔

۲۔ سیڈھنی میلسی لنک نہر:

یہ ۶۲ میل مبی ہے جس میں ۴۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔

۳۔ میلسی بہاول لنک:

یہ ۱۰ میل لمبی ہے اس میں ۳۹۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔(172)

۴۔ رسول قادر آباد لنک:

یہ رسول پر نئے بیراج سے شروع ہوئی ہے۔اس کی لمبائی ۲۹ میل ہے اور اس میں ۱۹۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔

۵۔ قادر آباد بیلو کی لنک:

یہ ۸۳ میل لمبی ہے ۱۸ میل تک یہ ۳۳۵ فٹ چوڑی ہے جس میں ۱۸۶۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔ آگے ۶۵ میل اس کی چوڑائی کم ہو کر ۳۰۰ فٹ ہوگئی ہے جس میں ۱۴۵۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔

۶۔ بیلو کی سلیمانکی لنک:

یہ ۴۰ میل لمبی ہے جو کہ موجودہ سلیمانکی لنک سے پندرھویں میل پر لی گئی ہے۔ یہ ۱۹۴ فٹ چوڑی ہے اور اس میں ۶۵۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔

۷۔ تونسہ پنجند لنک:

یہ سندھ سے تونسہ کے مقام پر لی گئی ہے۔ جو کہ شیر شاہ بیراج سے ۱۶ میل اوپر چناب میں گرتی ہے اس کی لمبائی ۳۸ میل اور چوڑائی ۲۶۶ فٹ ہے۔ اس میں ۱۲۰۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔

۸۔ چشمہ جہلم لنک:

یہ چشمہ بیراج سے لی گئی ہے جو کہ تھل ڈوب میں سے ۶۲ میل گزرتے ہوئے دریائے جہلم میں گرتی ہے۔ ۳۶۲ فٹ چوڑی ہے اس میں ۲۱۷۰۰ کیوسک پانی کی گنجائش ہے۔(173)

1980-81ء کی اعداد و شمار کے مطابق درج بالا نہروں کی لمبائی اور ان سے سیراب ہونے والی زمین بلحاظ صوبہ مندرجہ ذیل جدول سے ظاہر ہے۔

Province	Capacity of Water in River	Length of Rivers	Gross Commanded Area	Culturable Commanded Area	Total Watering of Kharif and Rabi
N.W.F.P.	54033 Cft/Sec.	1500 Miles	0.94 Million Acre ft.	0.82 Million Acre ft.	3.28 Million Acre ft.
Punjab	119006 Cft/Sec.	22910 Miles	20.28 -do-	20.28 -do-	55.22 -do-
Sindh	125892 Cft/Sec.	12879 Miles	12.79 -do-	12.79 -do-	48.9 -do-
Baluchistan	299 Cft/Sec.	1649 Miles	0.74 -do-	0.74 -do-	0.30 -do-
All Pakistan	258600 Cft/Sec.	38936 Miles	34.63 -do-	34.63 -do-	107.70 -do-

(174)

دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے متعلق تین اور چار مارچ ۱۹۹۱ء کو چاروں صوبائی وزراء اعلیٰ کا ایک اجلاس ہوا جو ۱۶ مارچ ۱۹۹۱ء کو مندرجہ ذیل تقسیم پر متفق ہوئے۔

تجزیہ:

ذرائع آب اور ان سے حاصل شدہ پانی سے مختلف صوبوں میں سیرابی کی تفصیل کے بعد اس کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

تو آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ ہر صوبے کی آبادی کتنی ہے، اس کا رقبہ کتنا ہے اور قابل کاشت رقبہ کتنا ہے؟

۱۹۸۱ کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی کل آبادی ۸۳،۷۸۲،۰۰۰ ہے جس میں سے پنجاب اور اسلام آباد کی ۴۷،۲۵۱،۰۰۰ ہے صوبہ سندھ کی آبادی ۱۸،۹۶۶،۰۰۰ ہے۔

صوبہ سرحد اور قبائیلی علاقے کی آبادی ۱۳،۰۶۰،۰۰۰ ہے۔

جبکہ بلوچستان کی آبادی ۴،۳۰۵،۰۰۰ ہے۔ (175)

اسی طرح پاکستان کا کل رقبہ ۷۹۶،۰۹۶ مربع کلومیٹر ہے۔

پنجاب کا ۲۰۵،۳۴۵ مربع کلومیٹر ہے۔

سندھ کا ۱۴۰،۹۱۴ مربع کلومیٹر ہے۔

صوبہ سرحد کا ۷۴،۵۲۱ مربع کلومیٹر ہے۔

بلوچستان کا ۳۴۷،۱۹۰ مربع کلومیٹر ہے۔

قبائلی علاقہ جات کا ۲۲۰،۲۳ مربع کلومیٹر ہے۔

اور اسلام آباد کا رقبہ ۹۰۶ مربع کلومیٹر ہے۔

جبکہ پاکستان کا کل قابل کاشت رقبہ ۳۰۷،۳۷۴ مربع میل ہے اس میں پنجاب کا ۹،۲۸۲،۷۷ مربع میل سندھ کا ۵۴،۴۰۸ مربع میل، سرحد کا ۲۸،۷۷۳ مربع میل، بلوچستان کا ۱۳۴،۰۵۰ مربع میل قبائیلی علاقہ جات کا ۱۰،۵۱۰ مربع میل اور اسلام آباد کا ۳۵۰ مربع میل ہے۔(176)

ان معلومات کے بعد پانی کی اس تقسیم اور مجوزہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر پر مختلف صوبوں کی جانب سے بعض خدشات سامنے آتے ہیں۔ان کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔صوبہ سرحد کی طرف سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اصول یہ ہے کہ جس طرف سے پانی آتا ہے وہاں کے لوگوں کا حق ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق پانی لے۔تو چونکہ دریائے سندھ پہلے صوبہ سرحد میں سے گزرتا ہے وہ تقریباً ۲۴ ملین ایکڑ فٹ پانی بھی دیتا ہے جبکہ اس کی باوجود اسے صرف ۸۔۵۷ ملین ایکڑ فٹ دیا گیا ہے۔

صوبہ سندھ کی طرف سے جو اعتراض آیا ہے کہ پانی کی کمی اور صوبہ سرحد اور بلوچستان اپنا حصہ لینے کے قابل ہونے کی صورت میں سندھ کو بہت نقصان ہوگا۔اس کے علاوہ ابھی تک جو پانی کی کل مقدار آرہی ہے وہ ۱۰۰ سے ۱۰۴ ملین ایکڑ فٹ ہے لیکن معاہدہ میں ۱۱۴ ملین ایکڑ فٹ پانی تقسیم کیا گیا ہے۔یہ ۱۰ ملین ایکڑ فٹ پانی کہاں سے آگیا ہے؟اس کے علاوہ جنرل ضیاء کے حکم کے مطابق کراچی کا حصہ مرکز سے براہ راست مقرر کیا گیا تھا جبکہ اس معاہدہ میں ۸۷. ملین ایکڑ فٹ سندھ سے دیا گیا ہے۔

صوبہ بلوچستان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جو پانی اسے دیا گیا ہے اس کا ملنا بغیر سپلائی نظام کے ناممکن ہے۔ لہٰذا پہلے پانی کی رسائی کا انتظام کیا جائے۔

اسی طرح کالاباغ ڈیم کی تعمیر کے متعلق صوبہ سرحد والوں کا یہ مؤقف سامنے آیا ہے کہ اس کا کافی علاقہ زیر آب آجائے گا اور یہ ۱۹۶۰ء کے معاہدہ تقسیم پانی کے مطابق غیر منصفانہ ہے کیونکہ اس سے پنجاب کو زیادہ پانی ملے گا۔

صوبہ سندھ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس ڈیم کی تعمیر سے صوبہ سندھ صحرا میں بدل جائے گا اور بڑی آبادی کے شہروں کو پینے کا پانی بھی مہیا نہیں ہوسکے گا۔حتیٰ کہ وہاں کی اسمبلی نے اس کے خلاف قرارداد پاس کی۔اب آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے بیانات کیا ہیں؟

عوامی نیشنل پارٹی کے سابقہ ناظم عومی اور پختونخواہ ملی عوامی پارٹی کے موجودہ رہنما ارباب ہمایوں نے

معاہدہ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ یہ بین الاقوامی قانون ہے کہ پانی جس طرف سے آ رہا ہو اس علاقے کے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق پانی لینے کے حق دار ہیں۔ اور دریائے سندھ صوبہ سرحد پر سے گزرتا ہے۔ ۶۷ فیصد پانی ملک کو دیتا ہے لیکن معاہدہ کی رو سے اسے ۸.۷۸ ملین ایکڑ فٹ ملتا ہے۔ جبکہ پنجاب کو جو زیریں علاقے میں پڑا ہے ۵۵.۹۴ ملین ایکڑ پانی ملتا ہے اس کے علاوہ اس نے صوبائی وزیر اعلیٰ کے اس دعوے کو غلط قرار دیا کہ اس معاہدہ کے بعد سرحد کی مزید زمین سیراب ہونے کے قابل ہو جائے گی۔ (177)

قومی انقلابی پارٹی کے رہنما محمد نعیم ایڈووکیٹ نے کہا کہ ۲۴ ملین ایکڑ فٹ پانی دینے والے صوبے کو ۸.۷۸ ملین ایکڑ فٹ پانی ملتا ہے۔ لہٰذا یہ سرحد کے لوگوں کو قابل قبول نہیں ہے مزید یہ کہ اس سے کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ (178)

فرنٹیئر پوسٹ کو جوابات دیتے ہوئے ماہرین کے ایک پینل نے کہا کہ ۱۹۴۵ء میں ہونے والے پنجاب سندھ معاہدہ کے مطابق سندھ کو ۴۸.۷۴ MAF پانی ملتا تھا۔ جبکہ اس معاہدے میں اسے ۴۸.۷ MAF ملے گا جو کہ ۰.۰۴ MAF کم ہے اور پنجاب سرحد اور بلوچستان کو ۱۹۴۵ء کے معاہدے کے مطابق بالترتیب ۴۸.۴، ۸.۷ اور ۲۲.۱ ملین ایکڑ فٹ ملتا تھا لیکن اس معاہدے میں ۵۵.۹، ۸.۷ اور ۸.۴ ملین ایکڑ فٹ پانی دیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید یہ کہا کہ بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ فارمولا یہ ہے کہ کل پانی کی مقدار معلوم کرنے کے لئے متواتر دو سالوں کے دوران کم از کم موجودہ پانی کو دیکھا جاتا ہے جو کہ ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء میں ۱۰۵-۱۰۷ MAF ہے اور اس بنیاد پر کل پانی ۱۰۶ MAF تقسیم ہونا چاہیے تھا جبکہ یہاں ۱۱۴ MAF کے مطابق تقسیم ہوا ہے اس کے علاوہ جنرل ضیاء کے حکم کے برعکس کراچی کو ۰.۸۷ MAF مرکز سے نہیں بلکہ سندھ سے دیا گیا ہے۔ (179) P.N.P. کے رہنما عبدالحفیظ پیرزادہ نے پانی کی تقسیم کا معاہدہ غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ چاروں صوبوں کی حکومتوں کے درمیان پانی کی تقسیم نہیں ہے بلکہ چار قوموں کے درمیان ہے۔ لہٰذا چاروں صوبائی وزراء اعلیٰ کو .C.C.I میں جانے سے پہلے اس مسئلے پر صوبائی اسمبلیوں میں بحث کرنی چاہیے تھی یا اب تصدیق کے لئے اسمبلیوں میں بحث کے لئے پیش کرنا چاہیے۔ اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۴۵ء کے سندھ پنجاب معاہدہ اور دوسری کمیشنوں اور کمیٹیوں کی رپوٹوں کے مطابق کل پانی ۱۰۰ سے ۱۰۴ MAF آ تا رہا ہے جبکہ اس معاہدہ میں ۱۱۴ ملین ایکڑ فٹ کہاں سے آ گیا؟ اور اس کا جواب معاہدہ پانی پر ہونے والے سیمینار میں سیکرٹری آبپاشی صوبہ سندھ بھی نہیں دے سکا۔

جیئے سندھ تحریک کے سربراہ جی ایم سید نے کہا کہ ایک غیر جانبدار اور آزاد کمیٹی مقرر کر کے اس تقسیم کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ یہ معاہدہ کیسے ۱۹۴۵ء کے سندھ پنجاب معاہدہ کے مطابق ہے۔ **(180)**

اس وقت کے حزب اختلاف کی رہنما محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ یہ معاہدہ فیڈریشن کے خلاف ہے اور صوبوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرے گا۔انہوں نے کہا کہ ابھی پانی کے متعلق پاک بھارت اور بنگلہ دیش کے درمیان تنازعہ موجود ہے اور وہ حکومت میں آ کر اس معاہدہ کو تبدیل کرائے گی۔ (181)

بلوچستان کے سینیٹر منظور احمد گچکی نے کہا کہ یہ پنجاب کا ڈرامہ ہے کیونکہ بغیر کسی رسائی کے انتظام کے بلوچستان کو اس کا دیا ہوا حصہ مہیا ہوگا۔لہٰذا پہلے پانی دینے کے لئے سپلائی نظام بنایا جائے۔ (182) پنجاب کے وزیر خزانہ محمود قریشی نے کہا کہ اس معاہدہ سے پنجاب کو سب سے بڑا فائدہ پہنچا ہے انہوں نے اسے پنجاب کی ایک بڑی کامیابی قرار دیتے ہیں کہ اس سے پنجاب کو ۵۵.۹۴MAF پانی حاصل ہوگا جبکہ سندھ کو ۴۸.۷۶ سرحد کو ۵.۷۸ اور بلوچستان کو ۳.۸۷MAF ملے گا۔ (183)

ان اعتراضات کے جوابات میں حکومتی عہدیداروں نے یوں جوابات دیئے ہیں۔

صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اس تقسیم سے صوبہ سرحد کو آبی وسائل پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جائے گا اور وہ منصوبے شروع کر سکیں گے جو گزشتہ کئی برسوں سے التواء میں پڑے تھے ان منصوبوں پر عمل نہ کرنے سے سرحد کو ہر سال ۴۵۰ کروڑ روپے کا نقصان ہو رہا تھا اور ان میں سے صرف ایک منصوبہ چشمہ رائٹ بینک کینال کی ایک سال کی زرعی آمدن ۷۶۰ کروڑ ہے اس نے مزید کہا کہ اس تقسیم سے سرحد کا ۹ لاکھ چھ ہزار ایکڑ نیا رقبہ سیراب ہوگا اور اس طرح سرحد کے سیراب ہونے والے رقبے میں ۵۰ فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ (184)

سندھ کے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اس معاہدہ سے سندھ کو ۴۸.۷۶ MAF پانی ملے گا جبکہ اس وقت وہ ۴۴.۳۴ MAF حاصل کر رہا ہے جس سے ۴.۵ MAF پانی زیادہ ہو جائے گا اور ۱۱۵۰،۰۰۰ ایکڑ مزید زمین کی سیرابی کے لئے نہریں مہیا ہو جائیں گی۔ چار لاکھ چھیاسٹھ (۴۶۶،۰۰۰) خاندان بحال ہو جائیں گے اور ۱۰۰۰،۰۰۰ لوگوں کو روزگار مل جائے گا۔اس نے مزید کہا کہ اس معاہدہ میں معاہدہ سندھ ۱۹۴۵ء سے ۴MAF زیادہ پانی ملے گا جبکہ فضل اکبر اور حلیم رپورٹ میں سفارشات سے ۶ MAF زیادہ پانی ملے گا۔ (185)

سابق وفاقی وزیر خزانہ سرتاج عزیز نے کہا کہ پانی کے اس معاہدے سے کالا باغ ڈیم بنانے کا راستہ ہموار ہوگا اور کوئی صوبہ نقصان میں نہیں ہوگا کیونکہ اس سے ۱۲ ملین ایکڑ فٹ پانی اضافی دستیاب ہوگا۔اس کے علاوہ ۷ سے ۸ MAF آبپاشی اور بجلی کے لئے ذخیرہ ہو سکتا ہے۔ (186) انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ دستیاب پانی غیر مفید اور غیر مؤثر طریقے سے استعمال ہو رہا ہے۔۱۹۷۰ء میں تربیلا ڈیم کی تعمیر سے پہلے ۹۷.۵۷ MAF پانی استعمال ہو رہا تھا اس کے بعد ماہرین نے ۱۰۴.۲۴ MAF پانی کے استعمال کی سفارش کی اور ۱۱۷.۸۱ MAF کے استعمال کے

لئے منصوبہ بندی کی۔لیکن پانی کی تقسیم کا مسئلہ حل نہ ہونے کی وجہ سے مزید منصوبوں پر عمل درآمد نہ ہوسکا اور موجودہ نظام آبپاشی میں پانی کا استعمال ۱۰۷.۸۱ تک لے جانے کی بجائے ۹۸.۵۱ MAF تک رہا اور یہ اندازہ لگایا گیا کہ اس سے ۲۰ بلین روپے براہِ راست اور ۲۵ بلین روپے بالواسطہ قومی نقصان ہوا اور منصوبہ بندی کے مطابق ہائیڈرو پاور کے منصوبے نہ لگانے سے ۵۰۷ ملین امریکی ڈالر غیر ملکی کرنسی ایندھن پر خرچ ہوئے۔مزید برآں اس معاہدے سے زیادہ زمین زیر آبپاشی آنے کی بدولت ایک ملین لوگ براہِ راست باروزگار ہو جائیں گے اور ایک ملین کو بالواسطہ روزگار مل جائے گا۔(187)

اب آیئے کالاباغ ڈیم پر اعتراضات اور جوابات کی طرف۔اس کے متعلق صوبہ سرحد سے ولی خان شیر پاؤ اور سندھ کے رسول بخش پلیجو نے کہا کہ اس کی تعمیر سے صوبہ سرحد کی زرخیز زمین زیر آب آ جائے گی اور سندھ کے لئے پانی نہیں بچے گا جس کی وجہ سے وہاں کی زمین غیر آباد ہو جائے گی۔(188)

مہتاب خان یوسف زئی نے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ جب تک اس کی اونچائی ۲۵ فٹ کم نہ کی جائے اس وقت تک نوشہرہ کو پانی میں ڈوبنے سے نہیں بچایا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ ۱۹۶۰ء کے دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے معاہدے کے مطابق اس ڈیم کی تعمیر غیر منصفانہ ہے کیونکہ اس سے پنجاب کو اپنے حصے سے زیادہ پانی ملے گا۔انہوں نے اس کی جگہ بھاشا ڈیم کی تعمیر پر زور دیا کیونکہ اس میں کسی کو نقصان نہ ہونے کے علاوہ تربیلا ڈیم کی عمر میں اضافہ کا باعث بنے گا کیونکہ بھاشا ڈیم کی تعمیر سے وہاں پر صاف پانی آئے گا۔(189)

سندھ کے مقامی اخبارات میں کالاباغ ڈیم کی تعمیر کی شدید مخالفت ہوئی ہے جس میں یہ کہا گیا کہ سندھ اور سرحد کے لوگوں نے کالاباغ ڈیم کو رد کیا ہے اس کی تعمیر پر پنجاب کا اصرار کا یہ مطلب ہے کہ وہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر کو پاکستان کی سالمیت سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے سبق نہیں سیکھا گیا۔مزید یہ کہا گیا کہ وہ اپنی تباہی کی قیمت پر پنجاب کی دوستی پر دشمنی کو ترجیح دیں گے۔(190)

سندھ کے وزیر برائے لوکل گورنمنٹ نادر علی مگسی نے کہا کہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر کی اجازت قطعاً نہیں دی جاسکتی اس سے نہ صرف صوبہ سندھ صحراء میں بدل جائے گا بلکہ بڑی آبادی کے شہروں کو پینے کا پانی نہیں مل سکے گا۔لہٰذا بڑے بھائی (پنجاب) کی ذمہ داری ہے کہ وہ سندھ کو معاشی قتل سے بچائے جس سے نفرت پیدا ہو کر قومی اتحاد کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔(191)

سندھ نیشنل فرنٹ کے رہنما ممتاز علی بھٹو نے ڈیم کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس پر تمام صوبوں کا اتفاق رائے ضروری ہے۔(192)

سندھ کے وزیر آبپاشی مسٹر ظفر لغاری نے کہا کہ کوئٹہ کے اجلاس میں پیپلز پارٹی نے کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرتے ہوئے ایک قرارداد منظور کی اس کے علاوہ سابق وزیر پانی و بجلی غلام مصطفیٰ کھر کے بیان کے متعلق انہوں نے کہا کہ کالا باغ ڈیم کی ضرورت پر زور اس کی اپنی رائے ہو سکتی ہے۔(193)

جئے سندھ محاذ نے اس سلسلے میں ۱۰ جون ۱۹۹۴ء کو سندھ یکجہتی کانفرنس منعقد کرائی۔(194)

پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ منظور احمد وٹو نے کالا باغ ڈیم کی تعمیر توانائی کی شدید ضرورت کے پیش نظر ضروری سمجھتے ہوئے ریفرنڈم کی تجویز سے متفق ہوئے۔(195)

ان اعتراضات کے جوابات سابق وفاقی وزیر پانی و بجلی غلام مصطفیٰ کھر اور چیئرمین واپڈا شمس الملک نے مندرجہ ذیل بیان میں دیئے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ بجلی اور آبپاشی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کالا باغ ڈیم کی تعمیر بہت ضروری ہے جس کے بغیر قوم کو بہت صنعتی اور زرعی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔انہوں نے کہا یہ چاروں صوبوں کے مفاد میں ہے اور اس پر اتفاق رائے ضروری ہے۔پانی کے استعمال کے بارے میں کہا کہ سندھ کے ۱۴۵ ملین ایک فٹ میں سے ۱۰۰ ملین ایکڑ فٹ پانی استعمال کیا جاتا ہے۔جبکہ باقی پانی ضائع ہوتا ہے۔جس کے لئے ہم نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ کالا باغ ڈیم پنجاب اور اور بھاشا ڈیم، منڈا ڈیم دریائے سندھ کے بالائی پانی پر صوبہ سرحد میں تعمیر کیے جائیں۔اس نئے منصوبے سے سرحد کی ۰.۸ ملین ایکڑ پنجاب کی ۵ ملین ایکڑ، سندھ کی ۷ ملین ایکڑ اور بلوچستان کی ۱۳۰،۰۰۰ ایکڑ زمین سیراب ہوگی۔(196)

حواشی وحوالہ جات

باب چہارم

1. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ج ۳ ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۳۰۳ھ
2. اکبر شاہ نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما ص ۴۴۶، نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان ۱۹۸۳ء
3. اکبر شاہ نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما ص ۳۴۸
4. ایضاً، ص ۳۳۶
5. ڈبلیو۔ایچ مورلینڈ (م) جمال محمد صدیقی، مسلم ہندوستان کا زرعی نظام ص ۵۰، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، انڈیا
6. ایضاً، ص ۷۹
7. ایضاً، ص ۱۲۹
8. خافی خان، منتخب اللباب، ج ا ص ۲۲۵ محمود احمد نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان، ۱۹۶۳ء
9. ایضاً، ج ۲ ص ۱۹
10. ایضاً، ج ۲ ص ۳۱۹
11. عرفان حبیب، مغل ہندوستان کا طریق زراعت، ص ۳۵۹
12. ایضاً
13. نعمان احمد صدیقی، مغلوں کا نظام مالگزاری، ص ۴۴، بمیر پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان۔ ۱۹۹۰ء
14. ایضاً، ص ۴۵
15. ایضاً، ص ۴۶
16. ایضاً، ص ۵۶
17. شرف الدین، ہندوستانی معاشیات کے مبادی، ص ۱۰۶، حدیرآباد دکن پریس، انڈیا، ۱۹۴۶ء
18. ایف۔ڈی ایسکولی (م) عبدالستار، بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری، ص ۱۷، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، انڈیا
19. ایضاً، ص ۱۹
20. ایضاً، ص ۲۰
21. عرفان حبیب، مغل ہندوستان کا طریقہ زراعت، ص ۲۷۵
22. ایضاً، ص ۳۲۹
23. جی بی جھار، معاشیات ہند، ج ا ص ۶۰۸، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، انڈیا

24. ایس۔ایس۔تھارن، پنجاب کے مسلمان اور مہاجن، ص ۶۶
25. برج نارائن، اقتصادی ہند، ص ۱۷۱ میسرز راما کرشنا اینڈ سنز، لاہور، پاکستان
26. ایضاً، ص ۱۷۳
27. ایضاً، ص ۱۷۲
28. ایضاً
29. ایضاً
30. ایف۔ڈی ایسکولی (م) عبدالستار، بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری، ص ۲۵
31. باری، کمپنی کی حکومت، ص ۱۳۳، مکتبہ اردو، لاہور، پاکستان
32. ایضاً
33. انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ص ۹۴، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، کراچی پاکستان ۱۹۶۱ء
34. شرف الدین، ہندوستان معاشیات کے مبادی، ص ۱۱۱
35. مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۲۰
36. ایضاً، ص ۱۳۲
37. ایضاً، ص ۱۳۳
38. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال
39. شیخ جلال الدین تھنیسری، تحقیق اراضی ہند، (م) سعید اشرف ندوی، ص ۸، عید اشرف ندوی، دائرہ معین المعارف کراچی، پاکستان۔۱۹۶۳ء
40. مفتی محمد شفیع، تحقیق اراضی ہند، ص ۱۰
41. ایضاً، ص ۱۳
42. مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۵۹، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان ۱۹۷۹ء
43. ایضاً
44. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحیٰی، فتوح البلدان، ص ۴۲۵۔ نیز ابن الاثیر، عزالدین ابی الحسن علی بن محمد ابی الکرم، الکامل فی التاریخ، ج ۴، ص ۲۰۵
45. مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۶۶
46. ابن الاثیر، عزالدین ابی الحسن علی بن محمد ابی الکرم، الکامل فی التاریخ، ج ۸، ص ۲۲۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء

47. ایضاً، ج ۱۲، ص ۲۶
48. مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۱۸
49. مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۴۸
50. ایضاً، ص ۱۴۹
54. ایضاً، ص ۱۷۳
52. ایضاً، ص ۲۱۹
53. اصلاحات اراضی، ۳، حکومت پاکستان پلاننگ بورڈ اسلام آباد
54. ایضاً
55. ایضاً، ۴
56. ایضاً، ۵
57. انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ص ۸۱-۸۰
58. محمود مرزا، آج کا سندھ، ص ۵۹، پروگریسو پبلشرز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۶ء
59. اصلاحات اراضی، ۵، حکومت پاکستان پلاننگ بورڈ اسلام آباد
60. انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ص ۷۵
61. ایضاً، ص ۸۴
62. اصلاحات اراضی، ۸، حکومت پاکستان پلاننگ بورڈ اسلام آباد
63. انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ص ۸۶
64. اصلاحات اراضی، ۶۵-۶۴، حکومت پاکستان پلاننگ بورڈ اسلام آباد
65. عقیل عباسی، پاکستان کے سیاسی وڈیرے، ص ۱۷، فرنٹیئر پوسٹ پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۳ء
66. محمود مرزا، سندھ میں سیاسی طوفان، ص ۱۰۷
67. وکیل انجم، سیاست کے فرعون، ص ۲۰، فیروز سنز، لاہور، پاکستان ۔۱۹۹۲ء
68. صفدر محمود، مسلم لیگ کا دور حکومت (۵۴-۱۹۴۷) ص ۲۸۵، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۶ء
69. ایضاً، ص ۲۸۷
70. مسعود کھدر پوش، ہماری رپورٹ، جنگ پبلیشرز، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء
71. اصلاحات اراضی، ۲، حکومت پاکستان پلاننگ بورڈ اسلام آباد
72. اصلاحات اراضی مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۶۴ حصہ ۳

73. ایضاً،حصہ۴
74. ایضاً،حصہ۵
75. زرعی اصلاحات،۱۰،محکمہ تعلقات عامہ،مغربی پاکستان،لاہور
76. ایضاً
77. Agricultural Statistics of Pakistan 1990-91, :P.126
78. ندائے کسان(ماہنامہ)جنوری 1993،ص ۶
79. پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور،۲۸،وژن پبلیکیشنز لمیٹڈ کراچی ۱۹۷۰ء
80. ایضاً
81. گوہر سلطانہ عظمیٰ،جمہوریت کے قاتل کون،ص ۱۳۳،جنگ پبلیشر ز،لاہور،پاکستان ۱۹۹۳ء
82. قرطاس ابیض ۴-۱۲۲ اسلام آباد،جنوری ۱۹۷۹ء
83. ایضاً
84. Agricultural Statistics of Pakistan 1990-91, :P.126
85. نوائے وقت لاہور،۱۸ مارچ ۱۹۷۲ء
86. قرطاس ابیض،۴،۳۹
87. وعدہ اور ایفائے وعدہ،۳۶،پاکستان پیپلز پارٹی ۱۹۷۰ کے انتخابی منشور پر عملدرآمد کی رپورٹ
88. ایضاً
89. ندائے کسان(ماہنامہ)جنوری ۱۹۹۳ء
90. انیس فاطمہ،پاکستان کا معاشی پس منظر،ص ۷۶
91. ندائے کسان(ماہنامہ)مارچ ۱۹۹۳ء
92. Task Force on Agriculture P.38
93. Task Force on Agriculture P.40
94. Task Force on Agriculture P.24
95. نوائے وقت(روزنامہ)۱۶فروری،۱۹۹۴ء
96. Task Force on Agriculture P.24
97. مسعود کھدر پوش،ہماری رپورٹ(آج اور کل)ص ۴۰
98. ڈاکٹر مبشر حسن،پاکستان کے جعلی حکمران،ص ۱۲،کلاسیک دی مال،لاہور،پاکستان،۱۹۸۸ء

99. انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ص ۱۱۷

100. پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال، ۱۹۹۱، ص ۱۶۱،

101. رحمت اللہ طارق، زمینداری، جاگیرداری اور اسلام، ص ۲۰۲، البیان، لاہور، پاکستان

102. مسعود کھدر پوش، ھاری رپورٹ (آج اور کل) ص ۳۴ اور ۳۵

103. ایضاً، ص ۳۶

104. منہاج (سہ ماہی) اکتوبر ۱۹۸۹ء، ص ۷۶۔ اصلاحات اراضی، ۳۱، حکومت پاکستان پلاننگ بورڈ اسلام آباد

105. ہاری رپورٹ، (آج اور کل) ۳۳

106. مبشر حسن، پاکستان کے جعلی حکمران طبقے، ص ۲۹

107. صفدر حسن صدیقی، پاکستان کی تعمیر نو، ص ۳۵۰، نگارشات، لاہور، پاکستان ۱۹۹۲ء

108. سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۶

109. ایضاً، آیت ۲۷

110. ندائے کسان (ماہنامہ) اگست ۱۹۹۳ء

111. پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال ۱۹۹۱، ص ۱۷۹

112. الطاف حسن قریشی، سندھ کے سیاسی طوفان، ص ۱۶۷، مکتبہ اردو، لاہور، پاکستان ۱۹۸۹ء

113. مسعود کھدر پوش، ھاری رپورٹ (آج اور کل) ۳۸

114. الطاف حسن قریشی، سندھ میں سیاسی طوفان، ص ۱۰۷۔ مسعود کھدر پوش، ھاری رپورٹ (آج اور کل) ۴۱

115. ڈاکٹر مبشر حسن، پاکستان کے جعلی حکمران، ص ۱۱

116. وکیل انجم، سیاست کے فرعون، ص ۱۱

117. عقیل عباسی، پاکستان کے سیاسی وڈیرے، ص ۱۲، فرنٹیئر پوسٹ پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۳ء۔ ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ کی روشنی، ص ۳۸، فکشن ہاؤس، لاہور، پاکستان

118. صفدر محمود، پاکستان تاریخ وسیاست، ص ۲۸۳، جنگ پبلشرز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۹ء

119. ڈاکٹر صفدر محمود، پاکستان کیوں ٹوٹا، ص ۱۴، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۷ء

120. اصلاحات اراضی، ۲، محکمہ تعلقات عامہ لاہور

121. انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ص ۱۱۹

122. مسعود کھدر پوش، ھاری رپورٹ (آج اور کل) ۳۷

123. پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال ۱۹۹۱، ص ۱۶۲

124. ایضاً،ص ۱۶۱

125. منہاج (سہ ماہی) اکتوبر ۱۹۸۹ء،۷۵

126. ایضاً

127. محمود احمد، مسئلہ زمین اور اسلام ص ۶۵، ادارہ ثقافت اسلامیہ

128. ایضاً،ص ۱۳۷

129. انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ص ۱۱۹

130. موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمتِ معیشت، ص ۵۸، (اقتصادی پروگرام کمیٹی کی مرتب کردہ رپورٹ) شعبہ نشر و اشاعت، جماعت اسلامی پاکستان، لاہور، پاکستان

131. Dr. Nazir Ahmad, Water Resources of Pakistan and thier utilization, P.134-137

132. Dr. Nazir Ahmad, Water Resources of Pakistan P. 3.11 - 3.12

133. -do- P. 3.14 - 3.15

134. -do- P. 3.14

135. -do- P. 3.17

136. -do- P. 3.17

137. -do- P. 4.50 - 4.51

138. -do- P. 4.54 - 4.56

139. -do- P. 4.67

140. -do- P. 4.63

141. -do- P. 4.71

142. -do- P. 4.51 - 4.54

143. -do- P. 4.63

144. -do- P. 4.63 - 4.64

145. -do- P. 4.60

146. -do- P. 4.70 - 4.73

147. -do- P. 3.10

148. -do- P. 4.34

149. -do- P. 4.4 - 4.44

150. -do- P. 4.40

151. -do- P. 4.34

152. -do- P. 4.44

153. -do- P. 3.15

154. -do- P. 3.15

155. -do- P. 3.10

156. -do- P. 4.24

157. -do- P. 4.26

158. -do- P. 4.10

159. -do- P. 4.10

160. Pakistan 1986, (An official Handout), Directorate of Films and Publications M/O Information And Broad Casting Pakistan, Barqsons Printer Islamabad P.P. 122-123

161. Dr. NaZir Ahmed, Water Resources of Pakistan P. 4.10

162. -do- P. 4.10

163. -do- P. 4.10

164. -do- P. 4.11

165. -do- P. 4.11

166. -do- P.11

167. -do- P. 4.12

168. -do- P. 4.12

-do- P. 4.13

169. -do- P. 4.13

170. Pakistan Past and Present, (A Comprehensive Study Published in Commenmoration the Centenary of the Birth of the Foundor of Pakistan, Stacey International London) P. 201

171. Dr. Nazir Ahmed, Water Resources of Pakistan P. 4.29 - 4.30

172. -do- P. 4.32 - 4.33

173. -do- P. 4.21

174. Major General Anis Ali Syed, Atlas of Pakistan, P. 60

175. -do- P. 71

176. The Frontier Post Peshawar 23.3.91

177. -do- 25.3.91

178. -do- 23.3.91

179. -do- 14.4.91

180. -do- 12.4.91

181. -do- 14.4.91

182. -do- 26.3.91

183. The News Rawalpindi 1.7.91

184۔ روزنامہ جنگ لاہور 25.3.91

185. The Dawn Karachi 26.3.91

186. The Pakistan Times Islamabad 25.3.91

187. The Pakistan Times Islamabad 25.3.91

188. The Frontier Post Peshawar 23.6.94

189. The News Rawalpinid 13.6.94

190. The Muslim Islamabad 4.6.94

191. The News Rawalpindi 5.6.94

192. The Frontier Post Peshawar 11.5.94

193. The Dawn Karachi 8.6.94

194. The Frontier Post Peshawar 3.6.94

195. The News Rawalpindi 9.5.94

196. The Dawn Karachi 27.6.94

باب پنجم

اسلام کا نظام زرعی محاصل اور
پاکستان میں مروج قوانین زرعی ٹیکس

فصل اول: **اسلام کے نظام زرعی محاصل کا تاریخی پس منظر**

اجتماعی کفالت کیلئے رسول اللہ ﷺ کے اقدامات

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن

بیت المال کا قیام

خراج، عشر، مال فئے، خمس، کراء الارض

فصل دوم: **پاکستان میں زرعی آمدنی پر ٹیکس کا جواز یا عدم جواز**

ملکی ضروریات واخراجات اور آمدنی کا شماریاتی جائزہ

زرعی زمین کے مالکان کا مؤقف ومسائل

زرعی محاصل کے طریقے اور شرح

زرعی ٹیکس کے نفاذ کا تاریخی پس منظر

زکوٰۃ واجبہ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا حکومتی استحقاق

فصل سوم: **پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس**

پاکستان میں زرعی ٹیکس کے قوانین کا جائزہ

زکوٰۃ وعشر آرڈیننس 1980ء کا اجراء

فنانس بل 1988ء میں زرعی آمدنی پر ٹیکس کا نفاذ

نیو اکنامک پیکج 1993 کے تحت زرعی اثاثہ جات پر ٹیکس

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 96-1995ء

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 97-1996ء

صوبوں کو زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے کی ہدایت

نیو اکنامک پیکج 1993 کے تحت لگایا جانے والا دوسرا زرعی ٹیکس

مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترک نسبت

فقہائے اسلام کی آراء

فصل اول

اسلام کے نظام زرعی محاصل کا تاریخی پس منظر

اجتماعی کفالت کیلئے رسول اللہ ﷺ کے اقدامات

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن

بیت المال کا قیام

خراج، عشر، مال فئے، خمس، کراء الارض

اسلام کا نظام زرعی محاصل

ہم اسلامی نظام زرعی محاصل (Islamic System of Agricultural Taxation) کا مختصر تاریخی مطالعہ کرتے ہیں۔

بعثت نبوی سے قبل عرب میں ریاست اور حکومت کا وجود نہ تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر با قاعدہ ایک ریاست اور حکومت کی بنیاد رکھی اور عرب کی منتشر قبائلی زندگی کو ایک لظم اور وحدت میں پرو دیا۔ اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد، اجتماعی عدل کا قیام تھا۔ یعنی اللہ کی بندگی کا نظام جس میں اللہ کے بندوں کی فلاح و بہبود کا اہتمام ہو اور معاشرہ ہر قسم کے ظلم و استحصال سے پاک ہو۔ معیشت اور مالیات چونکہ ریاست کا اہم ترین شعبہ ہیں۔ قرآن حکیم نے تو مال کو معاشرے کی بقاء اور قیام کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ ﴿اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا﴾ (1) اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی تمام وسائل معیشت کی تنظیم فرمائی اور لوگوں کو بالفعل معاشی انصاف مہیا کرنے کیلئے فوری اور دیرپا اقدامات کا آغاز کر دیا۔ کیونکہ کوئی بھی مہذب حکومت اپنے مالی مطالبات اور لوگوں کی معاشی ضروریات سے بے خبر اور غافل نہیں رہ سکتی۔ ورنہ معاشرہ میں اقتصادی ناہمواری اور معاشی عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ارتکاز دولت کے دروازے بند کر کے معاشی انصاف اور اقتصادی خوشحالی کی طرف قدم بڑھائے۔ جس کے نتیجہ میں بہت مختصر عرصہ میں مدینہ کی ریاست ایک فلاحی اور خوشحال ریاست بن گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ابتداءً لوگوں کی ذہنی طور پر صدقہ و خیرات اور انفاق کیلئے تیار کیا اور پھر قانونی ضابطہ بندی کے ذریعہ گردش دولت کا اہتمام فرمایا۔ زکوٰۃ کا فرض ہونا اسی قانونی ضابطہ بندی کا اظہار ہے۔

اسلام کے نظام زرعی محاصل کا مختصر تاریخی مطالعہ:

تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو عرب معاشرے میں ٹیکس وغیرہ کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوتی تھوڑی بہت معلومات ملتی ہیں جو یہاں درج کیجاتی ہیں۔

مکہ میں لوگوں سے ٹیکس وصول کر کے حجاج کی خدمت اور ضیافت پر خرچ کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے دادا قصی بن کلاب، قریش سے رقم وصول کر کے یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ (2) قبیلوں کے سردار بھی اپنے اپنے قبیلوں سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ (3) لیکن اس کی شرح اور مصارف کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوتی۔ یثرب میں قبل از اسلام کسی قسم کے ٹیکس وصول کئے جانے کی کوئی شہادت نہیں مل سکی۔ قیاس ہے کہ وہاں بھی ٹیکس کی کوئی نہ کوئی صورت عائد رہی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نظام معطل ہوگیا ہو۔ کیونکہ یثرب میں یہودی آباد تھے

اوران کی شریعت میں لازمی مالی فریضے کا واضح تصور موجود ہے یہ الگ بات ہے کہ یہودی اس پر عمل پیرا نہ تھے۔ یہودیوں پر زکوۃ فرض کئے جانے کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔(4) تورات میں پھلدار درختوں، پھل اور کھیت وکھلیان پر زکوۃ کا حکم موجود ہے۔(5) لیکن زکوۃ کو جمع کرنے اور تقسیم کرنے کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوتی اور نہ ہی یثر بی یہودیوں میں کوئی مثال نظر آتی ہے۔بہر حال یہ تو ثابت ہے کہ قبل از اسلام یثرب کے لوگ صدقہ وخیرات کے تصور سے آشنا تھے۔

زکوۃ کے لغوی معانی میں تطہیر اور تزکیہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔اس میں اخلاقی عنصر زیادہ ہے۔غریبوں کی مدد کرنا محتاجوں اور ضرورت مندوں کا ہاتھ بٹانا محروم لوگوں کی مالی امداد کرنا، ایک جذبہ خیر کے مختلف مظاہر ہیں مکہ میں زکوۃ کی یہی صورت تھی۔ارشادِ ربانی ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ O اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ O وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ O وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ O﴾(6)

مکی سورتوں میں زکوۃ کا ذکر اسی بات کی نشاندہی کرتا ہے مکہ میں مسلمان زکوۃ سے آشنا تھے اور اسے ایک رضا کارانہ چیز سمجھ کر اس پر عمل بھی کرتے ہونگے۔مثال کے طور پر حضرت جعفر طیارؓ کی نجاشی کے دربار میں تقریر کا ایک جملہ یہ بھی تھا۔ ''وہ محترم نبی ﷺ ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔''(7)

حضرت جعفر طیار نے یہ تقریر ہجرت حبشہ کے وقت کی تھی یعنی قیام مکہ کے دوران مسلمان، زکوۃ کے فریضہ سے آگاہ تھے لیکن یہ فریضہ رضا کارانہ اور غیر معین تھا۔

مدینہ منورہ کے ابتدائی سالوں میں بھی زکوۃ ایک رضا کارانہ فعل تھی۔بقول ڈاکٹر حمید اللہ مدینہ میں ابتدا زکوۃ ایک خیرات، رضا کارانہ چیز اور غیر معین فریضہ تھی۔(8) گویا مکی زندگی میں اور مدنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں طبیعتوں کو اس مالی فریضہ کی ادائیگی کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔صدقہ فطر ۲ ہجری میں واجب قرار دیا گیا(9) اور زکوۃ ۸ ہجری میں فرض ہوئی اور ۹ ہجری میں آپ ﷺ نے محصلین زکوۃ کا تقرر فرمایا۔(10)

اجتماعی کفالت کیلئے رسول اللہ ﷺ کے اقدامات:

اسلامی معیشت کا اہم ترین اصول اجتماعی کفالت ہے۔اسلامی حکومت نادار، غریب اور محدود الوسائل لوگوں کی مالی کفالت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔اس لئے آپ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد فوراً اس طرف توجہ دلائی۔آپ ﷺ کے اقدامات کی تفصیل کو چار نکات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین وترغیب مکی زندگی ہی میں شروع کر دی گئی تھی۔ یہ سلسلہ ہجرت مدینہ کے بعد بھی جاری رہا۔سورۃ البقرہ جو مدنی زندگی کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی میں فرمایا گیا۔

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾

ترجمہ: ''یہ لوگ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کونسا مال خرچ کریں کہہ دیجئے جو تمھاری ضرورت سے زائد ہو۔'' (11)

سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں بھی متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے ایمان اور نماز کے بعد انفاق کا ذکر ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (12)

قرآن حکیم میں ۵۹ مقامات پر لفظ انفاق کے ساتھ مال خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کی اہمیت وفضیلت بیان ہوئی ہے۔دیگر الفاظ کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم جن مقامات پر ہوا ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ قرآن حکیم میں بتکرار انفاق کے ذکر کا مقصد یہ تھا کہ باہمی کفالت کا جذبہ بیدار ہو جائے اور ایک تحریک کی صورت اختیار کر لے اور معاشرے کے افراد ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے رہیں۔

رضا کارانہ صدقہ وخیرات:

آپ ﷺ نے لوگوں میں رضا کارانہ صدقہ وخیرات کا جذبہ پیدا کیا۔اس کا نتیجہ تھا کہ تمام لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔نادار مہاجرین اور اصحاب صفہ کے نفقہ کا انتظام انصار مدینہ فرض سمجھ کر کرتے تھے۔لوگ مسجد نبوی میں کھجوروں کا ڈھیر لگا دیتے تھے اور آپ ﷺ ان کو ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔(13)

صدقہ فطر:

۲ ہجری میں مسلمانوں پر صدقہ فطر واجب قرار دیا گیا یہ پہلا مالی فریضہ تھا جس کی حیثیت رضا کارانہ نہ تھی۔عیدالفطر کی نماز سے قبل اس کا ادا کرنا فرض ہے۔یہ مال پر نہیں بلکہ افراد پر عائد کیا گیا تھا۔اس کی شرح درج ذیل احادیث میں بیان ہوئی ہے۔

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ

تَمْرٍعَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ))

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام پر صدقہ فطر ادا کرنا فرض قرار دیا ہے۔''(14)

حضرت ابن عمرؓ سے دوسری روایت ہے۔

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ))

ترجمہ: ''بے شک نبی کریم ﷺ نے نماز کیلئے نکلنے سے قبل فطرانہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔''(15)

دونوں احادیث کو ملا کر پڑھیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ (۱) صدقہ فطر واجب ہے (۲) یہ مال پر نہیں بلکہ افراد پر عائد کیا گیا ہے۔(۳) اس کی شرح ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور فی کس ہے۔ (۴) صدقہ فطر کا عید الفطر سے قبل ادا کرنا ضروری ہے۔

ترمذی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب صدقہ فطر واجب ہوا تو اسکی منادی کوچہ و بازار میں کروائی گئی۔(16) صدقہ فطر کی شرح زکوۃ سے مختلف ہے لیکن اس کے مصارف وہی ہیں جو زکوۃ کیلئے مقرر کئے گئے ہیں دونوں کے مقاصد ایک ہیں۔

فرضیت زکوۃ:

زکوۃ اسلام کے نظام مالیات کا اہم ترین ستون ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے تیسرا اہم رکن ہے۔ زکوۃ ۸ ہجری میں فرض ہوئی۔ قرآن مجید میں زکوۃ سے متعلق احکامات کو تیس مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے۔ جن میں سے اٹھائیس مقامات پر نماز کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ لفظ صدقہ کے ساتھ زکوۃ کا ذکر قرآن مجید میں بارہ مقامات پر کیا گیا ہے۔ صرف صحیح بخاری میں زکوۃ وعشر اور صدقہ فطر کی فرضیت اور متعلقہ احکام سے متعلق ایک سو گیارہ احادیث بیان ہوئی ہیں۔ احادیث کی دوسری کتب میں روایات، اس کے علاوہ ہیں۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾

ترجمہ: ''ان کے اموال سے زکوۃ وصول کریں اور اسطرح ان کو پاک و صاف کریں۔''(17)

رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کو اسلام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ أَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدٌ ارَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکَاۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))

ترجمہ: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' شہادت دنیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوۃ دینا' حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' (18)

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث زکوۃ نہ دینے کا انجام بیان کرتی ہے۔

((ما منع قوم الزکوٰۃ الا ابتلا ھم اللّٰہ بالسنین))

ترجمہ: ''جس قوم نے بھی زکوۃ دینا بند کردی اللہ تعالی نے اُسے قحط وگرانی میں مبتلا کر دیا۔''(19)

رسول اللہ ﷺ نے فرضیت زکوۃ کے ساتھ ہی اسکی تمام تفصیلات' شرح نصاب وغیرہ طے کرکے تمام عرب میں نافذ کردیا۔ اس کو جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے اصول واضح کرکے عاملین زکوۃ کو مختلف علاقوں میں تعینات کر دیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر اور محصل زکوۃ بنا کر بھیجا تو زکوۃ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اسکی تقسیم کا اصول بھی بیان فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((فَأَعْلِمْھُمْ أَنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً فِیْ أَمْوَالِھِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِیَائِھِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ))

ترجمہ: ''ان کو (اہل یمن) کو آگاہ کردیں کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کردی ہے جو ان کے مالداروں سے وصول کی جائیگی اور ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائیگی۔''(20)

آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء نے اس فریضہ کی وصولی اور تقسیم کا کام جاری رکھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں کچھ قبیلوں نے زکوۃ دینے سے انکار کردیا تو انہوں نے بزور شمشیر زکوۃ وصول کی اور منکرین زکوۃ سے قتال کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے الفاظ تھے۔

وَاللّٰہِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکَاۃِ فَإِنَّ الزَّکَاۃِ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰہِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا کَانُوا یُؤَدُّوْ نَھَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَقَاتَلْتُھُمْ عَلٰی مَنْعِھَا

ترجمہ: ''اللہ کی قسم میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جس نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا۔ پس بے شک زکوۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے ایک رسی بھی دینا بند کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال کرونگا۔''(21)

چنانچہ آپ ﷺ نے جہاد وقتال کیا اور منکرین زکوۃ کو زکوۃ دینے پر مجبور کیا۔ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ زکوۃ کے منکرین کے خلاف قتال کرے۔ ((جو شخص طلب اجر کیلئے زکوۃ دیدے تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور جو شخص اپنی زکوۃ روک دے تو ہم اس سے زکوۃ بھی وصول کریں گے اور اس کے مال کا آدھا حصہ بھی لے لیں گے۔ (جس مال کی زکوۃ اس نے روکی تھی)) (22)

خلاصہ یہ کہ زکوۃ ایک فریضہ ہے جس کو جمع وتقسیم حکومت کا فرض ہے۔ یہ جس علاقہ کے امراء سے وصول کی جائیگی اسی علاقہ کے غرباء میں تقسیم کی جائیگی۔ اگر کوئی فرد یا گروہ زکوۃ دینے سے انکار کردے تو اسلامی حکومت اس کے خلاف قتال کریگی۔ اگر کوئی فرد اپنی زکوۃ روک لے یا چھپالے تو سرکاری کارندے مالی تعزیر کے طور پر اس سے زکوۃ بھی وصول کریں گے اور جس مال کی زکوۃ روکی گئی تھی اس کا نصف بھی وصول کیا جائیگا۔

اموال زکوۃ کی تفصیل:

اسلام نے جن اموال پر زکوۃ عائد کی ہے اس کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ (23)

۱۔ اموال باطنہ:۔ نقد روپیہ، سونا چاندی اور سامان تجارت وغیرہ

۲۔ اموال ظاہرہ:۔ کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور مویشی وغیرہ

اموال باطنہ اور اموال ظاہرہ کی تقسیم درج ذیل آیت سے ماخوذ ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمھارے لیے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے اللہ راہ میں بھی خرچ کرو۔'' (24)

امام ابوبکر الجصاصؒ کے بقول یہ حکم زمین کی پیداوار کو بھی شامل ہے، یہاں **أَنْفِقُوا** سے مراد زکوۃ ادا کرنا ہے۔ امام قرطبیؒ کے مطابق ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ سے مراد زمین کی پیداوار کی زکوۃ ہے۔ (25) اموال باطنہ ہوں یا اموال ظاہرہ، دونوں پر عائد فریضہ کو زکوۃ ہی کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی رو سے اموال زکوۃ کی تقسیم اس طرح ہوگی۔

۱۔ زمینی پیداوار کی زکوۃ:

اسے کھیتوں اور باغات کی پیداوار کا عشر بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے۔

((عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ سَنَّ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرَ وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفَ الْعُشْرِ))

ترجمہ: ''حضرت سالم اپنے والد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس زمین کی آبپاشی بارش اور چشموں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ بطور عشر لیا جائے اور جو کنوئیں سے پانی کھینچ کر سیراب ہو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ (نصف عشر) لیا جائے۔''(26)

عشر کی مزید وضاحت امام ابو یوسفؒ نے یوں فرمائی۔''عشر زمینی پیداوار کی زکوۃ ہوتی ہے۔یہ وہ حصہ مقررہ ہے جو زکوۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔اور فصل کٹنے پر پیداوار میں سے ہی لیا جاتا ہے۔''(27)

۲۔ نقدی سونا چاندی پر زکوۃ:

نقدی اور سونا چاندی کو اموال باطنہ کہتے ہیں۔ان پر چالیسواں حصہ زکوۃ ہے۔(28)

۳۔ سائمہ جانوروں کی زکوۃ:

اسلام نے تمام جانوروں پر زکوۃ عائد نہیں کی۔صرف ایسے جانوروں پر زکوۃ عائد کی ہے جو سرمایہ اور دولت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اکثر سال بھر جنگل کی گھاس کھا کر گذارہ کرتے ہیں۔کھیتی باڑی کے کام آنے والے جانوروں یا روزگار کے دیگر کاموں میں کام آنے والے جانوروں پر زکوۃ نہیں ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

((عن ابی ذر قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول فی الابل صدقتھا وفی الغنم صدقتھا و فی البز صدقتہ)) (29)

ترجمہ: ''حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹوں میں زکوۃ ہے۔ بھیڑ بکریوں میں زکوۃ ہے۔تجارت کے کپڑے میں زکوۃ ہے۔''

۴۔ سبزیوں پر زکوۃ:

رسول اللہ ﷺ نے سبزیوں پر زکوۃ معاف کر دی تھی۔کیونکہ اس زمانے میں صرف گھریلو استعمال کیلئے سبزیاں اگائی جاتی تھیں۔اب صورتحال یہ ہے کہ سبزیوں کی زراعت اور تجارت انتہائی منافع بخش ہے۔فصلوں کی نسبت سبزیاں کاشت کرنے والے زیادہ کمار ہے ہیں اسلئے مناسب ہوگا کہ ان پر عشر عائد کیا جائے۔امام ابو حنیفہؒ ہر قسم کی سبزیوں پر زکوۃ کے قائل ہیں۔جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سبزیوں پر زکوۃ کے قائل نہیں ہیں۔ (30)

موجودہ دور میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ صاحبین جس دور اور مقام کی بات کرتے ہیں وہاں لوگ صرف گھریلو استعمال کیلئے سبزیاں کاشت کرتے ہوں لیکن موجودہ دور میں تو یہ ایک بہت

بڑا تجارتی اور نفع بخش کاروبار بن چکا ہے۔

زکوۃ وصول کرنے کیلئے صحابہ کرامؓ کو بھیجتے تو انہیں تاکید فرماتے کہ کل پیداوار کا اندازہ لگا کر اس میں سے ایک تہائی ایک چوتھائی چھوڑ دیں۔اور باقی کا عشر وصول کر لیں۔حضرت سہلؓ بن ابی خثمہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ((جب تم فصل کی پیداوار کا اندازہ کرنے لگو تو ۱/۳ چھوڑ دیا کرو، اگر ۱/۳ نہ چھوڑو تو ۱/۴ چھوڑ دیا کرو)) (31)

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کسان اور کاشتکار کی سہولت کو پیش نظر رکھتے تھے۔آپ ﷺ جانتے تھے کہ فصل کے کٹنے پر کسان کے بچے، مہمان یا راہ گیر کچھ کھا سکتے ہیں۔ پیداوار کو کھیت سے گھر اور زائد ضرورت کو منڈی پہنچانے کے دوران بھی پھلوں یا اناج وغیرہ کا کچھ حصہ ضائع ہو سکتا ہے۔اس لئے آپ ﷺ نے چھوٹ کا اصول رائج فرمایا۔

۵۔ مویشیوں پر زکوۃ:

رسول اللہ ﷺ نے جنگل میں چرنے والے پالتو مویشی جن کو کسی شخص کی ملکیت میں رہتے ہوئے ایک سال گزر جائے پر زکوۃ عائد فرمائی ہے۔البتہ کھیتی باڑی میں کام آنے والے جانوروں پر کوئی زکوۃ نہیں ہے۔کیونکہ کھیت کی پیداوار پر جو عشر لاگو ہوتا ہے۔اس میں کام کرنے والے جانوروں کی زکوۃ بھی شامل ہوتی ہے

نصاب: جانوروں کیلئے درج ذیل نصاب مقرر کیا گیا ہے۔(33)

اونٹوں کا نصاب ۔۔۔۔۔۵ اونٹ

بھیڑ بکریوں کا نصاب ۔۔۔۔۔۔۴۰ بکریاں یا ۴۰ بھیڑیں

گائے اور بھینس کا نصاب ۔۔۔۳۰ گائے یا ۳۰ بھینس

شرح: اونٹوں پر زکوۃ کا جدول (34)

تعداد اونٹ	زکوۃ	تعداد اونٹ	زکوۃ
۱ تا ۴	کچھ نہیں	۴۶ تا ۶۰	اونٹ کا تین سالہ بچہ (حقہ)
۵ تا ۹	ایک بکری	۶۱ تا ۷۵	اونٹ کا چار سالہ بچہ (جزعہ)
۱۰ تا ۱۴	دو بکری	۷۶ تا ۹۰	اونٹ کے دو، دو سالہ بچے
۱۵ تا ۱۹	تین بکری	۹۱ تا ۱۲۰	اونٹ کے تین سالہ دو بچے
۲۰ تا ۲۴	چار بکریاں	۱۲۰ کے بعد ہر چالیس پر	اونٹ کا دو سالہ ایک بچہ

۲۵ تا ۳۵	بنتِ مخاض اونٹ کاایک سالہ بچہ	۱۲۰کے بعد ہر پچاس پر	اونٹ کا تین سالہ ایک بچہ
۳٦ تا ۴۵	اونٹ کادو سالہ بچہ(لبون)		

بکریوں کی زکوۃ کاجدول

تعدادبھیڑبکری	زکوۃ
۱تا۳۹	کوئی زکوۃ نہیں
۴۰تا۱۲۰	ایک بکری
۱۲۰تا۲۰۰	دوبکریاں
۲۰۱تا۳۰۰	تین بکریاں

تین سو کے بعد ہر سو پر ایک بکری زکوۃ واجب ہے۔

گائے بھینس کی زکوۃ کاجدول (35)

تعدادگائے	زکوۃ	تعدادگائے وغیرہ	زکوۃ
۱تا۲۹	کوئی زکوۃ نہیں	۷۰پر	تین سالہ ایک بچھرا،دوسالہ ایک بچھڑا
۳۰پر	دوسالہ ایک بچھڑا	۸۰پر	تین سالہ دوبچھڑے
۴۰پر	تین سالہ ایک بچھڑا	۹۰پر	دوسالہ تین بچھڑے
٦۰پر	دوسالہ دوبچھڑے	۱۰۰پر	دوسالہ دوبچھڑے،تین سالہ ایک بچھڑا

جانوروں پر زکوۃ عائد کرنا اورانہی میں سے زکوۃ کے جدول مقرر کرنا ایک انتہائی ترقی پسندانہ کام تھا۔ زراعت پیشہ لوگوں کی مشکلات کو بھی پیش نظر رکھا اوراجتماعی کفالت کا سامان بھی کر دیا گیا۔رسول اللہﷺ نے کھیتی باڑی میں کام آنے والے جانوروں کو زکوۃ سے مستثنٰی قرار دیکر زراعت کی ترقی کیلئے اہم قدم اٹھایا۔آپﷺ کی پالیسی کو سامنے رکھتے ہوئے (موجودہ دور میں جبکہ مشینی کاشت عام ہوگئی ہے ٹریکٹر،ہارویسٹر،مشینی ہل اورسپرے مشینیں استعمال ہورہی ہیں) یہ اصول اپنایا جا سکتا ہے کہ کسی زمیندار کی ذاتی زمینوں پر استعمال ہونے والی اس کی ذاتی مشینوں کو زکوۃ سے مستثنٰی قرار دیدیا جائے لیکن اگر وہ کرایہ پر بھی استعمال ہوں تو ان کی مالیت کا اندازہ لگا کران پر زکوۃ عائد کردی جائے۔

مصارف زکوۃ:

سورۃ توبہ میں مصارف زکوۃ بیان ہوئے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

ترجمہ: ''صدقات یعنی زکوۃ مفلسوں،محتاجوں،کارکنان صدقات کا حق ہے اور جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کیلئے مقرر ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فریضہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''(36)

فقیر: فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور وہ مال اس کی ضروریات پوری نہ کرے۔(37) جس کے پاس کچھ نہ ہو۔فقیر کی تعریف میں مہاجرین کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔(38)

مسکین: مسکین وہ شخص جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور وہ فقیر سے زیادہ محتاج ہو۔(39) مسکین کی حالت فقیر سے بدتر ہوتی ہے۔(40) آئمہ کی رائے ہے کہ فقرا ءو مساکین کو اسقدر دینا چاہیے کہ وہ غربت کی حالت سے نکل کر خوشحالی کی ابتدائی منزل پر پہنچ جائیں۔(41)

عاملین: عاملین وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کی تحصیل اور تقسیم عمل میں لاتے ہیں۔الماوردی کہتے ہیں کہ ان کی تنخواہیں نکال کر جو بچ رہے وہ مستحقین میں تقسیم کردیا جائے۔(42)

مؤلفۃ القلوب: جو لوگ نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں ان کی مالی امداد کرنا تاکہ وہ اپنے اسلام میں پختہ ہو جائیں۔موجودہ دور میں اس مد کو جاری ہونا چاہیے تاکہ کمزور و پریشان مسلمانوں کی مدد کی جاسکے اور غیر مسلموں کو ترغیب ہو۔

الرقاب: غلام آزاد کروانے میں بھی زکوۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔امام مالکؒ کے مطابق غلام خود خرید کر آزاد کئے جائیں۔ان کو رقم نہ دی جائے۔(43) جدید فقہاء کی رائے ہے کہ اس مد سے مسلمان قیدیوں کو آزاد کروانے کیلئے بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔(44)

غارمین: قرض دار،مقروض،غارم سے مراد ہے کہ وہ مقروض جو اپنی ذاتی جائز ضروریات کیلئے قرض لیتے ہیں۔ غارم وہ شخص ہے جو اپنا قرض ادا نہ کر سکے۔(45)

فی سبیل اللہ: فی سبیل اللہ سے مراد دفاع اسلام اور جہاد پر خرچ کرنا ہے۔اس میں سپاہیوں کی تنخواہ، اسلحہ کی خرید اور دیگر تمام فوجی ضروریات آجاتی ہیں۔(46)

ابن السبیل: اس سے مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس زادراہ نہ ہوان کو صرف اس قدر دیا جائے کہ وہ سفر میں کفایت کرے۔(47) سید قطبؒ ابن السبیل میں آجکل کے مہاجرین کو بھی شامل کرتے ہیں جو جنگ غارت گری اور ظلم وجود کے باعث بے گھر ہو جائیں۔(48)

الماوردی لکھتے ہیں کہ زکوۃ کی تقسیم کا حکم اللہ نے خود دیا ہے اس لئے اس کی تقسیم واجب ہے۔(49)

اسلام میں زکوۃ کا اولین مقصد کفالت عامہ اور ارتکاز دولت کا سدباب ہے۔اسلامی معاشرہ میں ہر شہری کی بنیادی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اور معاشرے کے پورے ڈھانچے میں افراد کے درمیان غیر فطری تفاوت نہیں ہوتا۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

((ایما اھل قریۃ اصبح فیھم امرؤ جائعا قد برئت منھم ذمۃ اللّٰہ))

ترجمہ: ''جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت ونگرانی اٹھ جاتی ہے۔''(50)

زکوۃ اور عشر کی شرح مختلف ہے لیکن مصارف ایک ہی ہیں۔

محصلین زکوۃ کا تقرر:

رسول اللہ ﷺ نے یکم محرم ۹ ہجری سے زکوۃ و جزیہ وصول کرنے کیلئے محصلین مقرر فرمائے۔ ہر قبیلہ اور ہر علاقہ کے لئے الگ محصل تھا۔یہ لوگ علاقہ کا دورہ کر کے زکوۃ جمع کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کو پیش کر دیتے تھے۔

عام طور پر مختلف قبائل کے روسا ہی ان کے محصلین مقرر کئے جاتے تھے کیونکہ وہ املاک واشخاص سے واقف ہوتے تھے اور ان کیلئے زکوۃ وصول کرنا آسان ہوتا تھا۔(51)

محصلین کے تقرری کے اصول:

مختلف علاقوں اور قبیلوں کیلئے جو محصلین مقرر کئے گئے ان کے تقرر میں درج ذیل اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا۔

- ☆ تقرری میں اہلیت، دیانت اور تقویٰ کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔یہ تقرری کی بنیاد ہوتا تھا۔
- ☆ جو عہدے کا خواہش مند ہوا سے عہدہ نہیں دیا جاتا تھا۔(52)

☆ زکوۃ کی وصولی کیلئے بعض اوقات دو دو آدمی بھی مقرر کیئے گئے جن میں سے ایک کا تعلق لازمی طور پر متعلقہ قبیلے سے ہونا تھا۔ایک کے ذمہ انتظامی معاملات ہوتے تھے اور دوسرے کے ذمہ مالی امور۔

☆ بعض اوقات ایک ہی آدمی کو انتظامی و مالی امور سونپ دیئے جاتے تھے۔اس کے علاوہ قضاۃ اور تعلیمی خدمات بھی سپرد کرنے کی مثال ملتی ہے جیسے یمن میں حضرت معاذؓ بن جبل کو مقرر کیا گیا تھا۔(53)

☆ آپ ﷺ نے اپنے خاندان سے کوئی محصل مقرر نہیں فرمایا۔ربیعہ بن حارثؓ اور فضل بن عباسؓ اس بات کے خواہش مند تھے کہ ان کو عامل مقرر کر دیا جائے لیکن آپ ﷺ نے ان کا تقرر نہیں فرمایا۔

محصلین کی تنخواہ اور وظائف:

مدنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں انفاق و زکوۃ ایک رضا کارانہ فعل تھا اور اس کی تحصیل و تقسیم بھی کار خیر سمجھ کر کیجاتی تھی۔فتح مکہ ۸ ہجری کے بعد سورۃ توبہ میں زکوۃ کی فرضیت کا قطعی حکم نازل ہوا تو آپ نے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں تحصیلدار مقرر فرمائے تاکہ وہ زکوۃ و عشر وصول کریں۔سورۃ توبہ میں مصارف زکوۃ بھی بیان کر دیئے گئے ہیں جن میں ایک مد عاملین زکوۃ کی تنخواہ کے بارے میں ہے۔آپ ﷺ نے اس حکم کے نزول کے بعد عاملین کے وظائف اور تنخوائیں مقرر فرمائیں۔تنخواہوں اور وظائف کی مقدار کا تو پتہ نہیں چل سکا لیکن یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وظائف ایک قسم کا گزارہ الاؤنس تھے کوئی بھاری بھر کم قسم کی تنخواہیں نہ تھیں۔

صحیح بخاری میں دو روایات بیان ہوئی ہیں جن میں تنخواہوں کے تعین کے بارے میں اصول بیان کئے گئے ہیں۔ایک حدیث ہے۔

> ((جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے۔اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم رکھنے کا معاوضہ لے۔اگر ذاتی مکان نہ ہو تو مکان کا کرایہ لے اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو خائن ہو گا))(54)

دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

> ((جس شخص کو ہم کسی کام پر مقرر کریں اور اسے معاوضہ دیں تو وہ اس کے باوجود کسی سے کچھ لیتا ہے تو وہ خیانت کرتا ہے۔))(55)

خلاصہ یہ کہ محصلین کو تنخواہ اور معاوضہ دیا جاتا تھا لیکن یہ صرف اتنا ہوتا تھا کہ زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔

محصلین زکوۃ کو ہدایات:

رسول اللہ ﷺ محصلین کا تقرر فرماتے تو ان کو چند ہدایات و احکامات کا پابند بنا کر متعلقہ علاقے یا قبیلے میں بھیجتے تھے۔ہدایات عام طور پر اس قسم کی ہوتی تھیں۔

۱۔ عاملین زکوۃ کو ہدایت کی گئی کہ وہ خود موقع پر جا کر زکوۃ وصول کریں اور لوگوں کو اس بات کا پابند نہ بنائیں کہ وہ خود حاضر ہو کر زکوۃ دیں۔(56) اس سے دوہرا فائدہ ہوا لوگوں کو سہولت ملی اور محصل کے خود جانے سے پوری زکوۃ وصول ہو جاتی تھی۔محصل خود جانوروں وغیرہ کی گنتی کر لیتا تھا۔

۲۔ محصلین کو سختی سے حکم تھا کہ وہ لوگوں سے زکوۃ کے علاوہ کچھ نہ لیں اور ان کا اچھا مال چھانٹ کر نہ لیں۔(57) اس حکم پر اس سختی سے عمل کیا گیا کہ لوگ بخوشی زکوۃ کیلئے اپنا اچھا مال پیش کرتے تھے۔لیکن محصلین وصولی سے معذرت کر لیتے تھے۔حضرت سویدؓ بن غفلہ کہتے ہیں کہ میرے پاس آپ ﷺ کا محصل آیا اور اسے ایک کوہان دار فربہ اونٹنی بطور زکوۃ پیش کی گئی لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا۔(58)

۳۔ رسول اللہ ﷺ محصلین پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اور ان کا سخت احتساب کرتے تھے۔ایک دفعہ حضرت عبداللہ بنؓ اللتبیہ،قبیلہ بنو ذبیان کا مال زکوۃ لیکر حاضر ہوئے اور دو الگ الگ مال آپ کے سامنے رکھ دیئے اور بتایا کہ یہ مال زکوۃ ہے اور یہ میرے تحائف ہیں۔آپ ﷺ نے سختی سے منع کر دیا اور تحائف بیت المال میں جمع کر دیئے نیز اعلان فرمایا کہ((ھدایا الامراء غلول (امراء کیلئے ہدایا وصول کرنا رشوت ہے۔)) (59)

۴۔ زکوۃ کی وصولی کے سلسلہ میں آپ ﷺ کسی نرمی کے قائل نہ تھے۔محصلین کو بھی اس تیسرے رکن اسلام کی اہمیت کا احساس دلاتے رہتے تھے۔نیز آپ ﷺ نے قبائلی سرداروں اور اغنیاء کو فرمان جاری کئے کہ وہ محصلین سے تعاون کریں اور پوری پوری زکوۃ ادا کریں۔

۹ ہجری اور اس سے قبل جو وفود اسلام لائے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کو تحریری احکامات دیئے گئے کہ اسلامی ریاست،اس وقت تک تمہاری حفاظت کی ذمہ دار ہے جب تک تم نماز قائم کرو گے اور زکوۃ ادا کرو گے۔(60)

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن:

رسول اللہ ﷺ نے جزیرۃ العرب کی تاریخ میں پہلی بار ایک باضابطہ اور منظم حکومت قائم فرمائی۔ایک اچھی حکومت کی اولین ترجیح ایک اچھے مالیاتی نظام کا قیام ہوتا ہے۔آپ ﷺ اس حقیقت سے آگاہ تھے چنانچہ مدینہ میں

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی مالیاتی شعبہ کی تنظیم کیلئے اقدامات کئے گئے۔

بیت المال کا قیام:

رسول اللہ ﷺ انفاق و زکوۃ، غنائم و فئے اور دیگر صدقات جمع فرماتے اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرماتے تھے۔اس کیلئے آپ ﷺ نے بیت المال قائم فرمایا۔ابتداء میں اس کیلئے کوئی عمارت قائم نہ کی گئی بلکہ مسجد نبوی ﷺ میں ہی بیت المال قائم رہا لیکن جلد ہی ایک کمرہ کو بیت المال کی شکل دیدی گئی اور اس کا ایک انچارج مقرر کر دیا گیا۔(61)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ عہد رسول اور عہد ابو بکرؓ میں بیت المال کی کوئی الگ عمارت نہ تھی بلکہ صدقات و انفاق و دیگر اموال سرکار مسجد نبوی میں لائے جاتے تھے اور وہیں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔(62) لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد جاہلیت میں لوگ بیت المال کے نام سے واقف نہ تھے ہو سکتا ہے کہ ابتدائی مدنی زندگی میں بیت المال کیلئے کوئی الگ عمارت قائم نہ کی گئی ہو لیکن بنی نضیر کے اخراج اور خیبر و فدک کی فتوحات کے بعد بہت سا مال آنے لگا تھا۔فتح مکہ کے بعد پورا جزیرۃ العرب مغلوب ہو چکا تھا۔عرب کے طول و عرض سے مختلف وفود قبول اسلام کیلئے حاضر ہونے لگے تھے۔آپ ﷺ ان وفود کو تحائف اور سفر خرچ وغیرہ دیا کرتے تھے۔(63) ایسی صورت میں یہ بات قرین قیاس نہیں کہ اتنی بڑی سلطنت اور نظام کو چلانے کیلئے بیت المال نہ ہو اور اس کیلئے کوئی سرکاری عمارت نہ ہو۔حقیقت یہ ہے کہ مسجد نبوی سے متصل ایک کمرہ بیت المال کا کام دیتا تھا۔اور اس میں سرکاری اموال واجناس رکھے جاتے تھے۔اور حضرت بلالؓ اس کی نگرانی کرتے تھے۔اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو علامہ ابن قیمؒ نے نقل کی ہے۔((کان بلال علیٰ نفقاتہ.(حضرت بلالؓ آپ ﷺ کے اخراجات کے نگران تھے۔))

بیت المال کے ذرائع آمدن:

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ذرائع آمدن درج ذیل تھے۔

۱۔ زکوۃ ۲۔ زمینی پیداوار کا عشر ۳۔ مال غنیمت کا خمس

۴۔ اوقاف ۵۔ صدقات نافلہ ۶۔ مال فئے

۷۔ جزیہ ۸۔ خراج: آخیر زمانہ میں عمان و بحرین کی زمینوں سے آتا تھا۔(64)

اسلام کی مالیاتی پالیسی کا مقصد، اجتماعی کفالت کا بندوبست، ارتکاز دولت کا سدباب اور حکومت کے دفاعی و انتظامی اخراجات کا انتظام تھا۔بیت المال نے ان مقاصد کے حصول کیلئے مرکزی کردار ادا کیا۔اس کی بنیاد رسول

اللہﷺ نے رکھی اوراس کے اندر وسعت و کاملیت حضرت عمرؓ نے پیدا کی ۔کیونکہ حضرت عمرؓ کا دور آپﷺ کی پالیسیوں کی تکمیل کا عہد ہے ۔(65)

بیت المال کے اخراجات:

عہدنبوی میں اخراجات کی دو قسمیں تھیں ۔

۱۔ وہ ذرائع آمدن جس کے مصارف قرآن حکیم نے مقرر فرما دیئے تھے ۔مثلاً زکوۃ کے آٹھ مصارف اور غنائم کے خمس کی پانچ مدات ان کو آپﷺ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق خرچ کرتے تھے ۔

۲۔ دوسری قسم کے اموال وہ تھے جن کا خرچ کرنا آپﷺ کی صوابدیدہ پر تھا۔مثلاً اموال فئے صدقات نافلہ، اوقاف، جزیہ اور خراج وغیرہ ۔آپﷺ امت کے مصالح کے پیش نظر جہاں مناسب سمجھتے تھے خرچ فرماتے تھے ۔(66)

نبی کریمﷺ کے مبارک زمانہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں بیت المال کے ذرائع آمدنی میں زمینوں کی پیداوار اور زمینوں سے ہونے والی درج ذیل آمدنیاں شامل رہیں۔ خراج،عشر، مال فئے، کراء الارض (الاقطاع) خمس،لگان اجارہ اور جنگلات کی آمدنی۔ ان ذرائع آمدنی کی مختصر وضاحت کچھ یوں ہے۔

خراج:

اسلامی ریاست کی دیگر آمدنیوں میں سے ایک اہم ذریعہ آمدنی خراج ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے اوراس کا ادا کرنا بالاجتہاد واجب ہے ۔یہ ٹیکس چونکہ خراجی زمینوں سے وصول کیا جاتا ہے اس لئے خراجی زمینوں کی وضاحت بھی ضروری ہے ۔خراجی زمینیں درج ذیل ہیں ۔

وہ زمینیں جنہیں مجاہدین اسلام نے بزور شمشیر فتح کیا ہو یا یہ زمینیں خراج کی غرض سے ذمیوں کو کھیتی باڑی کے واسطے دے دی جائیں مثلاً سوادعراق ومصر

ان کافروں کی زمین جنہوں نے خراج کی شرط پر مسلمانوں سے صلح کی ہو۔

☆ وہ زمینیں جو مسلمانوں نے ذمی یا کافر سے خریدی ہوں ۔

☆ جو زمینیں خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہوں۔

خراجی پانی کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ان تمام نہروں کا پانی خراجی ہے جن کو کافروں نے کھدوایا ہو اور پھر وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ

گئی ہوں۔

۲۔ بارش کا وہ پانی جو خراجی زمین میں جمع ہو جائے۔

۳۔ ان چشموں اور کنوؤں کا پانی جو خراجی زمینوں میں ہو۔(67)

خراج کا ثبوت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ﴾

ترجمہ: ''جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو بستیوں والوں سے دلوایا ہے وہ تو وہ اللہ و رسول کا ہے اور پیغمبر کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے تا کہ وہ مال تمہارے امراء کے درمیان گردش نہ کرتا رہے''(68)

خراج کی دوسری دلیل شرعی رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے آپ ﷺ نے خیبر کا علاقہ فتح کر کے اسی علاقہ کے باشندوں کو خراج مقاسمہ پر دیا تھا۔علامہ بلاذری نے یہ قول نقل کیا ہے۔

((عن عبد اللّٰه بن عمر قال دفع رسول اللّٰه ﷺ بار ضها و نخلها إلى أهلها مقاسمة على النصف مما يخرج من التمر والحب وولى عليهم فى ذلك عبد اللّٰه بن رواحه))

ترجمہ: ''حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین اور کھجوریں ان کے مالکان کو پھلوں اور غلہ کے نصف خراج پر دے دیں اور اس کی وصولی کے لئے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو مقرر فرمایا۔''(69)

تیسری دلیل حضرت عمرؓ کا عمل ہے جنہوں نے سواد عراق اور شام کی زمینیں ان کے اصل مالکان کے پاس ہی خراج پر رہنے دیں۔انہوں نے باقاعدہ طور پر بیت المال قائم کیا اور نظام محاصل کو مستحکم بنیادوں پر اس طرح استوار کیا کہ بیت المال میں خراج سے حاصل ہونے والی آمدنی میں بہت حد تک اضافہ ہوا اور آپ کے زمانہ میں عراق کا خراج دس کروڑ بیس ہزار دینار، شام کا ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار اور مصر کا خراج ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تک پہنچ گیا۔(70) تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں خراج کی دو مشہور اقسام مروج رہی ہیں۔

۱۔ خراج بالمساحۃ/خراج موظف ۲۔ خراج مقاسمۃ

ا۔ خراج بالمساحۃ:

اس فقہی اصطلاح سے مراد ہے کھیتی باڑی پر پیائش کے لحاظ سے خراج مقرر کرنا۔ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر عباسی خلیفہ مہدی کے زمانہ تک خراج کی یہی قسم رائج تھی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کے ذریعے عراق کی تمام زمینوں کی پیائش کرائی اور خراج بالمساحۃ مقرر کیا۔انگور کے باغات پر دس درہم فی جریب، کھجور کے باغات پر آٹھ درہم گیہوں کے کھیت پر چار درہم اور جو کے کھیت پر دو درہم فی جریب مقرر کیا۔

اسی طرح انہوں نے عراق کی ان تمام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی خراج بالمساحت اس لحاظ سے مقرر کیا کہ تمام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو بھی چیز اس زمین میں بوئی جائے۔اس کے علاوہ تر کاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور کھجور کا وہ باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو فی جریب دس درہم مقرر کئے۔(71)

جریب ساٹھ مربع گز کو کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک میں مروجہ بیگھہ یا نصف ایکڑ کے برابر ہے۔

۲۔ خراج مقاسمۃ:

پیداوار کے ایک مقرر و معین حصہ کو خراج مقاسمۃ کہتے ہیں۔اسے خلیفہ مہدی نے رائج کیا اور اس کے وزیر ابوعبید اللہ نے مختلف قسم کی زمینوں کے لئے درج ذیل مختلف شرحیں مقرر کیں۔چشموں اور بارش سے سیراب ہونے والی زمین کا خراج اس کی پیداوار کا ۳/ ا حصہ ڈول اور رہٹ سے سیراب ہونے والی زمین پر پیداوار کا ۳/ اا سی طرح ضرورت اجرت و محنت سے زائد درکار محنت والی پیداوار کا ۴/ ا حصہ مقرر کیا۔(72) اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسفؒ سے عادلانہ نظام مالیات وضع کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے شہرہ آفاق کتاب ''کتاب الخراج'' تصنیف کی اور اس کتاب میں خراج مقاسمہ کی سفارش کرتے ہوئے مختلف زمینوں پر خراج کی مختلف شرحیں مقرر کیں۔

چشموں سے سیراب ہونے والی گندم اور جو والی زمین پر محصول پیداوار کا ۵/۲ حصہ، رہٹ اور کنوؤں سے آبپاشی والی گیہوں اور جو والی زمین پر پیداوار کا ۴/ اا اور ۵/ ا حصہ،انگور کی بیلوں اور پختہ کھجور کے باغات پر پیداوار کا ۳/ ا حصہ اور موسم گرما میں پیدا ہونے والے غلوں پر پیداوار کا ۴/ ا حصہ مقرر کیا۔(73)

خراج کا نصاب:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خراج کا کوئی نصاب نہیں یہ عشر کی طرح قلیل وکثیر مقدار پر ہے۔امام ابو یوسفؒ ہر اس پیداوار پر جس کی مقدار عشر کی طرح پانچ وسق کے برابر ہو خراج عائد ہونے کے قائل ہیں۔

عشر اور خراج دونوں شریعت اسلامیہ کے نظام زرعی محاصل کی دو اصطلاحات ہیں۔ان دونوں محصولوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں پائی جاتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اس لئے اس کو زکوۃ الارض کہا جاتا ہے اور خراج خالصتاً ایک ٹیکس ہے جس کی ادائیگی میں عبادت کی حیثیت موجود نہیں البتہ اس کی ادائیگی بھی بالاجتہاد واجب ہے۔اس لئے عشر صرف مسلمانوں کی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہے۔اسی طرح عشر وخراج کے مصارف بھی الگ الگ ہیں یعنی عشر کے مصارف نص قرآنی سے متعین ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

ترجمہ: ''''صدقات یعنی زکوۃ مفلسوں محتاجوں، کارکنان صدقات کا حق ہے اور جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کیلئے مقرر ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فریضہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''(74)

جبکہ خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف ملک کے عام مصالح اور اہل اسلام ہیں۔سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت اور علماء وطلباء مفتیوں اور قاضیوں کا گذارہ بقدر کفالت اس مد سے دیا جائے گا۔سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ومرمت کا خرچ بھی اسی مد سے کیا جائے گا۔

عشر (زکوۃ الارض):

لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ مگر احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے ان واجبات شرعیہ کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمینوں کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ایک میں عشر (دسواں حصہ) اور دوسری میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔لیکن فقہاء ان دونوں قسموں پر عائد ہونے والی زکوۃ کو عشر ہی کا نام دیتے ہیں۔

انسان پر اس زمین کی تخلیق بذات خود اللہ سبحانہ کا ایک بہت بڑا احسان ہے جس سے اللہ کے حکم سے ہر طرح کی نباتات اور ہر قسم کے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔دراصل زمین ہی انسانی معیشت کا سرچشمہ ہے کیونکہ

اسی زمین میں ہی انسان کی روزی پہناں کردی گئی ہے اوراس میں تمام انسانوں کی متعین روزی کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے تمھیں زمین میں بسایا اور تمہارے لئے اسباب معیشت فراہم کیےمگر تم کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔''(75)

یہ بات غور طلب ہے کہ زمین زرخیزی کے لحاظ سے یکساں نہیں بلکہ مٹی میں ایسے عناصر درکار ہوتے ہیں جو نباتات کو پروان چڑھانے میں مددگار بنتے ہیں۔تو ایسے عناصر پر مشتمل مٹی کس نے پیدا کی؟ بیج میں نمو اور بڑھنے و پھلنے پھولنے کی صلاحیتیں کس نے ودیعت کیں؟ کس نے نباتات کے لئے آسمانوں سے پانی برسائے اور پہاڑوں سے چشمے بنا دینے کا بندوبست فرمایا اور کس نے پودوں کی صحیح افزائش کے لئے مخصوص گیسوں کا انتظام فرمایا اور نباتاتی نشوونما کے لئے گرمی وسردی کی موزوں مقدار فراہم کی؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سارے انتظامات کئے اور ساری ترتیب وتکمیل بھی اسی ذات کی طرف سے ہے جو اس تمام تخلیقات عالم کا خالق حقیقی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ O ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ O لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ O﴾

ترجمہ: ''بھلا بتلاؤ تو تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔''(76)

عشر کی فرضیت:

عشر کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع سنت سے ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو اپنی کمائی سے ستھری چیز خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کی ہیں۔(77)

علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا خطاب پوری امت محمدیہ سے ہے۔''

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ سے مراد ہر نباتات ،معدنیات اور رکاز ہے اور ان تینوں ابواب سے متعلق اس

آیت میں احکامات موجود ہیں کیونکہ اس کا حکم عمومی ہے۔(78)

لہذا یہ آیت کریمہ فرضیت عشر کی دلیل ہے اور اس میں عشری زمینوں کی ہر پیداوار پر وجوب عشر کی دلالت موجود ہے۔اسی طرح دوسری آیت کریمہ میں بھی ایسا ہی حکم موجود ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ﴾ فصل کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو (79)

علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اس آیت کا استدلال زمین کی ہر پیداوار اور سبزیوں پر وجوب عشر پر ہے کیونکہ اس سے پہلے آیت مذکورہ میں زیتون اور رمان کا ذکر ہے جو ہر طرح کے پھلوں پر بھی وجوب عشر کی دلیل ہے اور یوم حصادہ کے متعلق مختلف اقوال بھی بیان کئے ہیں کہ اس سے مراد اس کا میٹھا ہو جانا، فصلوں اور پھلوں کا پک جانا اور فصلوں کے کٹنے کا وقت ہے۔ (80)

جسٹس محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ اس آیت سے مراد عشر ہے یعنی جو کھیتی وغیرہ بارش سے سیراب ہو اس کا دسواں حصہ اور جن زمینوں کی آبپاشی نہروں یا کنوؤں سے ہو اس کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا اندازہ عالم نباتات میں غور کرنے سے لگایا جا سکتا ہے جس نے مختلف قسم کے لذیذ پھل، اونچے اونچے کھجور کے درخت، لہلہاتے ہوئے کھیت جن کی اقسام کا شمار بھی ممکن نہیں پیدا کئے۔(81)

وجوب عشر کی دوسری دلیل احادیث نبوی سے ملتی ہے۔حدیث نبوی ہے۔

((عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِیْہِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ سَنَّ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُیُوْنُ أَوْ کَانَ عَثَرِیًّا الْعُشْرُ وَفِیْمَا سُقِیَ بِاالنَّضْحِ نِصْفَ الْعُشْرِ))

ترجمہ: ”حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس زمین کی آبپاشی بارش اور چشموں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا۔ اور جس کی آبپاشی پانی کھینچ کر (کنوؤں اور ٹیوب ویل وغیرہ) سے کی گئی ہو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جائے گا۔“ (82)

یحییٰ بن آدم نے رسول اللہ کا ایک قول مبارک بھی نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

((کتب اللّٰہ علی المؤمنین من الصدقۃ من العقار عشر ما سقت العین والسماء وعلی ما سقی باالضرب نصف عشر))

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر زمین کا صدقہ یعنی فصل کا حصہ فرض کر دیا ہے۔چشمہ اور بارانی پانی سے آبپاشی ہو تو دسواں حصہ اور بڑے ڈول یا کنوئیں سے آبپاشی کی

جائے تو بیسواں حصہ ہے۔''(83)

ان احادیث نبوی میں عشر یا نصف عشر کا بیان کردہ فرق اس بنیاد پر ہے کہ اگر زمین کی پیداوار میں کاشتکاری سے متعلقہ ضروری محنت وآبپاشی کے اخراجات کے علاوہ کسی اضافی محنت کے خرچ کا دخل نہ ہو تو اس پر یہ اجتماعی ٹیکس زیادہ شرح سے دسواں حصہ لیا جائے گا۔ اور دیگر پیداوار پر ضروری محنت واخراجات سے کچھ زائد اخراجات اور محنت کرنی پڑے مثلاً کنواں کھود کر یا ٹیوب ویل پر محصول ادا کر کے یا نہر کے پانی کا آبیانہ ادا کیا جائے یا مزید اخراجات برداشت کرنا پڑیں تو عشر کی مقدار نصف یعنی دسواں حصہ کی بجائے بیسواں حصہ (نصف عشر) دینا پڑے گا۔

الموسوعة الفقیة میں قدر الما خوذ فی زکوۃ الزروع والثمار کے عنوان کے تحت درج ہے

> ''کہ زمین کی ہر پیداوار پر بشمول پھلوں کے عشر ونصف عشر لیا جائے گا اس پر سب کا اتفاق ہے ایسی زمین کی پیداوار اور پھلوں میں سے 1/10 حصہ یعنی عشر لیا جائے گا جس کی آبپاشی اضافی محنت کے بغیر بارش کے پانی سے یا نہروں کے پانی سے کی جائے گی اور جس زمین کی آبپاشی اضافی محنت واخراجات کے ساتھ کی جائے تو ایسی زمین کی پیداوار میں سے بیسواں حصہ یعنی نصف عشر وصول کیا جائے گا۔''(84)

اوائل اسلام میں چونکہ نہروں کے پانی پر موجودہ نظام کے مطابق ٹیکس وآبیانہ Water Rate نہیں لیا جاتا تھا اور اس وقت نہروں کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین پر دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ اس لئے بعض روایات میں ((فی السماء والعیون والانھار)) یعنی بارش، چشموں اور نہروں سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں سے دسواں حصہ لینے کا ذکر ہے۔ مگر یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان سے مراد وہ نہریں اور ندی نالے ہیں جن کے پانی پر محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں نہری اور چاہی زمینیں ایک ہی حکم میں آتی ہیں۔ اس لئے زمینوں کی پیداوار میں سے دسویں حصہ کی بجائے بیسواں حصہ یعنی نصف عشر وصول کیا جائے گا۔

وجوب عشر کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ عشر کے واجب ہونے کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے کیونکہ عشر خالصتاً عبادت ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں لیکن اگر مسلمانوں نے زمینیں کافروں سے خریدی ہوں تو ایسی زمینوں کی پیداوار میں ان کا سابقہ ٹیکس یعنی خراج مسلمان پر لازم ہوگا۔

۲۔ دوسری شرط زمین کا عشری ہونا ہے، خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا۔

یہاں پر اب عشری زمینوں کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اصل مباحث کی صحیح سمجھ آسکے۔

درج ذیل زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔

تمام عرب کی زمینیں

وہ ملک جن کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ہوں۔

وہ زمینیں جو بزور شمشیر فتح ہوئی ہوں اور مجاہدین اسلام اور عاملین کے حصہ میں آتی ہوں۔

وہ بنجر اور غیر آباد زمینیں جنہیں مسلمان عشری پانی سے سیراب کریں۔

مسلمان جب اپنے گھر کے باغ کی زمین کو عشری پانی سے سیراب کرلے۔ (85)

۳۔ تیسری شرط زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی بے اختیاری سبب سے یا زمیندار کی غفلت و کوتاہی کی وجہ سے زراعت نہیں ہوئی یا اس کی خبر گیری و حفاظت نہیں ہوئی تو ہر صورت میں عشر ساقط ہو جائے گا۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جسے کاشت کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ خودرو گھاس یا خودرو بے کار درخت زمین میں اگ آئیں تو ان میں عشر واجب نہیں البتہ اگر گھاس اور بانس کو آمدنی کی غرض سے اگایا جائے یا سینچا جائے تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ دیگر احکام شرعیہ میں عقل و بلوغ بھی شرط ہوتی ہے مگر زمین کے عشر کے وجوب میں یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔ زمین کا مالک خواہ بچہ ہو یا مجنون، اگر اس کی زمین سے پیداوار ہوتی ہو تو اس پر عشر واجب ہے ان دونوں کے اولیاء اس فرض کی ادائیگی کے پابند ہیں بخلاف زکوۃ کے۔

اسی طرح ملکیت زمین بھی وجوب عشر کی شرط نہیں۔ لہذا جس شخص کی زمین اپنی نہیں کسی اور شخص سے عاریتاً لی گئی ہو یا کرایہ و اجارہ پر لی ہو اور اس میں زراعت کرتا ہو۔ تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو اس پیداوار کا مالک ہے۔ اس لئے ٹھیکیدار، پٹے دار اور بٹائی پر لی جانے والی زمین کو کاشت کرنے والا پیداوار کا مالک ہونے کی وجہ سے عشر کا ذمہ دار ہوگا۔ البتہ معین حصہ پر دی گئی زمین جس کی پیداوار کے مالک کاشتکار اور زمیندار دونوں ہوتے ہیں اس کا عشر بھی ان دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوتا ہے۔

عشر کا اطلاق:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض تابعین اور ان کے بعد کے فقہاء کے نزدیک غلوں میں صرف گندم اور جو پھلوں میں صرف کھجور اور کشمش پر ہی زکوۃ عائد ہوتی ہے۔ ان چار اشیائے خوردنی کے علاوہ کسی شئے پر زکوۃ نہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اسی پیداوار پر عشر لازم ہے جو دو شرطیں پوری کرتی ہو۔ پہلی یہ کہ لوگ اس

کا ذخیرہ کرسکیں۔لہٰذا ایسی سبزیات جنہیں ذخیرہ نہ کیا جاسکے مثلاً تربوز، ککڑی، کدو، بینگن، گاجر، ساگ، پات اور پھلوں وغیرہ پر عشر نہیں۔دوسری شرط یہ کہ ایسی پیداوار جسے پیمانہ سے ناپ تول سکیں مثلاً تمام قسم کے اناج، دالیں، تل اور ہر قسم کے بیج، دھنیا، زیرہ، پیاز، لہسن اور ان کی مانند پیداوار وغیرہ پر عشر لازم ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عشر صرف ان اشیاء پر عائد ہوتا ہے جو قابل ذخیرہ خوردنی اشیاء ہوں ان کے نزدیک سیب، انار، امرود، شفتالو، آلو بخارہ پر زکوٰۃ نہیں۔امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو شئے خشک ہوجائے باقی رہے اور تولی جاسکے اس پر زکوٰۃ ہے۔مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کھیتوں کی ہر پیداوار پر عشر فرض ہے۔کیونکہ قرآن مجید کی وہ آیات جن سے وجوب عشر کی دلیل قطعی ملتی ہے ان میں فرمان الٰہی عمومی ہے اور ان میں زمین کی ہر طرح کی پیداوار شامل ہے۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ احادیث نبوی کی رو سے عشر و نصف عشر کے احکام بھی عام ہیں اور ان میں کسی قسم کی پیداوار کے مابین کوئی تفریق نہیں۔(86)

اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے قرآن مجید کی تائید حاصل ہونے اور قانون زکوٰۃ کی حکمت و تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے زیادہ قوی اور معتبر ہے۔

مشہور مالکی فقیہہ ابن عربی نے بھی اس موقف کی تائید میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک دلیل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے۔مساکین کے لئے زیادہ محتاط ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر میں سب سے بہتر اور عام آیات و احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔(87)

سید اسعد گیلانی کی رائے ہے کہ کسی نوع کی بھی پیداوار ہو ان سب میں عشر واجب ہے جیسے گیہوں، جو، چنا، باجرا، مکئی، چاول ہر طرح کے غلہ اور ترکاریاں، پھل، چھوارے، گنا، خربوزہ، ککڑی، بینگن، کھیرا، اور زعفران وغیرہ۔(88)

مذکورہ بالا آراء کا موازنہ کیا جائے تو واقعتاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ کے عین مطابق ہے

عشر کا نصاب:

صحابہ کرامؓ اور اکثر فقہائے امت کی رائے میں فصلوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ وسق ہوجائے۔دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔بخاری شریف میں آپ ﷺ کا قول مبارک ہے کہ ((لَيْسَ فِيمَا أَقَلُّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ)) (89)

عطاء سے بھی اسی قسم کا قول مروی ہے کہ ((عن عطاء قال في خمسة او ساق الزكوة))
امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں اور ہر قلیل و کثیر پیداوار پر عشر فرض ہے۔
امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جب زمین کی پیداوار پانچ وسق تک پہنچ جائے تب ہی عشر فرض ہوگا۔ (90)

سید سابق کی رائے میں صدقات و خیرات اور زکوۃ صرف اغنیاء پر ہی فرض ہے اور دیگر تمام اموال زکوۃ کی طرح غنی اور دولت مندی نصاب کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ (91)

البتہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ مختلف قسم کی اجناس و اناج مثلاً گندم، جو، چنا اور دھان وغیرہ کو ملا کر ایک نصاب بنایا جا سکتا ہے۔ یہ قول نہایت معتدل اور سہولت کے ساتھ ساتھ تقویٰ کے تقاضوں کی تکمیل سے زیادہ قریب ہے۔ ڈاکٹر وھبہ زوحیلی لکھتے ہیں "حضرت ابوسعید خدریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ پانچ وسق سے کم گندم اور جو پر صدقہ واجب نہیں۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی آپ ﷺ سے روایت کی ہے کہ پانچ وسق سے کم (پیداوار) پر زکوۃ نہیں۔" اسی طرح ابن القیم نے کہا کہ "پانچ وسق عشر کے نصاب کی مقدار کے متعلق صحیح، صریح اور محکم سنت وارد ہوئی ہے۔ لہذا جب تک پیداوار کی مقدار پانچ وسق تک نہ پہنچے اس وقت تک عشر لازم نہیں آتا کیونکہ دولت مندی اور غنی کا یقین صرف نصاب ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔" (92)

وسق کی وضاحت:

وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اور پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہوتے ہیں۔ موجودہ اوزان میں وسق کی مقدار میں اختلاف ہے۔ زکوۃ و عشر آرڈیننس ۱۹۸۰ مطبوعہ ادارہ پاکستان اسلام آباد کی رپورٹ کے مطابق پانچ وسق نوسو اڑتالیس کلوگرام (۹۴۸) بنتا ہے۔
ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی رائے میں پانچ وسق چھ سو، اکاون کلوگرام کے برابر ہوتے ہیں۔ سید اسعد گیلانی کی تحقیق کے مطابق ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور پانچ وسق تین سو صاع یا چھ سو باون کلوگرام بنتے ہیں۔
لہذا منوں کے حساب سے پانچ وسق ۱/۲ ۱۹ من ۲۳ من یا ۲۶ من بنتے ہیں اور اگر درمیانی مقدار اختیار کریں تو ۲۳ من نصاب اختیار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فصلوں کے مالکان کے لئے رعایت:

((حضرت سھل بن حشمہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم فصل کی پیداوار کا اندازہ کرنے لگو تو ۱/۳ حصہ (فصل کے مالکان کیلئے) چھوڑ دو اور اگر تم ۱/۳ حصہ نہ پاؤ تو پھر ۱/۴ حصہ چھوڑ دو۔)) نیل

الاوطار میں ہے کہ اس حدیث کوسوائے ابن ماجہ کے سب نے روایت کیا ہے (93)

ایک اور مقام پر یہ حدیث بھی وارد ہوئی ہے کہ ((رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی اندازہ کرنے والے کو بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے کہ مال اور باغات عاریتاً دیئے ہوئے کھجوروں کے باغات میں راہ گیروں کا بھی حصہ ہوتا ہے اسے منہا کر دیا کرو۔)) (94)

اسی طرح مروان بن حکم نے جب سہل بن ابی حشمہ کو کھجوروں کے باغات کی پیداوار کا تخمینہ لگانے کیلئے بھیجا تو انہوں نے سعد بن ابی سعد کے باغات کی پیداوار کا تخمینہ سات وسق لگایا اور کہا کہ اگر مجھے ان باغات کے قریب چالیس جھونپڑیاں نظر نہ آتیں تو میں ان کھجوروں کی پیداوار کا اندازہ نو وسق لگاتا۔ لیکن میں نے وہ مقدار جو جھونپڑیوں میں رہنے والے کھا سکتے ہیں ان کے لئے چھوڑ دی ہے۔ (95)

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ فصلوں کے مالکان کی پیداوار میں سے ۱/۳ یا ۱/۴ حصے کی رعایت مناسب ہے۔

پیداواری اخراجات:

زمین کی پیداوار پر اٹھنے والے اخراجات اور چنگی وغیرہ عشر ادا کرنے سے پہلے منہا کئے جائیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ اور فقہاء کرام کی دو مختلف آراء ہیں۔ حضرت عباسؓ عطاء، طاؤس مکحول اور حضرت احمد بن حنبلؒ کی رائے میں پیداواری اخراجات برداشت کرنے کیلئے جو قرض لیا جائے یا دیگر متفرق قسم کے اخراجات جو صرف اور صرف پیداوار ہی پر خرچ ہوں، عشر لگاتے وقت منہا کئے جائیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد اور امام سفیان ثوریؒ کے علاوہ تمام فقہائے احناف کی رائے میں بھی عشر زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے سوائے آیات کریمہ اور احادیث نبوی کے کسی کو ساقط کرنے کا اختیار ہرگز نہیں۔ (96)

الموسوعة الفقيه میں بھی یہ بات واضح کی گئی ہے کہ بے شک عشر اور نصف عشر پیداوار کی ہر قسم پر واجب ہے اور اس میں مزدوری، نہروں اور نالوں کی کھدائی اور حفاظت کرنے والے کی تنخواہ یا اس طرح اور اخراجات وضع نہیں کئے جائیں گے بلکہ تمام پیداوار میں سے عشر وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ عشر کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا حکم یعنی عشر و نصف عشر پیداوار پر مختلف محنت اور اخراجات کے حساب ہی سے مختلف ہے۔ (97)

اسی طرح ڈاکٹر وھبہ الزوحیلی کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ پیداوار جو زمین سے اگتی ہے اس میں عشر و نصف عشر واجب ہے اس لئے اس میں سے مزدوروں کی اجرت، کھیتی کا خرچ یعنی ہل چلانے اور بونے کے اخراجات منہا نہیں

کئے جائیں گے کیونکہ بے شک نبی اکرم ﷺ نے مختلف زمینوں کی پیداوار میں ہونے والے اخراجات ومحنت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی عشر ونصف عشر کا حکم دیا ہے۔لہذا پیداوار میں سے زراعت پر اٹھنے والے اخراجات منہا نہیں کئے جائیں گے۔ (98)

ان مذکورہ بالا تمام آراء کے بعد یہ بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے زیادہ محنت واخراجات والی پیداوار پر نصف عشر یعنی ۲۰/۱ حصہ اور کم محنت،معمول کی محنت اور کم اخراجات سے ہونے ولی پیداوار پر عشر یعنی ۱۰/۱ حصہ واجب کر کے پہلے ہی اضافی محنت واخراجات کی مناسب رعایت دی ہے۔لہذا اب مزید اس پیداوار میں سے کچھ منہا کرنا شریعت میں اپنی رائے داخل کرنے کے مترادف ہوگا۔اس لئے عشر کی ادائیگی کے بعد ہی پیداوار کے قرضوں اور اضافی محنت واخراجات منہا کرنا زیادہ محتاط عمل ہوگا۔

مال فئے:

اسلامی ریاست کے بیت المال کی زراعت سے ہونے والی آمدنیوں میں ایک ذریعہ آمدنی مال فئے بھی ہے اگر کفار مسلمانوں سے مرعوب ہو کر جنگ کئے بغیر اپنا مال ومتاع چھوڑ کر بھاگ جائیں یا جنگ کے بعد ان کی مقبوضہ زمینیں مقررہ لگان یا مال گذاری پر انہیں کے قبضہ میں رہنے دی جائیں تو اس ضمن میں ہونے والی آمدنی فئے کہلاتی ہے۔یہ بیت المال کا حق ہے۔اس لئے یہ مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ جنگ کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فئے دراصل خراج ہی کی ایک قسم ہے۔ (99)

خمس:

اسلامی حکومت زمین میں سے دریافت شدہ خزانے ودفینے اور معدنیات کی پیداوار کا ۵/۱ حصہ وصول کرتی ہے اور اس کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی
وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾

ترجمہ: ''اور جان رکھو کہ جو مال غنیمت تم کفار سے حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اسکے رسول کا اور اہلِ قرابت اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔'' (100)

کراء الارض یا قطائع کی آمدنی:

اسلامی ریاست کی ملکیت میں کچھ ایسی زمینیں بھی ہوتی ہیں جیسے دریاؤں سے نکلنے والی زمینیں، جنگل کاٹ کر یا صحرا آباد کر کے جو زمینیں تیار کی جائیں یا مرتدوں کی زمینیں یا وہ زمینیں جن کے مالکان کا پتہ نہ چلتا ہو۔ یہ زمینیں حکومت مسلمانوں کو بطور اقطاع عطا کر کے ان کی نوعیت کے اعتبار سے ان پر عشر یا خراج لاگو کر دے تو ایسی زمینوں کی آمدنی بھی سرکاری خزانہ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس قسم کی آمدنی نو کروڑ درہم تھی جبکہ یہی آمدنی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بڑھ کر پچاس کروڑ درہم تک پہنچ گئی۔

لگان اجارہ/ٹھیکہ:

جب اسلامی حکومت کسی خاص مقام یا زمین وغیرہ کا اجارہ کسی خاص شخص کو دے دے تو اس کا لگان وصول کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بنوغسان کے ہلال نامی ایک شخص کو سلبہ وادی اس لئے خاص کر دی تھی کہ وہ وہاں شہد کی مکھیاں پالتے اور اس کا عشر آپ ﷺ کی خدمت میں مسلمانوں کے نفع کیلئے پیش کرتے تھے اور یہ طریقہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک برابر جاری رہا حکومت اس وادی کی حفاظت کرتی تھی۔ (101)

جنگلات کی آمدنی:

مذکورہ ذرائع آمدنی کے علاوہ اگر اسلامی ریاست کے اندر بڑے بڑے جنگلات ہوں تو وہ بھی اس کی آمدنی کا ذریعہ بن سکتے ہیں کیونکہ انہیں سرکاری ملکیت ہی قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ نے برس کے جنگلات وہاں کے باشندوں کو چار ہزار درہم کے عوض دیئے تھے۔

ضرائب:

مذکورہ بالا زمینوں سے ہونے والی مختلف قسم کی آمدنیاں اگر اسلامی ریاست کے جائز ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہوں تو حکومت مفاد عامہ کی خاطر جدید ٹیکس بقدر ضرورت عائد کرتی ہے۔ ان کو اسلامی اصطلاح میں ضرائب ونوائب کہا جاتا ہے۔

فصل دوم

پاکستان میں زرعی آمدنی پرٹیکس کا جواز یا عدم جواز

ملکی ضروریات واخراجات اور آمدنی کا شماریاتی جائزہ

زرعی زمین کے مالکان کا مؤقف ومسائل

زرعی محاصل کے طریقے اور شرح

زرعی ٹیکس کے نفاذ کا تاریخی پس منظر

زکوۃ واجبہ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا حکومتی استحقاق

پاکستان میں زرعی آمدنی پرٹیکس کا جواز یا عدم جواز

ملکی ضروریات واخراجات اور آمدنی کا شماریاتی جائزہ:

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے جسکی آبادی کا تقریبا 56% سے زائد حصہ زراعت کے پیشہ سے وابستہ ہے چنانچہ مختلف ادوار میں مختلف حکومتوں نے زرعی ترقی وخود کفالت اور زمینداروں اور کاشتکاروں کی خوشحالی اور زرعی پیداوار بڑھانے کیلئے زرعی سہولیات کی فراہمی کے لئے اقدامات کئے جن میں آسان اقساط پر قرضوں کا اجراء جدید زرعی آلات کی فراہمی اچھے اور معیاری بیج کی ترسیل اچھی کھادوں کی دستیابی فصلوں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جدید ادویات کی فراہمی نہروں اور نالوں کی بروقت بھل صفائی زمین کو سیم وتھور سے بچانے اور بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے پانی کی گنجائش کو بڑھانے اور زمین کو کٹاؤ سے محفوظ رکھنے کی خاطر ترجیحی بنیادوں پر کئی منصوبے شامل ہیں

زرعی پالیسی:

حکومت نے زراعت کو ترقی دینے اور کاشتکاروں کو سہولتیں مہیا کرنے کے لئے زرعی ٹاسک فورس قائم کی ہے جسکی سفارشات پر درج ذیل اصلاحات کی گئی ہیں۔

۱۔ اعلی اختیاراتی قومی زرعی رابطہ کمیٹی کا قیام National Agricultural Co-ordianation Committee

۲۔ بڑی اجناس کی امدادی قیمتوں میں اضافہ

۳۔ ہاری کورٹ (Hari Court) کا قیام

۴۔ پچاس ہزار روپے تک قرضوں کی معافی اور قرضہ بروقت ادا کرنے کی صورت میں ایک لاکھ سے زیادہ کے قرضوں میں ۵۰% رعایت بھی دی گئی۔(102)

۱۹۹۴۔۹۵ میں حکومت پاکستان نے زرعی قرضہ جات کی حد سترہ ارب روپے سے بڑھا کر بہتر ارب پچیس کروڑ روپے کرنے کے علاوہ پچاس ہزار تک کے قرضوں پر سود بھی معاف کردیا جبکہ ایک لاکھ روپے تک کے قرضہ جات پر سود معاف کرنے کی سفارشات پر غور کیا جارہا ہے جس سے پاکستان کی اکثر آبادی جو زراعت سے منسلک ہے مستفید ہوگئی۔

اسی طرح پیداوار میں اضافہ کرنے کی خاطر حکومت نے اب عوامی ٹریکٹر سکیم کے تحت آسان اقساط پر چھوٹے کاشتکاروں کو ۱۴۲۰۰ ٹریکٹر دیئے ہیں اور اس سال ۲۸۴۰۰ ٹریکٹر مزید کاشتکاروں کو فراہم کئے جائیں گے۔

دریائے سندھ کے کنارے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے علاقے میں ۱۶۰۰۰ ایکٹرز مین کو کٹاؤ سے بچانے کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا ہے جس پر تیرہ ارب روپے خرچ ہونگے۔ وزیر اعظم پاکستان نے زمین کو کٹاؤ سے محفوظ رکھنے کی خاطر "Prime Ministers River Management Scheme" تیار کی ہے جس پر عمل درآمد شروع کر دیا جائے گا۔

صوبہ بلوچستان میں پہلے سے زیر کاشت ۴۷ ہزار ایکٹر زمین کے علاوہ تیس ہزار ایکٹر کو کارآمد بنانے کے لئے حکومت پاکستان نے ۳۶۳ بلڈوزر بھی مہیا کئے ہیں اسی طرح سے Exillory Water Project کے تحت مالاکنڈ کے ایک قصبے پٹ خیلہ کے مقام پر ساڑھے تین کلومیٹر لمبی سرنگ کا افتتاح بھی ۹۶/۱/۲۴ کو ہو چکا ہے ایشیائی ترقیاتی بینک کی مدد سے اس منصوبہ پر ۲۷ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے اس سرنگ کی تعمیر سے نہر سوات میں پانی کی گنجائش بڑھ جانے سے مردان، صوابی اور چارسدہ کی بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا جائے گا پانی کی ترسیل اور Drainage کے لئے ورلڈ بینک کی مدد سے ۳۰ ملین روپے خرچ کر کے چھوٹے چھوٹے ڈیم تعمیر کئے جائیں گے علاوہ ازیں کاشتکاروں کو قدرتی آفات سے فصلوں کی تباہی کی صورت میں معاوضہ ادا کرنے کے لئے وزیر اعظم نے وزارت خزانہ کو فصلوں کی انشورنس سکیم پر فوری طور پر عمل درآمد کرنے کی ہدایت بھی کی ہے اس مقصد کی خاطر اسٹیٹ بینک آف پاکستان کو زرعی و کمرشل بینکوں کو سرمایہ کی فراہمی کو یقینی بنانے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ (103)

کاشتکاروں کو فصلوں کی صحیح افزائش اور زیادہ پیداوار لینے کی خاطر حکومت نے مقامی یونین کونسل کی سطح پر قائم کردہ زراعت دفتروں میں نہ صرف فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑے اور جڑی بوٹیاں ختم کرنے اور متوقع موسمی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ادویات مہیا کی ہیں بلکہ جدید آلات و زرعی ادویات کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے طریقے بتانے کے لئے محکمہ زراعت کے کئی افراد کو بھی متعین کیا گیا ہے اس کے علاوہ آٹھویں پانچ سالہ منصوبے کے مطابق Productivity Enhancement Programme کے تحت کسانوں کو جدید زرعی آلات و مشینری اور اچھے و معیاری بیج کی سہولت بھی دی جائے گی تاکہ زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے وزارت خوراک و زراعت کا ایگرو بزنس سیل دیہی علاقوں میں ایگرو انڈسٹری ایگرو فارسٹری اور لائیوسٹاک کی ترقی کے لئے پرائیویٹ سیکٹر کو بھی سرمایہ کاری کے زیادہ مواقع فراہم کرے گا اور پاکستان زرعی ریسرچ کونسل اور صوبائی زرعی ترقیاتی ادارے کسانوں تک فوائد پہنچانے کے لئے زرعی توسیعی نظام کو اپنانے کی خاطر جدید تحقیقات بھی کریں گے۔ (104)

ان اخراجات کے مقابلہ میں پاکستان کے جاگیرداروں اور زمینداروں کی زرعی پیداوار کی آمدنی پر کبھی بھی

ٹیکس نہیں لگایا گیا حالانکہ کئی دفعہ اسکی تجویز و کوشش بھی کی گئی ۱۹۷۳ کے دستور کے چوتھے شیڈول کے صفحہ ۱۹۵ پر شق نمبر ۴۷ کے تحت وفاقی حکومت کو زرعی آمدنی کے علاوہ دیگر آمدنی پر ٹیکس عائد کرنیکا اختیار دیا گیا ہے جس میں صاف طور پر Tax on Income Other Than Agricultural Income لکھا ہوا ہے جس کے مطابق زرعی آمدنی کو ٹیکس سے مستثنی قرار دیا گیا ہے انکم ٹیکس آرڈیننس ۱۹۷۹ اسکینڈ شیڈول پارٹ نمبر 1 میں کل آمدنی مستثنی آمدنی (Exemption from total Income) کے عنوان سے جن ۱۸۵ قسم کی آمدنیوں کو Exempt کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے زرعی آمدنی کا ذکر ہے۔(105)

اسلامی نظام معیشت کو متعارف کرانے کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے آفاقی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی خاطر زکوۃ و عشر آرڈیننس جاری کیا جس کے تحت ۱۹۸۳ میں زرعی پیداوار پر عشر و نصف عشر (زمینی پیداوار کی زکوۃ) عائد کیا گیا اس میں بھی زرعی پیداوار کی شرح کو اوسط سے بھی کم مقرر کیا گیا پھر زرعی اجناس کی قیمتیں بھی اوسط قیمت کی بجائے کم اوسط مقرر کی گئیں عشر کی مد میں پہلے چند سالوں میں ہونے والی آمدنی حوصلہ افزاء رہی مگر بدقسمتی سے ۱۹۹۱ کے بعد سے اب تک اس مد میں وصولی تو در کنار تشخیص بھی نہیں کی جاسکی۔

فنانس بل ۱۹۸۸ء میں زرعی آمدنی کو دیگر کاروباری آمدنیوں میں شامل کر کے اس پر ٹیکس لگانے کے زیر عنوان Inclusion of Agricultural Income in Total Income۔

احکامات صادر ہوئے تو ان میں بھی ایک خاص رعایت (Rebate) کی سہولت دی گئی لیکن اس سے بھی قومی آمدنی میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ ہوسکا۔

فنانس بل ۱۹۹۳ میں زرعی اثاثہ جات و سرمایہ پر زرعی ویلتھ ٹیکس لگایا گیا تو ۵۰۰۰ پیداواری یونٹ کی بنیادی چھوٹ یعنی ساڑھے باسٹھ ایکڑ زرعی زمین کی چھوٹ دے دی گئی اور پیداواری یونٹ کی قیمت صرف ۲۰۰ روپے مقرر کی گئی۔

وفاقی بجٹ ۹۶۔۱۹۹۵ میں پیداواری یونٹ کی قیمت -/۲۵۰ روپے مقرر کی گئی اور اسکے حساب سے ۴۰۰۰ یونٹ یعنی ۱۵۰ ایکڑ زمین کی بنیادی چھوٹ دی گئی مگر پھر بھی بہت کم لوگوں نے اسکی طرف توجہ دی اور زمینداروں نے صرف اور صرف ۲۵ لاکھ سے ۲۸ لاکھ تک ٹیکس جمع کروایا جبکہ حکومت کا ہدف تین کروڑ روپے تھا۔

اس کے علاوہ زمیندار و جاگیردار قرضوں کی واپسی کے سلسلے میں بھی حکومت سے تعاون نہیں کرتے اگر قرضوں کی واپسی بروقت کردی جائے تو حکومت کی مشکلات کافی حد تک کم ہوسکتی ہیں مگر ایسا نہیں کیا جاتا محکمہ مال پنجاب نے Action plan for the Recovery of Receipt 1994 کے نام سے قرضوں کی

وصولی کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا جس کے تحت نادہندگان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا حکم دیا گیا تو بڑے بڑے قرضداروں نے قرضوں کی واپسی میں تعاون کرنے کی بجائے متعلقہ تحصیلداروں سے ساز باز کر کے اور ڈرا دھمکا کر ریکارڈ بھی غائب کروائے جسکی وجہ سے زرعی شعبہ سے وصولیاں رک گئیں۔ سخت اقدامات کے باوجود صرف چند لاکھ روپے وصول ہوئے جبکہ صوبہ پنجاب میں کاشتکاروں سے ۵۰ کروڑ روپے وصول کرنے باقی ہیں۔ ریونیو بورڈ پنجاب لاہور کے مطابق ریکارڈ غائب کر کے قانونی کارروائی کے راستے بند کرنے والے تحصیلداروں کو ارکان اسمبلی کی پشت پناہی حاصل ہے (106)

حکومت شہریوں کو بنیادی اور جدید سہولتیں فراہم کرنے پر خطیر رقم خرچ کرتی ہے جن میں شاہراہوں' سڑکوں' پلوں' ڈیموں' سکول و کالجوں' یونیورسٹیوں' ڈسپنسریوں اور ہسپتالوں کو بجلی' پینے کے صاف پانی اور سوئی گیس کی ترسیل پر کافی اخراجات اٹھتے ہیں جبکہ حکومت کو ٹیکس کی تمام مدات میں ہونے والی آمدنی کا ۸۰% حصہ بیرونی قرضوں کی ادائیگی پر ہی صرف کرنا پڑتا ہے۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں و دیگر اخراجات کو پورا کرنے پر وفاقی بجٹ کا ۱۴% حصہ خرچ ہوتا ہے جسکی مثال ۹۶-۱۹۹۵ میں پورے ملک سے تمام ٹیکسوں کی مد میں حاصل ہونے والی کل رقم ۲۶۵ ملین روپے ہے اس آمدنی میں سے صرف قرضوں کی واپسی پر ۱۶۰ ملین روپے اور دفاع پر ۱۱۵ ملین روپے خرچ ہوئے گویا کہ کل آمدنی سے ۱۰ ملین روپے زیادہ صرف ان دو شعبوں پر خرچ ہوئے مذکورہ بالا رفاہی کاموں اور ترقیاتی منصوبوں پر اور مملکت کے دیگر تمام امور پر خرچ کرنے کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا (107)

(نوٹ) حکومت پاکستان کی طرف سے جاری کردہ قرضہ جات اور وصولیوں پر مشتمل چارٹس کا ڈیٹا ملاحظہ ہو

زرعی زمین کے مالکان کا موقف و مسائل:

حکومت کیطرف سے چھوٹے کاشت کاروں کو آسان اقساط پر ٹریکٹر فراہم کرنے کا منصوبہ جاری ہے جس کے تحت چودہ ہزار دو سو ٹریکٹر فراہم کئے جا چکے ہیں اور اس سے دوگنی تعداد میں اس سال مہیا کرنے کا پروگرام بھی ہے ارکان قومی اسمبلی و وزراء خاص اختیارات کے تحت یہ ٹریکٹر Full Payment ادا کر کے حاصل کر لیتے ہیں جسکی وجہ سے کاشت کار اس سہولت سے مستحق محروم ہو جاتے ہیں۔

اس ضمن میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ ٹریکٹر ناقص ہیں اور جن ملکوں سے برآمد کئے گئے ہیں ان میں وہ ناکام ہو چکے ہیں پھر انکی قیمتیں بھی نسبتاً بہت زیادہ ہیں جسکی تائید ٹریکٹر سپلائی کرنے والے ڈیلر حضرات نے بھی کی ہے۔ اگر حکومت ڈیوٹی معاف کر دے تو یہی ٹریکٹر پچاس ہزار فی ٹریکٹر سے لے کر ۷۰ ہزار روپے فی ٹریکٹر یعنی کم قیمت پر پاکستان ہی میں مہیا کئے جا سکتے ہیں۔

فنانس بل ۱۹۸۸ء میں زرعی آمدنی کو دوسری آمدنیوں میں ضم کر کے ٹیکس لگانے کے احکامات جاری کیئے گئے تو فوج کے جرنیلوں اور بڑے بڑے فوجی افسروں کو Fixed Income Group کا لحاظ رکھتے ہوئے اس ٹیکس سے چھوٹ دے دی گئی۔

1994-95 میں جب دولت ٹیکس ایکٹ 1993ء کے تحت زرعی سرمایہ واثاثوں پر ایک مخصوص رعایت کے ساتھ ٹیکس نیٹ میں لایا گیا تو پھر بھی ایسے بڑے بڑے قطعات زرعی اراضی کو زرعی دولت ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا جو مالکان کو کسی بہادری، شجاعت اور حسن کارکردگی کے عوض ملے تھے یہ امتیازی استثنیٰ سراسر غیر شرعی وغیرہ قانونی ہے لہذا اس میں بھی ترمیم ناگزیر ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ فصل کی بوائی سے لے کر کٹائی تک اور پھر اجناس کو منڈیوں تک پہنچانے تک پہنچانے بشمول زمین کی تیاری، آب رسانی ہل چلائی سہاگہ کراہ کی مدد سے زمین کی ہمواری، مزدوری، بیج کھاد، جراثیم کش ادویات اور تھریشنگ پر ہونے والے اخراجات Cost of Production کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی زمینداروں و کاشتکاروں پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں مختصر طور پر یہ پیداواری اخراجات ماہرین و زمینداروں کی متفقہ رائے کے مطابق دیئے جاتے ہیں مگر چونکہ ان اخراجات کا اندازہ دو سال قبل کے Rates کے مطابق ہے تو لہذا موجود شرح آمدنی و اخراجات سے اسکے معمولی تفاوت کا احتمال باقی ہے۔

نام فصل	فی ایکڑ آمدنی	کل اخراجات	زمین کے کرایہ کے بغیر آمدنی	Rent کے ساتھ آمدنی 1000روپے فی ایکڑ	عشر ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی فصل پر	اس کے علاوہ دوسری فصل پر
گندم	3000روپے	1829	1171	171	36	40
باسمتی چاول	3395	2684	711	406	58	65
مکئی	4070	3062	963	153	26	29
گنا	9073	6536	2306	194	150	169
کپاس	6480	3413	3239	1329	41	46
چنا	1480	770	699	203	44	49
سرسوں توریا	2788	1004	1729	985	32	36
مسور	2592	710	1873	1253	14	16
مونگ	1720	512	1168	672	14	16
ماش	1370	593	766	270	14	16
ٹماٹر	18080	6358	11637	9405	54	60
کدو	12500		6896	5904	54	60
آلو	28000	14711	13194	10962	38	43
پیاز	12500	5404	6969	4737	54	60
مرچ	15824	6967	8771	6539	60	67
تربوز	7000	4486	2434	1442	27	30

نوٹ: مختلف فصلوں پر عشر کی مقرر شرح کا چارٹ منسلک ہے۔

کم اوسط پیداوار کم اوسط قیمت اجناس / برائے عشر

برائے مقامی زکوٰۃ وعشر کمیٹی ____________ کوڈ نمبر ____________ موضع / محال

تحصیل ____________________ ضلع فیصل آباد (فصل ربیعہ 1992-93 عشر سرکل)

حکم فیصلہ ضلعی زکوٰۃ وعشر کمیٹی فیصل آباد وزیر قاعد نمبر 5 حکم نمبر 7619 مورخہ 6.4.93

نمبر شمار	نام اجناس	کم اوسط پیداوار فی ایکڑ 100 کلوگرام	کم اوسط اجناس فی 100 کلوگرام	رقم شرح / ایکڑ بعد منہائی اخراجات کاشت ٹیوب ویل فیصد	طاو ٹیوب ویل
۱۔	گندم	540 کلوگرام فی ایکڑ	200 روپے	36 روپے	40 روپے
۲۔	جو	350 کلوگرام فی ایکڑ	170 روپے	20 روپے	22 روپے
۳۔	چنے	300 کلوگرام فی ایکڑ	440 روپے	44 روپے	49 روپے
۴	دالیں	120 کلوگرام فی ایکڑ	350 روپے	14 روپے	16 روپے
۵۔	سرسوں توریا - تارا میرا	240 کلوگرام فی ایکڑ	400 روپے	32 روپے	36 روپے
	دیگر تیلدار اجناس				
۶۔	تمباکو	320 کلوگرام فی ایکڑ	350 روپے	37 روپے	42 روپے
۷۔	چارہ تجارتی ہر قسم	ایک ایکڑ میں جتنی پیداوار ہو۔	1000 فی ایکڑ	33 روپے	37 روپے
۸۔	سبزیات ہر قسم	-	1200 فی ایکڑ	40 روپے	45 روپے
۹۔	باغات ہر قسم	-	1800 فی ایکڑ	60 روپے	68 روپے
۱۰۔	بانس	-	9000 فی ایکڑ	300 روپے	338 روپے
۱۱۔	نرسری ہر قسم	-	-	175 روپے	200 روپے
۱۲۔	خربوزہ۔تربوزہ	-	-	27 روپے	30 روپے

نوٹ: ۱۔ مقامی زکوٰۃ کمیٹی ایسی فصلوں کے بارے میں عشر کی تشخیص حقیقی صورتحال پیداوار اور ریٹ کے مطابق خود کرے گی جنکا اس فارم میں ذکر نہ ہو۔

۲۔ فصل ربیعہ 1992-93 کے دوران عشر کا نصاب 5 وسق (948 کلوگرام) گندم یا اسکی مالیت جو مبلغ -/3081 روپے ہوگا۔

چیئرمین (ضلعی زکوٰۃ کمیٹی)

فارم عشر

ملاحظہ ہو قاعدہ

نقشہ کم اوسط پیداوار کم اوسط قیمت اجناس برائے عشر ضلع فیصل آباد

برائے مقامی زکوٰۃ و عشر کمیٹی ____________ کوڈ نمبر____________ موضع/محال

تحصیل________________ (فصل خریف 1991 تمام عشر سرکل ہائے)

حکم فیصلہ ضلعی زکوٰۃ و عشر کمیٹی فیصل آباد وزیر قاعدہ نمبر 5 حکم نمبر 2325 مورخہ 24 ستمبر 1991

نمبر شمار	نام اجناس	کم اوسط پیداوار فی ایکڑ (کلوگرام میں)	کم اوسط قیمت اجناس (روپوں میں)	ٹیوب ویل 33.33فیصد	شرح عشر فی ایکڑ بعد منہائی 2.5فیصد	کیفیت
۱۔	چاول باسمتی	460 کلوگرام فی ایکڑ	150 روپے فی 40 کلوگرام	58 روپے	65روپے	
۲۔	چاول	650 کلوگرام فی ایکڑ		49روپے	45روپے	
۳۔	جوار	300 کلوگرام فی ایکڑ	2.60	26روپے	23روپے	
۴۔	مکئی	300 کلوگرام فی ایکڑ	2.55	26روپے	29روپے	
۵۔	باجرہ	300 کلوگرام فی ایکڑ	3.60	36روپے	40روپے	
۶۔	تل	200 کلوگرام فی ایکڑ	6.00	40روپے	45روپے	
۷۔	سرخ مرچ	200 کلوگرام فی ایکڑ	9.00	60روپے	67روپے	
۸۔	آلو	1300	0.60	38روپے	43روپے	
۹۔	گنا	12000	15روپے فی 40 کلوگرام	150 روپے	169 روپے	
۱۰۔	کپاس	200	245 روپے فی 40 کلوگرام	41روپے	46روپے	
۱۱۔	سبزیات		-	54روپے	60روپے	
۱۲۔	باغات		-	23روپے	110 روپے	
۱۳۔	قاری چارہ ہر قسم		1800 روپے فی ایکڑ	40روپے	45روپے	

25 ایکڑ سے زائد اراضی کے مالکان کو 80 روپے فی ایکڑ سے لے کر 600 روپے فی ایکڑ تک مالیہ (Land Revenue) بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ زمین کی پیداواری صلاحیت ولیاقت کے حساب سے موجودہ شرح مالیہ یہ ہے۔

اول قسم زمین 7.50	روپے فی ایکڑ فی انڈکس یونٹ یعنی	= 7.50 x 80 = 600 روپے فی ایکڑ
دوم قسم زمین 6.75	روپے فی ایکڑ فی انڈکس یونٹ یعنی	= 6.75 x 80 = 540 روپے فی ایکڑ
سوئم قسم زمین 6.00	روپے فی ایکڑ فی انڈکس یونٹ یعنی	= 6.00 x 80 = 480 روپے فی ایکڑ
چہارم قسم زمین 4.75	روپے فی ایکڑ فی انڈکس یونٹ یعنی	= 4.75 x 80 = 380 روپے فی ایکڑ
سیلابی زمین 1.00	روپے فی ایکڑ فی انڈکس یونٹ یعنی	= 1.00 x 80 = 80 روپے فی ایکڑ

انہیں اس کے علاوہ آبیانہ بھی درج ذیل شرح سے دینا پڑتا ہے۔

مچھلی فارم	288-75 روپے فی ایکڑ
منظور شدہ باغ	69-30 روپے فی ایکڑ
عام باغ، سبزیات و پیاز وغیرہ	57-00 روپے فی ایکڑ
تمباکو- کپاس	46-20 روپے فی ایکڑ
عام چاول	44-00 روپے فی ایکڑ
چاول (ریکلیشن 5R)	77-00 روپے فی ایکڑ
لہسن- مصالحہ جات وادویات	33-50 روپے فی ایکڑ
تیل دار اجناس	31-90 روپے فی ایکڑ
جنگلات	30-80 روپے فی ایکڑ
جو، گندم، چری اور جنتر	29-40 روپے فی ایکڑ
مکئی	26-40 روپے فی ایکڑ
باجرہ، بانس، دالیں، مسور، مونگ	22-40 روپے فی ایکڑ
چارہ	18-70 روپے فی ایکڑ
نیشکر (گنا)	88-00 روپے فی ایکڑ

نوٹ: موجودہ شرح آبیانہ میں 1998 تک یااس سے پہلے نئے قوانین بننے تک)خودبخود 10 فیصدی سالانہ کے حساب سے اضافہ ہوتا رہے گا۔ اوراگر پاکستان کے موجودہ نہری نظام کو مستحکم کرنے کے لئے محکمہ انہار کونجی تحویل میں دیا گیاتو آبیانہ کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا جبکہ حکومت کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں آبیانہ کی شرح صرف 7% سے 10% بڑھے گی۔

مذکورہ اخراجات کے علاوہ 95-1994 میں ساڑھے 62 ایکڑ اور 96-1995 میں 50 ایکڑ زرعی اراضی کی بنیادی چھوٹ دی گئی ہے اس سے زائد زمین کے مالکان کودرج ذیل حساب سے زرعی دولت ٹیکس بھی دینا ہوگا۔

پہلے 5000	پیداواری یونٹ بحساب	%5	=	2500 فی بچیس ایکڑ یعنی 100 روپے فی ایکڑ
اگلے 5000	پیداواری یونٹ بحساب	%1	=	5000 فی بچیس 200
اگلے 5000	پیداواری یونٹ بحساب	%1.5	=	7500 فی بچیس 300
اگلے 5000	پیداواری یونٹ بحساب	%2	=	10,000 فی بچیس 400
اس سے اوپر والی جائیداد پر بحساب		%2.5	=	12500 فی بچیس 500

(108)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وفاقی بجٹ 97-1996ء میں پیداواری انڈکس یونٹ کی قیمت 400 روپے مقرر کی گئی ہے اب اس لحاظ سے بنیادی طور پر 2500 یونٹ یعنی سوا اکتیس ایکڑ قابل زمین دولت ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگی پھر ٹیکس کی موجودہ شرح میں 20 سے 30 فیصدی اضافہ کی بھی امید ہے لہٰذا مذکورہ بالا Rates میں اضافہ کے سبب فی ایکڑ میں بھی اضافہ لازمی ہوگا۔

New Economic Package 1993 کے تحت مرکزی حکومت کی طرف سے صوبوں کو اس ٹیکس کے علاوہ زرعی آمدنی پر بھی ایک نیا ٹیکس لگانے کی ہدایت کی گئی صوبہ سرحد اور بلوچستان نے اسکی منظوری بھی دے دی ہے جسکی رو سے 4000 یونٹ بحساب 250 روپے فی یونٹ یعنی دس لاکھ کی بنیادی چھوٹ دیکر اس سے زائد اراضی پر زیر کاشت رقبہ کی بنیاد پر 6000 یونٹ تک 2 روپے فی یونٹ یعنی (16080x2) روپے فی ایکڑ اور 600 پیدواری یونٹ سے زائد زمین کی آمدنی پر 3 روپے فی یونٹ کے حساب سے (240=80x3) روپے فی ایکڑ مزید ٹیکس بھی زمینداروں سے وصول کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی زمیندار کئی قسم کی محکمانہ فرمائشیں بھی پوری کرتے ہیں حکومتی کارندے ان سے وقتاً فوقتاً اجناس، رقم، لکڑی اور جانور تک بطور بھتہ (Fatigue) بھی لیتے ہیں اس بات کا اعتراف ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مورخہ 95-11-5 کو منعقدہ آل پاکستان کسان کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فارمرز ایسوسی ایشن کے صدر پاکستان زرعی ٹاسک فورس کے چیئر مین اور سابق وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور جناب شاہ محمود قریشی نے کہا کہ زمیندار لوگ کئی قسم کے پوشیدہ ٹیکس بھی دیتے ہیں زمینداروں اور کاشتکاروں کا یہ موقف بہت وزنی اور معقول معلوم ہوتا ہے کہ حکومت سرکاری محکموں و ملازمین میں آئے دن اضافہ کرتی رہتی ہے جبکہ پہلے ہی سرکاری مشینری پر کل بجٹ کا 14% خرچ ہو رہا ہے واقعی اگر گذشتہ 40 یا 45 سالوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک محکمہ کے کتنے ہی ذیلی محکمے وجود میں آ چکے ہیں اور سرکاری ملازمین کی تعداد میں اضافہ بھی ہو رہا ہے جس طرح محکمہ خوراک کسی خاص مقصد کے لئے خاص حالات میں معرض وجود میں آیا اور نصف صدی گزرنے کے باوجود نہ صرف ابھی تک قائم ہے بلکہ اس میں مزید وسعت ہوئی ہے گندم ذخیرہ کرنے اور راشنگ کے کام کے

لئے اس محکمہ پر ایک ارب روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں جبکہ اسکی آمدنی ہے ہی نہیں اس محکمہ میں گریڈ 20 کا سیکرٹری گریڈ انیس 19 کے ڈائریکٹرز ۔گریڈ اٹھارہ کے ڈپٹی ڈائریکٹرز اور ہر ڈویژن ضلع وتحصیل کے سطح پر بیسیوں 16 اور 17 گریڈ کے افسران موجود ہیں اسکے ساتھ ہی پاسکو بھی 1970 میں قائم کردیا گیا اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ محکمہ بھی وہی کام کرتا ہے۔

اسی طرح تین سال قبل حکومت نے ہیلتھ فاؤنڈیشن کے نام سے ایک نیا محکمہ کھولا ۔سٹاف بھرتی ہوا کاریں خریدی گئیں اور دفاتر لئے گئے اس فاؤنڈیشن کے قیام کا مقصد دیہی علاقوں اور قصبوں میں نجی شعبہ کو ہسپتال اور کلینک کھولنے کے لئے آسان شرائط پر قرض فراہمی تھا لیکن حیرانگی اس بات پر ہوتی ہے کہ تین سال گزرنے کے بعد بھی ابھی تک کسی شخص کو قرضہ نہیں دیا گیا۔

پھر وزراء وزراء مملکت مشیروں اور پارلیمانی سیکرٹریوں کی فوج ظفر موجود کی تنخواؤں والاؤنسوں، شاہ خرچیوں اور اجتماعی وانفرادی دوروں پر اس ملک کا بے پناہ سرمایہ فضول لٹایا جاتا ہے ایسے غیر ضروری وفضول اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حکومتیں عوام پر کئی قسم کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیتی ہے جو سراسر ناانصافی پر مبنی ہے لہذا حکومت آئے دن نئے نئے کثیر التعداد ٹیکس لگانے کا تجربہ کرنے کی بجائے سادہ انداز زندگی کو اپناتے ہوئے وہ اخراجات کرے جسکا ہمارا اسلامی اور ترقی پذیر ملک متحمل ہو سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں بے شک پیدوار میں اضافہ کی خاطر جدید زرعی آلات ومشینری کی سہولت مہیا کرنے کے لئے حکومت بین الاقوامی اداروں کی مدد سے بے حد کوششیں کرتی ہے مگر بدقسمتی سے ترقی یافتہ مما لک میں ہونے والی پیداوار کے برابر زرعی پیداوار کے حصول میں ابھی تک ناکامی ہی کا سامنا ہے ۔کیونکہ ابھی تک ہمارا ملک اپنی خوراک کے معاملے میں بھی خودکفیل نہیں ہوسکا اور بعض نامساعد حالات کے پیش نظر اشیائے خوردنی باہر کے ملک سے منگوانا پڑتی ہے۔

اب جاپان پوری دنیا میں سب سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے والا ملک بن گیا ہے کیونکہ وہاں چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی پر مشتمل چھوٹے چھوٹے زرعی فارم بنائے جاتے ہیں جن کو Green Houses کہا جاتا ہے ۔ان فارموں میں فصلوں کو تیزی سے بڑھانے اور زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے جدید سائنسی و کیمیائی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں ۔موسمی اثرات کی بدولت بہت مفید ثابت ہوتے ہیں ۔وہاں ایک گرین ہاوس کا مالک بڑا معزز اور امیر شخص تصور کیا جاتا ہے جبکہ یہاں 25 ایکڑ تک زرعی زمین رکھنے والے زمیندار بھی بمشکل اپنا گزارہ چلاتے ہیں ۔لہذا یہ تفاوت بھی قابل توجہ ہے ۔(109)

زرعی ٹیکسوں کے نفاذ کا تاریخی پس منظر:

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے مختلف ادوار میں لگائے جانے والے زرعی محاصل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ضروریات زندگی اور عوام کی فلاح و بہبود اور نظام حکومت کو چلانے کے لئے 'مصالح مرسلۂ' کی خاطر مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً زرعی محاصل کس قدر بڑھانے گھٹائے اور اس میں بوقت ضرورت ردوبدل کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں زرعی زمینوں کی پیداوار عشر ،فئی اور آخر میں عمان اور بحرین کی اراضی سے خراج بھی ذریعہ آمدن بن گیا۔اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کے دور خلافت میں زرعی زمینوں سے ذرائع آمدنی وہی تھے جو رسول اکرم کے زمانہ مبارک میں تھے۔

حضرت عمر کے دور خلافت میں سواد عراق کی مفتوحہ زمینوں کو ریاست کی ملکیت بنا کر ان پر خراج لگایا گیا جو قابل اعتماد اور مستقل ذریعہ آمدن بن گیا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانوں میں نظام زرعی محاصل وہی رہا جو حضرت عمر کے زمانہ میں مروج تھا ۔ان محاصل کے ساتھ ساتھ نبی اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور حکومت میں دفینوں اور معدنیات کا 1/5 حصہ لیا گیا اور سمندر سے حاصل شدہ پیداوار کا بھی 1/5 حصہ لیا جاتا رہا۔اسی طرح لاوارث ترکے ۔مرتدین اور عقد ذمہ توڑنے والے غیر مسلموں کی جائیداد بھی بحق بیت المال منتقل ہو جاتی تھی ۔حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور خلافت میں جنگلات کی پیداوار سے بھی آمدنی ہونا شروع ہو گئی تھی ۔اسکے علاوہ اراضیِ مملکت کو لگان پر دیا جاتا رہا جس سے مزید آمدن ہونے لگی۔

بنوامیہ کے دور میں بیت المال کے ذرائع آمدانی وہی رہے جو خلافت راشدہ میں تھے ۔البتہ عوام پر نئے ٹیکس لگانے اور بعض خلفاء کے ذاتی جاگیریں بنانے کے بارے میں شواہد بھی ملتے ہیں ۔مگر یہ واضح رہے کہ انہوں نے یہ جاگیریں عوام سے چھین کر نہیں بنائی تھیں ۔بنوامیہ کے دور میں جزیہ کی مقدار بھی بڑھا دی گئی اور مزید نئے ٹیکس بھی لگائے گئے ۔حجاج بن یوسف کے بھائی نے یمن کی زمینوں پر عشر کے علاوہ ایک اور ٹیکس بھی لگایا تھا۔اسی طرح عراق کے باشندوں پر نئے ٹیکس عائد کر دئے گئے ۔

رشید اختر ندوی لکھتے ہیں کہ عباسیوں کے شروع دور میں انکی آمدنی کے ذرائع صرف سات یعنی خراج 'جزیہ 'خمس 'غیر مسلموں کی تجارت پر محصول 'غنائم 'زکوۃ اور عشران کے علاوہ خلیفہ معتصم تک کسی دوسری مد پر نظر نہیں پڑی۔ دورانحطاط میں جب عباسی خلافت کا دامن سمٹ گیا افریقہ 'مصر 'فارس 'خراسان 'اور ماوراء النہر 'یمن اور کئی دو

سرے ملک ان کے اقتدار سے بغاوت کر گئے تھے۔کئی اور مدیں متعارف ہوئیں اس لئے کہ آمدنی بہت گھٹ گئی تھی اور یہ کمی نئے طریقوں سے پوری کی گئی۔ان میں دو طریقے درج ذیل ہیں۔

ا۔ ضریبۃ الارث:

یہ بھی نئے ضرائب میں سے ایک ذریعہ تھا۔یہ سب سے پہلے معتمد کے زمانہ میں متعارف ہوا۔اس دور میں رعایا کے جو افراد لاوارث مر جاتے اور اپنے پیچھے بہت سا سامان چھوڑ جاتے تھا اسے معتمد نے اپنے خزانہ میں داخل کرنا شروع کر دیا۔اس کے بعد معتمد اپنے زمانہ میں اس سلسلے میں فقہاء سے استصواب کیا کہ آیا شریعت اسکی اجازت بھی دیتی ہے یا نہیں۔اس دور کے مشہور فقیہ قاضی یوسف بن یعقوب نے اسے غیر شرعی قرار دیا۔چنانچہ معتمد نے ضریبۃ الارث کی منسوخی کا حکم جاری کیا۔یہ محکمہ توڑ کر اسکا روپیہ پیسہ ذوالاحام میں بانٹ دی۔لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق کو کچھ زیادہ دوام نہیں ملا۔351ھ میں لاوارث امراء کی وراثت پھر ریاست اپنے خزانہ میں داخل کرنے لگی اس کی ابتدا معز الدولہ نے دعلج نامی ایک امیر شخص کے متروکہ تین لاکھ مثقال سونا پر قبضہ کر لیا۔

۲۔ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں لے جانے والے معادن پر بھی اسی دور میں محصول عائد کیا گیا ہے۔نہروں کے رستوں پر بھی اور خشکی کی راہوں پر بھی ایسی چوکیاں بنائی گئیں جہاں سامان تجارت کا محاسبہ کیا جاتا۔بغداد میں ابن رائق نے 324ھ میں یہ طریق ایجاد کیا۔

جائیداد کی خرید و فروخت، سراؤں اور مکانوں کی آمدنی پر بھی محصول لگایا گیا۔سرکاری زمینوں پر جو مکانات بنائے جاتے ہیں ان سے بھی ریاست کرایہ یا محصول وصول کرتی تھی۔شرابوں، سبزیوں اور پھلوں پر بھی محصول عائد ہوئے۔عضد الدوالہ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کی خرید و فروخت پر سرکاری حق مقرر کیا۔

بغداد اور دوسرے علاقوں میں روئی اور ریشم کی مصنوعات پر بھی ٹیکس لگا۔یہ کئی بار منسوخ ہوا اور کئی بار لگایا گیا۔اسکی شرح قیمت کی دس فیصدی تھی۔330ھ میں پہلی بار زیتون پر ضریبہ عائد ہوا۔عبدالملک بن مروان نے اپنے غیر معمولی تدبر سے ٹیکس کا نظام نہایت مستحکم کیا۔(110)

عباسیوں نے زراعت کی ترقی کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا اور زرعی ترقی کے لئے آب رسانی اور دوسری تدابیر اختیار کیں۔خلیفہ متوکل کے زمانہ میں احمد بن مدبر مصر کا خراج افسر مقرر کیا گیا۔اس نے بہت سے جدید ٹیکس عائد کروائے اور نہایت سختی سے انہیں وصول بھی کیا اور اس نے بلاد مصر کی اراضی کا ٹیکس دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔خوارجی و ہلالی۔پہلا ٹیکس غلے، کھجوروں، انگور کی بیلوں اور میوہ جات کے باغات کی پیداوار پر لیا جاتا تھا۔ہلالی گھاس اور پھلوں وغیرہ کا ٹیکس تھا۔

اس کے بعد فاطمیوں کے دور میں بھی ٹیکس کا دائرہ کار خاصا وسیع کر دیا گیا اور مستنصر فاطمی نے بالخصوص اپنے آخری دور یعنی 487ھ میں ٹیکس کی مقدار میں نہ صرف اضافہ کر دیا تھا بلکہ اس زمانہ میں ان اشیاء پر بھی ٹیکس لگا دئے گئے جن پر اسلامی فتوحات سے لے کر اس وقت تک کسی فرمانروا کے زمانہ میں عائد نہ کئے گئے تھے۔

فاطمیوں کے دور میں ۱۲۲۸ گاؤں اور ۸۳۴ قصبے اور شہر تھے اور ان سے خراج کی آمدنی تین لاکھ اکسٹھ ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی۔ فاطمیوں نے کاشتکاروں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا خصوصاً معز الدین اور عزیز الدین کے عہد میں انکی فلاح و بہبود کے علاوہ غیر معمولی عنایات بھی کی گئیں۔

مملوک سلاطین نے زراعت کی ترقی کی جانب خصوصی توجہ دی اس دور میں دریائے نیل سے کاٹ کر بڑی بڑی نہریں جاری کی گئیں۔ ملک کے گوشے گوشے میں دو قسم کے پل تعمیر کئے گئے پہلی قسم کے شاہی پل تھے جو ملک کے مفاد عامہ سے تعلق رکھتے تھے اور لگان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ان پر خرچ کیا جاتا تھا۔

دوسری قسم کے پل 'بلدیہ' کہلاتے تھے۔ ان کا مفاد مقامی تھا اور ان کے اخراجات بھی مقامی کاشتکاروں کو برداشت کرنا پڑتے تھے۔(111)

زرعی محاصل کے طریقے اور شرح:

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک سے لے کر عباسی خلیفہ مہدی کے دور تک 'خراج بالمساحۃ' یعنی کھیتی باڑی کے رقبہ کی پیمائش کر کے مختلف اجناس پر مختلف شرح سے خراج وصول کرنا رائج تھا۔ خلیفہ مہدی نے اس نظام کو بدل کر پیداوار کا ایک معین حصہ ۱/۳ یا ۱/۴ اخراج مقرر کیا۔ اور مختلف قسم کی زمینوں کے لئے مختلف شرحیں مقرر کیں۔ جب ہارون الرشید برسر اقتدار آئے تو انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے عادلانہ نظام مالیات وضع کرنے کی درخواست کی جس پر انہوں نے اپنی مشہور کتاب 'کتاب الخراج' تصنیف کی اور خراج مقاسمہ کی سفارش کی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ اور مصر کے دوسرے صوبوں پر قبضہ کرنے کے بعد پہلے سال باشندوں سے پیداوار کا دو فیصدی وصول کیا۔

اس طرح معز الدین فاطمی نے اپنے عہد حکومت (۳۴۱-۳۶۵ھ) میں یعقوب بن کلس اور علوج بن حسن کو ٹیکس کا جدید نظام مرتب کرنے پر مامور کیا تھا۔ ان دونوں نے پیداوار کی مختلف اقسام کا جائزہ لیا اور اس کے بعد نظام ٹیکس کا ایک جدید خاکہ بنایا۔ پھر مستنصر فاطمی نے بھی آخری دور میں ٹیکس میں بھی اضافہ کر دیا اور کئی اشیاء پر نئے ٹیکس بھی لگا دئے تھے۔

مملوک سلطان ناصر کے عہد حکومت میں زمین کی پیداوار پر مختلف لگان تھا۔ سمندر کے محاذ کے قریب والی

زمین سے ٹیکس پیداوار کی شکل میں لیا جاتا تھا۔ یہ پیداوار گندم، جو، تل، لوبیا، مسور اور پیاز کی تھی۔ ان پر عموماً ٹیکس ایک فدان پر دو ارب سے تین ارب تک مقرر تھا۔ ساحلی علاقہ کا ٹیکس عموماً نقدی کی صورت میں لیا جاتا تھا اور ۹۰ے بیچ میں اسکی مقدار دس روپے فی فدان غیر معمولی زرخیز زمین سے وصول کیا جاتا تھا اور ساڑھے سات روپے فی فدان متوسط زرخیز علاقہ سے لیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس میں پیداوار کی قلت اور زیادتی کی بنا پر کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ الغرض زمانہ خلافت میں زرعی ٹیکس لگانے سے پہلے دو باتوں کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ پہلی، کاشتکاروں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا اور دوسری بات پیداوار میں اضافہ کر کے عامۃ الناس کی خوشحالی کی فضا پیدا کرنا۔

اس لئے پیداوار پر ٹیکس لگانے سے قبل زمین اور کاشت کاری کی حالت اور پیداواری اخراجات اور محنت پر نظر رکھنا ضروری ہوتا تھا کہ کسی حیثیت سے کاشتکار کی حق تلفی نہ ہونے پائے اور اسکی برداشت و استطاعت سے زیادہ دباؤ نہ ڈالا جائے تا کہ ظلم و زیادتی کا شائبہ نہ پایا جائے۔

حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق پر جو خراج مقرر کیا تھا وہ عراق کے دوسرے اطراف سے مختلف تھا۔ اسی طرح شام کے خراج کی مقدار عراق سے مختلف تھی۔ اسی طرح بعض جگہ زمین کی صلاحیت و لیاقت اور قوت کے لحاظ سے شرح لگان میں تفاوت تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست کو حالات اور مقامات کے لحاظ سے ٹیکس بڑھانے و گھٹانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

جس طرح پاکستان کے مختلف صوبوں، ڈویژن، اضلاع اور تحصیل کی سطح سے بھی کم سطح تک زمین کی پیداواری صلاحیت کے مطابق پروڈیوس انڈکس یونٹ کے لحاظ سے ٹیکس لیا جاتا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ صوبہ پنجاب کے قابل کاشت قطعات اراضی پر ۱۵۰ ایکڑ اور بلوچستان میں ۱۴۰۰ ایکڑ زمین کی بنیادی چھوٹ دی گئی ہے۔ یعنی بلوچستان کی زمینوں کی لیاقت ہمارے ہاں اچھی زمینوں کی صلاحیت سے آٹھ گنا کم ہے۔ اور اسی لئے اسی تفاوت کے پیش نظر بنیادی چھوٹ میں بھی تفاوت ہے۔

زکوٰۃ واجبہ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا حکومتی استحقاق:

تفصیلی بحث سے پہلے زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق بیان کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ یہ ٹیکس نہیں بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے اس لئے لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور اسے اپنے Taxation کے نظام کی جگہ لگانے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اسکے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں میں کوئی ٹیکس نہ ان مقاصد کے لئے لگایا

جاتا ہے اور نہ ان طریقوں سے صرف کیا جاتا ہے جو قرآن میں زکوٰۃ کے متعلق مقرر کئے گئے ہیں اس لئے زکوٰۃ کو حکومت کے ٹیکسوں کے ساتھ خلط ملط کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ان دونوں کے مصارف بھی جداجدا ہیں۔(112)

انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں ٹیکس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وہ ضروری ادائیگیاں جو حکومت کو خدمت عامہ کی غرض سے دی جاتی ہیں ٹیکس کہلاتی ہیں۔

Taxes are compulsory payments to the government to support the public services (10-A)

ڈاکٹر جی۔فنڈ کے نزدیک ٹیکس وہ لازمی چندہ ہے جو حکام مجاز کو اس غرض سے ادا کیا جاتا ہے کہ حکومت نے مفاد عامہ پر جو اخراجات صرف کئے ہیں انکی کفالت ہو سکے۔

Taxes are compulsory contributions to public authorities to meet the general expenses of Government which have been incurred for the public good (10-B)

راجہ آئی چلیا یوں رقم طراز ہیں ٹیکس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ حاکم مجاز کو ادا کی جانے والی وہ لازمی ادائیگی ہے جس میں ادا کنندہ کو کوئی قابل پیائش اور براہِ راست نفع حاصل نہیں ہوتا۔

A Tax has been defined as a compulsory payment to a public authority in return for which the tax payer receives no measurable direct benefit. (10-C)

ٹیکس کے مصارف میں دفاع، پولیس، تعلیم، عدالتیں، صحت عامہ، ذرائع رسل و رسائل نظم ونسق عامہ، آبپاشی، خیراتی ادارے، بے روزگاری امداد پنشن، (تفریح گاہیں، اور عجائب گھر و لائبریریاں ہیں)

زکوٰۃ اور موجودہ ٹیکس اپنے بعض مقاصد و دائرہ کار میں ایک دوسرے سے خاصے جداجدا ہیں اور ان کے نصاب شرح اور مصارف میں خاصہ فرق ہے۔زکوٰۃ کے اندر یہ امتیازات موجود ہیں کہ اس کی ادائیگی میں عبادت کا تصور، رحمت کا حصول، سخاوت کا ملکہ، ایثار کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔نیز دونوں کے مصارف بھی الگ الگ ہیں اس لئے یہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو ساقط کر سکتے ہیں۔

زکوٰۃ اور انکم ٹیکس کا فرق بیان کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں یہ فرق ہے کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس کی رقمیں غرباء ومساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔(113)

اسلامی ریاست کی اجتماعی و فلاحی سکیموں اور منصوبوں کے لئے اسلام کے مالیاتی نظام میں دس بارہ قسم کے

ذرائع آمدنی مروج رہے ہیں۔لیکن اسلامی ریاست کوان کے علاوہ اور ہنگامی ٹیکس بوقت ضرورت عائد کرنے کی مشروط اجازت بھی ہے۔ان ٹیکسوں کوفقہی اصطلاح میں 'ضرائب ونوائب' کہا جاتا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ﴾

ترجمہ: ''اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔''(114)

اس آیت قرانیہ میں اللہ کے راستے میں ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی رضا کارانہ طور پر ترغیب دی گئی ہے۔اسی طرح ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾

ترجمہ: ''ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے۔''(115)

اس آیت قرآنی میں بھی صاحب ثروت لوگوں کے مالوں میں سوالیوں اور تنگ دستوں کے حق سے مراد زکوٰۃ ہی ہے۔ڈاکٹر نور محمد غفاری نے ابوعبید قاسم بن سلام کے حوالے سے حکومت کے اس حق کے جواز میں یہ حدیث پیش کی ہے۔

((عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهُ قَالَ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ))

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔''(116)

سید قطب شہید نے ترمذی کے حوالے سے اسی حدیث کو یوں نقل کیا ہے۔'اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ' اور اس سے زکوٰۃ کے علاوہ حکومت کو ٹیکس لگانے کے اختیار کے حق میں استدلال کیا ہے۔دوران تخریج اس حدیث کے متعلق یہ حقائق سامنے آئے ہیں۔سنن دارمی میں اس حدیث کو یوں بیان کیا گیا ہے۔
اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوری نے اس حدیث کے متعلق انور شاہ کشمیری کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے۔

((ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ ولکنه غیر منضبط))

ترجمہ: ''شیخ یعنی انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ بے شک تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے اور لیکن یہ حدیث غیر منضبط ہے۔''(117)

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ

حدیث فاطمة بنت قیس قالت: ((سئل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن الزکوة: فقال ان فی المال لحقا سوی الزکوة))

ترجمہ: ''فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے زکوۃ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک مال میں تاکید حق ہے۔ زکوۃ کے علاوہ۔'' (118)

زکوۃ کے علاوہ دیگر ٹیکس لگانے کے حکومتی استحقاق کی تائید میں ابنِ حزم نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں؛

إن اللہ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقرائھم فإن جاعوا أو عروا جھد فتیمتع الأغنیاء

ترجمہ: ''کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مالوں میں اس قدر فرض کردیا ہے کہ ان کے فقراء کی کفالت کرسکے۔ پس اگر حقدار بھوکے ہیں یا ننگے ہیں اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوگا کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں۔''

ابوعبید قاسم بن سلام کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی حق میں ہیں۔ فقہاء کرام میں عطاابنِ ابی ریاح، امام شیخ طاؤس حماد بن سلمہ اور ابوعبید کا بھی یہی مسلک ہے۔ ابنِ حزم نے یہاں تک تحریر کیا ہے۔

و فرض علی الاغنیاء من اھل کل بلدان أن یقوموا بفقرائھم و یجبرھم السلطان علیٰ ذالك ان لم تقیم الزکوٰۃ بھم

ترجمہ: ''اور ہر شہر کے مالداروں پر فرض ہے کہ اپنے محتاجوں کی کفالت کریں اور سلطان انہیں اس بات پر مجبور کرسکتا ہے بشرطیکہ زکوۃ کی آمدنی اس مقصد کے لئے ناکافی ہو۔''(119)

اس طرح کے ضرائب کی مثال غزوہ تبوک کے لئے آنحضرت ﷺ کا صحابہ کرامؓ سے چندہ لینا ہے۔ جس کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا سارا مال پیش کردیا تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں گھر کا سارا سامان دینے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا۔ انہوں نے رضاکارانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا تھا۔

اس واقعہ کے پیش نظر فقہائے اسلام کے نزدیک ناگہانی صورت حال مثلاً حادثہ، جہاد، قحط وسیلاب وغیرہ کی صورت میں سرکاری خزانہ کی مدد کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ بن جاتا ہے اور اگر ضرورت ایسی ہو کہ کسی خاص علاقہ کے لئے مخصوص ہو تو اسکی ذمہ داری عام نہیں ہوگی۔

اس طرح ایسے جدید محاصل جو جائز طور پر لگائے گئے ہوں جیسے مشترکہ نہر کھودنے کے لئے یا پہرے دار کی اجرت کے لئے یا اسلامی فوج کو اسلحہ سے لیس کرنے کے لئے ، جنگی قیدیوں کے لئے یا اس طرح کے دیگر رفاہی کاموں کے لئے تو ایسے محاصل کی ادائیگی بالاتفاق جائز ہے۔

ان ٹیکسوں کی ضرورت پر علامہ ابنِ ہمامؒ نے اپنی رائے یوں پیش کی ہے کہ

ایسے نئے محصول کی ادائیگی صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت ہر ایسے امر میں واجب ہے جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔ البتہ ایسے محاصل جو مفاد عامہ کے لئے نہ ہوں ان کی ادائیگی میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

الماوردی نے جائز ٹیکسوں کے لئے حاکم وقت کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں نہایت بلیغ جملہ کہا ہے۔

لان الزيادة ظلم فى حقوق الرعية والنقصان ظلم فى حقوق بيت المال

ترجمہ: ''کیونکہ زیادتی رعایا کے حقوق پر ظلم اور کمی بیت المال کے حقوق پر ظلم ہے۔''(120)

گویا مذکورہ مفاد عامہ اور آسمانی آفتوں کی صورت میں یہی نکتہ و مقصد کارفرما ہے کہ اگر ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سرکاری خزانہ میں اتنی رقم موجود نہ ہو تو عوام پر حکمرانوں کا ٹیکس لگانا یا چندہ کی اپیل کرنا جائز ہے کیونکہ ایسے جدید ضرائب صرف مصیبت اور جہاد میں اعانت کرنے کی خاطر ہی لگائے جا سکتے ہیں۔

اسلامی قانون سازی میں 'مصالح مرسلہ' اور 'سد ذرائع' کے اصول اپنے اندر اتنی وسعت رکھتے ہیں کہ ان کے تحت ہر طرح کے سماجی مصالح کا حصول اور ہر طرح کے مضر کاموں کا ازالہ ممکن ہے۔ لہٰذا مصالح مرسلہ کے مفہوم و وسعت کے متعلق چند وضاحتیں پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔

'مصالح مرسلہ' وہ مصالح یعنی ایسے کام جن کے شرعاً معتبر ہونے پر کتاب و سنت کی کوئی نص دلالت نہ کرتی ہو مصالح مرسلہ کہلاتے ہیں۔ یہ بات فقہا کے نزدیک مختلف فیہ ہے کہ ان مصالح کا اعتبار و لحاظ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہ نہیں۔ بلا استثناء تمام ثقہ فقہاء نے ان مصالح کو ملحوظ رکھا ہے اور انہیں دلیل کے طور پر استعمال بھی کیا ہے اگر چہ ان میں سے اکثریت نے مصالح مرسلہ کو ایک بنیادی اصول تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

کئی لوگ مصلحت مرسلہ کا انکار کرتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب بھی فقہاء دو ہم جنس (ایک جیسے) امور میں مختلف امور تجویز کرتے ہیں یا دو مختلف امور کو ایک ہی حکم کے تحت قرار دیتے ہیں تو مطلق مصلحت کا اعتبار کرتے ہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں مصالح مرسلہ پر اعتبار کرنا کہا جاتا ہے۔ (121)

مذکورہ بالا آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ معتدل رائے ہی اقرب الی الصواب

نظر آتی ہے کہ مصالح مرسلہ کا اعتبار صرف ان امور میں کیا جائے گا جن میں نص قطعی وارد نہ ہوئی ہو۔لہذا مسائل عامہ میں مصلحت مرسلہ کی ایک بقدر ضرورت فنڈ موجود نہ ہوتو حکمران مال داروں پر بقدر ضرورت ٹیکس عائد کر سکتا ہے جب تک کہ خزانہ میں دوسری مدات سے کچھ آمدنی بقدر ضرورت نہ آجائے یہ طریقہ اختیار کرنا انتہائی معقول نظر آتا ہے۔البتہ مسلمان حکمران کو چاہیے کہ یہ ٹیکس فصل کٹنے اور پھلوں کے توڑے جانے کے وقت وصول کرے۔

فصل سوم

پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس

پاکستان میں زرعی ٹیکس کے قوانین کا جائزہ

زکوۃ وعشر آرڈیننس 1980ء کا اجراء

فنانس بل 1988ء میں زرعی آمدنی پر ٹیکس کا نفاذ

نیو اکنامک پیکج 1993 کے تحت زرعی اثاثہ جات پر ٹیکس

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 96-1995ء

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 97-1996ء

صوبوں کو زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے کی ہدایت

نیو اکنامک پیکج 1993 کے تحت لگایا جانے والا دوسرا زرعی ٹیکس

مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترک نسبت

فقہائے اسلام کی آراء

پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس

پاکستان میں زرعی ٹیکس کے قوانین کا جائزہ:

پاکستان میں زرعی آمدنی بڑھانے اور کاشتکاروں کو سہولیات فراہم کرنے کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً مختلف حکومتوں نے زرعی اصلاحات کا اعلان کیا جن میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ زرعی ٹیکس کے نفاذ کا تذکرہ بھی کیا گیا۔

30 جون 1959ء کو زرعی اصلاحات کمیشن رپورٹ کابینہ میں پیش کی گئی۔اس کمیشن کے چیئر مین اس وقت مغربی پاکستان کے جناب اختر حسین تھے۔کابینہ نے اس کمیشن کی سفارشات کو منظور کرلیا اوران کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اراضی کمیشن قائم کیا گیا۔جس سے سارے ملک کی زمینوں کا سروے کرکے زمینوں کی پیداواری لیاقت و قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے پیداوری اکائیاں مقرر کی گئیں ان اصلاحات کو west pakistan 1959 land reforms زیر 64 Martial law regulation کا نام دیا جاتا ہے۔ان اصلاحات میں زرعی ٹیکس کے نفاذ کا ذکر نہیں ملتا۔(122)

1972ء کی زرعی اصلاحات میں آبیانہ اور زرعی ٹیکس کی ذمہ داری مالک زمین پر ڈالی گئی اور بیج و دیگر اخراجات مالک اور مزارع کے درمیان برابر برابر تقسیم کرنے کا اعلان تو کیا گیا مگر زرعی ٹیکس کے نفاذ کے لئے کوئی مسودہ قانون پیش نہ کیا گیا اور نہ ہی اس کے لئے قانون سازی کی گئی۔محض زرعی ٹیکس لگانے کا نام لے کر اسی پر ہی اکتفا کیا گیا۔

1977ء کی زرعی اصلاحات میں مالیہ ختم کر دیا گیا اور اس کی بجائے زرعی ٹیکس وصول کرنے کو کہا گیا۔ ساتھ ہی پچیس ایکڑ بارانی زمین کو زرعی ٹیکس سے مستثنٰی قرار دے دیا گیا۔اس کے ساتھ ساتھ بارہ ایکڑ نہری اور پچیس ایکٹر بارانی زمین کے مالک کاشتکاروں کو مقامی ٹیکس اور مالیہ کی بھی 77-1976 سے چھوٹ دے دی گئی۔ اس وقت کے وزیر اعظم نے 5 جون 1977ء کو زرعی اصلاحات کے سلسلے میں تقریر کی جس میں ان باتوں کی نشاندہی کی گئی۔

☆ آج سے مالیہ ختم کیا جارہا ہے اور زرعی آمدنی کو ٹیکس کے تابع کیا جارہا ہے جو غیر زرعی آمدنی پر لاگو ہوتا ہے۔

☆ پچیس ایکڑ نہری اور پچاس ایکڑ بارانی سے کم زمین پر انکم ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔

☆ ٹریکٹروں، زرعی مشینری و آلات، ٹیوب ویلوں اور زمین کو ہموار کرنے پر جو سرمایہ کاری ہوگی اس سال کی اتنی آمدنی پر انکم ٹیکس نہیں لگے گا۔

☆ قابل ٹیکس آمدنی کا تعین کرتے وقت مجموعی آمدنی میں سے ایک معقول حصہ بطور رچارجز وصول کیا جائیگا۔

☆ زرعی آمدنی کی تشخیص کے لئے ایک سادہ طریقہ مقرر کیا جائے گا اور ہر سال پندرہ دسمبر کو گوشوارے داخل کرنا ہونگے۔ ٹیکس دو اقساط میں ادا کرنا ہوگا۔

☆ زرعی آمدنی پر انکم ٹیکس اگلے مالی سال یعنی 78-1977 سے لگایا جائے گا اور اس کا اطلاق موجودہ سال کی آمدنی پر ہوگا۔(123)

اس کے علاوہ جو آرڈیننس جاری کیا گیا اس میں زرعی آمدنی کا تخمینہ لگانے کے طریقہ کار (Procedure) اور قواعد وضوابط تک بیان کر دیئے گئے تھے۔

یہ الفاظ کسی بھی سربراہ مملکت کی ترجیحات اور زرعی انقلاب وترقی کی خاطر بظاہر واقعی بہت بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ معلوم ہوتے ہیں مگر اس کی عملی صورت سامنے نہ آسکی۔ دستور پاکستان 1973ء کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس تقریر میں جن آمدنیوں کو انکم ٹیکس سے مستثنٰی کیا گیا ہے۔ ان میں فہرست زرعی آمدنی کا ذکر ہے۔ لہٰذا زرعی آمدنی کو ٹیکس نیٹ میں لانے کے لئے کوئی ترمیم یا قانون سازی نہ کی گئی۔ صرف زبانی اور کاغذی حد تک زرعی ٹیکس پر عملدرآمد کا نفاذ ہوتا رہا۔ دستور پاکستان 1973ء کے چوتھے شیڈول کی دفعہ 47 کے تحت درج ہے کہ مرکزی حکومت زرعی آمدنی کے علاوہ دیگر قسم کی آمدنی پر ٹیکس لگانے کی مجاز ہے۔ دفعہ 47 کے الفاظ یہ ہیں۔

"TAXES ON INCOME OTHER THAN AGRICULTURAL INCOME"(124)

Constitution of Pakistan

of state, the salaries, allowances and privileges of the members of the Senate and the National Assembly and the punishment of persons who refuse to give evidence or produce documents before committees thereof.

43. Duties of customs, including export duties.
44. Duties of excise, including duties on salt, but not including duties on alcoholic liquors, opium and other narcotics.
45. Duties in respect of succession to property.
46. Estate duty in respect of property.
47. Taxes on income other than agricultural income.
48. Taxes on corporation.
49. Taxes on the sales and purchases of goods imported exported, produced, manufactured or consumed.
50. Taxes on the capital value of the assets, not including taxes on capital gains on immovable property.
51. Taxes on mineral oil, natural gas and minerals for use in generation of nuclear energy.

52. Taxes and duties on the production capacity of any plant, machinery, undertaking, establishment or installation in lieu of any one or more of them.
54. Fees in respect of any of the matters in this part, but not including fees taken in any court.
55. Jurisdiction and power of all courts, except the supreme court, with respect to any of the matters in this list and, to such extent as is expressly authorised by or under the constitution, the enlargment of the jurisdiction of the supreme court, and the confering thereon of supplemental powers.
56. Offences against laws with respect to any of the matters in the part.
57. Inquiries and statistics for the purposes of any of the matters in this Part.

زرعی آمدنی پر ٹیکس کیوں نہیں لگایا جا سکتا؟ چونکہ اس کی خاطر آئین میں ترمیم کرنا لازم ہے جو کہ قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے کوئی حکومت بھی ان ارکان اسمبلی (جن میں 87% بڑے بڑے زمیندار ہیں) کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتی۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ مسئلہ اب تک التواء میں پڑا ہے۔

پھر 5 جولائی 1978ء کو پہلی حکومت کو ختم کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ سابقہ حکومت کی انقلابی زرعی اصلاحات بشمول زرعی ٹیکس کے آرڈیننس کی مخالفت کرتے ہوئے ملک کے بڑے بڑے زمینداروں نے زرعی ٹیکس کے خاتمہ اور پرانے مالیہ سسٹم کو بحال کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ حکومت نے ان کے مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے زرعی آمدنی ٹیکس کے قوانین کو منسوخ کر دیا۔

اس وقت کے وفاقی وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے زرعی ٹیکس کے نفاذ کا ایک مسودہ قانون مرتب کرنے کے لئے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ تو ضیاء الحق مرحوم نے انہیں کہا کہ کم از کم ان کے حلقہ انتخاب کا خیال رکھا جائے۔ جن فوجی افسروں کی زمینیں ہیں وہ تو ان کے خلاف باتیں کرنے لگے ہیں۔ سول والوں پر جو ٹیکس چاہیں لگائیں فوجی زمینداروں کو چھوڑ دیں۔ لہذا ان کی خواہش پر وزارت خزانہ کے افسروں نے ایک عجیب نسخہ جھٹ تیار کر لیا اور کہا کہ فکسڈ انکم گروپ (Fixed Income Group) پر زرعی ٹیکس نہ لگائیں۔ اس طرح فوج کا نام لئے بغیر ہی کام چل جائے گا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ فوجی جرنیلوں اور بڑے بڑے افسروں کو مختلف بیراجوں پر پانچ پانچ سو ایکڑ زمین دینے اور اس کے علاوہ سرحدی علاقوں میں بھی کئی مختلف سکیموں کے تحت وسیع قطعات اراضی بھی الاٹ کئے گئے۔ اس بات سے ہرگز انحراف نہیں کیا جا سکتا کہ یہ قطعات ان افسروں کی شجاعت و دلیری اور دیگر غیر معمولی قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر عطا کئے گئے ہوں گے۔ مگر یہ امر غیر شرعی ہے کہ ان سے ان زمینوں کی آمدنی پر

ٹیکس نہ عائد کیا جائے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بھی مجاہدین میں جاگیریں تقسیم کی تھیں لیکن انہیں زراعتی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا تھا۔

اسی طرح جونیجو حکومت میں بھی ڈاکٹر محبوب الحق بطور وفاقی وزیر خزانہ اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے زرعی اصلاحات وزرعی انکم ٹیکس کی تجویز پیش کی تو اس وقت کی حکومت میں شامل و دیگر اراکین اسمبلی نے ان کی ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے 31/12/94 کو روزنامہ ''خبریں'' کو ایک تفصیلی انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ پاکستان میں اس جاگیردار طبقہ کے پاس اربوں روپے ہیں۔ جو ہماری قومی آمدنی کا 10 فیصدی ہے۔ ان کا یہ روپیہ زمینوں سے آتا ہے اور وہ اس پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں دیتے۔

زکوۃ وعشر آرڈیننس 1980ء کا اجراء:

حکومت پاکستان نے ایک مستحسن قدم اٹھا کر اسلام کے نظام مالیات کو روشناس کرانے کی کوشش کی اور 6 شعبان المعظم 1400ھ بمطابق 20 جون 1980ء کو زکوۃ وعشر آرڈیننس 1980ء جاری کیا۔ زکوۃ سے متعلقہ دفعات کا اطلاق فوراً ہوگیا۔ مگر عشر سے متعلقہ دفعات کا آغاز دو سال بعد 83-1982 سے ہوا۔

نظام عشر کے نفاذ سے اسلام کی نظریاتی اساس کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت امیدیں وابستہ کی جا سکتی تھیں کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پرآشوب دور میں چاروں اطراف سے لادینی افکار ونظریات کی یلغار ہو رہی تھی۔ مجموعی حیثیت سے اس نظام کے اجراء کو نفاذ شریعت اسلامی کی طرف ایک اہم قدم قرار دیا جا سکتا تھا۔ جس میں اگر افہام وتفہیم اور باہمی مشاورت سے چند اصلاحات وترامیم کی دی جاتیں اور قدم آگے بڑھانے کی جدوجہد جاری رکھی جاتی۔ تو معاشی میدان میں پاکستان اس منزل تک پہنچ جاتا۔ جو کہ ملک وریاست کے لئے قابل تقلید ہوتی مگر چند وجوہات کی بناء پر ایسا نہ ہوسکا۔ بلکہ اس آرڈیننس کو شرعی تقاضوں کے مطابق قابل عمل بنانے کے لئے کوئی موثر کوشش بھی نہیں کی گئی۔ کسی نے اس اقدام کی تعریف کی کسی نے اس کے نقائص کی نشاندہی کی۔ لیکن اس سے ہرگز یہ مراد نہیں تھا کہ اس آرڈیننس کی ترویج کو ترک کر دیا جاتا۔ بلکہ قابل اصلاح پہلوؤں پر غور وفکر کرنے کے بعد اس آرڈیننس کو بہتر طریقے سے قابل عمل بنایا جا سکتا تھا۔ زکوۃ وعشر ڈویژن وزارت خزانہ حکومت پاکستان نے اس آرڈیننس کی بعض دفعات میں ترمیم کر کے اب Zaqat & Ushr ordinance, 1980 No. xviii of 1980 Corrected upto October 2nd, 1994 کے نام سے شائع کیا ہے۔

اس نظر ثانی شدہ آرڈیننس کی ہیت کا اب یوں مرحلہ وار جائزہ لیا جاتا ہے۔

اس آرڈیننس کی شق نمبر ۵ کے تحت Charge & Collection of Ushr کے عنوان سے لکھا

ہوا ہے کہ اس آرڈیننس کی بعض دوسری شقوں کے ساتھ عشر حکماً اکٹھا کیا جائے گا۔(125)

شریعت اسلامیہ کی رو سے عشر آرڈیننس کی یہ شق بالکل درست ہے کیونکہ عشر جو زمین کی پیداوار کی زکوۃ ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے۔وہ اسے رضا کارانہ طور پر ادا کرے۔لیکن اگر اسلامی ریاست غریبوں اور محتاجوں کی حالت بہتر بنانے کیلئے زکوۃ خود وصول کرنے کا اہتمام کرے تو لوگ حکومت کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے عشر ادا کریں۔اس سلسلے میں اگر عوام تعاون نہ کریں یا زکوۃ دینے سے انکار کریں تو اسلامی حکومت ان پر سختی کرے۔نیز ان کے خلاف جہاد کرنے کی بھی مجاز ہے۔

اس کی مثال آنحضرت ﷺ کا حضرت اسامہؓ کی قیادت میں منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد کے لئے لشکر تشکیل دینا تھا۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس نازک دور میں بھی جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بہت سی دیگر مشکلات کا سامنا تھا اس لشکر کشی کو وقتی طور پر مصلحتاً ترک کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں۔یہ بھی کہا گیا کہ جن لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا ہے ان کے خلاف جہاد نہیں کیا جا سکتا۔مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب میں کہا کہ جس ہستی نے یہ لشکر اور قائد لشکر تشکیل دیا تھا ان کی نظر انتخاب مجھ سے کہیں بہتر تھی اور مزید فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ کے مبارک دور میں ایک رسی بھی زکوۃ دیتا تھا اور اب نہیں دیتا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔اور یہ حق ضرور وصول کروں گا۔

اسی سیکشن پانچ اور چھ کے تحت مالک زمین،گرانٹی،الاٹی،ٹھیکہ پر زمین لینے والا لیز ہولڈر،پٹے دار اور قابضین زمین کے ایک ہی معانی لئے گئے ہیں۔کیونکہ یہ قوانین زمین کے انتظام کے متعلق ہیں اور زمین والا ایسا شخص ہوتا ہے۔ جس کے قبضہ وملکیت میں زمین کا کوئی پلاٹ وقطعہ ہوتا ہے اور اس نے اس میں کوئی فصل بوئی ہو۔(126)

اس شق پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تمام قسم کے لوگوں کو ایک ہی حکم میں رکھا گیا ہے۔حالانکہ ان تمام قسم کے افراد کے پیداواری اخراجات و آمدنی الگ الگ نوعیت کے ہوتے ہیں۔کرایہ دار زمین کا کرایہ دیتا ہے۔ٹھیکیدار ٹھیکہ ادا کرتا ہے۔پٹے دار جس سکیم کے تحت زمین کاشت کرنے کے لئے حاصل کرتا ہے وہ اس کے عوض حکومت یا مالک زمین کو رقم ادا کرتا ہے۔چاہیے یہ تھا کہ اس آرڈیننس میں ان کے یہ اخراجات منہا کرنے کا اہتمام کیا جاتا۔

بے شک آنحضرت ﷺ نے کم محنت والی زمینی پیداوار کا 1/10 حصہ اور زیادہ محنت واخراجات والی زمین کا پیداوار کا 1/20 حصہ یعنی عشر اور نصف عشر کی خصوصی رعایت دے کر پیداواری اخراجات (Cost of Production) کی پہلے ہی سے معقول رعایت دے دی ہے۔اور مالک پیداوار کے لئے رعایت یعنی (Allowance) بالترتیب پیداوار کا 1/3 حصہ یا 1/4 حصہ فصل کا تخمینہ لگاتے وقت منہا کرنے کا اختیار بھی دیا ہے جس کی روشنی میں بارانی زمین کی پیداوار کا 25% یعنی 1/4 حصہ اور نہری و ٹیوب ویل سے کاشت

ہونے والی زمین کی پیداوار کا %33 حصہ زکوۃ وعشر آرڈیننس 1980 میں بطور رعایت منہا کیا گیا ہے۔ یہ بھی شریعت اسلامی کے قوانین عشر کے عین مطابق ہے۔

مگر اس قانون میں الجھن یہ ہے کہ کاشت کار یا مالک پیداوار کے لئے یہ عمومی رعایت (General Concession) تو ضرور ہے لیکن کرایہ پر زمین لے کر کاشت کرنے والے ٹھیکہ ادا کرنے والے اور اپنی زمین کو خود کاشت کرنے والے مالک پیداوار کے وسائل و مسائل اور اخراجات الگ الگ نوعیت کے ہونے کی وجہ سے ان کو الگ الگ (Allowance) دیے جانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خود کاشت کرنے والے شخص پر زمین کا کرایہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس لیز ہولڈر، ٹھیکیدار اور پٹے دار کو باقی اخراجات کے علاوہ اضافی خرچ یعنی کرایہ و قرض بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نیز تابعین کے درمیان بھی اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ زمین کا کرایہ و قرض اور صرف پیداوار پر ہی اٹھنے والے دیگر متفرق اخراجات عشر کی ادائیگی سے قبل منہا کئے جائیں یا نہیں۔ ایک گروہ کی جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت طاؤس، عطاء مکحول اور حضرت امام حنبلؒ شامل ہیں رائے یہ ہے کہ پیداواری اخراجات برداشت کرنے کیلئے جو قرض لیا جائے یا دیگر متفرق اخراجات مثلاً کرایہ زمین جو یہ ہے کہ صرف پیداوار ہی پر اٹھے ہوں، عشر لگاتے وقت منہا کئے جائیں گے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اور فقہائے احناف کے نزدیک عشر زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے سوائے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے ساقط نہیں کیا جا سکتا۔

یہ قابل غور بات ہے کہ پچیس ایکڑ کے کرایہ زمین اور ٹھیکہ ادا کرنے والے کاشت کاروں کی زرعی پیداوار کی آمدنی سے ان کے اخراجات اوسطاً ستر فیصدی زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کے چالیس فیصدی کاشت کار مزارع ہیں جو پیداوار کا پچاس فیصدی مالکوں کو دیتے ہیں۔

عشر آرڈیننس 1980 پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر علی محمد چوہدری و ڈاکٹر بشیر احمد نے یوں لکھا ہے کہ وفاقی بجٹ 83-1982 کے مطابق پاکستان کے کسانوں کو اگلی فصل ربیع سے عشر ادا کرنا پڑے گا۔ پیداواری اخراجات کل آمدنی کے پچیس فیصدی کے برابر تصور ہونگے۔ باقی پچھتر فیصدی پیداوار پر پانچ فیصدی کے حساب سے عشر عائد کیا جائے گا اور 948 کلوگرام تک گندم کی پیداوار کی کسانوں کو چھوٹ حاصل ہوگی۔ جس زمین پر عشر لاگو ہوگا اس پر سے مالیہ نہیں لیا جائے گا۔ عشر زراعت پر ایک شرعی ٹیکس ہے اور اس کی حقیقت کو چیلنج کرنے کی کوئی بھی جسارت نہیں کر سکتا۔ البتہ جس نوعیت و شکل میں یہ نافذ کیا جا رہا ہے وہ غیر تسلی بخش اور قابل تنقید ہے۔ بجٹ میں عشر کا اندازہ

لگانے کا جوطریقہ بیان کیا گیا ہے۔اس کے مطابق تیں یا چالیس روپے فی ایکڑ گندم ہے جو زیادہ قابلیت والی زمین کی پیداوار پر سو روپے یا اس سے زیادہ تک بھی ہوسکتا ہے۔پیداواری اخراجات کے متعلق انہوں نے ایک مکمل تجربہ کار ماہرین زراعت اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں زیر تعلیم پنجاب کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے 750 کسانوں کے اشتراک سے تیار کیا ہے جس کے مطابق چالیس فیصدی کسان مزارع ہیں اور وہ پیداوار کا نصف حصہ بطور کرایہ زمین کے مالک کو ادا کرتے ہیں۔لہذا مزارع کا پچاس فیصدی حصہ بطور کرایہ زمین ادا کرنا بھی جائز خرچ ہے اسے بھی خرچ تصور کیا جانا چاہیے۔اسی طرح کچھ مالکان اراضی نے زمین خریدی ہوتی ہے اور اس پر ان کی خطیر رقوم خرچ ہوتی ہیں وہ بھی رعایت کے حقدار ہیں۔

ایک مزارع جو زرعی فارم بناتا ہے اگر اس کی پیداوار میں سے کرایہ نکال بھی دیا جائے تب بھی اس کے اخراجات پچیس فیصدی زیادہ ہوتے ہیں۔اگر کاشت کار خود مالک ہو تو پھر بھی اس کے اخراجات اس کی آمدنی سے گیارہ تا اٹھارہ فیصدی زیادہ ہوتے ہیں۔مگر جن لوگوں نے زمین اپنے آباؤاجداد سے حاصل کی ہوتی ہے ان کی زمین کے کرایہ کا فائدہ بطور خرچ وضع کرنے کی مختلف نوعیت ہوتی ہے۔لہٰذا یہ تجویز ہے کہ وہ لوگ جنہیں عشر کے نفاذ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ زرعی سیکٹر پر ٹیکس لگانے سے پہلے خرچ اور آمدنی کا صحیح اندازہ و تجزیہ ضرور کرلیں۔اور مارکیٹ اور شہروں سے دور دیہی علاقوں کے کاشت کاروں کے اضافی اخراجات پر بھی غور کیا جائے۔

نقدی کی صورت میں عشر کی وصولی زیادہ آسان ہوگی اس کا اندازہ (Farm Gate Price) کی بنیاد پر لگایا جائے کیونکہ سرکاری سطح پر یا بجٹ میں مقرر کردہ قیمتیں فارم گیٹ قیمتوں کی ہرگز نمائندگی نہیں کرتیں۔حکومت نے ان کاشتکاروں کے سٹورز اور فارمز ٹیکس سے مستثنٰی قرار دیئے ہیں جن کی پیداوار 948 کلوگرام گندم یا اس سے کم ہو۔اس تفریق سے بدعنوانیوں میں اضافہ ہونے کے زیادہ امکانات موجود ہیں۔لہذا زرعی اثاثہ جات کی ایسی مناسب وضاحت کی جائے یا اس کا کرایہ مقرر کیا جائے تاکہ یہ سہولت و رعایت دیگر تمام مالکان اراضی کو بھی میسر ہو سکے۔لہذا یہ واقعی قابل تحقیق پہلو ہے کہ کون کون سے پیداواری اخراجات (Cost of production) تشخیص عشر کے وقت منہا کئے جائیں اور کون سے منہا نہ کئے جائیں۔کیونکہ عشر کے مقابلے میں جب کوئی دوکاندار اپنا گوشوارہ آمدنی دیتا ہے تو وہ اس میں ایک (Computation Chart) منسلک کرتا ہے جس میں کل فروخت اور کل آمدنی درج ہوجاتی ہے۔اور پھر جو اخراجات اس آمدنی سے نکالے جاتے ہیں ان میں کرایہ دوکان (سالانہ) خاطر تواضع پر خرچ ہونے والی رقم، ٹیلیفون بل، چوکیدار کی تنخواہ اور ملازموں کی تنخواہ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔اس لحاظ سے دوکاندار تیں ہزار کی چھوٹ کی آڑ میں تمام اخراجات نفی کرکے بہت کم خالص آمدنی ظاہر کرنے کے بعد اس میں

بنیادی چھوٹ نکال کر باقی قابل ٹیکس آمدنی پر ٹیکس ادا کرتا ہے۔اس لئے عشر کی تشخیص کرتے وقت 1/3 یا 1/4 حصہ رعایت کے علاوہ زمین کا کرایہ و ٹھیکہ منہا کرنے کی سہولت ہونی چاہیے۔اس آرڈیننس کی یہ شق قابل ترمیم ہے تا کہ کاشت کاروں کی سہولت کو مدنظر رکھا جا سکے۔زکوۃ وعشر آرڈیننس 1980ء کے صفحہ نمبر 11 پر شق نمبر ۵ کے ذیلی جزو (۵) میں عشر کی وصولی (Collection) کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

(Ushar shall be collected in Cash) یعنی عشر نقدی کی صورت میں وصول کیا جائے گا۔اس ضمن میں لگائی جانی والی نقد عشر کی وصولی کی پابندی غلط ہے۔اس میں وصول کرنے والے عملے کے لئے بے شک بہت آسانی ہے لیکن عشر گزاروں کے لئے دقّت ہے۔کیونکہ کاشت کار ہمیشہ اجناس فروخت کرنے کے بعد ہی نقد رقم کی صورت دیکھ سکتا ہے۔اس لئے شق میں تبدیلی (Amendment) کرکے یہ امر مالک پیداوار پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ چاہے تو بصورت جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورت نقدی۔

نصاب:

اس آرڈیننس کی رو سے عشر کا موجودہ نصاب پانچ وسق گندم یا دوسری اجناس یا اس کے برابر قیمت/مالیت مقرر ہے۔اور پانچ وسق سے کم پیداوار کے مالک کو عشر کی چھوٹ دی گئی ہے۔بعض افراد کے نزدیک یہ بات نہ صرف فقہی نقطۂ نظر سے غلط ہے بلکہ عشر کے مقاصد یعنی ''غربت و افلاس'' کو ختم کرنے کے بھی خلاف ہے ان کا یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ نصاب متنازعہ فیہ ہے۔اس اعتراض کا کوئی جواز نظر نہیں آتا کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے فرامین'' قال لیس فیما اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ اور قال فی خمسۃ او ساق الزکوۃ'' کی روشنی میں صاف طور پر پانچ وسق کے نصاب کا ثبوت موجود ہے۔اس مسئلے سے متعلق حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے کہ عشر کا کوئی نصاب نہیں۔یہ ہر قلیل و کثیر مقدار پیداوار پر واجب ہے۔احادیث نبویہ جن میں پانچ اوسق سے کم پیداوار پر زکوۃ نہ ہونے اور پانچ اوسق پیداوار پر ہی زکوۃ کے واجب ہونے کا بیان ہے سے متعارض ہے اور یہ رائے شریعت اسلامی کے اس عمومی نظریے کے بھی خلاف ہے کہ زکوۃ صرف اغنیاء پر واجب ہے اور نصاب ہی وہ کم سے کم مقدار ہے جس سے انکی یعنی مالداری کا علم ہو سکتا ہے۔اس لئے شریعت نے تمام اموال زکوۃ میں نصاب مقرر کیا ہے۔(127) ارشاد ربانی ہے۔

آیت نمبر ۱۔ ﴿کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ﴾ (128)

آیت نمبر ۲۔ ﴿وَفِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ﴾ (129)

آیت نمبر ۳۔ ﴿وَخُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً﴾ (130)

سے زیادہ قریب ہے۔اس لئے یہ نہ تو عشر کی مقصدیت کے خلاف ہے اور نہ ہی متنازعہ فیہ ہے۔

فصلوں کی پیداوار کا اندازہ لگانا:

اس آرڈیننس کے تحت تمام فصلوں کا تخمینہ اوسط (Estimate Average production) سے بھی کم یعنی کم اوسط پیداوار کے مطابق لگایا جاتا ہے اور ساتھ ہی اجناس کی قیمتیں بھی اوسطاً نہیں بلکہ وہ بھی اوسط درجے سے بھی کم لگائی جاتی ہیں۔ یہ اقدام بے شک کاشتکاروں کی سہولت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔اور اس سے عشر کی ادائیگی کا حکومتی ترغیبی پہلو بھی موجود ہے۔مگر یہ طریقہ غیر مناسب ہے کیونکہ پیداوار کا صحیح اندازہ لگانا اور اجناس کی اصلی قیمتوں کا تعین کرنا ہی شرعی تقاضوں کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔اور اس میں کمی بیشی کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔لہذا زکوۃ وعشر آرڈیننس 1980 میں مقرر کردہ نصاب عشر یعنی پانچ وسق زیادہ موزوں اور مناسب نظر آتا ہے۔اور فرامین الٰہی کی روح کے مطابق ہے۔

اس عشر آرڈیننس کی خامی یہ ہے کہ فقہ جعفریہ کے ماننے والوں سے عشر وصول کیا جائے گا یا نہیں اور اگر وصول کیا جائے گا تو کس کس پیداوار پر اور کس شرح سے اس آرڈیننس میں اس کا ذکر کہیں موجود نہیں ہے۔(131)

عشر کی تشخیص کا طریقہ بھی غیر تسلی بخش اور اسلامی رواج سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اندازہ لگانے والے فصل پکنے سے پہلے ہی سروے کر لیتے ہیں حالانکہ وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کی مناسبت سے فصل کٹنے کے دن کی تخصیص ملتی ہے یہ بھی قابل ترمیم پہلو ہے۔

عشر آرڈیننس 1980 کی شق نمبر ۶ میں "Mode of assesement and Collection of ushr" کے تحت درج ہے کہ صوبائی محکمہ مال عشر کی تشخیص اور وصولی مجوزہ طریقے سے جو بھی اس آرڈیننس کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرے گا۔عاملین عشر کی عمومی کارکردگی کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ محکمہ مال نے اس سلسلے میں شروع شروع میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔یہاں تک کہ 83-1982ء سے 1988-1987 تک عشر کی تشخیص اور وصولی تقریبا 87 فیصد تک پہنچ گئی۔ پھر یہ شرح 89-1988 میں کم ہو کر بہتر فیصد تک آ گئی۔ 90-1989 میں یہ شرح 45.37 فیصد اور 91-1990 میں 56.28 فیصد اور پھر 92-1991 میں یہ شرح 27.78 فیصد تک گر گئی اور بالآخر 93-1992 میں عشر کی تشخیص اور وصولی کی شرح بہت زیادہ حد تک یعنی پچھتر فیصد کم ہو گئی۔اس صورت حال کی وجوہات معلوم کرنے کے سلسلے میں ضلعی عشر کمیٹی فیصل آباد کے عشر کلرک اور تحصیلدار نے بتایا کہ گزشتہ تیرہ سالوں کے عرصہ کے دوران 2364 ملین روپے بطور عشر تشخیص کئے گئے جن میں سے 1868 ملین روپے کی وصولی بھی ہوئی مگر بعد میں وصولی تو درکنار (Assesment) بھی نہ ہو سکی اور نہ ہی تشخیصی نوٹس

کاشت کاروں کو بھجوائے جا سکے۔(132)

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے متعلقہ ڈپٹی کمشنر صاحب چھ چھ ماہ اور ایک ایک سال تک اپنی میز پر تشخیص شدہ نوٹسوں پر دستخط تک نہ کرتے تھے۔ غالبا بعد میں انہیں اس کام کیلئے وقت ہی نہیں ملتا تھا اور نہ ہی نوٹس زمینداروں تک پہنچانے کا کوئی خاص اہتمام کیا گیا بلکہ متعلقہ قصبوں و گاؤں کے نمبردار حضرات کو بھیجے گئے۔نوٹس متعلقہ کاشت کاروں تک بھی نہ پہنچائے گئے۔اس کے علاوہ اتنے سالوں میں سوائے عشر کلرکوں کی ایک تربیتی ورکشاپ کے عشر انتظامیہ نے اس محکمہ کے اہل کاروں کی تربیت کا کوئی انتظام ہی نہیں کیا۔اوراب صورت حال یہ ہے کہ تمام عشر کمیٹیوں کا ریکارڈ سربمہر کرکے متعلقہ ضلع کے ڈپٹی کمشنروں کے دفاتر میں رکھ دیا گیا ہے۔اوراب اس نظام کو دوبارہ اچھے اسلوب سے شروع کرنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔مرکزی زکوۃ انتظامیہ کے مطابق تمام صوبوں کے محکمہ مال کے افسروں نے عشر اکٹھا کرنے کی خدمت کے بدلے میں معاوضہ کا مطالبہ کیا ہے۔جس کے بارے میں متعلقہ محکموں کے مابین بات چیت ہورہی ہے۔اوراگر یہ معاملہ طے پا گیا تو اس نظام کو فی الفور شروع کردیا جائے گا۔تاہم اس کام کی رفتار خاصی سست نظر آتی ہے۔

اس سے قبل 92-1991 میں نئی حکومت نے صوبائی محکمہ مال سے تمام اختیارات واپس لے لئے۔تمام زکوۃ و عشر کمیٹیاں توڑ دیں اور تمام انتظامات وفاقی حکومت کے سپرد کردیئے اور نئے سرے سے ملکی سطح پر زکوۃ کمیٹیوں اور بیت المال کے چیئرمین و وائس چیئرمین مقرر کئے۔مگر یہ بات افسوس ناک ہے کہ عالم و فاضل انتظامی صلاحیت رکھنے والے اچھے باکردار افراد کو فراموش کرتے ہوئے تمام تقرریاں صرف اور صرف سیاسی وابستگیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئیں۔پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ان مقرر کردہ عہدیداروں کے مطالبہ پر بھاری رقوم خرچ کرکے انہیں نئی جیپیں اور موٹر سائیکلیں خرید کردی گئیں حالانکہ اس سے پہلے یہی کام سرانجام دینے والے لوگوں نے اسی طرح کی سہولت حاصل کئے بغیر یہ سعادتیں حاصل کیں۔

موثر و بااختیار محکمہ احتساب کا عدم وجود:

اسلامی اقدار کے تحفظ کی خاطر اسلامی ریاست میں ایک موثر اور بااختیار ادارہ احتساب کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔جس کے قواعد وضوابط کو اسلامی نظام عدل سے ہم آہنگ کرکے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

موجودہ نظام عشر میں اس کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے کہ مرکزی زکوۃ فنڈ کی سالانہ یا اس سے کم مختصر وقتوں پر آڈٹ کرانے کے لئے صوبائی زکوۃ کونسل آڈیٹروں کو مقرر کرے گی ۔ جو ایسے اشخاص ہوں گے جو کہ چارٹرڈ اکاونٹنٹ ہوں کسی ضلع میں مقامی زکوۃ فنڈ کا سالانہ یا اس سے کم مختصر وقتوں پر آڈٹ کرانے کیلئے ضلعی کمیٹی آڈیٹروں

کومقرر کرے گی۔اسی طرح مقامی زکوٰۃ کونسل آڈیٹروں کومقرر کرے گی جو ایسے اشخاص ہوں گے جو اس کی رائے میں اس کام کے اہل ہوں ۔(133)

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے "اسلامی اقدار کے تحفظ کیلئے ادارہ احتساب کی ضرورت" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ موجودہ مسودہ قوانین پر نظر ثانی کر کے اسے اسلامی دیوان مظالم یا ادارہ مظالم کی اچھی روایات سے ہم آہنگ کر دیا جائے تو ہم یقینی طور پر اسلامی درخشندہ روایات کو زندہ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔مگر موجودہ نظام عشر میں وہ احتسابی خلاء موجود ہے جو اسلامی ریاست میں عامۃ الناس کی امانتوں میں خیانت کرنے والوں کا محاسبہ کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے ۔(134)

فنانس بل 1988ء میں زرعی آمدنی پر ٹیکس کا نفاذ:

فنانس بل 88-1987 میں زرعی آمدنی کو دوسری قابل ٹیکس آمدنی میں ضم کرنے کا حکم حکومت پاکستان نے فنانس بل 88-1987 میں زرعی آمدنی کو دیگر Taxable Income میں شامل کرنے کا حکم زیر "Notification No. S.R.O. 766 (1) / 88 Dated Sep 1988" جاری کیا جس کے مطابق یکم جولائی 1987ء سے کاروبار کرنے والے مالکان زرعی زمین یعنی جو ٹیکس گذار ہوں یا کسی کمپنی کے ڈائریکٹر وغیرہ ہوں کی زرعی آمدنی کو کاروباری آمدنی (Business Income) میں "For the Rate Purpose" کے کلیہ کے تحت شامل کر دیا گیا۔

زیر عنوان:

"Inclusion of Agricultural Income in Total income" یعنی اگر کسی شخص کی کاروباری آمدنی پچاس ہزار روپے ہے تو اس میں سے بنیادی چھوٹ تیس ہزار روپے نکال کر باقی قابل ٹیکس آمدنی یعنی بیس ہزار روپے پر دس فیصد کی شرح سے ٹیکس مبلغ -/2000 روپے بنتا ہے۔سی طرح اگر اس شخص کی زرعی آمدنی بھی پچاس ہزار روپے ہے تو اس پر بھی ٹیکس دو ہزار روپے بنے گا اور یہ دونوں ٹیکس یعنی کل ٹیکس چار ہزار روپے بنے گا۔ پھر اس ٹیکس میں سے درج ذیل فارمولے کے مطابق جو ہندسہ آئے گا وہ بطور رعایت اس ٹیکس سے منہا کر کے باقی رقم بطور ٹیکس واجب الادا ہوگی۔رعایت کا فارمولا یہ ہے ۔(135)

$$\text{Rebate} = \frac{\text{Total tax X Business income}}{\text{Total income}}$$

یعنی خصوصی رعایت = کاروباری آمدنی x کل ٹیکس

کل آمدنی

اس قانون میں چونکہ زرعی آمدنی کو ٹیکس کے لئے دوسری آمدنی میں شامل کرنے کی شرائط میں مالک زرعی زمین کا ٹیکس گزار ہونا یا کسی کمپنی کا ڈائریکٹر ہونا شامل تھا لہذا زمیندار یہ کہہ کر چھٹکارہ پا لیتے تھے کہ فلاں کاروبار میرا نہیں ہے۔یعنی میرے نام نہیں ہے یا اگر کاروبار اس کے نام پر ہے تو پھر زرعی زمین کا انتقال اس کے نام نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسی صورت حال ہے جس سے مروجہ نظام زرعی محاصل کے نقائص دور کرنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی اور نظام معیشت کو استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔اب ٹیکس گزار ہونے کی شرط واپس لے لی گئی ہے۔

اس کے علاوہ دوسرا فائدہ زمینداروں کو یہ بھی حاصل تھا کہ دولت ٹیکس ایکٹ کی رو سے سیکشن 2 اور 4 کی وضاحت کے تحت ویلتھ ٹیکس افسر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ میاں بیوی کی الگ الگ جائیداد کو (Association of Persons) A.o.P بنا کر ٹیکس لگانے کی خاطر اکھٹی کر سکتا ہے۔اور مزید یہ کہ دولت ٹیکس افسر کسی بھی کم سن بچے کو اس کی والدہ یا والد کے ساتھ منسلک کر کے ٹیکس لگانے کا بھی مجاز ہے۔مگر زرعی اراضی کے مالکان کو یہ سہولت بھی دے دی گئی کہ مذکورہ اختیارات کے برعکس ان کی آمدنی کو اکھٹا نہیں کیا جا سکتا۔درحقیقت یہ واقعی بڑی امتیازی سہولت زمینداروں کو میسر ہے جو شرعی اصولوں کے عین مطابق بھی ہے۔

اس قانون میں یہ ایک نمایاں خامی ہے کہ اس کے تحت داخل کردہ گوشواروں میں زرعی آمدنی کی تفصیل یعنی کل رقبہ کل آمدنی و دیگر کوائف فراہم کرنے کی شرط نہیں۔ جو دور اندیش ٹیکس گزار زمیندار اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ زرعی آمدنی کی مد "Under head of Agricultural income" میں دو چار سال کے گوشواروں میں آمدنی ظاہر کر کے ٹیکس ادا کر دینے کے چند سال بعد بڑے پیمانے پر کاروباری یونٹ لگا لیتے ہیں اور محکمانہ انکوائری پر وہ یہ کہہ کر نجات پا لیتے ہیں کہ وہ ان کی زرعی آمدنی ہے اور اسے وہ گوشواروں میں ظاہر کر چکے ہیں۔ اس طرح وہ "Concealment Case" (آمدنی چھپانے کے کیس) سے بری ہو جاتے ہیں ورنہ Income Tax Ordinance 1979 کے سیکشن تیرہ کے تحت غیر وضاحت شدہ سرمایہ سارا Taxable ہوتا ہے۔اور پھر اس پر عائد شدہ ٹیکس کے برابر جرمانہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔لہذا یہ کوئی معمولی رعایت نہیں جو زمینداروں کو حاصل ہے اس کے علاوہ زمیندار زرعی آمدنی سے بڑے بڑے پلازے، شاپنگ سنٹرز اور کاروباری مراکز اور بڑے بڑے عالیشان محلات خرید کران سے روزانہ، ماہانہ اور سالانہ بڑی بڑی آمدنیاں حاصل کرتے ہیں مگر وہ اس کروڑوں، اربوں روپے کے سرمایہ پر انکم ٹیکس ادا نہیں کرتے کیونکہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء کی رو

سے زرعی آمدنی ان میں شامل ہے جن آمدنیوں پر انکم ٹیکس نہیں ہے لہذا "Basic Invested Capital" کی تصریح بذات خود کاروباری حضرات کے لئے بنیادی مشکل مرحلہ ہوتا ہے یعنی یہ بات واضح کرنی کہ اس کاروبار کو شروع کرنے میں جو کروڑوں اربوں روپے خرچ کئے گئے ہیں وہ کہاں سے اور کس ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں اور اگر اس کی تسلی بخش وضاحت نہ ہو تو یہ سرمایہ سارے کا سارا قابل ٹیکس قرار پائے گا۔(فنانس بل 1988 کے نوٹیفیکیشن کی کاپی منسلک ہے)

(1) Agricultrual income [:]

[provided that,in case an assessee has, in any income year, any income (other than the agricultural income) which is chargeable to tax thereinafter called chargeable income. The agricultural income shall be included in the total income so however that the tax payable on the chargeable income shall be an amount which bears the same proportion to the chargeable income as the tax on total income bears to the total income.

Provided further that nothing contained in the first provis shall apply in the case of an individual, not being a director or of a company, whose chargeable income does not consist of, or include, income chargeable under the head income from business or profession.

Cl. (1) Agricultural income: See section 2(1) for definition and Rule 25 of income Tax Rules. 1982 for competition where income is partly agricultural and partly from business.

Inclusion of agricultural income in total income: following is an extract from Cirular No.20 of 1988 dated, 8 Oct, 1988 is as follows.

Two provisions have been added to clause (1) of art 1 of the second schedule to the ordinanc. The first proviso has been added through the Finance Ordinance,1988 and the second proviso through notification No. S.R.O 766(1)/88 dated September 7, 1988.

The effect of these provisos is that agricultural income shall be included in the total income of the following two types of assessees.

(a) Directors of a company and

(b) other assessees, whose total income consists of or includes, income from business or profession. However, tax shall be chargeable only on non agricultural income or prorata basis. The following example is given by way of illustration.

<u>Example:</u>

Agricultural income = Rs. 100,000/-

other income. = Rs. 50,000/-

Total income = Rs. 150,000

Total tax on total income (say) = Rs. 26,600

Tax payable = Tax on total income x other income = total income

$$= \frac{26,600 \times 50,000}{150.000} = 8.867$$ (136)

نیو اکنامک پیکج 1993 کے تحت زرعی اثاثہ جات پر ٹیکس کا نفاذ:

New Economic Package1993 کے تحت زرعی ٹیکس کے قوانین مختلف حکومتوں کی مسلسل ناکامیوں اور مجبوریوں کے بعد عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے قرض واپس کرنے اور ذرائع آمدنی بڑھانے کے مطالبہ کی روشنی میں پاکستان کے نگران وزیراعظم جناب معین قریشی نے 19 اگست 1993 کو New Economic Package کا اعلان کرتے ہوئے زرعی اثاثہ جات و سرمایہ پر دولت ٹیکس ایکٹ کے تحت ٹیکس لگادیا۔ اس پیکج کے الفاظ یہ ہیں۔

The Care-Taker prime Minister of Pakistan, Mr. Moeen Qureshi announced economic package of reforms on August 19th 1993. The mini budget type package of economic reforms is briefly discussed as under:

(i) Wealth Tax on Agricultural Holdings.

Wealth tax has been imposed on agricultrued holdings with exemptional limit.

(ii) Tax on Agricultural Income the provincial Government will introduce a tax on Agricltural income at the rate fo Rs. 2 per produce index unit who own land which procduce an output equal to less than 4000 produce index unit will be exempted from agricultural tax. (137)

اس پیکج میں دو طرح کے ٹیکس متعارف کرائے گئے۔ یعنی زرعی سرمایہ و اثاثہ جات پر دولت ٹیکس کا نفاذ اور صوبوں کی سطح پر وفاقی حکومت کے حکم پر زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے احکامات۔ لہٰذا اس کے پہلے حصے کے مروجہ قوانین کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ وزارت خزانہ حکومت پاکستان کی طرف سے فنانس بل 1994 میں زرعی سرمایہ و اثاثہ جات پر دولت ٹیکس ایکٹ کی دفعہ 14 کے تحت ٹیکس عائد کیا گیا۔ جن کے مطابق ہر زمیندار خواہ وہ پہلے ٹیکس گزار ہے یا نہیں دونوں صورتوں میں وہ مروجہ قوانین کے تحت اپنا گوشوارہ تحصیلدار یا مختار کار سے تصدیق کروا کر محکمہ مال یا محکمہ انکم ٹیکس کے دفاتر میں جہاں وہ چاہیے جمع کروانے کا پابند ہے۔

Wealth Tax Return کے جوزرعی اثاثہ جات پر مشتمل ہوگی۔Past 1 میں زرعی اثاثہ جات کی تفصیل مطلوب ہوتی ہے جس میں زرعی زمین کا احدود اربعہ کوڈ نمبر ضلع زمین کا ایکڑ کے حساب سے ایریا اور کل پروڈیوس انڈکس یونٹ درج کرنا ہونگے۔

ٹیکس گزار کو اس گوشوارہ کے Past 1 شق نمبر ۸ کے تحت ایک سرٹیفکیٹ دینا ہوگا جس میں حلفا بیان کرنا ہوگا کہ اس گوشوارہ مین درج شدہ اثاثہ جات کے علاوہ اس کے نام اور اس کے کم سن بچوں کے نام کوئی قابل ٹیکس اثاثہ جات نہیں ہیں۔

Past II میں وہ زرعی اثاثہ جات درج ہوں گے جنہیں مستثنیٰ Claim کیا گیا ہو مثلاً ایک پک اب جو زرعی مقاصد کیلئے استعمال ہوتی ہو اور اس کے علاوہ ایک مزید گاڑی بشمول پجارو کے جو زمیندار کے ذاتی استعمال میں ہو۔

Part III ٹیکس وضع کرنے (computation) کے متعلق ہے اس میں مختلف حد تک زرعی زمین کی صلاحیت کے مطابق وضع کردہ Prodce Index unit کے ریٹ دیئے گئے ہیں۔سیکشن ۵ (ا) کے تحت پانچ ہزار یونٹ بحساب دوسو روپے فی یونٹ یعنی دس لاکھ روپے کی مالیت کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔
پانچ ہزار یونٹ تقریباً ساڑے باسٹھ ایکڑ بنتی ہے جسے ٹیکس سے Exempted کیا گیا۔اس کے بعد درج ذیل شرح کے حساب سے ٹیکس Calculate کیا جائے گا۔

1 : on the First Rs. 500,000 of net wealth	5%	= 2500 per 25 Acres
2 : on the next Rs. 500,000 of net wealth	1%	= 75000 per 25 Acres
3: on the next Rs. 500,000 of Net wealth	2%	= 10,000 per 25 Acres
4 : on the next Rs. 500,000 of net wealth	2%	= 10,000 per 25 Acres
on the balance net wealth	2.5%	= 12500 par 25 Acres

(138)

یعنی slab نمبر ا کے لحاظ سے 100 فی ایکڑ۔Slab نمبر ۲ کے لحاظ سے 200 روپے فی ایکڑ۔Slab نمبر ۳ کے لحاظ سے 300 روپے فی ایکڑ۔slab نمبر ۴ کے لحاظ سے 400 روپے فی ایکڑ اور Slab نمبر ۵ کے حساب سے زرعی ویلتھ ٹیکس مبلغ 500 روپے فی ایکڑ بنتا ہے۔

جن زرعی اثاثہ جات کو ٹیکس عائد کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہوگی۔

ا۔ اگنے والی فصلیں اور زرعی زمین پر اگنے والی گھاس و درخت اس رعایت کے سلسلے میں اگر اسلامی نظام زرعی

محاصل پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے زرعی پیداوار پر عشر کے وجوب کا ثبوت ملتا ہے مگر اس قانون میں اسے الٹ کر دیا گیا ہے۔ پیداوار کو چھوڑ کر زمین کی پیداواری صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی مالیت وقیمت پر ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ یہ کسی لحاظ سے بھی موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس شق میں خود رو درخت اور گھاس کو جو Exempt کیا گیا یہ اسلامی نظام زرعی محاصل کے عین مطابق ہے۔

۲۔ ایسی زمین جو مالک زمین/ٹیکس گزار نے حکومت سے شجاعت و بہادری کے اعتراف میں حاصل کی ہو۔ اس رعایت کا اطلاق خصوصاً فوجیوں کی زمینوں پر ہوتا ہے۔ جنہیں حکومت ان کی بہادری و کارناموں کے عوض مختلف سکیموں کے تحت قطعات اراضی عطا کرتی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں چند کبار صحابہ کرامؓ اور مجاہدین اسلام کو جاگیریں عطا کی گئی تھیں۔ زمین الاٹ کر دینا بذات خود بہت بڑی رعایت ہے۔ اس سے مالک زمین اس بات سے محفوظ رہتا ہے کہ زمین اس کے پاس کہاں سے اور کس ذریعے سے آئی۔ اگر خریدی ہے تو پیسے کہاں سے آئے کیا۔ ذریعہ آمدنی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر پوری اسلامی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ ان عطا کردہ جاگیروں پر عشر وخراج یا مالک گذاری کو معاف نہیں کیا گیا۔ لہذا یہ رعایت بھی غیر شرعی ہے۔ کوئی بھی بہادر فوجیوں کی خدمات سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی انہیں تمغہ جات (Medals) اور زمین دینے کی مخالفت کرتا ہے۔ البتہ ان زمینوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دینے کا فیصلہ امتیازی ہے۔ جس کی وجہ سے طبقاتی تقسیم کا اندیشہ ہو سکتا ہے اور انصاف کے تقاضوں کے برعکس ہے۔

۳۔ پانچ ہزار انڈکس یونٹ بحساب 200 روپے فی یونٹ یعنی 5000 x 200 = 1,00 000 دس لاکھ روپے کی مالیت کی زمین یعنی ساڑھے باسٹھ ایکڑ زرعی زمین۔

۴۔ زرعی آلات ومشینری بشمول ٹریکٹر، ٹیوب ویل اور وہ مشینری جو پیداوار بڑھانے کیلئے استعمال ہوتی ہو۔

۵۔ ایک پک اپ جو زرعی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہو۔ اور ایک موٹر گاڑی جو مالک زمین کے ذاتی استعمال میں ہو۔

شق نمبر۳ میں دی گئی بنیادی چھوٹ اپنی جگہ پر بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ پانچ ہزار پروڈیوس انڈکس یونٹ 62/1/2 ایکڑ زرعی زمین بنتی ہے۔ جس کی قیمت صرف دس لاکھ لگائی گئی ہے۔ ارزاں زرعی زمین بھی اب کم از کم ایک لاکھ روپے فی ایکڑ اور شہروں کے قریب واقع زرعی زمین پانچ دس اور بیس لاکھ فی ایکڑ کے حساب سے بھی بمشکل ملتی ہے۔ اس قانون میں اتنی بڑی چھوٹ دینا دیگر ٹیکس گزار طبقوں سے امتیازی سلوک کے مترادف ہے جبکہ ایک سرکاری ملازم کو اب انکم ٹیکس آرڈیننس کی رو سے صرف اور صرف پچاس ہزار روپے کی چھوٹ دی گئی ہے۔

لہذا اس میں ترمیم ضروری ہے۔ کیونکہ پروڈیوس انڈکس یونٹ 1977 میں بنائے گئے تھے۔ بیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد قیمتیں بہت بڑھ چکی ہیں۔ پیداواری انڈکس یونٹ دوبارہ زمینوں کا سروے کرانے کے بعد مقرر کئے جائیں۔ اور پھر ان کے مطابق زمینوں کی مالیت نئے سرے سے مقرر کر کے بنیادی چھوٹ دوبارہ مقرر کی جائے۔ اس کے علاوہ زرعی مشینری و آلات کی چھوٹ بالکل درست ہے۔ جب کہ پک اپ اور ذاتی استعمال کی ایک گاڑی کا بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی اور شخص یا ملازم سیکنڈ ہینڈ اور گاڑی خریدے تو انکم ٹیکس حکام دفتر بلا بلا کر اس کی وضاحت طلب کرتے ہیں۔

۶۔ وہ مویشی و جانور جو صرف اور صرف زرعی مقاصد کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ وہ بھی ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ سوائے ان جانوروں کے جنہیں تجارتی مقاصد کیلئے پالا گیا ہو۔ اس شق میں مذکورہ استثنیٰ شرعی لحاظ سے بالکل درست ہے۔

۷۔ اس میں تحریر ہے کہ دیگر مراعات کے علاوہ زرعی زمین کے مالکان کے زرعی مقاصد کے لئے استعمال ہونے والے ڈیرے، سٹور، مویشی کے باڑے وغیرہ کو بھی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ یہ Exemption حد سے زیادہ ہیں۔ اتنے یونٹس پر ٹیکس کی چھوٹ بھی امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ Wealth Tax Act 1993 کے تحت مالکان مکان کیلئے دس لاکھ روپے یا صرف ایک مکان کی رعایت (Exemption) دی گئی ہے یہاں تک کہ اگر ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں یا مکانات بھی ہوں تب بھی صرف ایک مقبوضہ رہائشی مکان ہی کی (Exemption) ہے۔ اس کے بالکل برعکس اس شق (۷) میں زرعی زمین میں واقع کئی قسم کے مکانوں کو ٹیکس کی چھوٹ دی گئی ہے۔(139)

وصولی مالی سال 95-1994 کے دوران بہت تھوڑے زمینداروں نے اپنے اثاثوں کے گوشوارے جمع کرائے اور اسی لحاظ سے پورے ملک میں 23 اور 28 لاکھ روپے سے زیادہ ٹیکس وصول نہیں ہو سکا۔ لیکن پھر بھی کسی ایک گوشوارے کی تفصیلی چھان بین نہیں کی گئی۔ اور نہ ہی اس کے مندرجات یعنی جائیداد اثاثہ جات سرمایہ زمین کی نوعیت تک کو چیک کیا گیا۔ س کے مقابلہ میں غیر زرعی شعبہ سے صرف دولت ٹیکس کی مد میں 170 کروڑ جمع کئے گئے۔ اور ان کے گوشواروں کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد کروڑوں روپے جرمانہ صرف 2457 بھی کیا گیا۔

سنٹرل بورڈ ریونیو کے مطابق 96-1995 میں ملک بھر کے صرف 2457 جاگیرداروں اور زمینداروں نے مجموعی طور پر 28 لاکھ 26 ہزار روپے دولت ٹیکس جمع کروایا جبکہ ان لوگوں کی زرعی آمدنی بھی انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہے غیر زرعی طبقہ سے رواں مال سال کے صرف پہلے نو ماہ میں پچاس ارب روپے سے زیادہ انکم ٹیکس و دولت ٹیکس C.B.R نے وصول کیا ان میں تنخواہ اور غیر تنخواہ دار طبقہ بھی شامل ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ صرف تنخواہ دار

ملازمین سے موجودہ حکومت نے پانچ ارب روپے انکم ٹیکس و دولت ٹیکس وصول کیا۔(140)اس طرح تنخواہ دار ملازمین جومہنگائی کی وجہ سے بال بچوں کا پیٹ بمشکل پال رہے ہیں سے حکومت نے ملک بھر جاگیرداروں اور زمینداروں کے مقابلہ میں تقریباپانچ سوگنا زیادہ ٹیکس وصول کیا ہے۔حالانکہ تنخواہ دارطبقہ اپنا ایک مکان یا اس کا نصف حصہ بھی گھر کا گذارہ چلانے کیلئے کرایہ پر دے یا صرف مکان ہی بنالے تو اسکی طلبی ہوجاتی ہے۔یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ہمارے ادارے کے ایک لاکھ روپے سے زائد سالانہ تنخواہ لینے والے حضرات کی income tax return کے ساتھ چونکہ Wealth tax Return بھی لازمی جمع کرانی تھی۔انکم ٹیکس دفتر کی طرف سے خواہ دولت ٹیکس کے گوشوارہ میں اندراج تھا یانہیں اپنی طرف سے ہزاروں روپے کے پرائز بانڈ شامل کردیئے۔

ظاہر کردہ رہائشی مکانات و پلاٹوں اورزیورات (جو پہلے اس میں شامل نہ کئے جاتے تھے) کی cost value کی بجائے موجودہ قیمت Market value لگا کر Assesment کردی اور لاکھوں روپے ادا کردہ ٹیکس کے علاوہ ڈیمانڈ بنا کر جمع بھی کروا لئے۔دوسری طرف جن افراد کا ٹیکس مطلوبہ ٹیکس سے زیادہ جمع ہوگیا تھا۔ان کو ابھی تک Refund voucher بھی نہیں ملے۔

اس کے برعکس زمینداروں کی زرعی آمدنی ٹیکس سے مستثنیٰ ہے۔پھر ذاتی استعمال کی ایک قیمتی گاڑی اور ایک پک اپ جوزرعی مقاصد کیلئے استعمال کی جاتی ہے بھی Taxable نہیں ہے اوران کے داخل کردہ قلیل گوشواروں کی تصدیق وتائید Verification کئے بغیر تسلیم کرلیا جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار میں زرعی سیکٹر کا حصہ 26 فیصد اور غیر زرعی سیکٹر کا حصہ 23 فیصد ہے لیکن ٹیکسوں کی سالانہ ادائیگی کا جہاں تک تعلق ہے زرعی شعبہ نے صرف 28 لاکھ 26 ہزار روپے ٹیکس ادا کیا اور آئندہ مالی سال میں غیر زرعی شعبہ سے 76 ارب روپے کا ٹیکس وصول کرنے کا پروگرام ہے جو زرعی شعبہ کے ادا کردہ ٹیکس سے 2400 گنا زیادہ ہے۔چنانچہ ٹیکسوں کی مد میں یہ تفاوت قابل ترمیم ہے اس امتیازی قانون کو مساویانہ خطوط پر ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے۔

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 96-1995ء:

دولت ٹیکس ایکٹ کے تحت زمینداروں سے ان کے زرعی اثاثہ جات وسرمایہ پر 1993ء میں دولت ٹیکس لگایا گیا تو اس میں Produce Index Unit (پیداواری اکائیوں) کی قیمت کے حساب سے 1000000=200x5000 (دس لاکھ) روپے کی بنیادی چھوٹ دی گئی مگر مالی سال 96-1995 میں پیداواری انڈکس یونٹ کی قیمت 200 روپے سے بڑھا کر 250 روپے کردی گئی اوراس لحاظ سے دس لاکھ روپے ہی

کی چھوٹ رکھی گئی۔

بظاہر ایک ہزار یونٹ کا استثناء ختم کر دیا گیا۔ جس سے یہ توقع کی جا رہی تھی کہ اس مالی سال (پچھلے سال) زرعی سرمایہ پر لگائے جانے والے ٹیکس میں اضافہ ہوگا مگر پورے ملک کے زمینداروں و جاگیرداروں سے اس مد میں صرف تین لاکھ روپے کا ٹیکس وصول ہوا۔ حالانکہ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق زرعی شعبہ میں سالانہ 100 ارب روپے کے لگ بھگ آمدنی ہوتی ہے۔ جس میں حکومت کو بطور ٹیکس 20 ارب سے 30 ارب روپے تک حاصل ہونے چاہیں۔

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 1996-97ء:

اس بجٹ میں (Agricultural Wealth Tax) کے قوانین میں صرف دو تبدیلیاں کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ پہلی بات پیداوری انڈکس یونٹ کی (value) قیمت سے متعلق ہے کہ چونکہ piu 1977ء کی زرعی اصلاحات میں مقرر کئے گئے تھے اور تقریبا سولہ سترہ سال بعد 1993ء میں بھی اس Value پر عمل درآمد کیا گیا۔

1995-96 میں اس کی قیمت 200 کی بجائے 250 کی گئی تھی تو اب اس سے اس کی قیمت 1993ء و 1997 کی قیمت یعنی 200 کو دوگنا کر دیا گیا ہے۔ اب مزید تفصیلات معلوم ہونے یا ترمیم کے بعد صحیح صورت حال کا پتہ چل سکے گا۔ لیکن موجودہ قوانین کے مطابق اب صرف 2500 پیداواری انڈکس یونٹ اس ٹیکس سے مستثنٰی ہوں گے۔ اور ایکڑوں کی صورت میں اعلیٰ قابلیت کی زرخیز زمین سوا اکتیس ایکڑ (Exempted) ہوگئی۔ یعنی یہ بالترتیب 5000 یونٹ 4000 یونٹ اور 2500 یونٹ جو کہ 62+1/2 ایکڑ اور 31+1/4 ایکڑ بنتی ہے۔(141)

اس کے علاوہ Wealth Tax Act 1993 کی دفعہ 14 کے تحت داخل کئے جانے والے گوشواروں میں جن اثاثہ جات کو ٹیکس سے مستثنٰی کیا گیا تھا۔ ذیلی شق (ے) کے تحت Out House یعنی ڈیرہ Store House یعنی گودام Farm House یعنی زراعتی مکان اور Dwelling House یعنی مویشیوں اور جانوروں کو ٹھہرانے کی جگہ وغیرہ جو بھی زرعی زمین میں واقع ہوں مستثنٰی تھے۔ مگر اب اس مالی سال سے اس چھوٹ کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اور صرف ایک فارم ہاؤس ٹیکس سے مستثنٰی ہوگا۔ مزید براں wealth tax کی شرح میں اضافہ کرنے کی بھی تجویز ہے۔ اس کے نتائج کیا ہوں گے یہ تو آنے والا وقت ہی زندہ رہنے والے لوگوں کو بتائے گا۔

مورخہ 28-10-96 کو وزیراعظم کی صدارت میں ہونے والے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں قرضوں کی

واپسی کے لئے نادہندگان کومجبور کرنے پرغور کیا گیااور زرعی اثاثہ جات پر دولت ٹیکس عائد کرنے کیلئے نیا طریقہ کار وضع کرنے پر زور دیا گیا۔جس کے مطابق آئندہ صوبائی ریونیوافسر زمینداروں کوایک نیا فارم پر کرنے کیلئے دیں گے جس میں زمین کی پوری تفصیل اور تشخیص شدہ دولت ٹیکس کا اندراج ہوگا۔

NEW ECONOMIC PACKAGE 1993 کےتحت لگایاجانے والا دوسرازرعی ٹیکس:

دستور پاکستان 1973ء کے مطابق چونکہ مرکزی حکومت زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد نہیں کرسکتی اس لئے حکومت پاکستان نے وفاقی سطح پر زرعی ویلتھ ٹیکس تو لگادیا مگر زرعی آمدنی ٹیکس لگانے کیلئے دوہی راستے اپنائے جاسکتے تھے۔ایک آئین میں ترمیم کے ذریعہ سے زرعی آمدنی پرٹیکس وصول کرنے کا اختیار لینا اور دوسرا صوبوں کوصوبائی سطح پر زرعی آمدنی پرٹیکس لاگو کرنے پر مجبور کرنا۔لہذا پہلا حل شاید مشکل تھا اس لئے یہ کہہ دیا گیا کہ صوبائی حکومتیں کی طرف سے عائد کردہ زرعی ویلتھ ٹیکس کے علاوہ زرعی آمدنی پر ٹیکس کا نظام متعارف کرائیں گی جس کی شرح دو روپے فی یونٹ ہوگی اور چار ہزار یونٹ کی بنیادی چھوٹ ہوگی۔

وفاقی حکومت کی ہدایت پر چاروں صوبائی گورنروں نے اپنے اپنے صوبے میں آرڈی نینس جاری کئے جن کوایکٹ کی شکل دینے کیلئے مسودہ قانون پیش کرنے کو کہا گیا تاکہ زرعی آمدنی پر بھی ٹیکس عائد کیا جاسکے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ابوالحسن نجمی سیکرٹری پنجاب اسمبلی لاہور نے بتایا کہ سارے جاگیردار اپنے باہمی سیاسی ونظریاتی اختلاف کو بھلاکر اس پر متفق ہیں کہ زرعی آمدنی پرٹیکس لاگو نہ کیا جائے اس لئے پنجاب اسمبلی میں آج تک اس طرح کا کوئی مسودہ قانون پیش نہیں کیا گیا حالانکہ وزیراعظم کے مشیر برائے خزانہ وسیم احمد جعفری نے پندرہ جون 1995ء کوایک پریس کانفرنس میں صحافیوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ زرعی ٹیکس کے نفاذ میں رکاوٹ بننے والے صدیوں پرانے قوانین کو بدلنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔اس کے بعد انہوں نے کہا کہ وزیراعلیٰ پنجاب نے یقین دلاتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اپنی کابینہ کواس مسئلہ پر قائل کرلیا ہے اور ایک کمیٹی بنادی گئی ہے جو سفارشات مرتب کرے گی اور جلد مسودہ قانون ہاؤس میں پیش کردیا جائے گا۔

اسی طرح 18 جون 1995ء کو مخدوم الطاف احمد (مرحوم) سنیئر صوبائی وزیر اور وزیر قانون چوہدری فاروق احمد نے کہا کہ ہم بین الاقوامی مالیاتی ادارے (IMF) کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کے پابند ہیں اور زرعی ٹیکس کسی نہ کسی دن ضرور لگ جائے گا۔

اس کے بعد جناب افضل سندھو وزیرخزانہ حکومت پنجاب نے صوبائی بجٹ برائے سال 97-1996ء

پیش کرنے کے بعد کہا کہ زرعی ٹیکس کے نفاذ کے سلسلے میں اب تک بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں لہٰذا ان مشکلات کے حل کے بعد زرعی آمدنی ٹیکس لاگو کرنے کا بندوبست کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں صدر مملکت فاروق احمد خان لغاری نے 22 مئی 1995ء کو اسلام آباد میں منعقدہ کسان کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وفاقی حکومت کو قومی کمیشن بنانے اور زرعی ٹیکس لگانے کیلئے صوبائی حکومتوں پر زور ڈالنے کی تلقین کی تا کہ زرعی آمدنی ٹیکس کے نفاذ سے صوبوں کی آمدنی وسیع ہو سکے۔(142)

اس کے بعد 14 اکتوبر 1996ء کو صدر پاکستان کی زیر صدارت ہونے والے اجلاس میں زرعی آمدنی ٹیکس کے فوری نفاذ کی ہدایت کی گئی ہے۔صدر کی ہدایت پر چاروں صوبائی گورنرز آرڈیننس کے ذریعے زرعی ٹیکس نافذ کریں گے اور بعد میں متعلقہ صوبائی اسمبلیاں قانون سازی کر کے اس کی منظوری دیں گی۔اس اجلاس میں وزیر اعظم اور ان کی اقتصادی معاون ٹیم اور ورلڈ بنک کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

صوبوں نے نئے سرے سے زمین کی لیاقت کے مطابق پروڈیوس انڈکس یونٹ مقرر کرنے اور اس کے مطابق زرعی ٹیکس کی شرح مقرر کرنے کیلئے چھ ہفتے کی مہلت بھی مانگی کیونکہ زرعی زمین کی قیمت قابلیت کے اعتبار سے وہ مقرر کی جائے گی جس کے مطابق زمیندار زرعی قرضے حاصل کرتے ہیں۔چالیس ہزار پیداواری یونٹ تک کے مالکان اراضی کو اڑھائی فیصدی ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔ اور 4000 پیداواری یونٹ کی چھوٹ (Exemption) ہوگی۔(143)

صوبہ بلوچستان میں کئے جانے والے اقدامات:

صوبہ بلوچستان کے گورنر کے جاری کردہ آرڈیننس کو ایکٹ کی شکل دینے کیلئے صوبائی اسمبلی کے رواں اجلاس میں میر ایوب بلیدی مرحوم وزیر مال نے زرعی ٹیکس کے نفاذ کی خاطر ایک مسودہ قانون پیش کیا۔ 12 فروری 1993 کی نشست میں صوبائی اسمبلی نے اس بل کی منظوری دینی تھی لیکن کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے اس دن اجلاس نہ ہو سکا۔

تمام سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے صوبائی اراکین اسمبلی نے مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا کہ وہ زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانے کے خلاف ہیں کیونکہ پنجاب اور دوسرے صوبوں کے زمینداروں کی طرح بلوچستان کے زمینداروں کو ابھی تک سہولتیں نہیں دی گئی۔اس کے بعد انہوں نے نہ صرف اس بل کی مخالفت کی بلکہ اسے سٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کرنے کی بھی مخالفت کی۔چنانچہ ان کی مزاحمت ومخالفت کی وجہ سے بل واپس کیا گیا۔جو بل اسمبلی میں پیش کیا گیا اس کے چند نکات یہ ہیں۔

۱۔ 4000 پیداواری یونٹ کو زرعی آمدنی ٹیکس سے چھوٹ دے دی گئی۔

۲۔ اس کے بعد یعنی 6,000 پیداواری یونٹ تک اراضی پر زیر کاشت رقبہ کی بنیاد پر دو روپے فی یونٹ ٹیکس لگایا جائے گا۔

۳۔ 6,000 سے 10,000 پیداواری یونٹ یا اس سے زائد یونٹ پر تین روپے فی یونٹ ٹیکس عائد ہوگا۔

تین سال بعد بلوچستان اسمبلی نے مورخہ 96-12-1 کو طویل بحث کے بعد بلوچستان زرعی آمدنی ٹیکس کا مسودۂ قانون منظور کرلیا۔ آزاد گروپ حزب اختلاف اور جمہوری وطن پارٹی کے لیڈر میر ظہور حسین کھوسہ نے اس بل کی شدید مخالفت کی تاہم حکومتی ارکان نے اس بل پر دلائل کے بعد اسے ایوان کی کثرت رائے سے منظور کرلیا۔

صوبائی وزیر عبد المالک بلوچ نے اس بل کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ اگر ٹیکسیشن (Taxation) کا نظام درست کرلیا جائے تو اربوں روپے حاصل ہوسکتے ہیں اور یہ ٹیکس چھوٹے زمینداروں پر نہیں لگایا گیا بلکہ 400 ایکڑ سے زائد رقبہ رکھنے والے بڑے بڑے زمیندار اس کی زد میں آئیں گے۔

روزنامہ پاکستان لاہور مورخہ 96-12-2 کے مطابق بلوچستان کی نگران کابینہ نے زرعی ٹیکس کے نفاذ کی تیاری مکمل کرلی ہے اب صرف اس بات پر غور کیا جارہا ہے کہ یہ ٹیکس رقبہ کی بنیاد پر لگایا جائے یا آمدنی کی بنیاد پر (144)

صوبہ خیبر پختونخواہ:

صوبہ خیبر پختونخواہ میں زرعی ٹیکس کے نفاذ کے سلسلہ میں ایک اخباری بیان کے مطابق اسمبلی نے اس کی منظوری دے دی مگر اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی کیونکہ مذکورہ بل کی تفصیلات طلب کرنے کی کئی درخواستوں کا ابھی تک جواب موصول نہیں ہوسکا۔

البتہ مورخہ 8 جون 1996ء کو مختلف آراء پر مشتمل ایک انٹرویو اخبار میں شائع کیا گیا جس میں صوبائی وزیر اعلیٰ آفتاب احمد خاں شیر پاؤ نے بتایا کہ صوبہ خیبر پختونخواہ میں اس سال کے دوران زرعی آمدنی ٹیکس کے نفاذ سے تقریباً چالیس لاکھ روپے حکومت کو بطور زرعی ٹیکس زمینداروں سے وصول ہوں گے۔(145)

یکم دسمبر 1996ء کو صوبہ خیبر پختونخواہ کی نگران کابینہ کے اجلاس میں زرعی آمدنی ٹیکس کے نفاذ کی منظوری دے دی گئی جس کے مطابق نہری زمین پر پچاس روپے اور بارانی زمین پر تیس روپے فی ایکڑ سالانہ شرح سے ٹیکس وصول کیا جائے گا اور باغات پر تین سو روپے فی ایکڑ زرعی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ جبکہ بارہ ایکڑ زمین ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگی۔(146)

بے شک ٹیکس کی شرح بہت کم رکھی گئی ہے لیکن پھر بھی زرعی ٹیکس کے قانون میں بارہ ایکڑ اراضی کی بنیادی چھوٹ بہت کم اور غیر مناسب سی لگتی ہے جبکہ آل پاکستان فارمرز ایسوسی ایشن کا مطالبہ ہے کہ پچاس ایکڑ تک کوئی

ٹیکس نہیں ہونا چاہیے۔

باغات پر عائد کردہ ٹیکس کی اب تک یہ تصریح نہیں کی گئی کہ یہ فی ایکڑ سالانہ ہوگا یا سال میں جتنی مرتبہ پیداوار ہوگی اتنی مرتبہ یہ ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ بعض باغات پر سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ بھی پھل لگتے ہیں۔

صوبہ سندھ:

جناب وی اے جعفری مشیر برائے خزانہ حکومت پاکستان کے مورخہ 15-6-95 کے بیان کے مطابق وزیراعلیٰ سندھ سید عبداللہ شاہ نے بھی جلد صوبہ سندھ میں زرعی ٹیکس نافذ کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہاں بھی ابھی تک پنجاب کی طرح اس سلسلے میں کوئی قانون سازی نہیں کی گئی۔ البتہ مورخہ 25-6-96 کو پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہونے خبرنامہ میں خالد احمد کھرل وزیر اطلاعات ونشریات کی ایک پریس کانفرنس دکھائی گئی جس میں انہوں نے وفاقی کابینہ کے اہم فیصلوں کی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ غلط ہے کہ زرعی ٹیکس نہیں لگایا گیا اور حکومت سندھ نے بھی زرعی ٹیکس کی منظوری دے دی ہے۔ تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اب صوبہ سندھ میں بھی زرعی ٹیکس نافذ کر دیا گیا ہے۔ سندھ کی نگران کابینہ کا اجلاس نگران وزیراعلیٰ کی صدارت میں مورخہ 8 دسمبر 1996ء کو منعقد ہوا جس میں آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بنک کی ہدایت پر زرعی ٹیکس لگانے کی منظوری دی گئی جبکہ زراعت ٹیکس اور آبیانے کے قانون میں ترمیم بھی منظور کی گئی۔ بعد میں صوبائی وزیر اطلاعات آغا مسعود نے اخباری نمائندوں کو بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ اس ٹیکس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بیراجی علاقوں میں 12/1/2 ایکڑ سے 25 ایکڑ زمین تک سو روپے فی ایکڑ۔ 25 ایکڑ سے پچاس ایکڑ تک 125 روپے فی ایکڑ اور 50 ایکڑ سے زائد زمین پر 250 روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ نان بیراجی علاقہ میں 12/1/2 ایکڑ تا پچیس ایکڑ تک پچاس روپے اور پچاس ایکڑ زمین تک 65 روپے ٹیکس ہوگا۔

اس کے علاوہ بارانی علاقہ پر 12/1/2 ایکڑ سے پچیس روپے، پچیس ایکڑ سے پچاس ایکڑ تک 35 روپے اور پچاس ایکڑ سے زائد زمین پر ساٹھ روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس ہوگا اور ساڑھے بارہ ایکڑ زمین تک ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ زراعت پر اس ٹیکس کے نفاذ سے 50 کروڑ روپے کی سالانہ آمدنی ہوگی۔

صوبوں میں زرعی ٹیکس کا نفاذ غیر ملکی قرضوں کی واپسی اور ملکی معاشی بدحالی کو سنوارنے کی طرف ایک خوش آئند قدم ہے لیکن زراعت سے وابستہ افراد کے خیال میں بنیادی چھوٹ کو چار گنا کم کرکے ٹیکس کی شرح میں بھی کئی گنا اضافہ کر دینے سے کاشت کاروں اور زمینداروں کی مراعات کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ ان کے معاشی مسائل میں خاصا اضافہ متوقع ہے۔ لہٰذا زرعی شعبہ کی سہولیات کو مدنظر رکھتے ہوئے بنیادی چھوٹ کم از کم پچیس ایکڑ نہری اور

پچاس ایکڑ بارانی زمین تک ہونی چاہیےاورزرعی اثاثہ جات پر وفاقی حکومت کی طرف سے عائد کردہ دولت ٹیکس بھی بالکل ختم کیاجانا چاہیے جوسراسر غیرشرعی ٹیکس معلوم ہوتا ہے۔(واللہ واعلم)

اب صوبہ پنجاب میں بھی زرعی ٹیکس نافذ کردیا گیا ہے:

صوبہ پنجاب کی نگران کابینہ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں زرعی آمدنی پر ٹیکس کے نفاذ کی منظوری دے دی گئی ہےاوراس سے متعلق مسودہ قانون تیار کر کے گورنر پنجاب کو بھجوا دیا گیا ہے جس کے مطابق پنجاب حکومت کو اس مد میں تقریباً ایک ارب بیس کروڑ روپے سالانہ آمدنی ہوگی۔ساڑھے بارہ ایکڑ نہری اور پچیس ایکڑ بارانی زمین اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگی۔

ساڑھے بارہ ایکڑ سے پچیس ایکڑ نہری زمین کی پیداوار پر سو روپے فی ایکڑ سالانہ زرعی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔اس طرح پچیس ایکڑ سے پچاس ایکڑ تک نہری زمین پر ایک سو پچیس روپےاور پچاس ایکڑ سے زائد نہری زمین پر ایک سو پچاس روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس عائد کیا جائے گا۔پچیس ایکڑ تا پچاس بارانی زمین پر 62/1/2 روپے پچاس ایکڑ سے سوا یکڑ تک پچھتر روپےاوراس سے زائد زمین پر سو روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس ہوگا۔

اس قانون پر عملدرآمد اور طریقہ کار وضع کرنے کے لئے صوبائی وزیر خزانہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے۔زرعی ٹیکس کی وصولی مارچ 1997ء میں تیار ہونے والی پیداوار سے کی جائے گی۔

اس ٹیکس کے نفاذ پر قومی اخبارات میں مختلف قسم کا ملا جلا ردعمل ظاہر کیا گیا۔مبصرین کے مطابق سابقہ حکومت نے صوبہ پنجاب کے زمینداروں اوراراکین صوبائی قومی اسمبلی کو پہلے پچاس ایکڑاور بعد میں سوا اکتیس ایکڑ اور بالاخر پچیس ایکڑ تک نہری زمین کی چھوٹ دیتے ہوئے پچیس روپے فی ایکڑ سالانہ زرعی ٹیکس نافذ کرنے پر رضا مند کرنے کی بہت کوشش کی مگراس کا خاطر خواہ حل سامنے نہ آسکا۔

اب تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اب بنیادی چھوٹ بھی خاصی گھٹادی گئی ہےیعنی اسے پچاس ایکڑ سے کم کر کے صرف ساڑھے بارہ ایکڑ کردیا گیا ہے۔دوسری طرف ٹیکس کی شرح کو حکومت کی پیش کش سے چار گنا اور زمینداروں کی رضامندی سے پانچ گنا زیادہ کردیا گیا ہے۔

اس قانون کے نفاذ سے بے شک پہلے کی نسبت ٹیکس گذار زیادہ ملیں گےاورمختلف وجوہات کی بناپر موجودہ ملکی اقتصادی بحران سے نمٹنےاور عالمی اداروں سے حاصل کردہ قرضوں کی واپسی میں بہت مدد ملے گی۔(147)

مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترک نسبت ٹیکس سے انحراف کا مستقل رویہ:

(Constant Behaviour of Avoidence From Tax)

جس طرح دیگر ٹیکس گزار اپنے کاروباری ادارے، صنعتی یونٹ، دوکانیں اور فیکٹریاں، ملیں اور کارخانے مختلف ناموں پر منتقل کر دیتے ہیں تا کہ انکم ٹیکس سے بچا جا سکے اسی طرح کاروبار یا دوکانوں کے بار بار نام بدلنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے تا کہ مختلف قسم کی آمدنیاں مختلف کاروباروں سے مختلف ناموں پر ایک ہی گھرانے میں آئیں اور ٹیکس سے بھی بچ جائیں زرعی اراضی کے مالکان یعنی بڑے بڑے زمیندار و جاگیردار بھی بالکل اسی طرح ٹیکس دینے سے بہت حد تک انحراف کرتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ہمیشہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ٹال مٹول کرنے اور دیگر غلط طریقے اختیار کرنے کے عادی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ نومولود اور نابالغ بچوں اور بعض اوقات غیر متعلقہ افراد کے ناموں پر جائیداد منتقل کر دیتے ہیں ٹیکس سے بچ جانے کے کچھ عرصہ بعد وہی جائیداد کاروباری حضرات کی طرح "Market Value" کے ساتھ اپنے نام Gift کرا لیتے ہیں فیصل آباد کے ایک بھٹہ خشت کے ٹیکس نادہندگان کو تلاش کر کے وصولی ٹیکس کی خاطر چھاپا مارا گیا۔ محکمہ انکم ٹیکس کی چھاپہ مار ٹیم اس بھٹہ خشت کی ظاہر کردہ کمپنی کے ڈائریکٹر ایک "ریڑھے والے" سے ملے اس سے ایک شخص کا نام وولدیت پوچھی تو اس نے کہا میں وہی شخص ہوں۔ اسے پریشانی اس وقت ہوئی جب ٹیکس ریکوری افسر اور انسپکٹر نے اسے یہ بتایا کہ تم فلاں کمپنی کے ڈائریکٹر ہو اور تمھارے ذمہ فلاں سال کا اتنا ٹیکس بقایا واجب الادا ہے۔ اسے قانونی مشورہ دیا گیا کہ اس کیس میں کچھ دنوں کیلئے جیل میں بند ہو جاؤ اور بعد میں اپنا حصہ مالکان بھٹہ سے قانوناً طلب کر لو اس پر اس نے اصل نادہندگان تک پہنچنے میں محکمہ کی مدد بھی کی اور اس طرح اسکی نشاندہی پر (Recovery) ممکن ہوئی۔

ایک بھٹہ پر کام کرنے والے مزدور ریڑھا بان کو کاغذات میں کسی کاروباری کمپنی کا ڈائریکٹر ظاہر کرنا کتنا ہی نامناسب رجحان ہے یہ سارے کے سارے حربے اور حیلے صرف اور صرف ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ دستور پاکستان 1973ء کی رو سے وفاقی حکومت زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے کی مجاز نہیں ہے مزید یہ کہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء میں 185 قسم کی جن مختلف آمدنیوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے ان میں زرعی آمدنی سرفہرست ہے طویل عرصے سے اتنی مراعات حاصل ہونے کے باوجود جب فنانس بل 1988ء کے تحت زرعی آمدنی کو دیگر کاروباری آمدنیوں میں شامل کرنے کے احکامات جاری ہوئے تو اس میں ایک مخصوص رعایت (Rebate) کے ساتھ ان زمینداروں کی زرعی آمدنی کو ان کی کاروباری آمدنی (Business

(Income) میں ایسی صورت میں شامل (Club) کرنے کو کہا گیا جو زمیندار کاروبار کے مالک یا حصہ دار ہونے کی صورت میں یعنی کسی لحاظ سے بھی پہلے ٹیکس گزار ہوں یا کسی کمپنی کے ڈائریکٹر ہوں اس شرط کی وجہ سے یہ قانون بہت کم زمینداروں پر لاگو ہو سکا کیونکہ ان زمینداروں میں جن کے نام زمین منتقل تھی وہ نہ تو پہلے ٹیکس گزار تھے اور نہ ہی کسی کمپنی کے ڈائریکٹر۔

اسی طرح جو لوگ ٹیکس گزار (Assesee) تھے یا کسی کاروباری کمپنی کے ڈائریکٹر تھے ان کے نام زرعی زمین نہ تھی اس لئے دونوں قسم کے زمیندار اس قانون سے بری ہو گئے جن قلیل افراد نے اس قانون کے تحت زرعی آمدنی کو دوسری آمدنی میں شامل بھی کیا تو کوئی تفصیل بتائے بغیر اپنی آمدنی ظاہر کر دی اور اس میں زمین کی پیداوار نہ بتائی گئی صرف اور صرف زرعی آمدنی پچاس ہزار چالیس ہزار یعنی بالکل سادہ طریقہ سے جتنی آمدنی بھی Show کی اس کو بغیر چھان بین کے انکم ٹیکس حکام نے Assess کر دیا پھر انہی لوگوں نے چند سالوں کی زرعی آمدنی ظاہر کرنے اور تشخیص کرانے کے بعد بڑے بڑے قطعات اراضی یا دیگر منافع بخش کاروباری یونٹ خرید لئے تا کہ انکم ٹیکس حکام کو پوچھنے پر یہ بتایا جا سکے کہ انکی سالانہ اتنی زرعی آمدنی ہے اور وہ اتنے ایکڑ کے مالک ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں بھی یہی رجحان پروان چڑھ چکا ہے کہ ہر سال اپنے Business Titles تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے دوستوں اور رشتہ داروں کو جن کے پاس White Money یعنی باہر کی کمائی ہوئی رقم زرعی آمدنی سے جمع کردہ رقم یا دیگر ایسی آمدنیاں ہوں جو قانوناً مستثنیٰ ہوں اپنے کاروبار کا حصہ دار، پروپرائیٹر، مالک یا ڈائریکٹر وغیرہ ظاہر کر کے (BASIC INVESTED CAPITAL) کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ وفاقی حکومت نے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، عالمی بینک اور پاکستان کو امداد دینے والے ممالک کے کنسورشیم (یا جن اداروں سے قرضہ جات حاصل کئے ہوں) کے مسلسل دباؤ کے باعث صوبوں کو بار بار زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانے کے لئے قانون سازی کرنے کی تلقین کی۔ اس حکم کی تعمیل میں صوبہ پنجاب میں ابھی تک کوئی قانون سازی نہیں کی گئی اور اگر کوئی عارضی خاکہ (Rough Sketch) تیار بھی کیا گیا تو وہ ہاؤس میں پیش کرنے سے قبل ہی مسترد کر دیا گیا۔

اسی طرح صوبہ سندھ میں بھی کوئی Bill نہ پیش کیا گیا اور نہ ہی اس کی منظوری دی گئی اور صوبائی حکام ایسا کرنے کا وعدہ یا وعدوں کا اعادہ کر دینے پر ہی اکتفا کرتے رہے ہیں۔ بلوچستان اسمبلی میں 1993 میں ایک زرعی ٹیکس بل پیش کیا گیا جسے مختلف ارکان اسمبلی نے متفقہ طور پر بغیر کسی اختلاف کے مسترد کرتے ہوئے سٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کرنے کی بھی مخالفت کی تھی چنانچہ وہ بل واپس لے لیا گیا پھر دو سال کے بعد بلوچستان اسمبلی نے زرعی ٹیکس

بل کی منظوری دے دی۔

صوبہ سرحد میں بھی صرف کابینہ نے ہی ایسے بل کی منظوری دی ہے مگر اسمبلی میں اسے پاس نہیں کرایا گیا سب جاگیرداروں وزمینداروں میں دیگر طبقوں کی طرح یہ نسبت مشترک ہے کہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ہر قسم کے رویے اختیار کئے جائیں۔

اسی طرح حکومت پاکستان نے زرعی آمدنی کو ٹیکس نیٹ (Tax Net) میں لانے کے لئے 1994-95ء میں پہلی دفعہ جب دوسرے کاروباروں پر صنعت وتجارت کی مانند ٹیکس لگانے کی ابتداء کی تو سینٹ، قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں موجود جاگیردار ارکان نے مخالفت کی جس کے بعد زرعی شعبہ کو ویلتھ ٹیکس ایکٹ 1993ء کے تحت ٹیکس نیٹ میں تو لایا گیا لیکن دوسری طرف دولت ٹیکس (Wealth Tax) میں دی جانے والی بنیادی چھوٹ کی حد ایک لاکھ روپے سے بڑھ کا دس لاکھ روپے کر کے ان کو مطمئن کر دیا گیا۔

حالانکہ پورے پاکستان کی 25% زرعی اراضی 50 ایکٹر سے زیادہ بڑے فارموں (Farms) پر مشتمل ہے اور اگر زرعی ٹیکس لگ بھی جائے تو پورے ملک کے جاگیرداروں، زمینداروں اور کاشت کاروں میں سے صرف اور صرف بڑے بڑے زمیندار جو زرعی شعبے کا چوتھائی حصہ ہیں اس کی زد میں آئیں گے مگر مخالفت کرتے وقت سارے متحد ہو جاتے ہیں جس سے ان کا ٹیکس سے انحراف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔(148)

بالکل اسی طرح کاروباری حضرات بھی کرتے ہیں فیصل آباد کے ریل بازار میں انعامی بانڈوں کا کاروبار کرنے والے ایک شخص نے 1983ء میں بھوانہ بازار فیصل آباد میں ہار سہرا فروشی کا کاروبار کیا اور 12,200 روپے سالانہ آمدنی ظاہر کر کے صرف 20 روپے ٹیکس جمع کروایا۔ اس وقت بنیادی چھوٹ بارہ ہزار روپے تھے انکم ٹیکس سرکل (ایف) فیصل آباد کے ITO انکم ٹیکس آفیسر کو اس کے دوسرے کاروبار جو وسیع پیمانے پر تھا کی اطلاع ملی۔ چنانچہ کمشنر انکم ٹیکس کی اجازت سے اس کی دوکان واقع ریل بازار پر اچانک چھاپہ مار کر تقریبا 18 لاکھ 30 ہزار روپے اپنے قبضہ میں لے کر ان کی موجودگی میں گنتی کر کے ان کے دستخط لے لئے گئے اسی اثناء میں اس نے غیر ملکی کرنسی نوٹوں کی ایک تھیلی اپنے ساتھی کو دی جو لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے بعد اس کے Case کی سماعت اور چھان بین شروع ہوئی تو اس نے فیصل آباد کے مشہور قانون دان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پندرہ اشخاص کے ذریعے مجوزہ اسٹام پیپر پر لکھوا کر انکم ٹیکس آفس کو باور کرایا کہ اس اٹھارہ لاکھ کی رقم میں اتنی رقم ہماری ہے۔ ITO نے ان کو زیر دفعہ Personal Attendence "48/" کا نوٹس دے کر دفتر بلوا کر ذریعہ آمدنی معلوم کیا تو ان میں بعض نے باہر کی آمدنی بتائی اور بعض نے زرعی

آمدنی بیان کی جس کے ثبوت متعلقہ حکام سے حاصل کرکے اس کی تشخیص (Assessment) کی گئی چنانچہ اس کاروبار کے مالک کے ذاتی سرمائے کی Concealment بنا کر جرمانہ بھی کیا گیا۔

اس ضمن میں پاکستان میں ہونے والی زرعی اصلاحات کے نتائج کا ذکر بھی ضروری ہے جس سے جاگیرداروں کے رویے کا صحیح منظر سامنے آسکتا ہے۔

زرعی اصلاحات کے نتیجے میں کل 2555 بڑے بڑے زمینداروں نے حد ملکیت سے زائد زمین کا اعلان کیا۔ اس کی وجہ سے چونتیس لاکھ 80 ہزار ایکڑ سرکاری زمین تحویل میں آگئی جس میں سے چودہ لاکھ اکتالیس ہزار ایک سو تیئس (14,41,123) ایکڑ زمین ایک لاکھ چھبیس ہزار پانچ سو اٹھانوے (1,26,598) مزارعین اور چھوٹے کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان زمینداروں کی ایمانداری کی وجہ سے اتنے زیادہ افراد یعنی مزارعین و کاشتکار اس شعبہ سے وابستہ ہو گئے جن کی محنت نے زراعت کی ترقی کو چار چاند لگا دیئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں اس وقت ایک ایک زمیندار کے پاس پچیس پچیس ہزار ایکڑ زمین موجود ہے جو مختلف رشتہ داروں کے ناموں پر ظاہر کی گئی ہے۔(149)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نیک اور سچے جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی زمین کی حقیقت و تفصیل کو چھپاتے، مختلف ناموں پر منتقل کرتے اور زرعی ٹیکس سے فرار حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح تقریباً سارے ٹیکس گزار طبقوں میں اچھے اور برے لوگ ہیں کسی کے ذاتی کردار کو سب کے کردار پر منطبق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

جب 1980ء میں زکوٰۃ وعشر آرڈیننس جاری ہوا اور 1993ء سے عشر کے نفاذ کے لئے عملی قوانین بنائے گئے تو ملک کے ہر زمیندار اور کاشتکار نے دینی جذبے سے سرشار ہو کر رضا کارانہ طور پر اپنی زمینوں کی آمدنی پر عشر و نصف عشر متعلقہ کمیٹیوں کے سپرد کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اس ملک میں نیک اور دیانت دار لوگ ابھی تک موجود ہیں دوسری جانب زمیندار مقامی سطح پر نام نہاد ممبران پر مشتمل کوآپریٹو سوسائیٹیاں رجسٹرڈ کرا لیتے اور اس کے بعد کھاد، بیج، زرعی ادویات اور دیگر قسم کی چیزوں کے لئے قرض حاصل کر لیتے ہیں قرض حاصل کرکے متعلقہ مقاصد کی بجائے خورد برد کرکے اقساط لوٹانے میں پس و پیش کرتے رہتے ہیں۔

غلط اور دوہرے اعداد و شمار کی فراہمی:

دنیا میں کوئی ایسا کاروبار موجود نہیں جس کا مالک اس کا حساب نہ رکھتا ہو مگر کاروباری حضرات کا یہ عمومی رجحان ہے کہ وہ حساب کتاب رکھنے کے باوجود گوشواروں کو جمع کراتے وقت اس پر No Account

Case لکھتے ہیں اور اپنی کل آمدنی ظاہر کرتے وقت اسے صرف اور صرف اندازاً آمدنی (Estimated Income) لکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اندازاً ہرگز نہیں ہوتی بلکہ یقینی (Definite) آمدنی ہوتی ہے۔ اسی طرح گوشواروں میں دیئے گئے تفصیلی چارٹ (Computation Chart) پر ملازموں کی تنخوائیں بھی غلط لکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ دوہرے اعداد وشمار (Double Accounts) تیار کئے جاتے ہیں پہلی قسم کے رجسٹروں پر اصل کھاتے، لین دین، قرض وادھار، خرید وفروخت غرضیکہ نفع ونقصان درج کئے جاتے ہیں دوسرے قسم کے رجسٹروں پر وہ حساب کتاب درج کئے جاتے ہیں جو صرف اور صرف انکم ٹیکس ودیگر حکومتی اداروں کو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم صرف نقد کام کرتے ہیں۔

اسی طرح زمیندار وجاگیردار بھی امداد باہمی کی انجمنیں اور کوآپریٹو سوسائٹیاں رجسٹرڈ کراتے وقت ممبران کی جو فہرست مہیا کرتے ہیں اس میں اکثر لوگ غیر متعلقہ وفرضی ہوتے ہیں اسی بنا پر جب اس سوسائٹی کے ذمہ واجب الادا قرض کی عدم واپسی پر پکڑ دھکڑ ہوتی ہے تو کوئی ممبر مشکل ہی سے Locate ہوتا ہے۔

جس طرح کاروباری حضرات اپنے گودام، سٹورز، سٹاک اور نقد وادھار اور خرید وفروخت کئے ہوئے مال واشیاء کو صحیح طور پر سٹاک رجسٹروں میں درج نہیں کرتے تاکہ متعلقہ محکمے عدم ثبوت کی بناء پر ٹیکس نہ لگا سکیں۔ بالکل اسی طرح مالکان اراضی بھی زرعی آمدنیوں کی بدولت بڑے بڑے تجارتی مراکز، شاپنگ سنٹر، پلازے، بڑی بڑی دوکانات، فلیٹس اور عالی شان عمارتیں خرید کران سے روزانہ، ماہانہ اور سالانہ بھاری آمدنیاں حاصل کرتے ہیں اور اس سے متعلقہ تمام حقائق چھپاتے ہیں اور مختلف ناموں پر مختلف کاروباری Title بدل بدل کر اور دوسرے اکاؤنٹس تیار کرکے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے گودام، سٹورز یا آڑھتیوں کے پاس تیار کردہ معلومات اجناس وآمدنی وخرچ کی خبر تک نہیں ہونے دیتے۔

اب یہ رجحان مزید بڑھتا جا رہا ہے کہ کارخانوں اور ملوں کے مالک اور دیگر کاروباری حضرات بھی زرعی قطعات اراضی خرید کر مختلف سکیموں کی مد میں خطیر رقوم کے قرض بھی حاصل کرتے ہیں اور بعد میں اس آمدنی سے مزید کاروباری ادارے اور صنعتی یونٹ خرید لیتے ہیں اور اس وجہ سے ان کا یہ ذریعہ آمدنی (Source of Income) زرعی آمدنی ہونے کے باعث ان کی صرف کردہ رقم (Utilized Capital) وائٹ منی ہوجاتی ہے جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہے۔

دوہرے حسابات کے ساتھ ساتھ مختلف ذرائع سے ہونے والی آمدنیوں مثلاً مکان کی آمدنی، کرایہ سے حاصل ہونے آمدنی (Rental Income) زرعی زمینوں کی آمدنی، باغات کی آمدنی اور کسی دوسرے کاروبار

میں شراکت سے حاصل ہونے والی آمدنی وغیرہ کو اپنے گوشواروں میں ظاہر تک نہیں کرتے۔

اسی طرح زرعی اراضی کے مالکان بھی کتنے ہی کاروبار کرتے ہیں مگر وہ ان میں سے کسی طرح کی آمدنی کو زرعی ویلتھ ٹیکس کے گوشواروں میں ظاہر نہیں کرتے لہٰذا اغلاط اور دوہرے اعداد و شمار کی فراہمی کی نسبت مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔

حکومت پر بداعتمادی:

چونکہ ایک عادل و دیانتدار حکومت کا نصب العین رعایا کی خدمت ہوتا ہے اس لئے عادل حکمران کا شاہی خزانہ جو درحقیقت عوام ہی کی امانت ہوتا ہے ہمیشہ رفاہ عامہ اور پبلک کی خدمت اور ان کی خوشحالی کے لئے مختص ہوتا ہے اور وہ اس میں سے ملک و ملت کے معاشی و سماجی استحکام کی خاطر ضروریات کے سوا کچھ نہیں لیتا اور نہ ہی وہ بے جا قسم کے کثیر التعداد ٹیکس لگا کر عوام الناس کو پریشان کرتا ہے۔

اس کے برعکس ظالم حکومت کا مقصد اپنے اقتدار اور ذاتی تعیش کا استحکام ہوتا ہے اس لئے وہ حکمران عوام کے دکھ درد دور کرنے اور انھیں امن و سکون کی فراہمی کے لئے اقدامات کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ ایسی حکومت کی رعایا ہمیشہ ٹیکسوں اور قرضوں کے بوجھ تلے دبی رہتی ہے جس کی وجہ سے ملک کی اکثریت غربت و افلاس اور پستی کا شکار رہتی ہے اسی طرح حکومت اور عوام کے درمیان کوئی خوشگوار اور مستحکم تعلق استوار نہیں ہو سکتا لہٰذا حکومت کے خلاف غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں پھر غلط فہمیاں یقین میں بدلنے کے ساتھ ساتھ نفرت' بغاوت' عدم تعاون اور عدم اعتماد کو جنم دیتی ہے جبکہ حکومت کرنے' ٹیکس لگانے اور ادا کرنے کے لئے باہمی اعتماد معاشی و ملکی ترقی کے لئے اساس ہے۔

ہمارے ملک کے ٹیکس گزار طبقے بھی حکومت پر اسی طرح کی بداعتمادی کی وجہ سے صحیح صحیح ٹیکس ادا کرنے سے گریزاں رہتے ہیں اور اسی گریز کی وجہ سے ٹیکس و آمدنی کو چھپانے اور سچ بیان نہ کرنے کی روش کو اپنائے ہوئے ہیں عوام کو سچ بولنے پر اللہ تعالی کی رضامندی کے علاوہ حکومتی کارندوں اور اہل کاروں سے بھی نیکی اور اچھے رویے کی امید ہو تو وہ ہمیشہ سچ ہی بولیں۔

بداعتمادی کی وجہ سے لوگ انکم ٹیکس حکام سے معلومات اور مشورہ حاصل کرنے کی بجائے وکلاء کو اس کام کے لئے ترجیح دیتے اور ان کے طرح طرح کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں اور اکثر اوقات حکومتی کارکنان خود لوگوں کے وکیلوں کی وساطت سے Case کرانے کی تلقین کرتے ہیں بداعتمادی کی یہ فضا بے شک اخلاقی اور اجتماعی مفادات کے سراسر منافی ہے۔ عوام کا یہ رجحان بن چکا ہے کہ وہ حکومت کے مصارف سے ناواقف ہیں اور اس بات پر شاکی ہیں کہ عوام سے مختلف طریقوں سے اکٹھا کیا جانے والا سرمایہ بجا طور پر عوام کی فلاح و ترقی پر خرچ ہونے کی بجائے

حکومتی ارکان ونمائندگان کی عیش پرستی اور فضول خرچی پر صرف ہوجاتا ہے جیسا کہ 1989ء میں جب اسلامی نظام معیشت کی ابتدا کرتے ہوئے زکوۃ وعشر آرڈیننس جاری کرکے حکماً زکوۃ وعشر کی کٹوتی (Deduction) کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلمانوں نے وجوبی زکوۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے یکم رمضان المبارک سے پہلے بینکوں سے اپنی رقوم نکلوانی شروع کردی اور ابتدائی سالوں میں یہ روش ہرگز اختیار نہیں کی گئی بلکہ لوگوں نے کھلے دل سے جذبہ ایمانی کے تحت زکوۃ وعشر ادا کیا مگر چند سالوں کے بعد زکوۃ سے حاصل ہونے والی رقم میں بتدریج کمی ہوتی چلی گئی اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اوائل میں سب نے حکومت پر اعتماد کیا لیکن بعد میں حکومت کی طرف سے اس فنڈ کے بے جاو بے دریغ استعمال اور صحیح مصرف پر روپیہ صرف نہ کرنے کی وجہ سے حکومت کے خلاف بداعتمادی اس قدر زیادہ ہوگئی کہ لوگوں نے اپنے ایمان بھی مشکوک کرتے ہوئے حلفیہ تحریری اشٹام کے ذریعہ اپنے آپ کو فقہ جعفریہ سے متعلق کرکے زکوۃ سے بچنے کا ایک نیا طریقہ ڈھونڈ ھ لیا۔

اسی طرح سب کا مشاہدہ ہے کہ جب کبھی بھی ملک میں ہنگامی صورت حال یا آسمانی آفت وسیلاب کی کیفیت ہوتی ہے تو لوگ اپنے دکھی، محروم اور مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے سرگرداں ہوتے ہیں لیکن حکومتی فنڈ میں وہ امدادی رقوم واشیاء دینے کی بجائے نجی تنظیموں سے مل کر بذات خود مستحقین تک پہنچانے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ بیت المال اور زکوۃ فنڈ بھی غلط طریقوں سے غلط راستوں پر صرف کیا جاتا ہے مرکزی زکوۃ کونسل کے ایک اعلیٰ افسر سے جب اس معاملے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ اوپر سے بذریعہ فون آرڈر آتا ہے کہ فلاں ایم این اے آرہا ہے اسے اتنے لاکھ یا اتنے کروڑ روپے مہیا کردیں یہ خود اپنے انتخابی حلقے میں جاکر مستحقین کو تقسیم کردے گا اس بداعتمادی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومتی پارٹی کے اراکین خود بڑے بڑے کاروباری وجاگیردار ہونے کے باوجود حکومتی واجبات بشمول قرضہ جات ادا نہیں کرتے یا بہت کم ادا کرتے ہیں تو ان کی اس روش سے دوسرے لوگ بدظن ہوجاتے ہیں اور وہ حوالتہً اس بات کی آڑ لیتے ہیں فلاں نے اتنے روپے کمانے کے باوجود ٹیکس نہیں دیا یا قرض واپس ہی نہیں کیا یا غلط ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں تو قانون شکنی پر ان کی اس سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔حکومت کے دفاتر چلانے کے لئے جوضروری اشیا خرید کی جاتی ہیں یا عمارت کی سالانہ مرمت (Annual Repairing) پر اصلی شرح سے زیادہ کے حساب سے خرچ کیا جاتا ہے مارکیٹ میں وہی چیز یا کام جس مقدار میں میسر ہو اس سے کہیں زیادہ قیمت پر حکومت اسے خرید کر اپنے اہل کاروں کی کمیشن وصولی کا ذریعہ بنتی ہے۔

فیصل آباد کے کئی دفاتر میں جانے کا اتفاق ہوا دفتر کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہ سیف ہم نے اتنے کی (Purchase) کی ہے حالانکہ اس کی بازار میں اتنی قیمت ہے ایک مقامی دفتر میں ایک کمپیوٹر خریدنے کے لئے

78000 روپے حاصل کر کے کمپیوٹر 36000 روپے کا خریدا گیا اس کا بل بھی Pass ہوگیا اور ادائیگی بھی ہوگئی۔

حکومت کا سرکاری خزانہ جو پوری قوم کی امانت و ملکیت ہوتا ہے اس کام کے لئے ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کا غلط استعمال کیا جائے یا اس کا استعمال کرتے وقت اس میں مختلف طریقوں سے کمیشن وصول کئے جائے۔وزیر اعلی پنجاب سے صحافیوں نے لاہور میں حکومت کی جاری کردہ گرانٹس میں ہونے والی بے ضابطگیوں کے متعلق پوچھا تو انھوں نے تسلیم کیا کہ سرکاری گرانٹس میں سے 30 سے 40 فیصد رقم کمیشن (Commission) کی صورت میں نکل جاتی ہے کیا حکومتیں صرف کمیشن کو بھی ختم نہیں کرسکتیں؟ یہ پیسہ عوام کا، گرانٹس دینے والی حکومت اور رفاہ عامہ پر خرچ کرنے والی رقم سے افسران بالا کے مختلف عہدوں کے لحاظ سے مختلف شرح کمیشن کی قانونی وصولی کیا لمحہ فکریہ نہیں ہے؟

انہی وجوہات کی بناء پر عوام کو ٹیکس کی صحیح تشخیص و ادائیگی کے سلسلے میں متعلقہ محکموں میں مجبوراً معمولاً یا مصلحتاً صرف جھوٹ ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور گھریلو اخراجات بچوں کے سکول کی فیسیں' ملازمین کی صحیح تعداد و تنخواہ' کاروباری جگہ کا صحیح کرایہ' ایڈوانس (پگڑی) یا مطلوبہ کوائف میں ہیرا پھیری ہوتی ہے اور جب یہ ہیرا پھیری روگردانی کی مستقل روش بن جاتی ہے تو کوئی شخص صحیح ٹیکس تو کیا سرے سے ٹیکس دینے سے فخریہ انداز سے بچتا ہے جو کسی بھی لحاظ سے قابل ستائش بات نہیں ہے پھر اسی روپے کے باعث لوگ سرکاری اہلکاروں سے الجھتے اور لڑتے اور جھگڑتے بھی ہیں۔متعلقہ محکمے کے کارندے بھی صرف ٹیکس سے بچنے اور قلیل سے قلیل مقدار میں ٹیکس دینے پر صرف اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر اکساتے ہیں یوں رشوت ستانی کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔مزید برآں بڑے بڑے شہروں میں سرکاری افسران و نمائندگان کے لئے بڑے بڑے عالیشان ریسٹ ہاؤس تعمیر کرانا پھر ان کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپے خرچ کر کے وزراء و اراکین کو وہاں ٹھہرانے کے بندوبست پر خطیر رقم صرف کرنا بھی قومی امانت میں خیانت کے مترادف ہے کیونکہ انھیں شہروں میں اور بھی کئی رہائشی انتظامات ہوتے ہیں جبکہ ایسے شہروں میں ریسٹ ہاؤس بنائے جانے چاہیں جو دور دراز ہوں اور وہاں کوئی رہائشی بندوبست نہ ہوں۔ایک ایک آدمی کے تصرف میں کئی کئی قیمتی گاڑیاں دے دینا بھی نامناسب معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ سرکاری و سیاسی اکابرین کا لاکھوں روپے شکار کھیلنے پر صرف کرنا بھی ملکی معیشت اور قومی خزانے کے لئے نقصان دہ ہے۔یہ عمل اسلامی ریاست اور ترقی پذیر ملک کے عادل حکمرانوں کے منافی ہے۔کوئٹہ میں گذشتہ چار سال سے زیر تعمیر کورز ہاؤس اور اس سے متعلقہ افراد کے لئے رہائشیں بنانے پر خطیر خزانہ خرچ کرنا بھی بعید از قیاس ہے دین اسلام ہمیں کفایت شعاری' قناعت پسندی اور سادگی کا دائمی درس دیتا ہے۔

یہ خبر کہ ایوان صدر کے صحن میں امریکہ سے گھاس منگوا کر لگانا اور لان (Lawn) پر 47 لاکھ روپے خرچ

کرنا ترقی پذیر ملک کی ترقی کو متاثر کرنے والی بات ہے۔مختصراً حکومت پر عوام کی بداعتمادی کی غیر جانبدارانہ تحقیق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حکومت وقتاً اس طرح کی غلطیوں کی مصلحتاً و مجبوراً مرتکب ہوتی رہتی ہے۔حکومت کو اپنی غلطیاں دور کر کے ملکی ترقی و استحکام اور عوام کی فلاح بہبود و رفاہ عامہ و دیگر ضروریات زندگی کو پورا کرنے کی خاطر تمام سرکاری وسائل قومی آمدنی بڑھانے کے لئے استعمال کرنے چاہیں تاکہ عوام کا اعتماد بحال ہو اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں تحفظ محسوس کریں۔

قانونی پیچیدگیاں:

پاکستان میں مروجہ قوانین ٹیکس بجا طور پیچیدہ اور ناقابل فہم ہیں ان کو سمجھنے کے لئے ٹیکس گزاروں کو مجبوراً انکم ٹیکس پریکٹشنروں، مشیران ٹیکس ور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس اور سرکاری اہل کاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے حکومتی خزانے میں ٹیکس جمع کرانے سے پہلے کئی گنا زیادہ روپیہ ٹیکس کی تشخیص پر خرچ ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ انکم ٹیکس کوشواروں کے پر کرنے اور جمع کرانے کا مرحلہ ہوتا ہے ان کوشواروں کی طوالت اپنی جگہ پر ہے ان کی انگریزی زبان کی عبارت اردو فارموں سے بھی مشکل ہے اور اردو فارم کی عبارت انگریزی کوشوارے سے دشوار تر ہے اور پھر اس میں دیئے گئے کالم انتہائی مبہم ہیں وکلاء اور مشیران اور اہل کار بیس روپے ٹیکس کی خاطر خود تشخیصی سکیم (Self assessment Scheme) کے تحت کوشوارے پر کرنے کے عوض تین تین ایک ہزار روپے معاوضہ لیتے ہیں اسکی مثال یہ ہے ایک لاکھ سے زیادہ آمدنی والے کوشوارے کے ساتھ دولت ٹیکس سٹیٹمنٹ (Wealth Tax Statement) جمع کروانا ضروری قرار دیا گیا ہے وہ فارم بھی بہت پیچیدہ اور وسیع ہے ان میں درج کئے جانے والے اثاثہ جات و جائیداد کی تفصیل مہیا کرنا کسی اچھے خاصے پڑھے لکھے شخص کے بھی بس کا روگ نہیں ہے کم پڑھے لکھے حضرات کہاں سمجھ سکتے ہیں؟ پڑھے لکھے افراد بھی (Exempted) اثاثہ جات کو قابل ٹیکس اثاثوں (Taxable Assets) کے خانے میں درج کر دیتے ہیں اور نادانستہ طور پر ٹیکس کے بوجھ تلے آجاتے ہیں۔سال تشخیص برائے 1995-96 کے کوشوروں میں کئی پڑھے لکھے اعلیٰ عہدوں پر فائز حضرات نے اپنی دولت ٹیکس سٹیٹمنٹ میں غلط خانے میں درج کردہ اثاثوں کی وجہ سے ابھی تک بھاری رقوم کے ٹیکس واجب الادا ہونے کے بعد فیصلے کے بعد تشخیصی اصلاح و درستگی (Rectification of Assessment) کے لئے دفتروں کے چکر پہ چکر لگاتے رہتے ہیں۔

اسی طرح جو زیورات بیوی کے پاس موجود ہوتے ہیں ان کی Entry سب نے ٹیکس سے مستثنیٰ خانے میں کر دی مگر انکم ٹیکس حکام نے ان کی قیمت خرید (Cost Value) کی بجائے (Market Value) لگا کر تشخیص

کردی اور شکایت کرنے پر اعلی افسران نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ اثاثہ Taxable ہوتا ہے اسکے دولت ٹیکس 1993 میں واضح احکامات موجود ہیں اسکے بعد گوشواروں کے ساتھ آمدنی' اخراجات' خالص آمدنی' قابل ٹیکس آمدنی اور اسکے مطابق جمع کردہ بلوں کے ثبوت ٹیکس کی ادائیگی کے چالان وغیرہ کی تفصیل موجود ہوتی ہے اگر اس میں سے کوئی منسلکہ (Attached) کاغذ کہیں کھو جائے تو دفتر والے عدم موجودگی کوائف (Shortage of Documents) کا نوٹس بھیجنے پر اس کو اس کاغذ سے متعلقہ Credit نہیں دیتے اور ٹیکس ڈیمانڈ کا فیصلہ کر کے ٹیکس گزار طبقے کے لئے مسئلہ پیدا کرتے ہیں۔ اس کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ ایک شخص کی تنخواہ ادا کردہ ٹیکس کا سٹرٹیفکیٹ (Certificate of Pay and Deduction) گوشوارے سے علیحدہ سے علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے عدم ثبوت ادائیگی ٹیکس پر پوری کی پوری جمع شدہ بغیر اطلاع دیئے واجب الادا قرار دی گئی۔ جس کے خلاف میں خود دفتر میں حاضر ہوا تو ITO نے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ آپ اپنا (Salary Certificate) بنوا کر لائیں ہم اس تشخیص کی درستگی (Rectification) کر دیں گے۔

تین سال قبل جب انکم ٹیکس کا نظام کمپیوٹرائزڈ کیا گیا تو جتنی رقم گوشواروں کے ساتھ بطور ٹیکس جمع کرائی گئی وہ بعینہ کمپیوٹر نے Demand نکال دی۔ جس سے سارے حلقوں میں اضطراب پھیل گیا اور تقریبا کمپیوٹر سیل سے ایک سال بعد ریکارڈ واپس آنے پر ان کو درست کیا گیا یہی مسائل و مجبوریاں اور پیچیدگیاں زرعی ٹیکس گزاروں کو بھی درپیش ہیں کیونکہ ان کے جمع کردہ زرعی دولت ٹیکس و عشر کے گوشوارے اور نوٹس افسران کی میزوں پر مہینوں بھر دستخطوں کے لئے پڑے رہتے ہیں پھر Assessment کے نوٹس بھی تاخیر سے موصول ہوتے ہیں غلط اندراج و تشخیص کی درستگی پر لمبی مدت لگا دی جاتی ہے۔

تفصیلی چھان بین سے بچنا (Immunity from Detailed scrutiny/Total Audit):

خود تشخیصی نظام کے تحت داخل شدہ انکم ٹیکس کے گوشوارے من و عن قبول کر لئے جاتے ہیں اور ان کے فیصلے انہی گوشواروں کے مطابق کر دیئے جاتے ہیں مگر چند گوشوارے جن میں Immunity Claim نہیں کی جاتی یعنی مطلوبہ محکمانہ شرائط کو پورا نہ کرتے ہوں ان میں سے کچھ گوشوارے مزید ٹیکس حاصل کرنے کے لئے تفصیلی چھان بین کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں جن گوشواروں کو اس زمرے میں رکھا جاتا ہے ان کی ظاہر کردہ آمدنی کو ہر حال میں بڑھایا جاتا ہے۔ اسکی بھی دو صورتیں ہیں کہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 62 کے تحت ٹیکس گزار کو کوئی دفعہ دفتر بلوا کر کئی قسم کی معلومات حاصل کرنے کے بعد اسے Agreed Assessment پر مائل کیا جاتا ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسکی روزانہ کی آمدنی و سٹاک وغیرہ کو انسپکٹر بھیج کر چیک کرایا جاتا ہے اور پھر زیر سیکشن 61 یک طرفہ

Ex-partee فیصلہ کردیا جاتا ہے۔

ٹیکس گزاروں کو اس پریشانی سے بچنے کیلئے ہر سال کی نئی مطلوبہ شرائط کے مطابق تین سالوں کی تشخیص کردہ آمدنیوں کو اکٹھا کرکے ان کی اوسط آمدنی کو 20 یا 25 فیصد تک بڑھا کر Increase کو شواروں میں آمدنی ظاہر کرکے دفتر میں داخل کرانے ضروری ہوتے ہیں یا پچھلے تین سالوں میں سب سے زیادہ تشخیص شدہ آمدنی مزید مخصوص مقررہ شرح میں اضافہ کرکے گوشوارے جمع کرائے جاتے ہیں یعنی کاروبار میں تھوڑا یا زیادہ منافع ممکن ہیں۔کبھی بغیر نفع ونقصان کے اور کبھی نقصان سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے لہذا فرضی اضافہ کرکے آمدنی ظاہر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے حالانکہ حقیقی نفع ظاہر کرنے اور سچ بولنے کی ہی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔

اسی طرح زمینداروں کی فصلیں بعض اوقات اچھی پیداوار دیتی ہیں اور بعض اوقات کسی وجہ سے وہی زمینیں اچھی پیداوار نہیں دے سکتیں۔اسی لئے فصل پکنے کے وقت ہی عشر واجب کیا گیا ہے لیکن زکوۃ وعشر کمیٹی کی طرف سے انکی اوسطاً پیداوار پر ہی فصل کٹنے سے پہلے عشر عائد کردیا جاتا ہے جو سراسر روح اسلام کے خلاف ہے۔

نقصان ظاہر کرنا:

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قسم کا کاروبار ہو اس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔مگر موجودہ قوانین ٹیکس میں یہ سقم موجود ہے کہ انکم ٹیکس حکام حقیقی وواقعی ہونے والے نقصان کو کبھی بھی نہیں مانتے اس سلسلے میں ان کی قانونی مجبوری یہ ہے کہ اگر گوشوارے میں ظاہر کردہ نقصان کو تسلیم کیا جائے تو محکمے کو انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء سیکشن 34 اور 35 کے تحت Set Off of Losses اور Carry forward of Business Losses کے عنوان کے تحت مسلسل کئی سالوں تک اس نقصان کو درج کرنا ضروری ہے۔حالانکہ نقصان والے سال کے فوراً اگلے سال منافع بھی ممکن ہے ایسی صورت میں بھی ٹیکس گزار کو تلقین کی جاتی ہے کہ دس بیس روپے ہی ٹیکس جمع کرادیتے تو کتنا بہتر ہوتا لہٰذا یہ صورت بھی جھوٹ بولنے پر اکساتی ہے (150)

اس کے علاوہ ایک خاصی دشواری زائد جمع شدہ ٹیکس کی واپسی (Refund) کے وقت لاحق ہوتی ہے اگر حکومت کا روپیہ کسی شخص کے ذمہ واجب الادا ہو اور جمع نہ کرواسکے تو اسکے ذمہ واجب الادا ٹیکس کے علاوہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء کی شق نمبر 85 کے مطابق اگر ٹیکس گزار مقررہ تاریخ تک ٹیکس جمع کرانے میں ناکام رہے تو دس فیصد کے حساب سے اضافی ٹیکس بھی لگایا جاتا ہے۔اور اس طرح سیکشن 91-92 اور 93 کے تحت عدم ادائیگی ٹیکس کی وجہ سے (Due to non payment of tax) مختلف شرح کے حساب سے جرمانے (Penalities) عائد کئے جاتے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے ہیں اسطرح اگر حکومت کے

ذمہ ٹیکس گزار کا Refund واجب الادا ہوتو چاہیے کہ اس بھی بوقت تشخیص فیصلہ کے ساتھ ہی Refund Voucher جاری کردیا جائے۔لیکن سالہا سال سے لوگوں کے Refunds نہیں دیئے گئےاور پھر بے انصافی یہ ہے کہ حکومت تو جرمانہ عائد کرتی ہے لیکن ایسا قانون بھی تو موجود ہو جس کے تحت گورنمنٹ بھی Refund کے ساتھ Due to non issuance of Refund Voucher مختلف شرح سے جرمانے کے انداز میں زائد رقم لوٹانے کی پابند ہومگر ایسا قانون ابھی تک ناپید ہے اسی طرز سے زرعی مالکان کی پیداوار پر ابتدائی مرحلے پر عشر ٹیکس لگادیا جاتا ہے بعد میں اگر فصل کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اسکی رعایت کے حصول کے لئے بھی ایسی ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

Proceeding of Appeals

انکم ٹیکس افسران کی تشخیص کردہ آمدنی وٹیکس کے خلاف اپیل کا حق بھی دیا گیا ہے اور معاملہ کی نوعیت کے مطابق مختلف ادارے Additional " Commissioner of Appeals اورکمشنر آف اپیلز اور پھر Incometax Tribunel اسی کام کے لئے مامور ہیں زرعی ٹیکس کی طرح فیصلوں کے خلاف اپیل دائر کرتے وقت کچھ رقم ایڈوانس جمع کرانا لازم ہوتی ہے ان دائر کردہ اپیلوں کی سماعت (Hearing) کی باری کا انتظار کرتے کرتے انکم ٹیکس حکام اپنے اختیارات کے مطابق عدم ادائیگی ٹیکس کی بنا پر سیکشن 92/91 اور 93 کے تحت جرمانے لگاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات سماعت کی تاریخ مقرر ہونے اور فیصلے ہونے تک اصل ٹیکس کی رقم سے عائد کردہ جرمانے کی رقم بڑھ جاتی ہے۔

مزید پریشانی اس وقت ہے جب متعلقہ انکم ٹیکس افسران جرمانہ لگانے کے بعد ٹیکس کی وصولی کے لئے ٹیکس نادہندہ (Defaulter of Tax) کی فائل ٹیکس ریکوری افسر کے پاس بھیج دیتے ہیں اور پھر وہ چند ضروری نوٹس کے اجراء اور قانونی کارروائی کے بعد ٹیکس نادہندہ کو پکڑ کے ٹیکس کی 75% وصولی تک جیل میں بند کرنے کے لئے اس کا تعاقب کرتے ہیں ایسی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے بغیر نمبر کے سماعت کی درخواست منظور کرانے کی تگ و دو کرنا پڑتی ہے اپیل کی درخواستوں پر جب فیصلہ صادر ہو جاتا ہے تو پھر متعلقہ افسران Appeal Effect بروقت نہیں دیتے جس کے باعث ٹیکس گزار کو اپیل کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے باربار دفتروں کے چکر لگانے پڑتے ہیں پھر باہمی مفاہمت کے بعد نظر ثانی شدہ تشخیص کے مطابق Revised T-30 تیار کی جاتی ہے۔لیکن دوبارہ ٹیکس گزار کو Penalities کے خلاف اپیل کرکے رعایت (Relief) حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہونا پڑتا ہے حالانکہ ایسا قانون ہو جس کے تحت ٹیکس میں رعایت یا ٹیکس کے خاتمے کے ساتھ ہی اس پر

لگایا جانے والا جرمانہ بھی ختم ہو سکے۔

ظاہری طور پر مذکورہ بالا وہ مسائل ہیں جو مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں۔

فقہائے اسلام کی آراء:

فقہائے اسلام کی آراء میں زرعی دولت ٹیکس تو سراسر غیر شرعی ہے البتہ عشر سے زرعی آمدنی پر زکوٰۃ کی مثل زرعی آمدنی پر ہی عارضی ٹیکس لگایا جا سکتا ہے جبکہ اس کے مصرف کا یقین مصالح مرسلہ سے مطابقت رکھتا ہو۔

ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور کے مولانا عبدالمالک صاحب نے اس سلسلے میں خط کے جواب میں لکھا کہ:

عشری زمینوں پر عشر واجب ہوگا۔خراجی زمینوں پر خراج یعنی زمین کی پیداواری صلاحیت کو دیکھ کر اس پر ایک مقررہ ٹیکس عائد کر دیا جائے۔عشر مسلمانوں پر واجب ہے جبکہ خراج مقاسمہ وخراج موظف غیر مسلموں پر۔

اگر ضرورت نہ پڑے تو مقررہ ڈیوٹی پر ہی اکتفا کیا جائے۔اگر ضرورت ہو تو پھر مزید ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں۔زمین پر ٹیکس پیداوار ہی کے مناسب حصہ کی صورت میں یا زیادہ پیداوار والی زمین پر زیادہ اور کم پیداوار والی زمین پر کم لگایا جائے۔لیکن زمین کی مالیت کی تشخیص کر کے اس کے مطابق ٹیکس لگانا درست نہیں یعنی یہ ٹیکس کہ زرعی زمین ایک مربعہ (۱۲۵ ایکڑ) ہے۔اس کی مالیت پانچ لاکھ ہے تو اس طریقہ سے زمیندار سے ایک مرتبہ ہی اتنا ٹیکس وصول کر لیا جائے گا تو مالک زمین پانچ دس سال تک اس بوجھ کے نیچے دبا رہے گا اور پھر سال بہ سال ٹیکس ادا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہوگا۔اس لئے زمین پر ڈیوٹی کی وہی شکلیں درست ہیں جو پہلے سے اسلام میں رائج ہیں۔موجودہ حکومتیں زرعی سرمایہ پر اس طرح سے ٹیکس لگائیں کہ زمین کی مالیت کو پیش نظر رکھیں اور پیداوار کے حساب سے ٹیکس نہ لگائیں تو یہ طریقہ درست نہ ہوگا۔

پروفیسر غلام سرور مرحوم نے قانون زکوٰۃ وعشر چند شبہات کا ازالہ کے عنوان کے تحت اس سوال کہ کیا قانون زکوٰۃ وعشر کے نفاذ کے بعد کسی نئے ٹیکس خصوصاً آمدنی ٹیکس اور دولت ٹیکس کی وصولی جائز ہے؟ کے جواب میں لکھا ہے:

جی ہاں! بالکل جائز ہے۔زکوٰۃ کا نصاب اس کی شرح اور اس کے مصارف قطعاً متعین ہیں۔ان میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہیں۔لہٰذا اگر حکومت کو دوسری ضرورت کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہو تو وہ ایسے وسائل قوم سے حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے۔اگر یہ حصول لازماً ہو تو ٹیکس ہے اور رضا کارانہ ہو تو عطیہ ہے اور اگر بشرط واپسی ہو تو قرض ہے۔زکوٰۃ اور ٹیکس کے فرق کے بارے میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں۔

زکوۃ مالی عبادت ہے جو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔ٹیکس حکومت وقت اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے لگاتی ہے۔زکوۃ کبھی ساقط نہیں ہو سکتی،ٹیکس لگ بھی سکتا ہے مٹ بھی سکتا ہے،زکوۃ کا نصاب اور شرح متعین ہے،ان میں قطعاً کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔لیکن ٹیکس کی حد اور شرح گھٹ بڑھ سکتی ہے۔مصارف زکوۃ مخصوص ہیں،ٹیکس کو حکومت اپنی ملکی ضروریات پر صرف کر سکتی ہے۔(151)

مولانا محمد تقی امینی لکھتے ہیں کہ:

> ہر حکومت کو نظام حکومت چلانے کے لئے خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے اور خزانہ کی آمدنی کا ذریعہ بالعموم ٹیکس ہوتا ہے جو عام لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے۔یہ ٹیکس بہت سی چیزوں پر لگایا جاتا ہے جس کی وصولی و تحصیل کے لئے مختلف قواعد وضوابط مقرر ہوتے ہیں۔لیکن ان میں سے زیادہ اہم ٹیکس وہ ہوتا ہے جو زمین پر لگایا جاتا ہے اور اس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کی آمدنی کا کچھ حصہ ایک جگہ کر کے حکومت اسے مفاد عامہ کے کاموں میں خرچ کرے اور لوگوں کا عام معیار بلند ہو۔ (152)

علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک عصری اجتماعی ضروریات کی کفالت کا تعلق ہے اور ایک جدید دور کی حکومت کے ضروری مصارف کو پورا کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے زکوۃ کے علاوہ اور ٹیکس بھی عائد کئے جا سکتے ہیں۔اس لئے دور جدید کی ریاستیں اپنے باشندوں پر جائیداد ٹیکس عائد کرتی ہیں اور یہ ٹیکس بطور سزا نہیں ہوتا بلکہ اس ٹیکس کی ادائیگی سے صاحب جائیداد لوگ حکومتی کاموں میں حصہ دار بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ دولت ٹیکس کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ آج کی حکومتیں عام زرعی زمینوں پر خالص جائیداد ٹیکس (Wealth Tax) عائد کرتی ہیں اور اس میں زمین کے عشری اور غیر عشری ہونے کو بھی بعض اوقات مدنظر نہیں رکھتیں۔عملی طور پر بھی یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہر مسلمان کی ملکیتی زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر عائد کیا جائے اور جائیداد ٹیکس ہر وہ شخص ادا کرے جو زمین کا مالک ہے۔ (153)

شیخ محمد شلتوت نے بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح مسلم حکمران ضرورت کے وقت کے تقاضے کے تحت مسلمانوں اور غیر مسلموں پر ایسا ٹیکس عائد کر سکتا ہے جس کا مقصد ریاست کا تحفظ اور قوم کی قوت ہو۔اور اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ صدقات اور زکوۃ وغیرہ اس قسم کے ٹیکس سے مانع نہیں۔(154)

سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

> اسلام میں زکوۃ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ انکم ٹیکس عائد کرنا جائز ہے کیونکہ اسلامی

ریاست میں یہ دونوں چیزیں جائز ہوسکتی ہیں۔ زکوۃ کے مصارف بالکل متعین ہیں۔ اسی طرح اسکا نصاب اور اسکی شرح بھی نبی ﷺ نے متعین فرمادی ہے۔ ان امور میں کوئی ترمیم وتنسیخ جائز نہیں ہے اب ظاہر ہے کہ ریاست کو اگر دوسری مزید ضروریات درپیش ہوں تو وہ ان کے لئے قوم سے مالی مدد حاصل کرسکتی ہے۔ اگر یہ وصولی جبری ہوتو ٹیکس اور رضا کارانہ ہوتو چندہ ہے اور واپسی کی شرط ہوتو قرض (Loan) ہے۔ زکوۃ اور یہ دوسری قسم کی وصولیاں نہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتی ہیں اور نہ ایک دوسرے کو ساقط کرسکتی ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور دیانتداری سے اسکا نظام چلایا جائے تو اتنے ٹیکسوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی جتنے آج موجود ہیں۔ موجودہ زمانے میں ٹیکسوں کے معاملے میں جتنی بدعنوانیاں اور بد دیانتیاں ہوتی ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ ایک طرف تو جس مقصد کے لئے ٹیکس لگایا جاتا ہے اسکا بمشکل دس فیصدی اس مقصد پر صرف ہوتا ہے۔ دوسری طرف ٹیکسوں سے بچنے کے لئے (Evasion) کی ایک عام ذہنیت پیدا ہوگئی ہے۔ اگر نظام حکومت درست ہو جائے تو موجودہ ٹیکسوں کا ایک چوتھائی حصہ بھی کفالت کرے گا اور افادیت بھی چار پانچ گنا زیادہ ہو جائے گی۔

دارالعلوم کراچی کے مفتی صاحبان کی رائے یہ ہے۔

عشر کی ادائیگی کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس لئے اسکا ادا کرنا تو ہر حال میں ضروری ہے۔ البتہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو سہولتیں مہیا کرنے اور ضرورتیں پورا کرنے میں حکومت کا جو خرچ ہوتا ہے اسکا مناسب مقدار کی حد تک وصول کرنا تو حکومت کے لئے جائز ہے جیسے آبیانہ وغیرہ لیکن اسکے علاوہ دوسرے قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے لئے چند شرائط جنکی تفصیل یہ ہے کہ حکومت کے جائز مصارف اگر جزیہ، خراج، فئی اور مال غنیمت وغیرہ سے پورے نہیں ہوتے ہیں تو حکومت کے لئے ٹیکس لگانا جائز ہے اور عوام کے لئے اس قانون کی پابندی لازم ہوگی۔ بشرطیکہ یہ ٹیکس بقدر ضرورت ہو اور لوگوں کے لئے قابل برداشت ہو اور ٹیکس وصول کرنے کا جو طریقہ ہے وہ لوگوں کے لئے ایذا رسانی کا باعث بھی نہ ہو۔ (رجسٹر نقل فتاوی ۳۹ب/۳٦٧)

واللہ اعلم بالصواب

محمد نجیب خان نواب شاہی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

۱۴۱٦/۱/۱٦ھ

للجواب صحیح

بندہ محمود اشرف غفر اللہ

۱۴۱۶/۱/۱۶ھ

ترمذی و ابنِ ماجہ کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ))

ترجمہ: ''جب تو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو جو کچھ تجھ پر فرض تھا تو نے اسے پورا کر دیا۔''(155)

علامہ شوکانی کی تحقیق یہ ہے کہ

ای لیس علیھم غیر الزکوٰۃ من الضرائب والمکس

ترجمہ: ''مسلمانوں پر سوائے زکوٰۃ کے کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں۔''(156)

علامہ ناصر الدین نے دونوں روایات کو ضعیف سنن ترمذی (ص ۷۶)

اور ضعیف سنن ابن ماجہ (ص ۱۳۹) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

ابوالحسن الماوردی نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا ہے۔

ولا یجب علی المسلم فی مالہ حق سواھا

ترجمہ: ''مسلمانوں کے مال میں سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ فرض نہیں۔''(157)

علامہ علاء الدین علی بن حسام الدین الہندی المتوفی ۹۷۰ھ نے نقل کیا ہے۔

ان تمام اسلامکم ان تودوا زکوٰۃ اموالکم

ترجمہ: ''تمہارا اسلام کو پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔''(158)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب عامل بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا۔

((أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِم))

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امیروں سے لیا جائے گا اور ان کے غریبوں پر لوٹایا جائے گا۔''(159)

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا۔

((فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ))

ترجمہ: ''پس انکو آگاہ کر دینا کہ بے شک اللہ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے۔''

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بناتے ہوئے تحریری حکم دیا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ھذہ فریضة الصدقة التی فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی المسلمین والتی امر اللّٰہ بھا رسوله فمن سئلھا من المسلمین علی وجھھا فلیقطھا و من سئلھا فوقھا فلا یعط

ترجمہ: ''اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ صدقہ کا وہ فریضہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا اور یہ وہی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیا۔ پس مسلمانوں میں سے جس سے فریضہ کے مطابق طلب کیا جائے وہ ادا کرے اور جس سے اس سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے۔''(160)

مولانا فضل الرحمٰن بن میاں محمد نے اپنے خیالات کو یوں اظہار کیا ہے۔

اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حکومت اور مسلمانوں کو جتنی مال کی ضرورت تھی بعد میں ویسی صورت کبھی بھی سامنے نہیں آئی۔ لیکن اسکے باوجود ہمیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے پتہ چلے کہ رسول اللہ ﷺ یا خلفاء راشدین نے زکوۃ اور عشر کے علاوہ زبردستی ٹیکس لگا کر مال وصول کیا ہو۔ نبی کریم ﷺ کو جب بھی ضرورت پیش آئی تو آپ ﷺ نے رضا کارانہ طور پر صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ غزوہ تبوک اسکی بہترین مثال ہے۔(161)

مفتی غلام سرور قادری نے اپنی یہ رائے دی ہے کہ

ضرائب یعنی ہنگامی ٹیکس بھی بیت المال کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو جائے اور بیت المال خالی ہو اور لوگوں کو انکی ضروریات میسر نہ آ رہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قوی اندیشہ منڈلا رہا ہو۔ اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے۔ لیکن ابھی بھی ملکی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قوی اندیشہ بدستور باقی ہو تو اس صورت میں سرمایہ داروں پر ہنگامی اور وقتی ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں۔ ضرائب (ہنگامی امداد) سے اگر اہلِ استطاعت گریز کرنے لگیں تو حکومت اسلامیہ ان سے جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے۔ لیکن نظام مصطفٰے میں ان موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں عوام پر بلا جواز مسلط کرتی ہیں۔(162)

THE SECOND SCHEDULE

[See Section 14(1)]

PART-I

[EXEMPTIONS] FROM TOTAL INCOME

Incomes, or classes of income, or persons or classes of persons, enumerated below, shall be exempt from tax, subject to the conditions and to the extent specified here under:-

The Second Schedulesubstituted by Finance Ordinance, 1981. Before substitution it was amended by Finance Ordinance, 1980 and by variosu notifications u/8 14.
Substituted for "EXCLUSIONS" by Finance Act, 1988.

Second Schedule, An 'Arrangement of Clauses" is as follows:-

Clause No.	Subject
	Part I Exemptions from Total Income
1.	Agricultural income
2.	Salary of employee of a foreign country
6.	Slaray of employee of a foreign ship
7B.	Salary of expatriate employees of the International Irrigation Management Institute (IIMI)
9.	Allowances and perquisites of Govt. employees posted abroad
10.	Salary of Pakistanis employed abroad by foreign states
11.	Salary of foreign employees of educational institutions abroad
12.	Salary of foreign employees in accordance with Aid Agreement
12A.	Tax on foreign contractors etc.
13.	Salary of foreign employees of British Council.
16.	Pension of employees of United Nations.
17.	Pension of persons over 60 years of age.
17A.	Pension of Govt. & Armed Forces employees.
17AA.	Encashment of leave preparatory to retirement.
18.	Pension for injuries.
19.	Pension for invalidation.
22	Postal annuity
22A.	Anuity from SLIC.

Clause No.	Subject
23.	Provident fund payment
23A.	Benevolent grant
24	Provident fund balance.
25.	Superannuation fund payment.
26.	Commutation of pension
27.	Gratuity
28.	Worker Participation Fund payment
29.	Entertainment allowance
29A.	Entertainment allowance
30	Entertainment allowance.
31.	Entertainment allowance.
32.	Senior post allowance
33.	Senior post allowance
33A.	Orderly Allowance
33B.	Senior Post Allowance, entertainment allowance of orderly allowance of employees of recognized universities.
37.	Compensatory allowance by Pakistan Mission.
38.	Personal staff subsidy.
38A	Adoc relief at the rate of 10G to civil servant
39.	Special allowance to meet certain expenses.
39A.	Local T.A. of newspaper employees.

بین الاقوامی ماہر اقتصادیات محبوب الحق وزیر خزانہ و منصوبہ بندی حکومت پاکستان نے حکومت کی اقتصادی
پالیسیوں کے متعلق کہا کہ:

حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کے نتیجہ میں ملک میں روزمرہ اشیاء کی قیمتوں مہنگائی اورافراط زر میں لگ بھگ ۳۰ فیصد اضافہ ہو گیا ہے اور اگر حکومت نے غیر پیداواری اخراجات کم نہ کئے تو آئندہ مالی سال (۹۷-۱۹۹۶ء) میں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے حکومت کو ۲۳ارب روپے سے زیادہ کے نئے ٹیکس لگانا پڑیں گے۔انہوں نے بتایا کہ حکومتی اعدادوشمار کے مطابق زرعی شعبہ میں ایک سو(۱۰۰) ارب روپے کے لگ بھگ آمدنی ہوتی ہے جس میں سے حکومت کو بطور ٹیکس بیس سے تیس ارب روپے حاصل ہو سکتے ہیں۔لیکن اب اس مد میں صرف ۲۵لاکھ روپے حاصل کئے جارہے ہیں ۔لہٰذا ضروری ہے کہ زرعی شعبہ پر ٹیکس لگائے جائیں ۔

اسلامک سوسائٹی آف سٹیٹسٹیکل سائنسز کے چیئرمین جناب پروفیسر منیر احمد نے کہا کہ بجٹ سے عوام کی بہبود مقصود ہوتی ہے اس لئے اسے عوام کی امنگوں کو مدنظر رکھ کر ہی ترتیب دینا چاہیے۔ ہمارے ہاں فی کس آمدنی بہت کم ہے اور افراط زر ۱۶فیصد تک ہے۔ بجٹ کے لئے ضروری ہے کہ اسے ایمانداری سے بنایا جائے اور ایمانداری ہی سے خرچ کیا جائے ۔حکومت باہر کے ملکوں سے قرض کا پیسہ جس پراجیکٹ کے لئے لے سو فیصدی اسی پر خرچ کرے اور بجٹ خسارہ کم کرنے کے لئے Tax Base وسیع کرنی چاہیے جبکہ ٹیکس بہت کم ہوں ۔(163)

اختشام احمد اور نکولس سٹرن نے ترقی پذیر ممالک میں قوانین زرعی ٹیکس کے بطور خاص مستحق مطالعہ ہونے اور زراعت کو ایک معیاری مقابلاتی پیداوار ہونے کے باوجود کسی دوسری پیداواری سرگرمی کی طرح زیر بحث نہ لانے کی کئی وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اراضی کی پیداوار بہت مشکل اور دشوار قسم کی پیداوار ہونے کے باعث دیگر بہت سی معاشی سرگرمیوں سے بہت مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں محنت کے انتظامات بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر تمام مقامی و دیہی محنت کی منڈیوں کے اندر پیداواری سرگرمیوں کے لئے زبردست کردار ادا کرتے ہیں ۔اسی طرح اس پیداوار کو حاصل کرنے میں محصولاتی کرایوں کے مسائل بھی بہت اثر انداز ہوتے ہیں ۔

بعد میں وہ زراعت اور ٹیکس پالیسی کے عنوان سے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ زراعت سے متعلق پالیسی معیشت میں زراعت کے موزوں کردار اور زرعی شعبے میں کام آنے والے عناصر سے متاثر ہونی چاہیے۔زرعی شعبے کے لئے مناسب قیمتوں کا انتخاب بذات خود مسئلہ ہے جس کی براہ راست چھان بین ہونی چاہیے۔ایسی چھان بین عوامی فلاح و بہبود کے حوالے سے بہت ضروری ہے۔اس مسئلہ کو کسی اور شعبے کی طرف منتقل کرنا بہت مشکل ہے۔

عام طور پر ایسا معاملہ نہیں ہوتا کہ زرعی اشیاء کی بڑھتی ہوئی قیمتیں زرعی پیداوار کی قیمتوں کے برابر ہو جائیں ۔

معاشی ترقی میں تیزی کے باوجود دوسرے شعبوں کی ترقی اور نشوونما میں زراعت جتنی مدد دیتی ہے اس کے لئے مقابلے میں زراعت کاروں کی فلاح و بہبود پر بہت کم توجہ مبذول کی جاتی ہے ۔یہ بات مالیات، لیبر اور خوراک

کی فراہمی کے حوالے سے خاص طور پر قابلِ غور ہے۔اسی لئے زرعی ٹیکسیشن کئی لحاظ سے زائد قابل سرمایہ کاری ذریعہ ہے۔زرعی شعبے پر ٹیکس عائد کرنے کا ایک راستہ درآمدی Terrif اور کوٹہ ہے ۔درآمدات کو کم کرنا ہے۔اس طرح سے زرمبادلہ (Exchange) کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ یہ رجحان ممکنہ برآمدات کے لئے مقامی قیمت میں کمی کرتا ہے۔جب سے ترقی پذیر ممالک کی بہت سی برآمدات زرعی شعبے سے آنا شروع ہوئی ہیں ۔زرعی پیداوار کے لئے مقامی طور پر قیمت میں کمی ہوئی ہے۔

زرعی انکم ٹیکس اصولی طور پر اسی طرح کا ٹیکس ہے جو دیگر آمدنیوں پر ہوتا ہے۔تاہم لیبر کی فراہمی سے ہٹ کر گھریلو اشیاء اور زمینی پیداوار پر اس ٹیکس کے اثرات سے بچتے ہوئے اس کی بنیاد کمائی (Earning) کی بجائے کمائی کی طاقت پر ہونی چاہیے۔ دیگر پیچیدگیوں کے علاوہ اس سے متعلقہ نمایاں مسئلہ اس کی آمدنی اور اخراجات کی مختلف تعریفوں اور پیمائش کا ہے۔خصوصاً جہاں ٹیکس حکام کو چھوٹے چھوٹے کاشت کار اور محدود وسائل میسر ہوں۔

زراعت پر ٹیکس لگانے کا ایک اچھا اور موزوں حل یہ ہے کہ ساری آمدنیوں کو آمدنی ہی سمجھا جائے۔جس کی مثال زرعی ٹیکس ہے اس شعبہ کی Taxation کا انحصار اسکی پیداوار کی ترقی پر ہے۔اس کا متبادل طریقہ یہ بھی ہے کہ اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کی جائے۔یہ اسی صورت میں ترقی یافتہ ہوسکتا ہے کہ اگر اس کی بنیاد زیادہ تر بڑے بڑے زمینداروں پر رکھی جائے۔(164)

حواشی وحوالہ جات
باب پنجم

1. سورۃ النساء، آیت ۵
2. ابنِ ہشام، ابومحمد عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، ج ا ص ۱۳۸، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، مصر ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء
3. ایضاً
4. سورۃ البقرہ، آیت ۱۰
5. E.R.E. Encyclopedia of Religion and Ethics P.337
6. سورۃ المؤمنون، آیات ۱-۴
7. امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ا ص ۲۰۲، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان
8. حمیداللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور ۲۷۳، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پاکستان
9. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۲۰۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء
10. ڈاکٹر نور محمد غفاری، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص ۳۳۵
11. سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۹
12. ایضاً، آیت ۳
13. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ
14. ایضاً ص ۲۰۴ و نیز
    ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا ص ۲۴۹
15. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۲۰۵
16. ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان
17. سورۃ توبہ، آیت ۱۰۳
18. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۶، کتاب الایمان
19. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ص ۱۲۹، باب الزکوٰۃ، دار الکتب العدشیۃ، دار الفکر، بیروت، لبنان
20. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ا ص ۱۸۷، عن ابنِ عباس
21. ایضاً، ج ا ص ۱۸۷
22. بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، السنن الکبریٰ، ج ۴ ص ۱۰۵، دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد

23. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ

24. سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۷

25. الجصاص، ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن، ج ۱ص ۵۴۳، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان ۱۳۴۷ھ

26. محمد بن جریر طبری تفسیر طبری، ج ۱۲، ص ۱۵۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ

27. ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ص ۱۳۱، نیز بخاری، کتاب الزکوٰۃ

28. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ

29. ابنِ حزم، ابومحمد بن احمد، المحلی، ج ۵ص ۲۳۴، دار الفکر، بیروت، لبنان

30. ایضاً

31. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ۲ص ۴۸۵، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، قاہرہ مصر، ۱۳۵۳ھ

32. ایضاً۔ نیز بخاری، ج ۱ص ۱۹۵

33. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱ص ۱۹۵-۱۹۶۔ نیز سنن ابنِ ماجہ، ص ۱۳۰، باب الزکوٰۃ

34. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱ص ۱۹۵۔ سنن ابنِ ماجہ ۱۳۰، نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۵، ص ۲۲۴-۲۲۶

35. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱، ۱۹۶۔ نیز سنن ابنِ ماجہ ص ۱۳۰، نیز نقوش رسول نمبر ۱۵/۲۶۷

36. سورۃ توبہ۔ آیت ۶۰

37. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج۔ ص ۸۱، بولاق، ۱۳۰۲ء

38. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الاَ حکام السلطانیۃ ص ۱۱۶، ولایات الدینیۃ مصر، ۱۲۹۸ھ/۱۹۸۳ء

39. امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص ۲۳۳، نور محمد اصح المطابع، کراچی، پاکستان

40. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الاَ حکام السلطانیۃ ص ۱۱۶

41. ایضاً۔ ص ۱۱۶

42. ایضاً۔ ص ۱۱۶

43. ایضاً۔ ص ۱۱۷

44. یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، ج ۲۔ ص ۲۱۷، مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء

45. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۸۱

46. حمیداللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور ص ۱۸۲، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پاکستان

47. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الاَ حکام السلطانیۃ ص ۱۱۷

48. قطب، العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام (اردو ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) ص ۳۵۰، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۹۷۷

49. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ ص ۱۱۷

50. امام احمد بن حنبل، مسند احمد، حدیث نمبر ۴۸۸۰، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان

51. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۵۲، مکتبۃ العلم، لاہور، پاکستان

52. ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، سنن نسائی، ص ۳۹۳، کتاب الصدقات، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان

53. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۵۳۔ نیز کتاب الخراج ص ۱۰۲

54. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، باب "ماکان یبعث لنا الامر"

55. ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، سنن نسائی، ص ۳۹۳، کتاب الصدقات

56. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ

57. ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، سنن نسائی، ص ۳۹۳

58. ایضاً

59. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱

60. ابوجعفر احمد بن نصر الداؤدی، کتاب الاموال ص ۶۹-۶۸

61. ابنِ خلدون، عبدالرحمن بن محمد بن خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، اردو ترجمہ ڈاکٹر عنایت اللہ ج ۱ ص ۳۹۴۔ نیز خطبات ۱۸۳

62. الذہبی، شمس الدین ابی عبداللہ، دول الاسلام فی التاریخ، ج ۱ ص ۸، مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد ۱۳۳۷ھ

63. حمیداللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور ص ۱۸۳

64. ابنِ قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۱ ص ۲۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان ۱۳۹۹ھ

65. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ ص ۱۱۸

66. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱ ص ۲۶۲، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۰ء

67. البلاذری، ابوالحسن احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان ص ۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۳ھ

68. سورۃ الحشر، آیت ۷

69. ابنِ خلدون، عبدالرحمن بن محمد بن خلدون، مقدمہ ابنِ خلدون ج ۱ ص ۳۹۴، لجنۃ البیان العربی، بیروت لبنان ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء

70. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۲۴

71. نور محمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل، ص ۱۰۳، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، پاکستان
72. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۴۳
73. قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد تفسیر قرطبی، ج ۲، ص ۲۰۹ – ۲۱۰،
74. سورۃ توبہ، آیت ۶۰
75. سورۃ الاعراف، آیت ۱۰
76. سورۃ الواقعہ، ۶۳ ـ ۶۵
77. سورۃ البقرۃ، آیت ۲۶۷
78. قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد تفسیر قرطبی، ج ۴، ص ۶۸ – ۷۰
79. سورۃ الانعام، آیت ۱۴۱
80. پیر کرم شاہ الازہری تفسیر ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۶۰۷ – ۶۰۸، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان
81. ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۴
82. یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج ص ۱۱۴، دار التراث، قاہرہ مصر
83. الموسوعۃ الفقہیہ (طبع دوم ۱۹۹۲ء وزارت اوقاف کویت) ج ۲۳ ص ۲۸۸،
84. مولانا شبلی نعمانی، الفاروق ص ۲۱۲ نیز نور محمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل، ص ۷۱
85. الموسوعۃ الفقہیہ ج ۲۳ ص ۲۷۸
86. ابوبکر ابن العربی المالکی، الحافظ، عارضۃ الاحوذی بشرح الصحیح الترمذی، ج ۳، ص ۳۱۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء
87. اسعد گیلانی، اسلام کا نظام عشر و زکوٰۃ ص ۱۷۰، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۵ء
88. ایضاً، ص ۱۷۱
89. یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج ص ۱۳۲
90. ڈاکٹر وھبہ الزحیلی، الفقۃ الاسلامی وادلۃ، ج ۲، ص ۸۱۱، دار الفکر، دمشق، شام ۱۹۸۰ء
91. السید سابق، فقۃ السنۃ، باب زکوٰۃ الزروع والثمار) ج ۱ ص ۳۱۰، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان
92. الشوکانی محمد بن علی بن محمد الامام، نیل الاوطار، انصار السنۃ المحمدیۃ، ج ۴، ص ۱۵۳، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور، پاکستان
93. ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۴۸۷
94. ایضاً، ص ۱۵۵
95. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۵۲

96. ایضاً

97. الموسوعۃ الفقیہ، ص ۲۸۸ تا ۲۸۹

98. ڈاکٹر وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلۃ، ج ۲، ص ۸۱۰

99. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج ص ۶

100. سورۃ الانفال، آیت ۴۱

101. سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ ص ۵۸

102. Economic Survey 1994-95, Government of Pakistan Division,Economic Advisory wing, Islamabad.

103. Agricultural Economic wing, Ministry of Food and Agriculture Islamabad.

104. English Five year Plan, June, 1996,Planning wing, Govt of Pakistan Islamabad: P-155-156

105. Complete Income Tax Laws 5th Addition by S.A.Salaam Mansoor book house Lahore P.No.368

106. سپرٹینڈنٹ بجٹ ڈیپارٹمنٹ پنجاب ریونیو بورڈ لاہور۔

107. ڈپٹی سیکرٹری F-1 وزارت خزانہ اسلام آباد۔

108. Wealth Tax Act 1963 with rules 1994-95 P: 54-55

109. Director Agricultural Economics, Ayub Agricultural Research Institute, Faisalabad.

110. رشید اختر ندوی، تہذیب وتمدن اسلامی (حصہ سوم) ص ۱۸۹ تا ۱۹۱، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور، پاکستان

111. ڈاکٹر حسن ابراہیم، النظم الاسلامیہ، ص ۳۰۰ تا ۳۰۳۔ دارالاشاعت، کراچی، پاکستان

112. مودودی، ابوالاعلیٰ سید، معاشیات اسلام۔ ص ۳۶۹ تا ۳۷۰، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان

113. ابوالکلام آزاد، حقیقت زکوۃ ص ۴۴، لاہور، پاکستان ۱۹۵۰

114. سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۹

115. سورۃ الذاریات، آیت ۱۹

116. نور محمد غفاری، اسلام کا قانون محاصل، ص ۴۲، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، پاکستان

ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی۔ سنن الدارمی (باب ما یجب فی حال سوی الزکوۃ)، ج ۱، ص ۳۹۵، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی، پاکستان ۱۳۳۷ھ

عبدالرحمن مبارکپوری۔تحفۃ الاحوزی، ج ۲، ص ۲۲، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان

ابوبکرابن العربی المالکی، الحافظ، عارضۃ الاحوزی بشرح الصحیح الترمذی، ج ۳، ص ۱۶۲ تا ۱۶۳

117. محمد یوسف بنوری، معارف السنن (طبع ثانی) ص ۲۶۹، مکتبہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، کراچی، پاکستان، ۱۳۹۵ھ

محمد بن عبداللہ علوی، مفتاح العاجلہ، ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ، ص ۱۲۹،

118. السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن، تدریب الراوی، ج ۱، ص ۲۶۶، دارالنشر الکتب اسلامیہ، لاہور، پاکستان

119. ابن حزم، المحلی، ج ۱، ص ۳۵۲، دارالفکر، بیروت، لبنان

120. الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، ص ۱۹۸، ولایات الدینیۃ مصر، ۱۲۹۸ھ/۱۹۸۳ء

121. سید قطب شہید، العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، (اردو ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) ص ۳۵۶ تا ۳۶۱، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۹۷۷

122. زرعی اصلاحات ۱۹۵۹ء منصور بک ہاؤس لاہور۔

123. زرعی اصلاحات ۱۹۷۷ء منصور بک ہاؤس لاہور، ص ۷۰ تا ۷۵

124. The Constitution of Pakistan 4th Schedule P-195

125. Zakat and Ushr Ordinance, 1980: (No, XVIII of 1980: Corrected upto October 2, 1994) Zakat and Ushr Division, Ministry of Finance, Govt. of Pakistan P-II-12

126. زکوٰۃ وعشر آرڈی نینس ۱۹۸۰ء، ص ۱۲

127. Levy of Ushr - An Islamization of Agricultural Taxation (Some thoughts on Methodology) P-1-8 By Dr. Ali Muhammad Ch. and Dr. Bashir Ahmed. Department of Farm Management, University of Agriculture, FSD, 1982.

128. سورۃ الحشر، آیت ۷

129. سورۃ الذاریات، آیت ۱۹

130. سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۳

131. فقہ السنۃ، ص ۳۱۰

132. محمد اعجاز العشر وجمعہ، فی قانون الزکوٰۃ الباکستان الاضواء، ص ۱۱ تا ۱۳،

133. Zakat and Ushr system in Pakistan P.17

134. زکوۃ مینوئل ۱۹۸۳ء وزارت خزانہ حکومت پاکستان ص ۱۳ تا ۱۴

135. ڈاکٹر محمود احمد غازی، فکر ونظر مارچ ۱۹۸۳ء ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ ص ۲۷۵

136. Complete Income Tax Laues (5th Addition by S.A. Salam P.573

137. چیف C.B.R. (Taxes) وزارت خزانہ حکومت پاکستان، اسلام آباد۔

138. Wealth Tax Act 1963 with Rules 1993-94 P.35

139. Wealth Tax: B asic Law and Guidance: Central Board of Revenue, Islamabad P.13

140. Chief Taxes: Central Board of Revenue: Islamabad

141. وفاقی بجٹ شعبہ خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد ۱۴ جون ۱۹۹۵ء ص ۴۲

142. خبرنامہ پاکستان ٹیلیویژن، (۹ بجے رات) ۲۲ مئی ۱۹۹۵ء

143. اداریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۹۶-۱۰-۱۵

144. روزنامہ پاکستان لاہور، مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۹۶

145. روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۸ جون ۱۹۹۶

146. روزنامہ جنگ لاہور ص ۸ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۹۶

147. روزنامہ نوائے وقت لاہور، مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۹۷

148. راشد القیوم پراجیکٹ ایڈوائزر و ڈاکٹر غلام قادر اکنامکس ایڈوائزر ورلڈ بینک مشن، شاہراہ جمہوریت اسلام آباد۔

149. ایضاً

150. Income Tax Ordinance P-234-235

151. مسائل زکوۃ وعشر، مرکزی زکوۃ انتظامیہ اسلام آباد۔ ص ۲۵۱ تا ۲۵۲

152. محمد تقی امینی، مولانا اسلام کا زرعی نظام، احسن اکیڈمی کراچی، ص ۲۷۷

153. یوسف قرضاوی، فقہ الزکوۃ، ج ۲ ص ۲۲۹ تا ۲۳۰، الدار السلفیہ، بمبئی، انڈیا

154. شیخ محمد شلتوت، مقارنۃ المذاہب فی الفقہ، قاہرہ بحوالہ مسائل الزکوۃ وعشر، ص ۲۵۲، الازہر مصر

155. امام ترمذی، جامع ترمذی، ج ۱ ص ۱۰۷۔ نیز ابن ماجہ سنن ابن ماجہ، ص ۱۲۸

156. الشوکانی محمد بن علی بن محمد الامام، نیل الاوطار، ج ۸ ص ۲۴، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور، پاکستان

157. الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ ص ۱۱۳

158. الہندی، علی المتقی بن حسان الدین، کنزالعمال، ج ا، ص ۲۹۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان

159. محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ص ۱۸۷۔ نیز الصحیح المسلم، ج ا، ص ۱۰۰

160. محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ص ۱۹۵، نیز نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۳۳

161. اداریہ روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۹۶ء

162. جمعہ میگزین روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۸ مارچ ۱۹۹۶ء

163. ایضا

164. The Theory and Practice of tax reforms in developing countries by Ehtesham Ahamad and Nicholas Stern P: 110 to 112.

10-A: The Encyclopeadia American: Vol: 26، P: 287.

10-B: The Science of Public Finance by Dr. G. Find lay (London 1925 P:113)

10-C: Fiscal Policy in under-Developed countries by Raja.I. challiah (London 1960 P: 61)

نتائج بحث

مقالہ ہٰذا کے مواد، نتائج اور حاصلات کو ایک خلاصہ کی شکل میں 'حرفِ آخر' میں جمع کر دیا ہے۔ یہ اس موضوع پر 'حرف آخر' نہیں ہے بلکہ اس مقالے کا 'حرفِ آخر' ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ہمہ گیر انقلاب کی ایک شعاع 'معاشی نظام' ہے اور اسلام کے معاشی نظام کا ایک شعبہ زراعت ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات کا ایک نامکمل ساخاکہ پیش کیا ہے جن کا تعلق شعبہ زراعت سے ہے۔ اس موضوع کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو پر تحقیق کی وسیع گنجائش موجود ہے۔

'حرفِ آخر' کے طور پر جو بات کہی جا سکتی ہے وہ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کا اعتراف ہے۔ ڈاکٹر موصوف عقیدۃً عیسائی اور تعلیمی لحاظ سے سائنس دان ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور عظمت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> "He was the only man in history who was supremely successful on both, the religious and secular levels."
>
> ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانی کی واحد شخصیت ہیں جو دینی اور لادینی دونوں سطحوں پر یکساں طور پر انتہائی کامیاب رہے۔''

علامہ وحیدالدین خان کہتے ہیں۔ ''پیغمبر اسلام کی عظمت اتنی واضح ہے کہ وہ صرف آپ کے پیروؤں کے ایک 'عقیدہ' کی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے اور ہر آدمی جو تاریخ کو جانتا ہے وہ مجبور ہے کہ اس کو بطور واقعہ تسلیم کرے۔''

اسلام نے جس نظام زراعت کی بنیاد ڈالی اس میں عدل و توازن کو سب سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا افراط و تفریط سے بچ کر تمام فریقوں کے حقوق و فرائض کو منصفانہ جدوجہد اور بھائی چارہ کی فضا میں پروان چڑھانے کی تاکید کی گئی اس لیے اسلام نے نہ تو انفرادیت پر پابندی لگائی اور نہ ہی خالص اجتماعی ملکیت کا تصور رہا۔ کاشتکار اور زمیندار کو منصفانہ معاہدہ کرنے کا موقع دیا اور مزارعت کو مضاربت کے اصولوں پر ترویج دینے کی اجازت بخشی۔ کسی کو زمین غیر آباد رکھنے اور مزارعین کے حقوق کے ساتھ کھیلنے کی کھلی چھٹی نہ دی۔

ان سب امور کو ذیل کے عنوانات کے تحت واضح کرتے ہیں۔

یہاں پر اسلام کی اصلاحات کو شق وار بیان کیا جاتا ہے جن سے ظلم اور استحصال کا خاتمہ کیا گیا تھا۔

- اسلام میں زمیندار اور کاشت کار دو مستقل طبقے نہیں بلکہ دو شریک کار کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی معاشرتی

حیثیت برابر اور مساوی ہوتی ہے۔اپنے تمام معاملات کے بارے میں دونوں اسلام کے ضابطہ اخلاق و قانون کے پابند ہیں۔

- اسلام میں دائمی زرعی غلامی کا کوئی تصور نہیں ہے کسان کو انتخاب زمین کا حق حاصل تھا۔وہ زمین کا جو ٹکڑا چاہے لے سکتا تھا اور جب چاہے چھوڑ سکتا تھا۔جس زمیندار کی مزارعت اختیار کرنا چاہے کر سکتا تھا اور جب چاہے اسے چھوڑ سکتا تھا۔
- اسلام میں زمیندار اور کسان کے درمیان جائز قانونی تعلق کی صرف دو صورتیں پائی جاتی ہیں۔معاہدہ باہمی اور مزارعت۔
- معاہدہ باہمی کی صورت میں کسان زمیندار کو کرایہ زمین ادا کر کے ایک مخصوص مدت تک زمین کی پیداوار کا حق دار بن جاتا ہے اور مزارعت میں زمین، زمیندار کی اور محنت کسان کی ہوتی ہے اور پیداوار کو نصف تقسیم کر لیا جاتا ہے۔زمین کی کاشت پر اٹھنے والے تمام اخراجات زمیندار ادا کرتا ہے اور کاشتکار صرف جسمانی محنت زمین پر لگاتا ہے۔
- اسلام میں بیگار یا جبری محنت کا کوئی تصور نہیں ہے۔علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ کاشتکار سے مزارعت میں زمین کی کاشت سے متعلق کاموں کے علاوہ کوئی خدمت لینا حرام ہے۔مثلاً مکان بنوانا، باغ کی دیوار بنانا یا اسی قسم کے اور کام کروانا۔اس لئے سنت نبوی سے صرف یہ نکلتا ہے کہ کاشتکار کے ذمہ صرف ایک ہی شرط ہے کہ وہ اجارہ پر لی ہوئی زمین کو اپنے مال اور محنت سے بوئے اور جوتے۔

بیگار کو اسلام میں بدترین ظلم قرار دیا گیا ہے۔بغیر اجرت کسی سے کام لینا آزاد شخص کو غلام بنانے کے مترادف ہے۔آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے۔((اعطوا الاجیر أجرہ قبل ان یجف عرقہ)) مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

- اسلام میں زمیندار کو کسی قسم کے انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔نہ زمیندار ٹیکس عائد کر سکتا ہے اور نہ اس کو گھٹا بڑھا سکتا ہے۔تمام انتظامی و عدالتی اختیارات اسلامی حکومت کو حاصل ہوتے ہیں اور اسلامی حکومت کی نگاہ میں زمیندار اور کاشتکار برابر ہوتے ہیں۔زمیندار اور کاشتکار اپنی اپنی پیداوار میں سے عشر ادا کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ذمہ داریوں اور فرائض کا تعین کتاب و سنت میں کر دیا گیا ہے اسلامی حکومت اسے پوری قوت سے نافذ کرتی تھی۔حضرت عمرؓ کا دور اس کی درخشاں مثال ہے۔
- زمیندار، کسان سے پیداوار کا نصف یا مقررہ حصہ وصول کرنے کے بعد کسی قسم کا اضافی مطالبہ کرنے کا

حقدار نہ تھا۔ نہ تحفے تحائف کا مطالبہ کرسکتا ہے اور نہ کسی قسم کی بھینٹ لے سکتا ہے۔ نہ رواج و رسوم کے نام پر اضافی رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس قسم کی بھینٹ اور رشوت کو حرام قرار دیا ہے۔

- رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے جاگیردار میں ایک مخصوص رویہ پیدا کیا۔ اس کی ذات اور جاگیر اسلام اور مسلمانوں کی فلاح کیلئے مخصوص تھی اور وہ جہاد بالمال کے تقاضے اپنی استطاعت سے بڑھ کر پورے کرتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال جو چار ہزار درہم تھا پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال سو اوقیہ چاندی دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آٹھ ہزار درہم پیش کئے۔ حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹ بمعہ کمبلوں اور کجاووں کے اور ایک ہزار درہم دیئے۔ حضرت عباسؓ اور حضرت طلحہؓ نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جہاد فنڈ میں عطیات دیئے۔ غرض یہ کہ عہد رسول ﷺ کے زمیندار کا طرز عمل اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کے غریب اور محروم افراد کیلئے فلاحی اور تعمیری تھا۔
- آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی ریاست کا جو معاشی ڈھانچہ تعمیر کیا تھا اس کی بنیادیں آزادی عمل تعاون واشتراک، خدمت خلق، انفاق فی سبیل اللہ پر رکھی گئی تھیں۔ اسلامی معاشرہ اپنے دائرہ میں تمام محروم اور معذور افراد کے حقوق و مفادات کا محافظ و نگران تھا۔ حکومت زیر دستوں کی محافظ و پاسبان تھی۔ اس لئے اس معاشرہ میں زمیندار و کسان کی تفریق نہ تھی۔ اسلامی معاشرے کے باعزت شہری ہونے کے ناطے دونوں کے حقوق محفوظ تھے۔ اس لئے اسلام میں قطعات زمین دینے کے باوجود ایسا نظام پیدا نہیں ہوا جسے جاگیرداری نظام کہا جا سکے۔ بلکہ اسلام، جاگیرداری نظام کی ضد واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ جناب محمد قطب لکھتے ہیں۔

> اپنی روح اور معاشی نظام دونوں کے اعتبار سے اسلام، جاگیرداری نظام کی ضد واقع ہوا ہے۔ اس نے ایک ایسے وقت میں آ کر انسانیت کو جاگیرداری نظام کی لوٹ گھسوٹ سے نجات دلائی تھی جبکہ وہ زرعی غلامی کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی۔

- اگر نظام عشر کو صحیح معنوں میں مستحکم بنایا جائے تو اس سے ہونے والی آمدنی کی وجہ سے کسی قسم کے زرعی ٹیکس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ زرعی دولت ٹیکس غیر شرعی ہے اور اسلامی اصول محاصل سے ہم آہنگ نہیں۔ اگر اسلامی حکومت اپنے مصارف شرعی حدود کے اندر کر رہی ہو اور اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ کو ان حقیقی ضرورتوں کے لئے جو مصالح مرسلہ کی تعریف میں آتے ہوں اور زکوٰۃ و عشر کی آمدنی ان جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہو یا ہنگامی اقتصادی صورتحال ہو تو حکومت مزید زرعی آمدنی ٹیکس مشروط طور پر لگا سکتی ہے۔ یعنی بقدر ضرورت ٹیکس ہوں اور قابل برداشت بھی ہوں۔

- عشر نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ زرعی اثاثہ جات وسرمایہ پر وفاقی حکومت کا ٹیکس عائد کرنا اور پھر صوبائی حکومتوں کا زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانا یعنی بغیر کسی جواز کے (آبیانہ اور مالیہ کے علاوہ) بیک وقت تین اکٹھے محاصل مستقل لاگو کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اگر واقعی بیرونی قرضہ جات واقتصادی ومعاشی بدحالی کی وجہ سے خزانہ خالی ہو یا بقدر ضرورت موجود نہ ہو تو زرعی دولت ٹیکس کو ختم کر کے زرعی آمدنی پر عارضی طور پر بقدر ضرورت وقتی وعارضی ٹیکس لگایا جا سکتا ہے۔
- جاگیرداری نظام کے قیام وفروغ میں تنہا قطعہ زمین یا ذاتی ملکیت ہی موثر عامل نہیں ہے۔ بلکہ جاگیرداری نظام ذاتی ملکیت کے غلط استعمال اور زمینداروں وکسانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت سے جنم لیتا ہے۔ زمیندار کا رویہ، حکومت کی طرف سے اس کو ملنے والے لامحدود اختیارات اور مخصوص جاگیردارانہ نفسیات، یہ سب عوامل مل کر جاگیرداری نظام تخلیق کرتے ہیں۔ لیکن عہد رسول ﷺ اور عہد خلفائے راشدینؓ میں ذاتی ملکیت کی اجازت اور قطعات اراضی کی الاٹمنٹ کے باوجود جاگیرداری نظام پیدا نہیں ہوا بلکہ بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں بھی بڑی بڑی زمینداریوں نے وہ صورت اختیار نہیں کی جسے یورپ میں جاگیرداری نظام کہا جاتا ہے۔ ظلم اور استحصال کی یہ بھیانک صورت قبل از اسلام روم وایران کی سلطنتوں میں پائی جاتی تھی اور بعد از اسلام یورپ میں اس کا وجود ملتا ہے۔ اسلام نے ان تمام عوامل کا سدباب کر دیا تھا جو ذاتی ملکیت زمین کو جاگیرداری نظام میں تبدیل کرتے ہیں۔ اسلام میں عقیدے اور ریاست کی گرفت ذاتی ملکیت کو استحصال کا ذریعہ نہیں بننے دیتی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں متاع دنیا کے بارے میں یہ رویہ پیدا کیا کہ یہ مقصد حیات نہیں ہیں بلکہ ذریعہ حیات ہیں۔ چنانچہ اسلامی معاشرہ جاگیردارانہ فکر ومعاشرت سے محفوظ رہا اور آپ ﷺ نے اسلام کے زرعی نظام کو ایسی بنیادوں پر استوار کر دیا کہ آپ ﷺ کے بعد صدیوں تک مسلمان معاشروں میں جاگیرداری نظام کبھی قائم نہ ہو سکا۔ عالم اسلام اور پاکستان میں موجودہ صورت حال اسلام کی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کی پیدا کردہ ہے۔

اسلام میں زمینداری وجاگیرداری کا جس قدر جواز موجود ہے وہ آج کے مروجہ زمینداری وجاگیرداری نظام کو سند جواز نہیں بخشتا ہے کیونکہ موجودہ زمینداری کی بنیاد ظلم وتعدی پر رکھی گئی ہے یہ زمینداری کا وہ تصور نہیں ہے جو کہ اسلام نے پیش کیا ہے۔ اسلام متعلقہ داری اور جاگیرداری کے جابرانہ نظام کو جائز نہیں رکھتا۔

اس ضمن میں عوام، علما، اہل علم وقلم اور حکومت سب پر یکساں طور پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صدیوں سے چلے آنے والے اس فرسودہ نظام کا خاتمہ کریں۔ سنہری نعرے لگانے کا زمانہ چلا گیا۔ اب آزادی، مساوات، اور

سائنسی تعلیم وترقی کا زمانہ ہے۔ساری دنیا اکیسویں صدی میں داخل ہونے کی تیاری کررہی ہے' ایسے حالات میں سو چنااوران کالےقوانین کوختم کرنا ہمارامشترکہ قومی اورملی فریضہ ہے۔

ہمارے ملک کا جاگیردار طبقہ جتنا چاہے ظلم ڈھالے' جتنے چاہے ظلم وبربریت کے منصوبے بنالے' مجھے یقین ہے کہ میرے وطن میں آزادی جمہور کا سورج ضرورطلوع ہوگا۔

تجاویز وسفارشات

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ قیام پاکستان کے وقت ہی اراضی کا مناسب بندوبست کیا جاتا اور لوگوں کو ان کے حقوق دیئے جاتے لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا اور انگریز کا اپنے مفادات کی خاطر قائم کیا ہوا زرعی نظام نہ صرف یہ کہ جوں کا توں قائم ہے بلکہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس غلط نظام کے رائج ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والی ناہمواریاں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ شریعت کے اس قاعدہ کی ضرورت ہے کہ ''غیر معمولی حالات میں غیر معمولی تدابیر جو کہ اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہو بروئے کار لائی جائیں۔''

چنانچہ جبر و استحصال پر مبنی زمینداری و جاگیرداری نظام کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ ایک جانب تو اس نظام کا دین و شریعت کے بنیادی مقاصد اور اہداف کے اعتبار سے از سر نو جائزہ لیا جائے اور دوسری جانب سماجی انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عوام کی بہبود اور ملک و قوم کی خوش حالی، مضبوطی اور ترقی کے لیے اس نظام کی اصلاح کی جائے۔

ذیل میں اس سلسلہ میں چند تجاویز و سفارشت درج کی جا رہی ہیں لیکن ان سے فائدہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ حسن نیت سے ان پر عمل درآمد کیا جائے۔

۱۔ اسلام اس امر کی قطعا اجازت نہیں دیتا ہے کہ غداریوں کے عوض جاگیریں حاصل کرنے والے بدستور اس پر قابض رہیں اور ان کے بل بوتے پر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹتے رہیں کیونکہ ''مالکان اراضی کی کئی نسلوں نے وسیع فوائد ومنافع حاصل کئے ہیں اس حقیقت کو ان کے مزید حصول فوائد کی دلیل بنالینا بالکل غیر منطقی بات ہے۔ عملی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز کی موجود ہیں کہ انہیں حکمرانوں کی ناجائز عطا کردہ ساری جاگیریں منسوخ کر کے اصل مالکوں کو لوٹا دیں۔ اگر حکومت یا حاکم کسی شخص، قبیلہ یا گروہ کو چند مخصوص مقاصد کے لیے جاگیر عطا کرتا ہے اور وہ مطلوبہ مقاصد پورے نہیں ہورہے ہیں تو اسلامی قانون اقطاع کی روشنی میں وہ جاگیر واپس لے لینی چاہیے۔

۲۔ موات اور حکومت کی عطا کردہ اراضی کے بارے میں یہ حکم بہ تصریح موجود ہے کہ تین سال سے زائد مدت تک اگر زمین بیکار رکھی جائے تو حقوق ملکیت خود بخود سوخت ہوجاتے ہیں۔ بارسوخ زمیندار جس ہزاروں ایکڑ اراضی کو چند روپیوں کے عوض 99 سالہ لیز پر لے لیتے ہیں اور اپنی جاگیر میں اضافہ کرتے ہیں جیسا کہ ندائے کسان میں ہے کہ اچھی اراضیات پر وڈیروں نے ناجائز قبضہ کر کے کامیابی سے کاشتکاری شروع

کررکھی ہے یا اسے اپنی چراگاہوں اور شکارگاہوں کے طور پر محفوظ رکھا ہے ہمارے کچھ بڑے بڑے نیک نام سیاستدانوں نے کچے میں ہزاروں ایکڑ پر اپنے فارم قائم کرر کھے ہیں جہاں گنے جیسی قیمتی فصل کاشت ہوتی ہے۔

۳۔ بلوچستان میں بھی بہت سی اراضی پر قبائلی سرداروں نے ناجائز قبضہ کرر کھا ہے۔حکومت کو چاہیے کہ ان تمام زمینوں کو قومی تحویل میں لے اسلامی قواعد وضوابط کے مطابق ہاریوں اور کاشتکاروں میں تقسیم کردے اس میں وہ اراضی بھی شامل ہونی چاہیے جو سرکاری اوقاف کی ہے اور عملاً بڑے بڑے زمینداروں کے قبضہ میں ہے۔جائز و ناجائز زمینوں کی تحقیق کے لیے ایک مستقل نظام احتساب کے بر سر عمل ہونے کی صورت میں ضبطی کے لیے لائحہ عمل بھی مرتب کرے۔کمیشن اور کمیٹیاں بھی مقرر کی جاسکتی ہیں اور زیادہ پیچیدہ اور نزاعی معاملات کے لیے مخصوص عدالتیں بھی مامور کی جاسکتی ہیں۔

۴۔ اسلام نے اسی وجہ سے گزوں اور ایکڑوں کے حساب سے ملکیت کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے بلکہ اپنے احکام کا مدار جائز و ناجائز اور حلال وحرام پر رکھا ہے۔اگر کسی کے پاس ایک ایکڑ زمین بھی ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی ہے تو وہ اس سے چھین لی جائے اور اگر کسی کے پاس ایک ہزار ایکڑ ہے اور وہ سب جائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے اس کا پورا پورا حق ملکیت تسلیم کیا جائے گا۔اسلام دولت کی مساویانہ تقسیم کی بجائے منصفانہ تقسیم چاہتا ہے۔

۵۔ کسی امام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی سے کوئی شے نکال کر لے لے جس کسی والی نے کسی سے زمین لے کر دوسرے کسی کو دے دی تو اس کی مثال غاصب کی سی ہوگی جس میں اس نے ایک سے غصب کر کے دوسرے کو دے دیا۔اسلام کے نزدیک کسی کی جائز ملکیت پر قبضہ کرنا ظلم ہے۔جو شخص کسی کی زمین بغیر حق کے لے لے تو سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

۶۔ اسلام حکومت کو پابند نہیں کرتا کہ وہ کسی ایسے زمیندار پر گرفت نہ کرے جو زمین کو بیکار رکھ کر ملک وقوم کے وسائل رزق میں کمی کا باعث بنتا ہے اور اجتماعی مفاد متاثر ہوتا ہے۔اسلام نے ہمیشہ انفرادی مفاد کو اجتماعی مفاد پر ترجیح دی ہے۔انسان کو دی جانے والی آزادی کسب معاش کو جن چند حدود کا پابند کرتا ہے ان میں سے ایک بنیادی اور اہم حد مفاد عامۃ کا تحفظ بھی ہے اور اگر کوئی عمل اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ ہے تو حکومت اس پر پابندی عائد کرسکتی ہے۔اب اگر کسی شخص کے پاس ہزاروں یا لاکھوں ایکڑ اراضی ہے اور وہ جائز ذرائع سے حاصل شدہ ہے لیکن آباد نہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے اجتماعی نقصان تو ہو رہا ہے۔غذا کی

قلت پیدا ہوتی ہے بیروزگاری میں اضافہ ہوتا ہے ۔اسلامی نظام میں حکومت یا امام کو چاہیے کہ اہل الرائے کے مشورہ سے اس مسئلہ کا کوئی حل نکالے کیونکہ مفاد عامہ کا محافظ ہے ۔

۷۔ 1959ء کی زرعی اصلاحات میں یہ شق موجود تھی کہ اگر کوئی مالک اراضی دو سال تک اپنا رقبہ کاشت نہیں کرتا تو حکومت اس پر ہرجرمانہ عائد کرسکتی ہے اور اراضی کو زیر کاشت لانے کے لیے اقدامات کرنے کی بھی مجاز ہے۔حکومت پنجاب نے 1954ء Punjab Land Utilization Act نافذ کیا جس کا منشا یہ تھا کہ جو اراضی چار فصلوں تک غیر مزروعہ رہے گی حکومت بیک وقت اس پر دس سال کے لیے ان پر قبضہ کرے گی اور مزارعین کو پٹہ پر دے دے گی ۔یعنی ملک میں قانون تو موجود ہے ضرورت ان پر عملدرآمد کی ہے ۔

۸۔ زمینوں کو آباد کرنے کے سلسلہ میں مالکان اراضی اگر کوئی توجہ نہیں دیتے تو حکومت احیاءموات کی مانند آبادکاری کے لیے کچھ عرصہ کی مہلت دے اور انہیں آگاہ کرے کہ اگر اس دوران آبادکاری عمل میں نہ آئی تو حکومت اس زمین کو اپنا قبضہ میں لے کر مزارعین کو کاشت کے لیے دے دے گی نیز اس بارے میں مدت مہلت کو تین سال سے کم کردینا چاہیے کہ موجودہ زمانہ میں بعض ایسے تقاضے پیدا ہوگئے ہیں کہ اس مدت کو کم کیا جاسکتا ہے زمینوں کو آباد کرنے کی جدید سہولتیں اور آبادی کی کثرت اس کی متقاضی ہے ۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر زمین آباد نہیں ہوتی تو حکومت مالکوں سے اسے جبراً خرید لے تا کہ مفید کاموں کے لیے استعمال میں آسکے نبی اکرم ﷺ اور خلفاءراشدین کے زمانہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں ۔

۹۔ اسلام کے قانون وراثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ جو مال ایک شخص کی زندگی میں یکجا و مرتکز ہوگیا وہ اس کے مرنے کے بعد مرتکز نہ رہے ۔ ہمارے ہاں اگر یہ قانون صحیح استعمال ہوتا تو یہ جاگیریں آج موجود نہ رہی ہوتیں ۔اسلام نے وراثت میں بیٹوں ،بیٹیوں اور بیوی سب کا حق ٹھہرایا ہے،اب بھی پاکستان میں اسلامی مملکت ہونے کے باوجود لڑکوں کو تو جائیداد میں سے حصہ دیا جاتا ہے لیکن لڑکیوں کو محروم رکھا جاتا ہے ۔ ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے حقوق غصب کئے جاتے ہیں ۔چنانچہ نظام زمینداری کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے قانون وراثت پر ٹھیک ٹھیک عمل کروایا جائے اسلامی حکومت ایسی زمینوں کی تحقیق کے لئے ایک بورڈ قائم کرے جو ایسی زمینوں کو ان کے شرعی مستحقین میں تقسیم کرے اور رسوم جاہلیہ کا خاتمہ ہوجائے ۔اسلامی نظام معیشت کے اس اصول کے صحیح نفاذ کی صورت میں کیونکر جاگیرداری قائم رہ سکتی ہے

بلکہ تقسیم در تقسیم بٹ جاتی ہے زمین بیکار نہیں پڑی رہتی ہر قطعہ خوب آباد ہوتا ہے ہر قطعہ اراضی کا مالک خوب محنت مشقت کرتا ہے اور نتیجتاً ملک میں خوش حالی آتی ہے اور دولت گردش کرتی ہے۔ "بڑی بڑی جائیدادیں جو پرانے جاہلی رواج کی وجہ سے یکجا سمٹی ہوئی ہیں مستحقین میں بٹ جائیں گی اور دولت کے پھیلاؤ کا سلسلہ چل پڑے گا۔

۱۰۔ کسانوں کو زمین پر مالکانہ حقوق دے کر اقتصادی و معاشرتی احوال کی اصلاح کی جاسکتی ہے اور موجودہ جابرانہ نظام کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ کاشتکاروں میں دو قسم کی اراضی تقسیم ہوگی۔

۱۔ ناجائز ملکیتیں جو جاگیرداروں اور زمینداروں سے واپس لی جائیں۔

۲۔ سرکاری اراضی جو افتادہ اور بنجر پڑی ہوں۔

ان رقبوں سے اول تو بے زمین کاشتکاروں کو دیا جائے دوم گزارہ یونٹ سے کم رقبہ کے مالکوں کو اور رقبہ کے قرب کے لحاظ سے جو جتنا قریب ہو اس کا حق قائم رکھا جائے الا یہ کہ یہ رقبہ قریبی حقداروں کی ضرورت سے زائد ہو اور حتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ ہر کاشتکار کو کم از کم گزارہ کے قابل اراضی ضرور حاصل ہو۔ ناجائز ملکیتوں کے ضمن میں حاصل ہونے والی اراضی کو بے زمینوں میں بلا معاوضہ تقسیم کیا جانا چاہیے

۱۱۔ بے زمین کاشتکاروں کی فہرستیں بناتے وقت خیال رکھنا چاہیے یہ وہ کاشتکار ہونے چاہیں جو کم از کم دس سال کے لیے اس جگہ پر کاشتکاری کر رہے ہوں ان کی اپنی زمین کہیں نہ ہو عموماً ایسے بے زمین کاشتکاروں کی تعداد زمین کے الاٹیوں سے زیادہ ہوگی ایسی صورت میں بذریعہ قرعہ اندازی جلسہ عام میں الاٹ منٹ کی جائے۔ چولستان میں اس طریقہ کو بڑی کامیابی سے اپنایا جاچکا ہے۔ قرعہ اندازی MPA اور M N A کا کوٹہ مقرر کرنے سے بدرجہا بہتر ہے ایسے انصاف اور میرٹ پر اراضی ملے گی۔

۱۲۔ مزارعت یا بٹائی کے معاملہ میں جو ظلم و ستم زمینداروں کی طرف سے کاشتکاروں پر ہوتے ہیں ان کی اصل وجہ مزارعت کا جواز نہیں بلکہ وہ فاسد شرائط ہیں جو زمیندار کسانوں کی بے چارگی کم مائیگی اور جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر قولی یا عملی طور پر عائد کر دیتے ہیں۔ جو اسلام کی رو سے قطعاً ناجائز اور حرام ہیں اور اکثر بیگار کے ضمن میں آتی ہیں ایسی تمام شرائط خواہ وہ زبانی طے کی جاتی ہوں یا رسم و رواج کے ذریعہ ان پر عمل چلا آتا ہو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے تو مزارعت کا معاملہ کسانوں کے حق میں بالکل بے ضرر ہو جائے گا۔ بٹائی کے معاملہ میں زمینداروں کی ناجائز شرائط کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اور ایسے انتظامات کئے جائیں جن سے کاشتکار ایک مساوی حیثیت کے فریق معاملہ کی حیثیت سے زندگی گزار سکے۔ مزارعت کو

بالکل سیدھی سادھی شرکت کے اصول پر قائم ہونا چاہیے اور اگر نقد کرایہ یا مزدوروں سے کاشت کروائی جائے تو بھی مالک ومستاجر کے درمیان حقوق وفرائض کا تعین ہونا چاہیے اور مالک زمین کاشت کاروں سے اپنے حصہ یالگان کے علاوہ کوئی مال یا غلہ یا خدمات لینے کا مجاز نہ ہو۔

۱۳۔ جاگیردار کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ اپنی جاگیروں میں کام کرنے والے کاشتکاروں اور ان کی اولاد کے لیے رہائش، غذا، صحت تعلیم اور معذوری کے ایام کی کفالت کا مناسب انتظام کرے۔ وہ تمام ضروری مراعات دے جو کسی مزدور کو دوران کار مزدوری کی شکل میں حاصل ہوتی ہیں۔ پچاس سال کی عمر کو پہنچنے والے ہاری کو پنشن الاؤنس دیا جائے۔ مفت صحت کی سہولتیں اور دوسری سماجی بہبود کی سہولتیں صنعتی مزدور کے برابر دی جائیں۔

۱۴۔ بھاری بھرکم زمیندار کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی زمینوں پر کاشتکار سے صرف محنت لے اور اس کے بدلہ میں اسے پیداوار کا مناسب حصہ دے جبکہ زمین، بیج، کھاد آبیانہ اور مالیہ کا بار زمیندار پر ہو۔ جاگیرداروں و زمینداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ خود اپنی جاگیروں میں رہائش رکھیں چونکہ ہمارے دیہات میں ذرائع رسل ورسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تعلیمی، طبی اور حفظان صحت کی سہولتوں کا فقدان ہے تفریحی وتہذیبی مشاغل کی کمی پائی جاتی ہے اس لیے خوش حال ومتمول زمیندار وہاں رہنا پسند نہیں کرتے شہروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیہی علاقوں کی تمام تر برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ نیز اگر زمیندار گاؤں میں رہائش رکھیں تو لازماً انہیں اس کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرنی پڑے گی اور لوگوں کا معیار زندگی یقیناً بلند ہوگا۔

۱۵۔ ھاری اور کاشتکار جس زمین کو کاشت کرتے ہیں فروخت کی صورت میں پہلا حق ان کا تسلیم کیا جائے۔ زمیندار کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ وہ مزارع کو زمین خریدنے کا پورا پورا موقع دے اور حکومت کو چاہیے کہ مزارع کو زمین خریدنے کے لیے ضروری قرضوں کی فراہمی آسان اقساط پر قرض حسنہ کی صورت میں کرے۔ ایسے غیر سودی زرعی بینک قائم کئے جائیں جن سے کاشتکاروں کو بلا سود قرضے اور آسان قسطوں پر زرعی آلات مہیا ہوسکیں تاکہ نئی زمینوں، مویشیوں اور جدید کاشتکاری کے لیے ضروری سامان خرید سکیں اور حکومت کی اعانت سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں نیز گھر بنانے کے لیے بھی قرضے دیئے جائیں۔

۱۶۔ آڑھتیوں، دلالوں کے واسطے ختم کرکے ایسا انتظام کیا جائے کہ کاشتکار اپنی پیداوار کو بغیر کسی دباؤ کے مناسب قیمت پر فروخت کرسکیں۔ کسان اور حکومت کے مابین براہ راست رابطہ ہونا چاہیے تاکہ استحصالی

طبقہ کا خاتمہ ہو اور کسانوں میں خود اعتمادی بحال ہو۔قحط، سیلاب، خشک سالی ، بے روزگاری اور دوسری قدرتی آفات کی صورت میں کسان کی مناسب مدد ہونی چاہیے۔

۱۷۔ جوزمینیں داخلی رہن کے ذریعہ زمینداروں نے ہتھیا رکھی ہیں وہ قرض داروں کو واپس کی جائیں۔زمینوں کے رہن کے جتنے سودی طریقے رائج ہیں انہیں ممنوع قرار دیا جائے اور جو زمینیں اس وقت نا جائز طریقوں سے زیر بار ہیں ان سب کو چھڑا کران کے غریب اور مستحق مالکوں کی طرف لوٹایا جائے۔

۱۸۔ موجودہ زمینداری نظام کے مفاسد کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ زرعی عدالتوں کے نظام کو سہل الحصول بنایا جائے ہمارا عدالتی نظام اس قدر فرسودہ، پیچیدہ، دشوار گزار اور تکلیف دہ ہے کہ ایک غریب آدمی کے لیے ظلم پر صبر کر لینا دادرسی کی نسبت زیادہ آسان ہے۔خصوصاً جب مقابل میں کوئی بڑا زمیندار ہو تو ایک مظلوم عدالت تک پہنچنے کی ہمت نہیں کر سکتا اس کے لیے پورے عدالتی اور اس کے دیوانی وفوجداری ضابطوں کی تشکیل نو کی ضرورت ہے لیکن خصوصاً یہ چاہیے کہ۔زمیندار اور کاشتکار کے تعلقات کی نگرانی اور کاشتکاروں کو ناجائز شرائط ظلم سے نجات دلانے کے لیے سرسری عدالتیں قائم کی جائیں۔انصاف کے حصول کو سہل بنانے کے لیے اور زرعی تنازعات کے تصفیہ کے لیے پنچائتی نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ پنچائتی عدالتیں قائم کی جائیں جو آسان طریقوں پر مقدمات کا فیصلہ کر سکیں۔

۱۹۔ اسمبلیوں اور قانون ساز اداروں پر ہر جگہ ان بڑے زمینداروں اور وڈیروں کا قبضہ ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے خلاف تو قانون سازی کرنے سے رہے۔وہ اس شاخ کو کیونکر کاٹیں گے جس پر ان کا اپنا آشیانہ ہے۔اس لئے ان بڑے زمینداروں کے خلاف اول تو کوئی قانون بنتا ہی نہیں اور اگر کوئی بن جائے چاہے زرعی اصلاحات یا دولت ٹیکس کا نفاذ بری طرح ناکام ہوتا ہے۔اول تو قانون بناتے وقت ہی حکومت ان کے لئے نرم گوشہ رکھتی ہے اس لیے حیلے بہانوں سے انہیں بچالیا جاتا ہے اور اگر کہیں خطرہ لاحق ہو جائے تو یہ اتنے بااثر ہیں کہ قانون ان کے سامنے بے بس نظر آتا ہے۔

۲۰۔ اگر ہمیں ملک کو ان زمینداروں سے بچانا ہے جو اس کا خون چوس رہے ہیں تو درمیانہ طبقہ، چھوٹے زمینداروں اور صنعت کاروں کی قیادت سامنے لانا ہوگی ان کو وہ ماحول دینا ہوگا جس میں وہ کھل کر سیاست میں حصہ لے سکیں۔صالح دیہی نوجوانوں کی ایسی قیادت ابھاری جائے جو غربت اور جہالت کے خلاف جہاد کا اعلان کرے اور چھوٹے کاشتکاروں کو اپنے پاؤں پر کھڑے کرنے کے قابل بنائے۔جسے گاؤں کے غریب لوگ اپنا رہنما، نجات دہندہ، خیر خواہ، خدمت گزار اور مشکل کشا سمجھنے لگیں تو اس سے نہ

صرف زراعت کی ترقی میں مدد ملے گی بلکہ ہماری ملکی سیاست میں بھی خوشگوار تبدیلی عمل میں آئے گی۔

۲۱۔ سیاست پر زمینداروں کی اجارہ داری یوں بھی ختم کی جا سکتی ہے کہ انتخابات میں امیدواروں کی درجہ بندی کر دی جائے۔ اسمبلیوں میں نشستوں کا 35% جاگیردار 30% صنعتکار اور 30% وکلاء پروفیسر حضرات و دیگر پڑھے لکھے طبقہ میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے آئین و قوانین میں تبدیلی لازمی ہے جس کی ابتداء کے لیے ہمت و جرات درکار ہے۔ موجودہ زمینداری نظام کی خرابیوں کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ سیاسی نظام میں تبدیلی لائی جائے اور سیاسی نظام کی تبدیلی سے جاگیرداری کے خاتمہ کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہمارے سامنے ہے۔

۲۲۔ زرعی مسائل کے حل کے لیے جو کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں ان میں بالعموم بڑے زمینداروں جاگیرداروں کو لیا جاتا ہے جو غریب کاشتکار کے مسائل سے ناواقف تو نہیں لیکن سنگدل ضرور ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکومت چھوٹے کاشتکاروں کے مسائل کے حل کے لیے ایک ٹاسک فورس ایسی تشکیل دے جو اس ملک کی 80% پس ماندہ اور مفلوک الحال دیہی آبادی کے لیے بامعنی اور بامقصد تجاویز پیش کر سکے۔ ایک کسان کمیشن قائم کیا جائے جن کے ممبران صرف چھوٹے کاشتکار ہی ہوں اور چھوٹے زمینداروں کی کوآپریٹو بنانے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

۲۳۔ بنیادی طور پر تمام کائنات کی ملکیت اللہ کی ہے لیکن انسان کو دنیا میں خلیفہ بنا کر کچھ قیود کے تحت اسے ملکیت کا حق دیا گیا ہے۔ محنت، خرید و فروخت، ھدیہ، صدقات و زکوۃ، میراث شکار اور حیازہ وغیرہ سے انسان کسی چیز کا مالک بن سکتا ہے۔ عام ملکیت کا کوئی انسان یا حاکم مالک نہیں بن سکتا ہے بلکہ وہ تمام انسانوں کے لئے وقف ہوتی ہے۔ جس میں سمندری، دریائی، عام راستے، چراگاہیں اور جنگلات شامل ہیں۔ ملکی (قومی) ملکیت میں حکومت مصلحت کو دیکھتے ہوئے اس میں تصرف کر سکتی ہے۔ پانی مال مشترکہ ہے لیکن اسے ذاتی ملکیت میں بدلنے کے لئے کچھ طریقے دیئے گئے ہیں۔ مثلاً محنت، رقم خرچ کرنا، قبضہ، حرز اور احیاء وغیرہ۔

۲۴۔ ذاتی پانی میں تصرف کے لئے بھی اسلام میں قواعد و ضوابط ہیں وہ یہ کہ مشترکہ پانی کو ذاتی بنانے سے عام لوگوں کو نقصان نہ ہو، حالت اضطرار میں دوسرے لوگوں کو کسی کے ذاتی پانی سے انتفاع کا حق حاصل ہے اور جاری پانی کا ضرورت سے زائد روکنا جائز نہیں ہے۔ مال مشترکہ کا صحیح طرح سے استعمال نہ ہونے، کسی ایک شخص یا جماعت کی اجارہ داری قائم رہنے اور جھگڑے و نزاع کی صورت میں حکومت مداخلت کر

کے اسے اپنی تحویل میں لینے کی مجاز ہے اور اسے چاہیے کہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے لوگوں میں تقسیم کرے۔

۲۵۔ مشترکہ پانی جس طرف سے بہتا ہو پہلے وہاں کے لوگوں کا حق ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق پانی لے اور باقی نیچے والوں کے لیے چھوڑیں۔ مزید وہ لوگ زیادہ حق دار ہیں جنھوں نے پہلے اس پانی کو استعمال کرکے آبادکاری کی ہو۔ اگر لوگ انفرادی طور پر نجی طور پر آبپاشی کا انتظام نہیں کر سکتے ہیں تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مناسب اقدامات کرتے ہوئے آبپاشی کی ضروریات پوری کرے۔

۲۶۔ دن رات اور گھنٹوں کے حساب سے آبپاشی کے لئے باری مقرر کرنا اسلام میں جائز ہے۔ عام دریاؤں اور نہروں سے ہر شخص کو اپنی زمین سیراب کرنے کے لئے نہر اور نالہ لے جانے کا حق ہے۔ ذاتی نہروں، کنوؤں، تالابوں اور چشموں سے دوسرے شخص کو سیرابی مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے لیکن مالک جانوروں اور انسانوں کو پینے سے نہیں روک سکتا۔ برتن کے پانی سے عام حالت میں کسی کو سیرابی، خود پینے یا جانوروں کو پلانے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اشد ضرورت اور مجبوری کی حالت میں خود پینے یا جانور کو پلانے کا حق ہے۔

۲۷۔ حق آبپاشی کی فروخت، اجارہ، ھبہ اور صدقہ انفرادی (زمین سے علیحدہ) طور پر جائز نہیں کیونکہ وہ حقوق ہیں اور حقوق کی تملیک نہیں ہو سکتی۔ کسی شخص کو اپنی زمین میں پہلے سے جاری نہر روکنا جائز نہیں۔

۲۸۔ حکومت کو ملکی ضروریات پوری کرنے کے لئے ڈیم بنانا اور اس سے دوسرے علاقوں میں پہنچانے کے لئے نہریں نکالنا جائز ہے لیکن نزدیک کے لوگوں کی ضرورت کو مقدم سمجھا جائے گا۔ ان اصولوں کی روشنی میں عام حالات میں عام ملکیت ہونے کی وجہ سے حکومت پاکستان پانی میں تصرف نہیں کرسکتی ہے۔ لیکن نزاع و جھگڑے و ناانصافی کے احتمال کی صورت میں حکومت مداخلت کرسکتی ہے تاکہ فساد اور ناانصافی کو ختم کرکے پانی کی صحیح تقسیم کو یقینی بنائے یا اجتماعی فائدے کے لئے کوئی منصوبہ بنا سکتی ہے لیکن ایسے اجتماعی فائدے کا کسی صوبے کے نقصان کے ساتھ موازنہ کیا جائے کہ آیا اجتماعی فائدہ زیادہ ہے یا نقصان۔ اگر اجتماعی فائدہ زیادہ ہے تو وہ منصوبہ تکمیل کو پہنچایا جائے گا۔

۲۹۔ کالا باغ ڈیم کی تعمیر بھی ٹھیک نہیں ہے اور اس سے نچلے صوبوں کی حق تلفی ہوتی ہے کیونکہ اسلام میں ضرورت سے زیادہ پانی روکنا جائز نہیں جبکہ ڈیم کی تعمیر سے وہ مستقبل کے لئے پانی ذخیرہ کرنے کا بندوبست کرتے ہیں جس سے نچلے صوبوں کو حال میں پانی نہیں ملے گا۔ جہاں تک توانائی کی کمی پورے

کرنے کا تعلق ہے تو اسلام میں پانی کو عام ملکیت توانائی کے لئے نہیں قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ آبپاشی کے لئے۔اگر چہ توانائی بھی مصلحت عامہ ہے لیکن ضرورت عامہ نہیں جبکہ پانی ضرورت عامہ ہے جس پر انسان وحیوان کی زندگی کا دارومدار ہے۔اس کے علاوہ توانائی پوری کرنے کے لئے متبادل انتظام ہو سکتا ہے مثلاً شمسی توانائی، ایٹمی توانائی وغیرہ جبکہ پانی کا متبادل نہیں ہے۔ اگر حکومت پاکستان کالا باغ ڈیم کی تعمیر اجتماعی فائدے کے لئے ضروری سمجھتی ہے تو اس کی تعمیر تب ہونی چاہیے کہ ان صوبے کے حصے متاثر نہ ہوں اور اس کے لیے غیر جانبدار ماہرین سے نقصان کا اندازہ کروایا جائے کہ وہ کسی صوبے کے نقصان اور اجتماعی فائدے کا موازنہ کریں اگر فائدہ زیادہ ہوا اور نقصان کم تو فائدے کو دیکھتے ہوئے نقصان کو برداشت کیا جائے گا۔اور اگر نقصان زیادہ ہو رہا ہو تو اس منصوبے کو ترک کر کے متبادل انتظام کیا جائے۔

۳۰۔ جہاں تک موجودہ ٹیکس کے نظام کا تعلق ہے تو میری نگاہ میں انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس دونوں ہی موجودہ شکل میں اسلام کے اصول محاصل سے ہم آہنگ نہیں۔اور پورے نظام میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکسوں کا وہ مفہوم جو موجودہ زمانہ کے طریقہ حکومت میں رائج ہے اسلامی نظام حکومت میں ناپید ہے۔اس لئے کہ آج کل جو ٹیکس پبلک پر لگائے جاتے ہیں وہ عموماً عدل وانصاف کے خلاف اور حکومت یا ارکان حکومت کے ان مفادات کی خاطر لگائے جاتے ہیں جن کا پبلک مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۳۱۔ اسلام کے دستوری نظام میں خراج، جزیہ، عشور، عشر، زکوٰۃ، فئی خمس، وقف اور اسی قسم کے محاصل اسی غرض سے مقرر کئے گئے ہیں کہ وہ پبلک کی انفرادی واجتماعی ضروریات کے کام آئیں۔اس لئے وہ عام طور پر مزید ٹیکس عائد کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔البتہ اگر بیت المال کے مسطورہ بالا محاصل ان ضروریات کو کافی نہ ہوں یا ہنگامی اہم ضروریات ان محاصل سے فاضل آمدنی کے بغیر پوری نہ ہو سکیں تو عدل وانصاف کے ساتھ اہم ہنگامی محاصل (ایمرجنسی ٹیکس) اغنیاء اور اہلِ ثروت پر عائد کئے جا سکتے ہیں۔

۳۲۔ ورلڈ بینک کے حکام نے صوبائی حکومتوں کی طرف سے زرعی ٹیکس کی وصولی کے سلسلہ میں کئے جانے والے اقدامات پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا ہے کہ آئین میں ترمیم کرے اور زرعی ٹیکس کی وصولی کا کام سنٹرل بورڈ آف ریونیو کے سپرد کیا جائے اور زرعی آمدنی کو کسی بھی قسم کے دوسرے قانونی کاروبار کے برابر سمجھ کر اس پر ٹیکس لگائے۔

۳۳۔ ملک کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ایک سال میں جتنا ٹیکس جمع کیا جاتا ہے اسکا ۸۲ فیصدی حصہ بند ہے یعنی ہاتھوں ہاتھ بین الاقوامی قرضوں کی نذر ہو جاتا ہے۔اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم ابتدائی چند سالوں

میں اپنے قرضوں کو درست انداز میں متوازن رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔موجودہ پارلیمانی نظام ان خاندانوں کی میراث بن کررہ گیا ہےاور یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس خاندانی نشستیں ہیں۔وہی اس نظام پر پوری طرح قابض ہیں اورانکی سیٹوں کی منتقلی ان کی اولاد میں ہوتی رہتی ہے۔اس صورت حال میں نہ تو زرعی ٹیکس لگ سکتا ہےاور نہ ہی ہمارا ملک صحیح معنوں میں ترقی کرسکتا ہے کیونکہ زرعی ٹیکس لگائے بغیر یہ ترقی ممکن ہی نہیں۔کوئی بھی ٹیکس پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر نہیں لگایا جاسکتااور جب تک ٹیکس کی چوری ہوتی رہے گی تو اشیائے ضرورت پر ٹیکس بڑھتے رہیں گے۔ہم جب ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ سے قرضے لیتے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ بجٹ خسارہ کم کریں۔اب بجٹ خسارہ کم کرنے کے لئے نہ ہم بڑے زمینداروں پر ٹیکس لگا سکتے ہیں اور نہ بڑے لوگوں سے ٹیکس وصول کرسکتے ہیں تو عوام پر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔

۳۴۔ حکومت کو چاہیے کہ زرعی قرضہ جات نقد دینے کی بجائے زمینداروں کو جدید زرعی مشینری و آلات،معیاری بیج اور کھادیں خرید کردے تا کہ قرضہ جات کی رقم صحیح ہدف پر ہی خرچ کی جائے۔اسکے علاوہ مختلف سکیموں کے تحت قرضہ جات زرعی گریجوایٹس کو ترجیحی بنیادوں پر جاری کئے جائیں۔اسی طرح کھاد، بیج اور جراثیم کش ادویات کے کاروبار کے لائسنس بھی انہی زرعی گریجوایٹس کو دیئے جائیں تا کہ ایک طرف ہر سال فارغ ہونے والے تقریباً تین سو زرعی گریجوایٹس یعنی تربیت یافتہ افراد بے روزگاری کا شکار ہونے سے بچ جائیں اور دوسری طرف زمینداروں کے اندر اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کا رجحان پیدا ہو۔

۳۵۔ ہمارے ملک کے اندر ہر طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور غیر ملکی کمپنیاں یا ان کے اشتراک سے قائم ہونے والی Jams Food Industries یہاں سے سستا پھل خرید کر ان سے جوس، مربہ جات، مشروبات، اور چٹنیاں اور اچار بنا کر مہنگے نرخوں پر فروخت کرتی ہیں۔حیران کن بات یہ ہے کہ ان انڈسٹریوں میں سے ایک بھی حکومت پاکستان کی ملکیت میں نہیں ہے۔ لہٰذا اگر حکومت پاکستان Food Technologists کی سرپرستی کرکے اس صنعت کی طرف توجہ دے تو اس میں خاصا منافع ہوسکتا ہے۔

فہرست قرآنی آیات

المائدہ:

الأنعام:

الأعراف:

الأنفال:

التوبة:

هود:

فہرست احادیث

مصادرومراجع

عربی کتب:

1۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبد اللّٰہ بن محمد، المصنف، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ،کراچی، پاکستان

2۔ ابن الاثیر، عز الدین ابو الحسن علی بن محمد ابی الکرم ، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت، لبنان ١٤٠٧ھ/ ١٩٨٧ء

3۔ ابن الأثیر، عز الدین ابو الحسن علی بن محمد الجزری، اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ١٤١٧ھ/١٩٩٦ء

4۔ ابن الجوزی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد، المنتظم فی تاریخ الملوك والامم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان ١٤١٢ھ/١٩٩٢ء

5۔ ابن الطلاع، محمد بن الفرج الاندلسی، اقضیۃ الرسول، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، پاکستان ، ١٩٨٧ء

6۔ ابن العربی، ابو بکر ابن العربی المالکی، الحافظ، عارضۃ الاحوزی بشرح صحیح الترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان ، ١٤١٥ھ/ ١٩٩٥ء

7۔ ابن الفارس، ابو الحسین احمد بن فارس، معجم مقائیس اللغۃ، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاهرہ، مصر، ١٣٨٩ھ/١٩٦٩ء

8۔ ابن الهمام، فتح القدیر، دار صادر ، بیروت ، لبنان

9۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد البستی، صحیح ابن حبان (بترتیب علی بن بلبان)، دار الکتب الاحسان، بیروت، لبنان، ١٣٠٨ھ/١٩٨٥ء

10۔ ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، مکتبہ موئد، مصر ١٣٥٨ھ/١٩٣٩ء

11۔ ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، القاهرہ، مصر، بیروت ، لبنان، ١٤٠٤ھ/١٩٨٧ء

12۔ ابن حزم ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاهری ، المحلی، دار الفکر، بیروت، لبنان

13۔ ابن حنبل، ابو عبد اللّٰہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، المسند، دار صادر للطباعۃ و النشر،

بیروت، لبنان

14_ ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد ، مقدمہ ابن خلدون، لجنۃ البیان العربی ، بیروت لبنان ١٣٧٩ھ/١٩٧٠ء

15_ ابن رجب، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی، القواعد فی الفقہ الاسلامی، مطبعہ مکتبہ الکلیات الازھریہ، مصر ١٣٩٢ھ

16_ ابن رشد، محمد بن احمد القرطبی، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد،بشرکۃ مکتبۃ مصطفیٰ ، مصر ١٣٧٠ھ

17_ ابن سعد، محمد بن سعد بن ضیع البصری، الطبقات الکبریٰ، دار صادر للطباعۃ و النشر، بیروت، لبنان ١٣٨٨ھ/ ١٩٤٠ء

18_ ابن عابدین، محمد امین الشیخ، رد المحتار علی الدر المختار، بشرکۃ مکتبۃ مصطفی، مصر، ١٣٨٦ھ

19_ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللّٰہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حیدر آباد دکن ١٩-١٣١٨ھ انڈیا

20_ ابن عبد ربہ، احمد بن محمد اندلسی، العقد الفرید، المطبعۃ الجمالیۃ، مصر ١٤٠٤ھ/ ١٩٨٣ء

21_ ابن عربی، ابو بکر محمد بن عبد اللّٰہ ، احکام القرآن، دار الفکر، بیروت، لبنان

22_ ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسین، التاریخ الکبیر، مطبعۃ روضۃ الشام، شام، ١٣٢٩ھ

23_ ابن قدامہ، ابی عبد اللّٰہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ ، ریاض، سعودی عرب ١٣٥٤ھ

24_ ابن قیم، ابو عبد اللّٰہ محمد بن ابو بکر، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، موسسہ الرسالۃ، بیروت ، لبنان ١٣٩٩ھ

25_ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی، البدایۃ والنہایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ، لبنان ١٩٦٦ء

27_ ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، سھیل اکیڈمی ، لاھور، پاکستان

28_ ابن ماجہ ، ابو عبد اللّٰہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی ٢٧٣ھ) سنن ابن ماجہ، دار الکتب الحدیثہ، دار الفکر، بیروت، لبنان

29_ ابن ماجه، ابی عبد اللّٰہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجه، المکتبة الفاروقیه، ملتان، پاکستان، ۱۳۱۵ھ

30_ ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری ، لسان العرب، دار صادر، بیروت ، لبنان ۱٤۰۵ھ

31_ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملك بن ہشام، السیرة النبویة، مطبعه مصطفیٰ البابی الحلبی، قاهره، مصر ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵

32_ ابو جعفر احمد بن نصر الداؤدی، کتاب الاموال، مرکز احیاء التراث العربی، رباط

33_ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی ، السنن ابو دائود، مکتبة العلم ، لاهور، پاکستان

34_ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، مکتبه امدادیه، ملتان ، پاکستان، ۱۳۱٦ھ

35_ ابو عبیده قاسم بن سلام الهروی، الاموال، مکتبة التجاریة الکبریٰ، قاهره، مصر، ۱۳۵۳ھ

36_ ابو یوسف، یعقوب بن ابراهیم، کتاب الخراج، بولاق، ۱۳۰۲ء

37_ احمد ابراهیم بك، کتاب المعاملات الشرعیة المالیة، ادارة القرآن و العلوم الاسلامیه، کراچی، پاکستان

38_ اسماعیل بدوی، دعائم الحکم فی الشریعة الاسلامیة والنظم الدستوریة المعاصرة (طبع اول) دار الفکر العربی، بیروت ، لبنان ۱٤۰۰ھ/۱۹۸۰

39_ الاصبحی، مالك بن انس، المدونة الکبریٰ، مطبع السعادت، مصر ۱۳۲۳ھ

40_ البخاری، ابو عبد اللّٰہ محمد بن ابراهیم بن اسماعیل الجعفی، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانه، کراچی، پاکستان ۱۳۸۱ھ۱۹٦۱ء

41_ البغوی، حسین بن مسعود، شرح السنة، المکتب الاسلامی، بیروت ، لبنان_ ۱٤۰۰ھ

42_ البلاذری، احمد بن یحییٰ ، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان، ۱۳۰۳ھ

43_ البهوتی، صفور بن یونس بن ادریس، کشاف القناع عن متن الاقناع ، مکتبة النصر الحدیثیه ، ریاض، سعودی عرب ۱۰٤٦ھ

44_ البیهقی، ابو بکر احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، دائره معارف عثمانیه، حیدر آباد

45_ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ السلمی ،الجامع الترمذی، میر محمد کتب خانه، کراچی، پاکستان_

_46 الجزری، عبدالرحمٰن، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة، علماء اکیڈمی، لاهور، پاکستان۔
١٤٠٣ھ

_47 الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، سهیل اکیڈمی، لاهور،پاکستان
١٣٤٧ھ

_48 الحصکفی، محمد علاؤ الدین، در مختار، شرکة مکتبة مصطفیٰ مصر ١٣٨٦ھ

_49 الحقانی، ابو محمد عبد الحق الدهلوی، تفسیر فتح المنان، المشهور به تفسیر حقانی، نور
محمد کارخانه، کراچی، پاکستان

_50 الحموی، ابو عبد اللّٰه یاقوت بن عبد اللّٰه، الملکیة فی الشریعة الاسلامیة، معهد البحوث
والدراسات العربیة، ١٩٤٩ء

_51 الحموی، ابو عبد اللّٰه یاقوت بن عبد اللّٰه، معجم البلدان، دار صادر للطباعة و النشر، بیروت،
لبنان ١٣٥٠ھ

_52 الدار قطنی، علی بن عمر بن احمد، سنن دار قطنی، دار نشر الکتب الاسلامیه، لاهور، پاکستان

_53 الدارمی، ابو محمد عبد اللّٰه بن عبد الرحمٰن الدارمی، سنن دارمی، قدیمی کتب خانه آرام باغ،
کراچی، پاکستان ١٣٣٧ھ

_54 الدهلوی، احمد بن عبد الرحیم، ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، لاهور، پاکستان

_55 الذهبی، ابی عبد اللّٰه محمد بن احمدبن عثمان،دول الاسلام فی التاریخ، مطبع دائرة المعارف
النظامیه، حیدر آباد ١٣٣٧ھ

_56 الرازی، فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین، مفاتیح الغیب، شارع ارم، قم، تهران ١٣٥٢ھ

_57 الرملی، شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزه بن شهاب الدین الرملی المصری،
نهایة المحتاج الی شرح المنهاج، المکتبة الاسلامیه، ریاض، سعودی عرب۔

_58 الزبیدی، سید محمد مرتضیٰ الحسینی، تاج العروس، المطبعة الخیریه، مصر، ١٣٠٦ء

_59 السرخسی، ابو بکر محمد بن احمد بن سهیل، المبسوط، دار المعرفة قاهره، مصر، ١٣٦٤ھ

_60 السمهودی، نور الدین علی بن احمد، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، مطبعة السعادة مصر
١٣٧٤ھ

_61 السید السابق، فقة السنة، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان

_62 السیوطی، ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد، تاریخ الخلفاء، المطبعة

المجتبائی، دھلی ، انڈیا ١٣٤٥ھ

63_ السیوطی، ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ا بی بکر بن محمد، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی، دار النشر الکتب اسلامیہ، لاھور ، پاکستان

64_ الشاطبی، ابو اسحاق ابراھیم، الموافقات، دارلمعرفۃ، بیروت، لبنان

65_ الشافعی، ابو عبد اللّٰہ محمد بن ادریس ،کتاب الأم،دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

66_ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد ، نیل الاوطار، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاھور، پاکستان

67_ الشیبانی، محمد بن حسن،کتاب الآثار، حیدر آباد، انڈیا ١٩٦٥ء

68_ الشیرازی، ابو اسحٰق ابراھیم علی بن یوسف الفیروز آبادی، طبقات الفقہاء، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی و شرکاء ہ مصر

69_ الطبری، ابو احمد الطبری، الریض النفرۃ فی مناقب العشرۃ، مطبعہ دار الکتب، مصر ١٢٧٢ھ/١٨١٣ء

70_ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوك، مطبعۃ الاستقامۃ قاھرہ، مصر ١٣٥٧ھ/١٩٣٩ء

71_ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ، لبنان ، ١٤١٧ھ

72_ الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الازدی، شرح معانی الآثار، میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان ١٣٤٨ھ

73_ الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد ، مختصر الطحاوی، مطبع دار الکتب العربی، قاھرہ، مصر ١٣٧٠ھ

74_ الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، کتاب الوجیز، مطبعۃ الآداب بالم ، ١٣١٧ھ

75_ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃالمصابیح، مکتبۃ امدادیۃ، ملتان،پاکستان

76_ القدوری، ابو الحسن احمد بن محمد، قدوری، نور محمد اصح المطابع، کراچی، پاکستان

77_ القرطبی، ابو عبد اللّٰہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکاتب العربی، لبنان، بیروت ١٩٦٧ء

78_ الکاسانی، علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ایچ ایم

سعید کمپنی، کراچی ، پاکستان ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء

79_ المالك، مالك بن انس، المؤطا (بروایۃ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی) رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والفتاء والدعوۃ والارشاد، سعودی عرب، ۱۹۸۲ء

80_ الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد البغدادی، الأحکام السلطانیۃ، ولایات الدینیۃ مصر، ۱۲۹۸ھ/۱۹۸۳ء

81_ المرغینانی، ابو الحسن علی بن ابی بکر، الهدایۃ ،(شرح بدایۃ المبتدی) مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان، پاکستان

82_ الموسوعۃ الفقهیۃ، وزارتِ اوقاف، کویت (طبع دوم) کویت ۱۹۹۲ء

83_ النسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب، سنن نسائی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان

84_ النسفی، عبد اللّٰہ بن احمد بن محمود، کنز الدقائق، سعید اینڈ سنز تاجران کتب ، کراچی، پاکستان

85_ النووی، ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن اشرف الدمشقی، (المتوفی ٦٧٦ھ) الکامل شرح صحیح مسلم، وفاقی وزارتِ تعلیم اسلام آباد پاکستان ۱۳۷۷ھ/۱۹۸۵ء

86_ النووی، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری، مغنی المحتاج الی معرفۃ المنهاج شرح الشیخ محمد الشربینی الخطیب، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، قاهرہ، مصر ۱۳۷۷ھ/۱۹۸۵ء

87_ الواقدی، ابو عبد اللّٰہ محمد بن عمر، المغازی، جماعۃ نشر الکتب القدیمۃ ، لندن ۱۹٤۸ء

88_ الهیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دار الکتب العربیۃ، بیروت، لبنان

89_ الیعقوبی، احمد بن یعقوب، تاریخ یعقوبی، دار صادر، بیروت ، لبنان ۱۹٦۰ء

90_ بدر الدین بن جماعۃ، تحریر الأحکام فی تدبیر اهل الاسلام، طبع دوم، قطر، ۱٤۰۷ھ/۱۹۸۷ء

91_ راغب اصفهانی، حسین بن محمد ابن المفضل (العلامۃ)، المفردات فی غریب القرآن، نور محمد اصبح المطابع، کراچی ، پاکستان

92_ رفیق یونس مصری دکتور، اصول الاقتصاد الاسلامی (طبع/۱)، دار القلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، دمشق، شام، ۱٤۰۹ھ

93_ زرقانی، محمد عبد العظیم، شرح الزرقانی، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر، ۱۳۵۹ھ

94_ سیلم رستم باز اللبانی، شرح مجلہ الاحکام العدلیۃ (طبع ۳) ، المطبعۃ الادبیۃ، بیروت، لبنان

۱۹۲۳ء

95۔ شیخ محمد شلتوت، مفارقۃ المذاہب فی الفقہ، الازہر، مصر

96۔ عبد الحئی، حافظ، مراۃ القرآن فی لغۃ الفرقان، مکتبۃ الاسلام، لاہور، پاکستان

97۔ عبد الرحمٰن مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان

98۔ عز الدین ابو الحسن علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، بیروت ، لبنان ۱۹۴۵ء

99۔ علامہ محمد طاہر، مجمع البحار، مجلس دائرہ المعارف، حیدر آباد دکن، انڈیا

100۔ علامہ ناصر الدین البانی، ضعیف سنن ابن ماجہ ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء

101۔ علامہ ناصر الدین البانی، ضعیف سنن الترمذی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۱ء

102۔ عینی، ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر ۱۳۴۸ھ

103۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ قسطنطنیہ، ترکی ۱۲۹۷ھ

104۔ محمد الخفیری بک، محاضرات فی تاریخ الامم الاسلامیۃ (الطبعۃ الثالثہ) مصر

105۔ محمد بن یوسف، ابو عبد اللہ ، البحر المحیط، ریاض، سعودی عرب

106۔ محمد رداس قلعہ جی (ڈاکٹر) ، فقہ حضرت عمرؓ، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء

107۔ محمد فارس برکات، الجامع المواضیع آیات القرآن الکریم، دمشق ، شام ۱۳۷۰ھ

108۔ محمد فارس برکات، المرشد الی آیات القرآن الکریم و کلماتہ، دمشق، شام

109۔ محمد فواد عبدالباقی ، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، مصر ۱۳۶۴ھ

110۔ محمد یوسف بنوری، معارف السنن (طبع ثانی) مکتبہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی ، کراچی ، پاکستان، ۱۳۹۵ھ

111۔ محمود المظفر، احیاء الأراضی الموات، مطبعۃ العالمیۃ ، قاہرہ ، مصر ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۳ء

112۔ مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح المسلم، وفاقی وزارتِ تعلیم، اسلام آباد، پاکستان ۱۹۸۵ء

113۔ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، ۱۳۶۸ھ

114۔ وھبۃ الزحیلی، الفقہ الإسلامی و أدلتہ الطبعۃ الثالثۃ، دار الفکر، دمشق، شام ۱۹۸۰ء

115۔ یحییٰ بن آدم القرشی، کتاب الخراج، دار التراث، قاہرہ، مصر

116۔ آلوسی، السید محمود البغدادی، روح المعانی، مکتبہ اورادیہ، ملتان، پاکستان

اردو کتب:

117۔ ابوالکلام احمد آزاد، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور، پاکستان، جولائی ۱۹۸۶ء
118۔ ابوالکلام احمد آزاد، حقیقت زکوۃ، لاہور، پاکستان ۱۹۵۰
119۔ ابویحیٰ خان، حضرت عمر کے سیاسی نظریے، گوشہ ادب، لاہور، پاکستان ۱۹۰۸ء
120۔ احمد رضا خان بریلوی، احکام شریعت، نذیر پبلیکیشنز اینڈ سنز، لاہور پاکستان
121۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، پاکستان ۱۹۸۰ء
122۔ اسلم ملک، رسول اللہ کی زرعی منصوبہ بندی، کلاسیک پبلیکیشنز، راولپنڈی، پاکستان
123۔ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظام حکومت، شعبہ تصنیف وتالیف، کراچی، پاکستان، ۱۹۷۱ء
124۔ اصلاحات اراضی، پلاننگ بورڈ حکومتِ پاکستان، اسلام آباد، پاکستان
125۔ اصلاحات اراضی، محکمہ تعلقات عامہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد، پاکستان
126۔ افضل توصیف، ہاری رپورٹ سے آخری فیصلے تک، نگارشات، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۹ء
127۔ اقبال خان، آزادی کی تلاش، نگارشات، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۷ء
128۔ اکبر شاہ نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان ۱۹۸۳ء
129۔ التھانوی، ظفر احمد عثمانی، اسلام میں جاگیرداری وزمینداری کا نظام، ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان ۔ ۱۴۰۴ھ
130۔ التھانوی ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، پاکستان
131۔ الطاف حسین قریشی، سندھ کے سیاسی طوفان، مکتبہ اردو، لاہور، پاکستان ۱۹۸۹ء
132۔ المودودی، ابوالاعلیٰ سید، مسئلہ ملکیت زمین، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۷۸ء
133۔ المودودی، ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، پاکستان ۱۹۸۶ء
134۔ المودودی، ابوالاعلیٰ سید، سیرت سرورِ عالم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، پاکستان ۱۳۷۸ء
135۔ المودودی، ابوالاعلیٰ سید، معاشیات اسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان
136۔ النووی، ابوزکریا یحیٰ بن شرف بن مری، ریاض الصالحین، میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان، ۱۹۷۲ء
137۔ الھندی، علی المتقی بن حسان الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، موسستہ الرسالۃ، بیروت، لبنان
138۔ الیاس برنی، معیشتہ الہند، حیدرآباد، انڈیا
139۔ امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان ۱۴۰۳ھ
140۔ انیس فاطمہ، پاکستان کا معاشی پس منظر، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، کراچی پاکستان ۱۹۶۱ء

141۔ ایس ایس تھارن برن، پنجاب کے مسلمان اور مہاجن ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، انڈیا

142۔ ایف۔ڈی۔ایسکولی، بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری (م) عبدالستار، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، انڈیا

143۔ برج نارائن، اقتصادی ہند، میسرز راما کرشنا اینڈ سنز، لاہور، پاکستان

144۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال ۱۹۹۱ء

145۔ پاکستانی معیشت کا خاکہ، محکمہ مطبوعات وفلمسازی، حکومتِ پاکستان

146۔ پروفیسر کرم حیدری، مسائل زکوٰۃ وعشر، مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ، اسلام آباد، پاکستان ۔مئی ۱۹۸۵ء

147۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، جسٹس، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان

148۔ تھانوی، اشرف علی تھانوی، القرآن الحکیم ترجمہ وتفسیر بیان القرآن، تاج کمپنی، لاہور پاکستان ۔۱۹۸۴ء

149۔ ٹھاکر سنگھ، پنجاب اور انگریز، کورداس پور، امرتسر، انڈیا

150۔ جلال الدین تھانیسری، تحقیق اراضی ہند (م) شعید اشرف ندوی، دائرہ معین المعارف کراچی، پاکستان ۔۱۹۶۳ء

151۔ جی۔بی۔جتھار، معاشیات ہند، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، انڈیا

152۔ حاکم نیشاپوری، ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ، المستدرک مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا، ۱۳۳۴ھ

153۔ خانی خان، منتخب اللباب (م) محمود احمد نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان، ۱۹۶۳ء

154۔ خورشید احمد فاروق (ڈاکٹر) حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ملک سنز، فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۷۹ء

155۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پاکستان

156۔ ڈبلیو ایچ مورلینڈ، مسلم ہندوستان کا زرعی نظام (م) جمال محمد صدیقی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، انڈیا

157۔ ڈبلیو ایم سی آئی آر ای، آبپاشی (مترجم مولوی محمد رضا اللہ) (طبع دوم) عثمانیہ یونیورسٹی پریس، حیدرآباد دکن، انڈیا

158۔ رانا صابر نظامی، اسلام میں معاشی مساوات، ادارہ تفہیم الاسلام، لاہور، پاکستان

159۔ رحمت اللہ طارق، زمینداری جاگیرداری اور اسلام، البیان، لاہور، پاکستان

160۔ رحیم بخش شاہین، نقوش اقبال، لاہور، پاکستان ۱۹۷۶ء

161۔ رشید اختر ندوی، تہذیب وتمدن اسلامی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، پاکستان

162۔ زرعی اصلاحات مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۶۴، پاکستان

163۔ زرعی اصلاحات مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۱۱۵، پاکستان

164۔ زکوٰۃ مینوئل، وزارتِ خزانہ، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد پاکستان ۱۹۸۸ء

165۔ سہیل محمود، پاکستان اور بھارت میں ترقی کی حقیقت، کلاسیک، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۸ء

166۔ سید احمد حسن اسعد گیلانی، اسلام کا نظام عشر وزکوٰۃ، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۵ء

167۔ سید امین الحق، زمینداری کا شرعی نظام، لاہور، پاکستان ۱۹۵۴ء

168۔ سید رضوی محبوب احمد، مکتوبات نبوی، لاہور پاکستان، ۱۹۷۸ء

169۔ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۷۵ء

170۔ سید عبدالشکور ترمذی، اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام، کتب خانہ جمیلی دارالعلوم اسلامیہ، لاہور، پاکستان

171۔ سیوہاروی محمد حفظ الرحمن، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۴ء

172۔ شرف الدین، ہندوستانی معاشیات کے مبادی، حیدرآباد دکن پریس، انڈیا، ۱۹۴۶ء

173۔ صفدر حسن صدیقی، پاکستان کی تعمیر نو، نگارشات، لاہور، پاکستان ۱۹۹۲ء

174۔ صفدر محمود، پاکستان کی تاریخ وسیاست، جنگ پبلشرز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۹ء

175۔ صفدر محمود، پاکستان کیوں ٹوٹا؟ سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۷ء

176۔ صفدر محمود، مسلم لیگ کا دور حکومت (۱۹۴۷-۵۴) سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۶ء

177۔ طفیل احمد منگلوری، پاکستان کا روشن مستقبل، جمادالکتبی، لاہور، پاکستان۔

178۔ عبدالرزاق، حافظ ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام، المصنف، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

179۔ عبدالرشید نعمانی، لغات القرآن، لاہور، پاکستان

180۔ عبداللہ بن زید ال محمود، رئیس الحاکم الشرعیۃ والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

181۔ عثمانی، علامہ قاضی محمد ثناءاللہ مجددی پانی پتی تفسیر مظہری، دارالاشاعت، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۱ء

182۔ عرفان حبیب، مغل ہندوستان کا طریق زراعت (م) جمال محمد صدیقی

183۔ عقیل عباسی، پاکستان کے سیاسی وڈیرے، فرنٹیر پوسٹ پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۳ء

184۔ علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال علم الاقتصاد، کارخانہ پیسہ اخبار، لاہور پاکستان

185۔ علامہ شبلی نعمانی، الفاروق (طبع دوم) مدینہ پبلیشنگ کمپنی بندر روڈ، کراچی، پاکستان

186۔ علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، پاکستان ۱۹۸۹ء

187۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا

188۔ غلام احمد پرویز، شاہکار رسالت عمر فاروقؓ، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۷ء

189۔ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، پاکستان

190۔ فضل الرحمن بن میاں محمد، انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت، دارالدعوہ السلفیہ، لاہور، پاکستان

191۔ فہیم عثمانی، اسلامی معیشت کے چند نمایاں پہلو، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۷ء

192۔ فیروز آبادی، مجدالدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، المطبعۃ الخیریۃ، مصر ۱۳۰۶ھ

193۔ قاضی اطہر مبارکپوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، پاکستان

194۔ قرطاس ابیض (بھٹو کا دورِ حکومت)، اسلام آباد، پاکستان جنوری ۱۹۷۹ء

195۔ گوہر سلطانہ عظمیٰ، جمہوریت کے قاتل کون، جنگ پبلیشرز، لاہور، پاکستان ۱۹۹۳ء

196۔ مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۶۴، زرعی اصلاحات، منصور بک ہاؤس، کچہری روڈ، لاہور، پاکستان ۱۹۵۹ء

197۔ مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۱۱۵، زرعی اصلاحات، منصور بک ہاؤس، کچہری روڈ لاہور، پاکستان ۷۷-۱۹۷۹ء

198۔ مبارک علی، تاریک کی روشنی میں، فکشن ہاؤس، لاہور، پاکستان۔

199۔ مبشر حسن، پاکستان کے جعلی حکمران طبقے، کلاسیک دی مال، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۸ء

200۔ محمد ادریس کاندہلوی، معارف القرآن مع تکملہ تفسیر، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، پاکستان ۱۴۱۷ھ/۱۹۸۶ء

201۔ محمد اسلم ملک (پروفیسر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرعی منصوبہ بندی، ہمراز پرنٹرز، ۱۹۸۶

202۔ محمد بن عبدالواحد، کمال الدین بن ہمام، فتح القدیر، مطبعۃ الزمیریہ الکبریٰ، قاہرہ، مصر ۱۳۱۵ھ

203۔ محمد تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام، احسن اکیڈمی، کراچی، پاکستان ۱۹۵۴ء

204۔ محمد تقی عثمانی (مولانا) عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟ مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۳۹۷ھ

205۔ محمد حمید اللہ ڈاکٹر، قانون بین الممالک، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا

206۔ محمد طاسین (مولانا)، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان

207۔ محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، الحراب، لاہور، پاکستان

208۔ محمد مظفر (مرزا) تحریک پاکستان اور آئین پاکستان، ادبی مارکیٹ، انارکلی، لاہور، پاکستان

209۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام کا معاشی نظریہ، مطبوعات ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، پاکستان ۱۹۵۵ء

210۔ محمد نجات اللہ صدیقی (ڈاکٹر) اسلام کا نظریہ ملکیت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور پاکستان، ۱۹۸۰ء

211۔ محمد یوسف الدین ڈاکٹر، اسلام کے معاشی نظریے، مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء

212۔ محمود احمد، مسئلہ زمین اور اسلام (طبع اول)، ادارہ ثقافت اسلامیہ

213۔ محمود مرزا، معیشت اور سیاست، تعبیر پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۷۹ء

214۔ مسعود کھدرپوش، ھاری رپورٹ (آج اور کل) جنگ پبلیشرز، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء

215۔ مسعودی، التنبیہ والاشراف، لیڈن

216۔ مظفر حسین، اقبال کے زرعی افکار۔

217۔ معین الدین شاہ ندوی، تاریخ اسلام (طبع دوم)، ناشران قرآن، لاہور، پاکستان ۱۹۴۸ء

218۔ معین الدین شاہ ندوی، خلفائے راشدین، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان ۱۳۴۶ھ

219۔ مفتاح الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ، ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ، سرگودھا، پاکستان

220۔ مفتی غلام سرور قادری، معاشیات نظام مصطفیٰ، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، پاکستان ۱۹۸۴ء

221۔ مفتی محمد شفیع (مولانا) اسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان ۱۹۷۹ء

222۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان ۱۹۹۰ء

223۔ مقصود ایاز، خلافتِ راشدہ، مقبول اکیڈمی، لاہور، پاکستان ۱۹۹۰ء

224۔ مناظر احسن گیلانی، اسلام کا نظام جاگیرداری و زمینداری، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، پاکستان ۱۹۷۵ء

225۔ مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ادارہ اشاعت اردو، دکن، انڈیا ۱۹۴۷ء

226۔ مناظر احسن گیلانی، (مولانا) اسلام اور نظام، جاگیرداری و زمینداری، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، پاکستان ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۵ء

227۔ موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمتِ معیشت (اقتصادی پروگرام کمیٹی کی مرتب کردہ رپورٹ) شعبہ نشر و اشاعت، جماعت اسلامی پاکستان، لاہور، پاکستان

228۔ نعمان احمد صدیقی، مغلوں کا نظام مالگزاری، سمیر پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان ۱۹۹۰ء

229۔ نور محمد غفاری (ڈاکٹر) اسلام کا قانون محاصل، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، پاکستان

230۔ وحید الدین خان، پیغمبر انقلاب، امجد اکیڈمی، لاہور، پاکستان

231۔ وعدہ اور ایفاء وعدہ، پاکستان پیپلز پارٹی ۱۹۷۰ کے انتخابی منشور پر عملدرآمد کی رپورٹ

232۔ وکیل انجم، سیاست کے فرعون، فیروز سنز، لاہور، پاکستان ۱۹۹۲ء

233۔ یوسف الدین (ڈاکٹر)، اسلام کے معاشی نظریے، حیدرآباد دکن، انڈیا ۱۹۵۰ء

234۔ آج کا سندھ، پروگریسو پبلشرز، لاہور، پاکستان ۱۹۸۶ء

انگریزی کتب

235. A. I. Akram (Lt. Gen), "The Muslim Conquest of Egypt and North Africa" (Ferozsons Ltd. Lahore Dec.1977)

236. Abd-ul-Hassan, Agricultural Tax, Kzi Publications Lahore, 1991 Ist (Editions)

237. Aggarwala, Punjab Tenancy Metropolition Act XVI of 1887, B ook Co Ltd. Delhi, 1956

238. Agricultural Credit Indicators (Statistics Deptt) Statistics Monitoring and Evaluation Division, Agricultural Development Bank of Pakistan Head

Office, Islamabad.

239. Agricultural Statistics of Pakistan (Economic Wing), Ministry of Food and Agricultural Islamabad.

240. Ahmed (Dr. Nazir), Water Resources of Pakistan and Their Utilization Miraj Din Press, Urdu Bazar Lahore.

241. Ali Syed (Major General Anis), Atlas of Pakistan, Director Map Publications, Survey of Pakistan.

242. Central Board of Revenue, Ministry of Finance, Islamabad.

243. Complete Income Tax Laws (5th Addition) B.S.A. Salamm Mansoor Book House, Lahore

244. Dermant, V.A., Religion and the Decline of Capitalism, New York.

245. Directorate of Agricultural Economics, Ayub Agricultural Research Institute Faisalabad.

246. Economic Survey of Pakistan 1994-95 Economic Advisory Wing, Finance Division, Islamabad

247. Economic Survey of Pakistan 1995-96 Economic Advisory Wing, Finance Division, Islamabad.

248. Eighth Five Year Plan, June, 1996 (Planning Wing) Govt. of Pakistan, Islamabad.

249. Farm Management Handbook August 1993, By Dr. Bahir, Dr. Zakir Hussain and Dr. Jim Longuire Published in Collaboration with the Econoic and Policy Analysis Project, Washington D.C.

250. Federal Land Commission, Sitara Market, Islamabad.

251. Finance Bill 1988 Ministry of Finance, Islamabad.

252. Finance Bill 1994 Ministry of Finance, Islamabad.

253. Fiscal Policy in under Developed Countries by Raja I. Chellah (London 1960)

254. Fisher W.B., the Middle East, (Geography) London, 1971

255. Goldschmidt, Aurther, A Concise History of the Middle East, V.S.A. 1971

256. Gul Wali Khan, The Man of Land Reforms, Govt of NWFP

257 Hitty, P.K., History of the Arabs, Edinburgh.

258. Income Tax Ordinance, 1979 (Part-I) With Rules 1983-88 Ministry of Finance, Islamabad.

259. International Monitory Fund Residetn Mission in Pakistan,

Shahrah-e-Jamhuriat, Islamabad.

260. Irfan Muhammad Raana, Economic System Under Umar the Great", Lahore, 1970

261. Irrigation Deptt. Faisalabad Religion, Faisalabad.

262. Keeton (William T), Biological Science, 14th Edition, W.W. Norton And Company, New York London 1986.

263. Levyy of Usher, An Islamization of Agricultural Taxation, (Some thoughts on methodology by Dr. Ali Muhammad Ch. Farm Management Deptt. University of Agriculture, Faisalabad.

264. Michael Hart, The 100, New York, 1978

265. New Economic Package 1993 by Dr. Moeen Qureshi Care Taker Prime Minister of Pakistan.

266. Nicholson, R.A., A Literacy History of the Arabs London, 1907

267. Pakistan 1986, (An official Handout) Directorate of Films and Publications M/O Information and Broadcasting Pakistan, Barq Printers, Islamabad 1986

268. Pakistan Past and Present (A Comprehensive Study Published In Commemoration of the Centenary of Birth of Founder of Pakistan) Stacy International London

269. Tariq, Speeches and Statements of Iqbal, Lahore 1973

270. Terrirotiral Waters and Maritime Zones Act 1976

271. The Constitution of Pakistan 1973 with all Amendments upto 1988 by Asif Saeed Khan Khosa, Kausar Brodhens 1 Turner Road Lahore 1989

272. The Science of Public Finance by Dr. C. Findley Shirras London 1925

273. The Theory and Practice of Tax Reforms in Developing Countries, Chapter 4, (The Taxation of Agriculture Theorotical Issues) By Ehtisham Ahmed and Nicholas Stern Cambridge Univeristy Press Cambridge New York Past Chester Melborne Sydeney (World Bank Library Islamabad.)

274. Wealth Tax Act 1963 with Rules 1963, 85 and 1994 Mansoor, Book House, Lahore.

275 Wealth Tax, Basic Law and Guidance Central Board of Revenue, Islamabad, July 1994

276 Zakat and Ushr Ordinance 1980 No. XVIII of 1980) corrected upto October 1994, Zkat and Usher Division, Ministry of Finance, Islamabad.

277 Zakat and Ushr Ordinance 1980, corrected utp April,1995, Zakat and Ushr, Division, Islamabad.

278 Zakat and Ushr System in Pakistan, Central Zakat Administration, Ministry of Finance, Islamabad. (April 1994)

279 Ziaul Haque, Landlord and Peasant in Early Islam, Islamic Research Institute Islamabad 1984

تراجم:

280۔ ابوعبید، قاسم بن سلام الھروی، کتاب الاموال (مترجم)، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، پاکستان ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء

281۔ الدھلوی، احمد بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغۃ، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، پاکستان

282۔ الدھلوی، احمد بن عبدالرحیم، رسالہ درمذہب فاروق اعظم (ترجمہ فقہ عمر)، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، پاکستان ۱۹۵۴ء

283۔ حسن ابراہیم و علی بن حسن ابراہیم، النظم الاسلامیہ (ترجمہ مسلمانوں کا نظم مملکت) اردو ترجمہ: علامہ علیم اللہ صدیقی، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان

284۔ رشید احمد، پروفیسر، اصول معاشیات (اردو ترجمہ) دارالترجمہ، جامع عثمانیہ، ہند، انڈیا

285۔ سید قطب، اسلام میں عدل اجتماعی (مترجم) ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، اسلامک پبلیکشنز، لاہور، پاکستان، ۱۹۷۷ء

286۔ طٰہٰ حسین (ڈاکٹر)، الشیخان (اردو ترجمہ) نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان

287۔ لیبان، گستاؤ، تمدن عرب (اردو ترجمہ علی بلگرامی) مقبول اکیڈمی، لاہور، پاکستان

288۔ محمد حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ (ترجمہ) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، پاکستان

289۔ حسین محمد ہیکل، حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سیرت رسول) مکتبہ کاروان، لاہور، پاکستان

290۔ نظام الدین (ملا) فتاویٰ عالمگیری (ترجمہ) مطبوعہ امیریہ کبریٰ، بولاق، مصر ۱۳۱۰ھ

291۔ یوسف قرضاوی، اسلام میں حلال وحرام (م) شمس پیرزادہ، الدارالسّلفیہ، بمبئی، انڈیا

292۔ یوسف قرضاوی، فقہ الزکوٰۃ (اردو ترجمہ: ساجد الرحمٰن صدیقی) ادارہ معارف اسلامی، کراچی پاکستان ۱۹۸۱ء

رسائل:

293۔ الاضواء (مجلّہ) شیخ زید اسلامی مرکز نیو کیمپس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔ مارچ ۱۹۹۳ء

294۔ سیارہ ڈائجسٹ (ماہنامہ) چودہ صدیاں نمبر، شمارہ فروری مارچ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۱ء

295۔ عبدالرحیم اشرف (ایڈیٹر)، پندرہ روزہ اعنبر (نفاذ شریعت نمبر)، فیصل آباد، پاکستان، مئی۔ جون ۱۹۹۱ء

296۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) شمارہ مارچ-اپریل ۱۹۸۳ء ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۸۳ء

297۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲ شمارہ:۱ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد جولائی ۱۹۷۴ء

298۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۱ شمارہ:۹ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد مارچ ۱۹۷۴ء

299۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۱ شمارہ:۱۱ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد مئی ۱۹۷۴ء

300۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲ شمارہ:۲ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد اگست ۱۹۷۴ء

301۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۳ شمارہ:۲ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

302۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲شمارہ:۹ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد مارچ ۱۹۷۵ء

303۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۱ شمارہ:۱۲ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد جون ۱۹۷۴ء

304۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲ شمارہ:۱۲ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد مارچ اپریل ۱۹۸۳ء

305۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲ شمارہ:۸ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد فروری ۱۹۷۵ء

306۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۱ شمارہ:۱۰ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد اپریل ۱۹۷۴ء

307۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲ شمارہ:۱۲ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد جون ۱۹۷۵ء

308۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲ شمارہ:۶ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد دسمبر ۱۹۷۴ء

309۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۳ شمارہ:۶ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد دسمبر ۱۹۷۵ء

310۔ فکرونظر (نفاذ شریعت نمبر) ج:۱۲ شمارہ:۳ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ستمبر ۱۹۷۴ء

311۔ ماہنامہ چراغ راہ، (سوشلزم نمبر)، ادارہ معارف اسلامی کراچی دسمبر ۱۹۶۷ء

312۔ ماہنامہ ضیاء حرم (فاروق اعظم نمبر) ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان

313۔ مجیب الرحمٰن شامی، مدیر قومی ڈائجسٹ، فاروق اعظم ج:۵، شمارہ:۱۰، لاہور، پاکستان، مارچ ۱۹۸۳ء

314۔ محمد طفیل (مدیر)، نقوش رسول نمبر، جلد دوم، ادارہ فروغ اردو، لاہور، پاکستان، جنوری ۱۹۸۲ء

315۔ محمد طفیل (مدیر)، نقوش رسول نمبر، شمارہ ۱۳۰، ادارہ فروغ اردو، لاہور، پاکستان، جنوری ۱۹۸۵ء

316۔ محمود الحسن عارف، حکمت قرآن (ماہنامہ) شمارہ نمبر ۸، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان، اگست ۱۹۸۸ء

اخبارات:

317۔ روزنامہ "نیوز" اسلام آباد

318۔ روزنامہ پاکستان، لاہور

319۔ روزنامہ جنگ، لاوہر

320۔ روزنامہ خبریں، لاہور

321۔ روزنامہ ڈان لاہور

322۔ روزنامہ نوائے وقت، لاہور

323۔ روزنامہ نیوز، اسلام آباد

انسائیکلوپیڈیا:

324۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، لیڈن

325۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار، کراچی، پاکستان

326۔ زرعی انسائیکلوپیڈیا، اردو سائنس بورڈ، لاہور پاکستان، ۱۹۸۹ء

327 Encyclopedia of Religion and Ethics.

328 Encylcopaedia Britannica

329 The Encylopedia Amercan Vol-26

رپورٹس:

330۔ وفاقی بجٹ برائے سال ۹۶-۱۹۹۵ء وزارتِ خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد

331۔ وفاقی بجٹ برائے سال ۹۷-۱۹۹۶ء وزارتِ خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد

332۔ وفاقی بجٹ برائے سال ۹۵-۱۹۹۴ء وزارتِ خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد